تورق اور اسلامی بینکوں کا مروجہ طریقہ کار



ایفا پبلیکیشنز

تورق اور اسلامی بینکوں کا مروجہ طریقہ کار



[معاصر دنیا میں اسلامک بینک ضرورت مندوں کو نقد قرض فراہم کرنے کے لئے ایک خاص طریقہ اختیار کرتے ہیں، جسے بعض قدیم فقہی کتابوں میں 'تورق' کہا گیا ہے، اس کو منظم طور پر انجام دینے کے شرعی حکم اور جائز وناجائز ہونے کے حدود کے سلسلہ میں مقالات ومباحث جو انیسویں فقہی سمینار منعقدہ مؤرخہ ۱۲-۱۵ر فروری ۲۰۱۰ء کو جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ گجرات میں پیش کئے گئے]

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

نام کتاب : تورق اور اسلامی بینکوں کا مروجہ طریقہ کار

صفحات : ۵۴۹

قیمت : ۲۰۰؍روپے

طبع اول : مارچ ۲۰۱۱ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublications@gmail.com

فون: 011-26981327

مجلس ادارت

فہرست مضامین

چوتھا باب: مختصر تحریریں

پانچواں باب: اختتامی امور



پیش لفظ

شریعت میں قرض کی حیثیت تبرع اور احسان کی ہے، قرض دینے والا قرض لینے والے سے فائدہ اٹھائے یہ بالکل جائز نہیں اور یہ سود کے دائرہ میں آ جاتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرض پر جو بھی نفع اٹھایا جائے وہ سود ہے۔ "کل قرض جر نفعا فھو ربا"، امام ابوحنیفہؒ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ دھوپ سے بچنے کے لئے اپنے مقروض کے مکان کے سایہ میں بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ کہیں مقروض سے نفع اٹھانے میں اس کا شمار نہ ہو جائے۔

موجودہ دور میں جو اسلامک بینک قائم ہے، ان کے پاس دو طرح کے ضرورتمند آتے ہیں، ایک وہ جن کو مشنریز یا دوسری اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے، بینک اس سامان کو خرید کر ان سے نفع کے ساتھ فروخت کر دیتا ہے یا اپنی ملکیت میں رکھتے ہوئے ان کو استعمال کے لئے دیتا ہے، دوسرے قسم کے ضرورت مند وہ ہیں جن کو نقد روپے کی ضرورت ہوتی ہے، بینک انہیں جو کچھ قرض حسنہ دیتا ہے اس پر نفع نہیں لے سکتا اور جب بینک کو خود نفع حاصل نہ ہو تو وہ اپنے کھاتہ داروں کو کیسے نفع فراہم کر سکتا ہے، اس لئے آج کل بعض بینکوں نے "تورق" کا طریقہ کار اختیار کیا ہے۔

تورق کا سادہ طریقہ یہ تھا کہ "الف"، "ب" سے قرض کا طلبگار ہوتا، "ب" کے پاس نقد رقم موجود نہیں ہوتی، اس لئے وہ کوئی سامان "الف" کو دے دیتا کہ وہ اسے فروخت کر دے اور اس کی قیمت حاصل کر کے اپنی ضرورت کو پوری کر لے، لیکن یہ ایک انفرادی معاملہ ہوتا اور اتفاقی طور پر کبھی پیش آ جاتا، اب صورت حال یہ ہے کہ اسلامی بینک اس کو منظم طریقہ پر استعمال

کرنے لگے اور یہ ایک طرح سے قرض میں نفع حاصل کرنے کی صورت بن گئی۔

اس پس منظر میں اکیڈمی نے اپنے انیسویں فقہی سمینار میں ''تورق'' کے مسئلہ کو بھی غور وفکر کو موضوع بنایا، علماء ہند کے علاوہ مشہور ماہر اسلامی معاشیات ڈاکٹر محی الدین قرۃ داغی نے بھی بحث میں حصہ لیا، ان مباحث، مقالات اور تجاویز کا مجموعہ اس وقت آپ کے سامنے ہے، جسے اکیڈمی کے شعبہ علمی کے رفیق مولانا محمد سراج الدین قاسمی نے مرتب کیا ہے، امید ہے کہ یہ مجموعہ اس مضمون کو سمجھنے میں معاون ہوگا، اہل علم عموماً اور اسلامی معاشیات سے تعلق رکھنے والے خصوصاً اس سے فائدہ اٹھائیں گے، وباللہ التوفیق

۱۶رصفر ۱۴۳۲ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۲۱رجنوری ۲۰۱۱ء — (خادم اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:

تورق اور موجودہ اسلامی بینک

مجمع الفقہ الاسلامی الہند (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کا انیسواں سمینار صوبۂ گجرات کے معروف علمی ادارہ ''جامع مظہر سعادت ہانسوٹ'' میں ۲۷ تا ۳۰ رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۲ تا ۱۵ رفروری ۲۰۱۰ء بروز جمعہ تا دوشنبہ منعقد ہوا۔

اس سمینار میں ملک کے تمام صوبہ جات کے ممتاز علماء، اور مرکزی اداروں کے نمائندوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی، بیرون ملک سے بھی بہت سے علماء کی شرکت رہی، امریکہ، کناڈا، برطانیہ، جنوبی افریقہ کے علاوہ نیپال وایران نیز قطر سے وہاں کے معروف عالم و محقق شیخ علی محی الدین قرہ داغی، اور مصر سے دار الافتاء مصریہ کے نمائندہ ونائب مفتی شیخ احمد ممدوح سعد نے بھی شرکت کی۔

اس سمینار میں پانچ موضوعات میں سے ایک موضوع ''تورق'' سے متعلق درج ذیل تجاویز پاس کی گئیں:

بعض دفعہ انسان کو نقد رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے کوئی قرض دینے والا نہیں ملتا، لہٰذا وہ شخص کوئی مال ادھار زیادہ قیمت پر خرید کر کسی تیسرے شخص کے ہاتھ نقد کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے تاکہ اسے نقد رقم حاصل ہو جائے، یہ صورت دور قدیم سے رائج ہے، فقہاء حنابلہ کے یہاں اس صورت مسئلہ کے لئے ''تورق'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک دو علیحدہ عقد ہونے کی بنا پر یہ صورت جائز ہے۔ دور حاضر میں بعض اسلامی بینک اور مالیاتی ادارے

تورّق کے نام سے بعض معاملات کرتے ہیں جن کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس پس منظر میں سمینار میں غور وخوض اور بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل قراردادیں طے پائیں:

۱- اگر اسلامی بینک یا کوئی اور مالیاتی ادارہ قرض لینے والے کے ہاتھ سامان زیادہ قیمت میں ادھار فروخت کر کے کم قیمت میں خود ہی یا اس کا کوئی ذیلی ادارہ خریدتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔

۲- اگر بینک حقیقت میں خرید وفروخت نہیں کرتا بلکہ یہ صرف کاغذی کارروائی ہوتی ہے تو یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔

۳- اگر اسلامی بینک قرض لینے والے کے ہاتھ اپنا کوئی سامان زائد قیمت میں ادھار فروخت کر کے بے تعلق ہو جائے اور خریدار اس سامان کو قبضہ میں لینے کے بعد اپنے طور پر کسی ایسے شخص کے ہاتھ کم قیمت میں نقد فروخت کر دے جس کا اس بینک سے اس معاملہ میں کوئی تجارتی تعلق نہ ہو تو یہ صورت جائز ودرست ہوگی۔



سوالنامہ

تورق اور موجودہ اسلامی بینک

عام بینک ضرورتمندوں کو سود پر قرض فراہم کرتے ہیں ، یہ قرض بعض دفعہ معاشی مقاصد یا ایسی ضروریات کے لئے لیے جاتے ہیں، جن میں مقروض کا مقصد کسی سامان کا حصول ہوتا ہے، جیسے کارخانہ کے لئے مشینیں، رہائشی ضرورت کے لئے گھر وغیرہ، اور بعض دفعہ قرض طلب کرنے والے کو نقد رقم کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے ملازمین کے لئے تنخواہیں، علاج کے لئے ہسپتال کی فیس وغیرہ۔

اسلامی مالیاتی ادارے پہلی قسم کی مطلوبہ رقم کے لئے مضاربت، شرکت اور زیادہ تر مرابحہ یا اجارہ کا طریقہ استعمال کرتے ہیں، یعنی ضرورت مند شخص اگر کاروبار کے لئے رقم لینا چاہتا ہے تو اسے پارٹنر بنا لیتے ہیں، یا بینک خود مطلوبہ اشیاء خرید کر کے ضرورت مند شخص کو زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتا ہے، اور اگر وہ شئ کرایہ پر لگائی جاسکتی ہو تو وہ بعض اوقات کرایہ پر لگا دیتا ہے؛ لیکن دشواری اس وقت پیش آتی ہے، جب ضرورت مند شخص کو نقد روپیوں کی ضرورت ہو؛ کیوں کہ اگر نقد رقم پر نفع لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ ربا ہو جائے گا۔

اس کے لئے اسلامی بینکوں نے ایک طریقہ ''تورق'' کا اختیار کیا ہے، جس میں بینک خریدار سے کوئی ایسی شئ فروخت کرتا ہے، جس کو بیچ کر ضرورت مند مطلوبہ رقم حاصل کر سکتا ہے، عملی طور پر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے، اور اسے ''ب'' سے ایک لاکھ

روپے نقد میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی رقم حاصل ہو جاتی ہے، اور ''ب'' کو دس ہزار روپیہ نفع مل جاتا ہے، اور عام طور پر ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے ہی دس ہزار روپے نفع حاصل ہوتا ہے۔

تورق کی اس صورت کا ذکر عام طور پر فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتا ہے، جو بظاہر ''بیع عینہ'' سے قریب ہے، فرق یہ ہے کہ بیع عینہ میں خریدار جس شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے، اسی شخص سے کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے، تورق میں ایک شخص سے زیادہ قیمت میں ادھار ایک چیز خرید کرتا ہے اور اس کے بجائے کسی اور شخص سے کم قیمت پر وہی چیز بیچ دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اسلامی بینکوں کے لئے ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کے لئے اس طریقۂ کار کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ شکل کے اعتبار سے یہ محض خرید وفروخت ہے اور مقصد کے اعتبار سے قرض فراہم کی جانے والی رقم پر نفع حاصل کرنا ہے، احکام شریعت میں معاملات کی ظاہری شکل کی بھی اہمیت ہے اور عاقدین کے مقاصد کی بھی۔



تلخیص مقالات:

تورق اور موجودہ اسلامی بینک

مفتی محمد سراج الدین قاسمی ☆

دنیا کے جن ملکوں میں اسلامک بینکنگ کا قیام عمل میں آیا ہے، ان بینکوں میں فائنانس کے لئے تورق کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، تا کہ ایک طرف حاجتمندوں کی حاجت روائی ہو سکے، تو دوسری طرف بینک کے ہونے والے اخراجات کی تلافی ہو سکے، لہذا اس نظام کو بینکنگ نظام میں کلیدی حیثیت حاصل ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے انیسویں سمینار منعقدہ ۱۲-۱۵ر فروری ۲۰۱۰ء ہانسوٹ گجرات کے لئے ایک موضوع تورق سے متعلق منتخب کیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق ارباب افتاء و محققین کے جو مقالات اکیڈمی کو موصول ہوئے ان کی تلخیص پیش خدمت ہے:

لغوی تعریف:

تورق "ورق" سے تفعل کا صیغہ ہے، ورق راء کے فتحہ کے ساتھ پتے کو کہتے ہیں جب کہ راء کے کسرہ کے ساتھ چاندی کو کہتے ہیں خواہ وہ ڈھالی ہوئی ہو یا نہ ہو، قرآن میں ہے: "فابعثوا أحد کم بورقکم هذه إلى المدينة" (کہف:۱۹)، اس کی جمع اوراق اور وراق ہے، اور أورق فلان کا معنی ہے اس کا مال بڑھ گیا، استورق کا معنی ہے ورق کا مطالبہ کیا، (المعجم الوسیط، لسان العرب ۱۰/۳۷۵)۔

☆ رفیق شعبہ علمی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

[مقالہ مفتی عبدالباسط خاں لاہور، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مفتی اقبال ٹنکاروی]۔

اصطلاحی تعریف:

مولانا راشد حسین ندوی لکھتے ہیں: تورق ایک قدیم اصطلاح ہے، لیکن اس کا ذکر پوری صراحت کے ساتھ فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتا ہے دوسرے فقہاء اس کا ذکر ضمناً کرتے ہیں، فقہاء شوافع اس کو زرنقد کہتے ہیں۔

مولانا موصوف نے الانصاف وغیرہ کے حوالہ سے اس کی تعریف ان الفاظ میں نقل کی ہے: "أن يشترى المرء سلعة نسيئة ثم يبيعها نقدا بغير البائع بأقل مما اشترها به ليحصل بذلک على النقد" [دیکھئے مقالہ مولانا ممتاز خاں ندوی، مولانا توقیر بدر، مفتی محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد ابن عبدالحق، مولانا عبداللہ فلاحی]۔

مولانا عبدالباسط خاں الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: تورق بیع کی وہ قسم ہے جس میں نقد رقم کا ضرورت مند ایک شخص سے ادھار چیز مہنگے داموں خریدتا ہے اور پھر اسے بازار میں نقد قیمت پر (جو ادھار قیمت سے کم ہوتی ہے) کسی تیسرے شخص کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور نقد رقم حاصل کر کے اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے چوں کہ اسے نقد رقم (ورق یعنی چاندی) حاصل ہو جاتی ہے اسی مناسبت سے اس معاملہ کو تورق کہتے ہیں (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۱۴؍۱۴۷ تورق کے تحت)، [مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی عارف باللہ، مولانا ارشد شاداب]۔

مولانا سلمان صاحب وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس مسئلے کو تورق کے ساتھ اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ اس میں مشتری کا مقصد بذات خود سامان نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد دراہم حاصل کرنا ہوتا ہے (فقہ المعاملات المصرفیہ ص ۲۷ یوسف الشبیلی)۔

شافعیہ نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے: "أما الزرنقد: فهو أن يشترى الرجل سلعة بثمن إلى أجل، ثم يبيعها من غير بائعها بالنقد ثم قال: وهى العينة

الجائزة (الزاہر ص۲۱۶) [ممتاز خان ندوی]۔

ڈاکٹر محمد علی القری نے ان الفاظ میں اس کی تعریف کی ہے: "التورق هو شراء سلعة لبيعها إلى آخر غير بائعها الأول للحصول على النقد" [مقالہ مفتی اقبال ٹنکاروی]۔

تورق کے سلسلہ میں فقہاء کے مذاہب:

اکثر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ تورق کی یہ صورت کہ کوئی چیز ایک سے ادھار خرید کر دوسرے سے کم قیمت پر نقد بیچی جائے، جمہور علماء یعنی مالکیہ، حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک جائز ہے: "جمهور العلماء على اباحته سواء من سماه تورقاً وهم الحنابلة أو من لم يسمه بهذا الاسم وهم من عدا الحنابلة" (موسوعہ ۱۴۷/۱۴)، البتہ امام احمد ابن حنبل کی ایک روایت جس کو ابن تیمیہ اور ابن القیم نے راجح قرار دیا ہے، یہ ہے کہ تورق حرام ہے (فتاوی ابن تیمیہ ۳۰/۲۹، اعلام الموقعین ۱۷۰/۳) [مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مفتی شوکت ثنا قاسمی]۔

مولانا راشد حسین ندوی لکھتے ہیں کہ دکتور عبداللہ بن محمد نے اپنے مقالہ مذاہب العلماء فی التورق میں تورق کے سلسلہ میں تین اقوال نقل کئے ہیں:

پہلا قول: شافعیہ، حنابلہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔

دوسرا قول: حنفیہ، مالکیہ اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق تورق مکروہ ہے۔

تیسرا قول: امام احمد کی ایک روایت جس کو ابن تیمیہ نے راجح قرار دیا ہے تورق حرام ہے۔

مولانا موصوف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مصنف مذکور نے کتب فقہیہ کے جن عبارتوں کو مستدل بنا کر حنفیہ کی طرف کراہت کی نسبت کی ہے، وہ عبارتیں بیع العینہ سے متعلق ہیں نہ کہ مسئلہ تورق سے۔

جمہور کے دلائل:

۱- ان آیات کا عموم جن میں مطلقا بیوع کو جائز قرار دیا گیا ہے، مثلاً:

الف-"وأحل الله البيع وحرم الربا"(سورۂ بقرہ:۲۷۵)۔

ب-"وقد فصل لكم ماحرم عليكم"(سورۂ انعام:۱۲)۔

ج-"يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم"(سورۂ نساء:۲۹)۔[دیکھئے مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مفتی شوکت ثنا قاسمی]۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:"مظاهر هذه النصوص يقتضي جواز كل بيع إلا ماخص بدليل"(بدائع الصنائع ۵/۱۸۹) [دیکھئے مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مفتی شوکت ثنا قاسمی]۔

۲-"عن أبی سعيد الخدری وأبی هريرة أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر فجاءه بتمر جنيب، فقال رسول الله ﷺ: "أكل تمر خيبر هكذا ؟ قال: لا، والله يا رسول الله، إنا لنا خذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجميع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا"(بخاری کتاب البیوع حدیث:۲۲۰۱)۔

[مقالہ مولانا راشد حسین ندوی، مولانا اختر امام عادل، مولانا محمد شوکت ثنا قاسمی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی]۔

۳-تورق کے جواز کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس میں بیع کے تمام ارکان وشرائط موجود ہیں نیز یہ عقد مفسد عقد یعنی جہالت، دھوکہ اور سود وغیرہ سے خالی ہے، لہذا لوگوں کی مصلحت کے پیش نظر بھی اس کو جائز ہونا چاہئے [مقالہ مولانا شاہ جہاں ندوی]۔

البتہ مولانا راشد صاحب لکھتے ہیں:"جو از هذا البيع مشروط بأن لا يبيع المشترى السلعة بثمن أقل مما اشتراها على بائعها الأول لا مباشرة ولا بالواسطة فإن فعل فقد وقع فى بيع العينة المحرم شرعا لاشتماله على حيلة الربا فصار عقدا محرما"(مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ ص:۸۶ الدکتور عبدالعزیز بن علی بن عزیز)۔

11823

عدم جواز کے دلائل:

۱-"عن علی أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع المضطر وبيع الغرر"

(ابوداؤد حدیث:۳۳۸۲)۔

ان حضرات نے تورق کو بھی بیع مضطر قرار دیا ہے۔

[مولانا راشد حسین ندوی، مفتی شوکت ثنا قاسمی، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا شاہ جہاں ندوی]۔

۲-"إنما الأعمال بالنيات" (بخاری حدیث:۱)۔

۳-ابن القیم فرماتے ہیں: **"فإن عامة العينة إنما تقع من رجل إلى مضطر إلى نفقة يضن بها عليه الموسر بالقرض حتى يربح عليه فى المأة ما أحب وهذا المضطر إن أعادالسلعة إلى بائعها فهى العينة وإن باعها لغيره فهو التورق، وإن رجعت إلى ثالث يدخل بينهما فهو محلل الربا، والأقسام الثلاثة يعتمدها المرابون أخفها التورق وقد كرهه عمر بن عبد العزيز وقال: هو أخية الربا وعن أحمد فيه روايتان وأشار فى رواية الكراهة إلى أنه مضطر وهذا من فقهه رضى الله عنه قال: فإن هذا لايدخل فيه إلا مضطر وقال المعنى الذى لأجله حرم الربا موجود فيها بعينه مع زيادة الكلفة بشراء السلعة وبيعها والخسارة فيها، فالشريعة لا تحرم الضرر الأدنى وتبيح ما هو أعلى منه"** (اعلام الموقعین ۳/ ۱۸۲)[مولانا راشد حسین ندوی، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مفتی اقبال ٹنکاروی]۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: **"إن التورق أصل الربا فإن الله حرم أخذ دراهم بدراهم أكثر منها إلى أجل لما فى ذلك ضرر المحتاج وأكل ماله بالباطل وهذا المعنى موجود فى هذه الصورة وإنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى، وإنما الذى أباحه الله البيع والتجارة وهو أن يكون المشترى**

غرضه أن يتجر فيها، فأما إذا كان قصده مجرد الدراهم بدراهم أكثر منها فهذا لا خير فيه" (فتاوی ابن تیمیه ۲۹/ ۴۳۳) [مفتی شوکت ثنا قاسمی]۔

فریقین کے مستدلات کا ایک جائزہ:

۱- جمہور نے آیت بیوع کے عموم سے استدلال کیا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: "لكن الأخذ بظواهر النصوص مقبول ما لم يدل دليل على المنع وقد ورد في السنة ما يدل على منع بيع العينة ومنها التورق"۔

۲- جمہور کے مسلک کی تائید میں حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث پیش کی گئی ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لكن هذا الحديث ظاهر في أن العقد الثاني ليس مع العاقد الأول فيختلف عن أحاديث بيع العينة ولا يقصد به المراباة وإن تم العقد الثاني مع غير العاقد الأول، خلافاً للتورق الذي يقصد به مجرد الحصول على الدراهم وأن التعاقد حيلة أو عملية صورية واضحة الدلالة والهدف"۔

عدم جواز کے قائلین نے جن نصوص سے استدلال کیا ہے، بعض مقالہ نگار نے اس پر بھی نقد کیا ہے۔

چنانچہ حضرت علیؓ کی جس روایت سے عدم جواز پر استدلال کیا گیا ہے اس سے استناد ہی درست نہیں کیوں کہ سندا یہ روایت ضعیف ہے۔ علامہ خطابی لکھتے ہیں: "وفي إسناد الحديث رجل مجهول لا ندري من هو" (معالم السنن ۳/ ۷۵)۔ علامہ منذری فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہے، علامہ عبدالحق فرماتے ہیں: یہ حدیث ضعیف ہے، علامہ ابن القطان فرماتے ہیں صالح بن عامر اور تیمی دونوں مجہول ہیں، (عون المعبود ۷/ ۳۶۶) [مقالہ مولانا شاہ جہاں ندوی، مفتی محمد شوکت ثنا قاسمی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مولانا راشد حسین ندوی]۔

دیگر یہ کہ اس بیع کو بیع مضطر سے موسوم کرنا بھی محل نظر ہے، کیوں کہ بیع المضطر کی تعریف خطابی نے معالم السنن میں اور ابن الاثیر نے النہایہ فی غریب الحدیث والأثر میں ان الفاظ میں کی ہے: "بيع المضطر يكون من وجهين: أحدهما أن يضطر إلى العقد من طريق الإكراه عليه فهذا فاسد لا ينعقد، والثاني أن يضطر إلى البيع لدين يركبه أو مؤنة ترهقه فيبيع ما في يده بالوكس من أجل الضرورة" (معالم السنن ۵/۲۷، النہایہ ۳/۸۲)۔

[مولانا عبیداللہ فلاحی ندوی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مولانا راشد حسین ندوی]۔

ان حضرات نے "إنما الأعمال بالنيات" اور "الأمور بمقاصدها" سے بھی استدلال کیا ہے۔

اس سلسلے میں مختلف مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ان اصولوں پر فقہ کے بہت سے ابواب کی بنیاد ہے۔ لیکن یہاں غور کرنے کی ضرورت یہ ہے کہ تورق کا مقصد کیا ہے۔ سود حاصل کرنا یا سود سے بچنا، درحقیقت اس کی صورت کی مشابہت جنیب تمر والی روایت سے ہے کہ وہاں ظاہری شکل میں تبدیلی کرکے ایک صاع کے بدلہ دو صاع حاصل کرنے کی صورت اختیار کی گئی ہے، یہاں بھی شکل میں تبدیلی کرکے دس کے بدلے پندرہ حاصل کئے جارہے ہیں [مقالہ مولانا راشد حسین ندوی]۔

اس نکتہ پر امام ماوردی نے بھی بحث کی ہے، اور امام شافعی کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما الجواب عن قولهم أنه ذريعة إلى الربا الحرام فغلط بل هو سبب يمنع من الحرام وما منع من الحرام كان ندباً (الحاوی الکبیر)۔

[مفتی عبدالباسط خاں پاکستان، مولانا ارشد شاداب]۔

تورق کے سلسلہ میں عرب علماء کی رائیں:

بعض مقالہ نگار حضرات نے تورق کے جواز پر رابطہ عالم اسلامی اور دیگر علماء کی رائیں بھی نقل کی ہیں:

رابطہ عالم اسلامی کی المجمع الفقہ الاسلامی نے پندرہویں اجلاس منعقدہ رجب ۱۴۱۹ھ میں جو قرار دادیں پاس کی ہے ان میں ایک یہ تھی، "أن بيع التورق هذا جائز شرعا، وبه قال جمهور العلماء، لأن الأصل فى البيوع الإباحة، لقول الله تعالى أحل الله البيع وحرم الربا، ولم يظهر فى هذا البيع ربا لا قصدا ولا صورة ولأن الحاجة داعية إلى ذلك لقضاء دين أو زواج أو غيرهما"، البتہ اس قرار داد میں یہ شرط بھی موجود ہے۔ "جواز هذا البيع مشروط بأن لا يبيع المشترى السلعة بثمن أقل مما اشتراها به على بائعها الأول، لا مباشرة ولا بالواسطة"۔

[دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحبؒ، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی عبدالباسط خاں]

نیز اللجنة الدائمة للبحوث العلمیہ والافتا میں فتوی نمبر ۱۶۴۰۲ کے جواب میں تحریر کیا ہے: أما مسألة التورق فمحل خلاف والصحيح جوازها۔

اسی طرح سعودیہ عربیہ کے مفتی شیخ محمد بن ابراہیم، شیخ عبداللہ بن باز اور شیخ صالح عثیمن نے بھی چند شرائط کے ساتھ جواز کا فتوی دیا ہے (مجلة البحوث الفقهيه المعاصرة العدد السابع والأربعون ص: ۲۵۶)۔ [مقالہ مولانا سلمان پالنپوری، مولانا عبداللہ حسن فلاحی]۔

لیکن شیخ عبداللہ بن باز لکھتے ہیں: "هذا القول الراجح إن شاء الله عند الحاجة إليها أما عند الاستغناء عنه فالأولى تركها خروجا من خلاف العلماء واحتياطا للدين وابتعادا عن اشتغال الذمة بما قد يشق تخليصها منه" (مجموع فتاوی ابن باز ۱۹/۹۹)۔

بینک میں رائج تورق:

جہاں تک بینک میں تورق کی رائج صورتوں کا ذکر ہے تو اکثر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے

کہ بینک میں رائج تورق کی صورت تورق ہے ہی نہیں، وہ بیع عینہ ہے جس کو جمہور علماء نے ممنوع قرار دیا ہے، اس لئے تورق حرام ہے، بعض مقالہ نگاروں نے ضرورۃ تورق کی اجازت دی ہے، تاکہ ضرورت مندوں کے لئے قرض کا حصول آسان ہو سکے، جبکہ بعض مقالہ نگاروں نے بینک میں تورق کی جو صورتیں مروج ہیں ان صورتوں کا ذکر کیا ہے، اور ان کا حکم الگ الگ بیان کیا ہے، بعض صورتیں جو تورق کے تحت آتی ہیں ان کو جائز قرار دیا ہے، اور وہ صورتیں جو بیع عینہ کے تحت آتی ہیں ان کو ممنوع اور ناجائز قرار دیا ہے۔

چونکہ بینک کے تورق کو جن مقالہ نگاروں نے ناجائز قرار دیا ہے انہوں نے عام طور سے بیع عینہ کی حرمت کو اپنے استدلال میں پیش کیا ہے اور بعض مقالہ نگاروں نے تفصیل سے بیع عینہ کی تعریف، ان کی قسموں اور ان کے احکام بیان کئے ہیں، جو پیش خدمت ہے:

بیع عینہ کی تعریف:

ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب لکھتے ہیں: صحابہ کرام وفقہاء عظام نے عینہ کی مختلف تعریفیں کی ہیں: حضرت ابن عباس نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے: "**أن يبيع الرجل حريرة بمأة ثم يشتريها بخمسين**" (اعلاء السنن ۱۴/۱۷۰، باب العینہ)۔

روایت حدیث میں میں بھی عینہ کا لفظ وارد ہوا ہے: "**عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلالا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم**" (ابوداؤد باب فی النہی عن العینۃ) [مفتی اقبال قاسمی]۔

علامی شامی لکھتے ہیں: "**اختلف المشائخ فی تفسير العينة التی ورد النهی عنها، قال بعضهم تفسيرها: أن يأتی الرجل المحتاج إلى آخر ليستقرضه عشرة دراهم ولا يرغب المقرض فی الاقراض طمعا فی فضل لا يناله بالقرض فيقول: لا أقرضک ولكن أبيعک هذا الثوب إن شئت باثنی**"

عشر درهما وقيمته فى السوق عشرة ليبيعه فى السوق بعشرة فيرضى به المستقرض فيبيعه كذلك فيحصل لرب الثوب درهمان وللمشترى قرض عشرة" (شامی ۷/ ۵۴۱-۵۴۲)۔

[مولانا ظفر الاسلام، مولانا محمد شوکت ثنا قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا صبیح اختر، مولانا امداد اللہ قاسمی]۔

جب کہ بعض فقہاء عظام نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:
"وقال بعضهم: هى أن يدخل بينهما ثالثا فيبيع المقرض ثوبه من المستقرض باثنى عشر درهما ويسلمه إليه ثم يبيعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ويسلمه اليه ويأخذ منه العشرة ويدفعها للمستقرض فيحصل للمستقرض عشرة ولصاحب الثوب عليه اثنا عشر درهما كذا فى المحيط" (شامی ۷/ ۵۴۲)
[مقالہ ڈاکٹر ظفر الاسلام، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی]۔

الموسوعۃ الفقہیہ (۹/ ۹۶ طبع کویت) میں ان الفاظ میں تعریف کی گئی ہے: "أن يبيع سلعة: بثمن إلى أجل معلوم ثم يشتريها نفسه نقدا بثمن أقل، وفى نهاية الأجل يدفع المشترى الثمن الأول والفرق بين الثمنين فضل هو ربا للبائع الأول"
[مقالہ ڈاکٹر ظفر الاسلام]۔

بیع عینہ سے متعلق فقہاء عظام کے نقاط نظر:

امام شافعی اور امام ابو یوسف کے علاوہ تقریباً تمام فقہاء کا بیع عینہ کے عدم جواز پر اتفاق ہے۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں: "إن من باع سلعة بثمن موجل ثم اشتراها بأقل منه نقداً لم يجز فى قول أكثر أهل العلم روى ذلك عن ابن عباس، وعائشة، والحسن، وابن سيرين، والشعبى، وبه قال أبو الزناد وأصحاب الرأي ولأن ذلك ذريعة إلى الربا" (المغنی ۴/ ۱۹۳-۱۹۴) [مولانا صبیح اختر قاسمی، مولانا اختر امام عادل]۔

البتہ امام ابو یوسف سے عدم کراہت کا قول منقول ہے۔

وقال أبو یوسف: لا یکره هذا البیع لأنه فعله کثیر من الصحابة وحمده علی ذلک ولم یعدوه من الربا (ردالمحتار ۵/۳۲۵) [مقالہ مفتی عارف باللہ قاسمی]۔

امام ابو یوسف نے بیع عینہ کو جائز قرار دیا ہے، جب کہ امام محمد سے اس کی کراہت منقول ہے امام محمد فرماتے ہیں: "هذا البیع فی قلبی کأمثال الجبال اخترعه آکلة الربا" (مولانا اختر امام عادل، مفتی اشرف]۔

شامی نے ان دونوں کی قولوں کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے:

"إن الذی یقع فی قلبی انه ان فعلت صورة یعود فیها الی البائع جمیع ما أخرجه أو بعضه.......فیکره یعنی تحریما، فإن لم یعد کما إذا باعه المدیون فی السوق فلا کراهة فیه بل خلاف الأولی وجعله السید أبو السعود محمل قول أبی یوسف وحمل قول محمد والحدیث علی صورة العود" (ردالمحتار ۷/۴۸۱) [مقالہ مولانا اختر عادل قاسمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا لطیف الرحمن صاحب]۔

علامہ شامی کے اس تحقیق کے بعد بیع عینہ کے سلسلہ میں صرف دو مکاتب فکر باقی رہتے ہیں، ایک جمہور کا جن کے نزدیک مکروہ ہے، دوسرے متقدمین شوافع کا جن کے نزدیک بیع عینہ جائز ہے، متاخرین شوافع کے نزدیک بھی بیع عینہ مکروہ ہے۔

چنانچہ مفتی عبدالباسط خاں لکھتے ہیں کہ شافعی مسلک میں بیع عینہ جائز ہے حتی کے بائع اول پابند کرے مشتری اول کو کہ وہ کم قیمت پر اسے ہی فروخت کرے، البتہ متاخرین شوافع مثلاً زکریا انصاری، شربینی اور رملی وغیرہ بیع عینہ کی کراہت کے قائل ہیں (الحاوی الکبیر ۵/۲۸۹، مغنی المحتاج ۲/۳۹)۔

جمہور کے دلائل:

دارقطنی میں ہے: عالیہ فرماتی ہیں:" دخلت أنا وأم ولد زید بن أرقم علی

عائشة فقالت أم ولد زيد بن أرقم إني بعت غلاماً من زيد بثمان مأة درهم إلى العطاء ثم اشتريته منه بستمأة درهم نقداً فقالت لها: بئس ما اشتريت وبئس ماشريت أبلغي زيدا أن جهاده مع رسول الله ﷺ بطل إلا أن يتوب" (دارقطنی ۳/۵۲)
[مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا حذیفہ محمود]۔

حضور ﷺ سے منقول ہے، آپ نے فرمایا: " إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلالا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم" (ابوداؤد) [مفتی اقبال قاسمی، مفتی شوکت ثنا قاسمی]۔

بینکوں میں تورق کی رائج صورتیں:

بعض مقالہ نگاروں نے ان صورتوں کو بھی ذکر کیا ہے جو بینک میں ان دنوں رائج ہیں:

مفتی عبدالباسط خاں لکھتے ہیں: تورق کی دو تقسیمات ہیں:

تقسیم اول: ۱- تورق حقیقی: جس میں باقاعدہ بائع، مشتری اور تیسرا شخص معاملات کرتے ہیں [مقالہ مولانا شاہ جہاں ندوی، مفتی اقبال ٹنکاروی]

۲- تورق صوری: جس میں محض صورۃ کوئی چیز ضرورت مند شخص خریدتا ہے اور بغیر قبضہ کے محض کاغذی کاروائی کے ذریعہ بالواسطہ طور پر اس پہلے شخص کے کسی ایجنٹ یا جاننے والے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے جس کو بائع اول خود متعین کرتا ہے، اور مشتری مبیع پر نہ تو قبضہ کرتا ہے اور نہ مشتری ثانی [مفتی عارف باللہ قاسمی]۔

تقسیم دوم: ۱- تورق فردی: اس کو تورق حقیقی بھی کہتے ہیں، جس کا ذکر اوپر گزرا، یہ عموماً افراد کے درمیان ہوتا ہے اور فرد اس سے متمتع ہوتا ہے، اس لئے اسے تورق فردی کہتے ہیں۔

مولانا سلمان صاحب نے اس کو تورق بسیط سے تعبیر کیا ہے۔

۲- تورق منظم: جس میں نقد کی ضرورت مند شخص کے لئے بائع تورق کے تمام امور کا اہتمام کرتا ہے، چنانچہ ضرورت مند شخص جب بائع سے مہنگے داموں ادھار قیمت پر کوئی چیز خرید

لیتا ہے تو یہی بائع اس شخص کی طرف سے وکیل بن کر اس کی چیز کو آگے نقد پر فروخت کر دیتا ہے۔ اور خریدنے والے سے چیز کی قیمت لے کر ضرورت مند شخص کے حوالہ کر دیتا ہے۔

[مولانا شاہ جہاں، مفتی اقبال ٹنکاروی، مولانا سلمان پالنپوری]

۳- بینکاری تورق: یہ تورق منظم ہی کی ایک صورت ہے جس میں بینک متورق کی طلب پر بازار سے نقد چیز خرید کے متورق کو ادھار پر مہنگے داموں فروخت کر دیتا ہے اور پھر متورق کی طرف سے بطور وکیل کے اس چیز کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ نقد کم قیمت پر فروخت کر کے رقم متورق کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دیتا ہے، یہ تیسرا شخص بینک ہی سے متعلق ہوتا ہے۔ یہ مرابحہ عکسیہ براہ راست انویسٹمنٹ اور انویسٹمنٹ بطریق وکالۃ وغیرہ ناموں سے جاری ہے۔

تورق مقلوب: یہ بینکاری تورق ہی کی ایک قسم ہے، البتہ اس میں بینک متورق ہوتا ہے اور بینک کا اکاونٹ ہولڈر بائع اول ہوتا ہے وہ بینک کو ادھار پر مہنگے داموں چیز بیچتا ہے جو بینک ہی اولا وکالۃ انٹرنیشنل مارکیٹ یا نیشنل مارکیٹ سے خریدتا ہے اور بینک اس چیز کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ نقد فروخت کر دیتا ہے، یوں نقد بینک کے پاس آجاتی ہے۔

تورق کی ان قسموں کے احکام:

۱- تورق فردی تورق حقیقی ہے، جس کا حکم اور فقہاء کے اختلافات ابتدائی صفحات میں گزر چکے۔

۲- تورق منظم: مفتی عبدالباسط صاحب لاہور لکھتے ہیں: تورق منظم کی اصطلاح موجودہ دور میں رائج ہوئی ہے، البتہ اس کی حقیقت فقہاء سلف کے دور میں بھی موجود تھی، پھر انہوں نے بعض تابعین فقہاء مثلاً سعید بن المسیب، الحسن بن یسار البصری، امام مالک اور امام احمد کے فتاوی نقل کئے ہیں، مثلاً:

داؤد بن عاصم ثقفی کہتے ہیں: میں نے سعید بن میتب سے پوچھا کہ میری بہن نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے لئے بیع عینہ کا معاملہ کرنے کے لئے کسی کو تلاش کرو، میں نے ان سے کہا:

میرے پاس گندم ہے، پھر میں نے وہ گندم سونے کے بدلے ان سے ادھار فروخت کر دی۔ اور انہوں نے اس پر قبضہ کر بھی لیا، پھر مجھ سے کہنے لگیں اب کوئی ایسا شخص تلاش کرو جو مجھ سے یہ گندم نقد خرید لے، میں نے کہا: میں خود آپ کی طرف سے فرخت کر دیتا ہوں چنانچہ یہ گندم وکالۃ میں نے ان کی طرف سے فروخت کر دی۔

سعید بن المسیب نے پوچھا: کیا تم ہی اس گندم کے اصل مالک نہ تھے؟ میں نے کہا: میں ہی اس کا اصل مالک تھا، تو ابن المسیب نے فرمایا: "**فذلک الربا محضا فخذ رأس مالک واردد إليها الفضل**" (مصنف عبدالرزاق حدیث: ۱۵۲۷۳، ۸/ ۲۹۵) [مفتی عبدالباسط، مفتی اقبال ٹنکاروی]۔

۲- کسی نے حسن بصری سے پوچھا: میں ریشم فروخت کرتا ہوں، کوئی دیہاتی مرد یا عورت ریشم مجھ سے خریدتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے بازار میں اب تم ہی نقد فروخت کر دو، کیوں کہ بازار کا ہمیں علم نہیں۔

حسن بصری نے فرمایا: "**لا تبعه ولا تشتره ولا ترشده إلا أن ترشد إلى السوق**" (مصنف عبدالرزاق ۸/ ۲۹۵) [مقالہ مفتی عبدالباسط]۔

۳- امام مالک سے کسی نے پوچھا ایک شخص سو دینار کے بدلے ایک چیز ادھار فروخت کرتا ہے جب بائع اور مشتری میں معاملہ طے پا جاتا ہے تو خریدار فروخت کنندہ سے کہتا ہے کہ میری طرف سے اس چیز کو نقد فروخت کر دیجئے، امام مالک نے فرمایا: **لا خير فيه** (المدونۃ الکبری ۴/ ۱۲۵) [مفتی عبدالباسط]۔

۴- امام محمد لکھتے ہیں: "**ولو باعه لرجل، لم يكن ينبغي له ان يشتريه بأقل من ذلک قبل أن ينقد لنفسه ولا لغيره بل ولا ينبغي للذى باعه أن يشتريه أيضا بأقل من ذلک لنفسه ولا لغيره، لأنه هو البائع**" (کتاب الأصل ۴/ ۵۵۶، ۵۵۷) [مقالہ مفتی عبدالباسط، مفتی اقبال ٹنکاروی]

تورق منظّم کے سلسلہ میں رابطہ عالم اسلامی کے فیصلے:

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اپنے سترہویں سمینار مورخہ ۱۷/ ۱۲/ ۲۰۰۳ء میں تورق سے متعلق درج ذیل فیصلے کیے:

۱۔ أن التزام البائع فی عقد التورق بالوكالة فی بيع السلعة لمشتر آخر أو ترتيب من يشتريها يجعلها شبيهة بالعينة الممنوعة شرعاً، سواء أكان الالتزام مشروطاً صراحةً أم بحكم العرف والعادة المتبعة.

۲۔ أن هذه المعاملة تؤدی فی كثير من الحالات إلى الأخلال بشروط القبض الشرعی اللازم لصحة المعاملة.

۳۔ أن واقع هذه المعاملة يقوم على منح تمويل نقدی بزيادة لما سمی بالمستورق فيها من المصرف فی معاملات البيع والشراء التی تجری منه والتی هی صورية فی معظم أحوالها، هدف البنک من إجرائها أن تعود عليه بزيادة على ما قدم من تمويل، وهذه المعاملة غير التورق الحقيقی المعروف عند الفقهاء [مقالہ مفتی عبدالباسط]۔

تورق مقلوب:

مفتی عبدالباسط خاں لکھتے ہیں: یہ تورق مقلوب عام تورق اور مرابحہ سے زیادہ نقصاندہ ہے، اس لئے کہ تورق منظّم میں فروختگی کا معاملہ مکمل ہونے کے بعد عمیل بینک کو دوبارہ فروختگی کے لئے وکیل بناتا ہے جب کہ تورق مقلوب میں بینک کی توکیل ابتداء ہی میں شامل ہے، نیز تورق منظّم میں دائن (بینک) طرف ثالث سے نقد وصول کر کے مدین کو دیتا ہے اور تورق مقلوب میں مدین (بینک) دائن کو وکالتہً فروختگی کے بعد رقم دیتا ہے۔

تورق مقلوب کے بارے میں مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ: " ان هذه المعاملة تدخل فی مفهوم التورق المنظم وقد سبق للمجمع ان قرر تحريم

التورق المنظم بقراره الثانى فى دورته السابعة عشرة وما علل به منع التورق المصر فى من علل يوجد فى هذه المعاملة" [مفتی عبدالباسط]۔

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے اپنے انیسویں اجلاس منعقدہ ۲۶-۳۰ اپریل ۲۰۰۹ء میں تورق مقلوب کے بارے میں درج ذیل تجاویز پاس کیں:

"لا يجوز التورقان (المنظم والعكسى) وذلك لأن فيها تواطؤا بين الممول والمستورق صراحة أوضمنا أوعرفا تحايلا لتحصيل النقد الحاضر بأكثر منه فى الذمة وهو ربا" [مقالہ مفتی عبدالباسط]۔

اس تفصیل کے بعد مقالہ نگار حضرات کی آراء ونقاط نظر پیش خدمت ہے، اس سلسلہ میں تین نقاط نظر پائے جاتے ہیں:

پہلا نقطہ نظر:

بعض مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ اسلامی بینکوں کے ذریعہ کئے جانے والے جن معاملات کو تورق کا نام دیا گیا ہے، وہ تورق ہے ہی نہیں، بلکہ بیع عینہ کی شکل ہے، جو جمہور کے نزدیک حرام ہے۔

مفتی اقبال ٹنکاروی لکھتے ہیں: تورق کی موجودہ رائج تمام اقسام بیع عینہ میں داخل ہے، لہذا وہ تمام صورتیں جس میں مدین کی جہت سے سود متحقق ہوتا ہو، سامان بائع اول کے پاس آتا ہو یا نہ آتا ہو تمام کو عینہ کہا جائے گا، چاہے اس کا نام ثنائیہ، ثلاثیہ، تورق عکسی، تورق منظم، مقلوب التورق یا بیع الوفا یا بیع التلجئہ ہو۔

[مولانا شاہد علی قاسمی، توقیر بدر قاسمی، مولانا صبیح اختر قاسمی، مولانا حذیفہ]۔

البتہ مولانا عطاء اللہ قاسمی نے لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے بیع عینہ کو جو جائز قرار دیا ہے، اس کو انفرادی صورت حال پر محمول کیا جا سکتا ہے [مفتی ابوبکر قاسمی]۔

مولانا محمد عثمان بستوی لکھتے ہیں: تورق کی جو شکل سوال میں مذکور ہے اس کا اختیار کرنا

شرعاً جائز نہیں اور جو شکل اس کے علاوہ ہے وہ بھی کراہت سے خالی نہیں، اس لئے اس کی بھی اجازت نہیں۔

مولانا قاضی عبدالجلیل صاحب لکھتے ہیں:

عینہ یا تورق کی جو شکل سوال میں مذکور ہے، صریح سودی کاروبار ہے، اس بیع کو حیلہ بنایا جارہا ہے، اس میں قرض دے کر سود حاصل کرنا مقصود ہے، اس لئے یہ معاملہ حرام ہے۔

[مفتی اشرف صاحب، مولانا راشد صاحب]۔

مولانا عبداللطیف صاحب لکھتے ہیں: صورت مسئلہ میں دوسری بیع جائز نہیں ہے، ہدایہ میں ہے:"ومن اشترى جارية بألف درهم حالة أو نسيئة فقبضها ثم باعها من البائع بخمس مأة قبل أن ينقد الثمن لا يجوز البيع الثاني"(ہدایہ ۳/۵۷)۔

مولانا راشد حسین صاحب لکھتے ہیں: موجودہ دور کے محققین نے اگرچہ تورق کو جائز قرار دیا ہے، لیکن بینک کے تورق کو ناجائز قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر نزیہ لکھتے ہیں:"أما إذا كان الشخص الثالث أي مشترى السلعة من العميل المتورق وكيلا عن البائع في شرائها أو مشتريا....... فلا يجوز عندئذ هذه المعاملة لأنها تكون عينة في الحقيقة وإن كانت تورقا صوريا"۔

نیز اس میں دیگر ایسی چیزیں بھی موجود ہیں جو بنص صریح حرام ہے۔ مثلاً:

۱-"نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة" (ترمذی حدیث:۱۲۳۱)

۲-"عن ابن مسعود قال: نهى رسول الله ﷺ عن صفقتين في صفقة" (مسند احمد ۱/۳۹۸)[مقالہ مولانا راشد صاحب]۔

مولانا راشد صاحب لکھتے ہیں: اس میں ایک عقد بیع دوسرا عقد سلف یا عقد بیع اور دوسرا عقد شرط ہے۔

دوسرا نقطہ نظر:

بعض مقالہ نگار حضرات نے بینکوں میں رائج تورق کے اقسام کے احکام کے درمیان فرق کیا ہے، تورق منظم کو تو بالکلیہ حرام قرار دیا ہے جب کہ تورق فردی کو بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، ان حضرات نے مجموعی طور پر درج ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

۱- بینک سامان کا واقعتاً مالک ہو اور مبیع پر اس کا قبضہ ہو۔

۲- مشتری کو قرض کی ضرورت ہو اور اس کو قرض دیگر ذرائع سے نہ مل سکے۔

۳- اس کو بیع کی حقیقتاً ضرورت ہو۔

۴- مشتری اس وقت سامان فروخت کرے جب کہ اس کے قبضے میں مبیع حقیقتاً آجائے۔

۵- مشتری بینک یا اس سے متعلق ادارے سے سامان نہ بیچے۔

۶- بینک ادھار دیتے وقت مدت ادائیگی کو واضح اور متعین کردے۔

۷- عقد بیع میں منافی بیع کوئی شرط نہ ہو اور نہ ہی اس عقد میں شبہ ربا پایا جائے۔

[مولانا شاہ جہاں ندوی، مفتی عارف باللہ قاسمی، شیخ کلیم اللہ عمری، مفتی شوکت ثنا قاسمی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری]۔

تیسرا نقطہ نظر:

بعض مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ بیع عینہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، اسی سے ملتی جلتی شکل تورق کی ہے لہذا قرض خواہ مشتری کے اضطرار کو دیکھتے ہوئے تورق کو جائز قرار دیا جانا چاہئے، عرب علماء میں اس نقطۂ نظر کے قائلین شیخ عبداللہ المنیع، موسی آدم عیسی، اور دکتور اسامہ بحر ہیں، ڈاکٹر عزالدین خوجہ لکھتے ہیں: "فذهب بعضهم إلى القول بالجواز..... من فضيلة الشيخ عبد الله المنيع، والدكتور موسى آدم

عیسی، والأستاذ أسامة بحر"۔

مولانا ابوسفیان صاحب مفتاحی لکھتے ہیں: حنفیہ کے نزدیک بیع عینہ جائز ہے اور اسی سے ملتی جلتی شکل تورق کی بھی ہے، لہذا وہ بھی جائز ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں: "**العینة جائزة ماجور من عمل بها**" (شامی ۴ر۲۷۷)، لہذا صورت مسئولہ جائز ہے [مولانا شیر علی گجراتی]۔

مولانا افتخار احمد مفتاحی لکھتے ہیں: ربا سے بچنے کے لئے امام ابو یوسف کے قول کو مدنظر رکھتے ہوئے جواز کا فیصلہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔[مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مولانا ذکاء اللہ شبلی]

ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب نے بڑی تفصیل سے تورق کے جواز کے قائلین اور عدم جواز کے قائلین کے دلائل نقل کئے ہیں جس کا کچھ حصہ گزر چکا ہے اخیر میں موصوف لکھتے ہیں: ایک طرف ربا اور شبہ ربا سے احتراز کی تاکید آئی ہے، دوسری طرف قرض خواہ کا اضطرار اپنی جگہ ایک حقیقت رکھتا ہے اور اضطرار سے احکام میں تخفیف ہوتی ہے، اس لئے تورق کے جواز کی گنجائش ملنی چاہئے۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں: سوالنامہ میں مذکورہ صورت تورق کی ہے بیع عینہ کی نہیں، اس لئے جمہور علماء کی رائے کے مطابق یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے۔



عرض مسئلہ:

تورق اور موجودہ اسلامی بینک

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

مجھے تورق کے مسئلہ پر عرض مسئلہ کی ذمہ داری دی گئی ہے، اس سلسلہ میں اکیڈمی کی طرف سے ۴۳ مقالات موصول ہوئے ایک مقالہ المعہد العالی کے طالب علم نے حوالہ کیا، مقالہ نگار حضرات کی آراء اختصار کے ساتھ ذیل میں مذکور ہے:

۱-ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی:

ڈاکٹر صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ اعلاء السنن، ردالمحتار، الموسوعۃ الفقہیہ، فتح القدیر، الشرح الکبیر، اوجز المسالک، الجامع لاحکام القرآن، ابن کثیر، فتاوی ابن تیمیہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، کشاف القناع، فتح الباری، عمدۃ القاری، المغنی لابن قدامہ، الدسوقی، الفروع، قدوری، الانصاف، عالمگیری، بدائع الصنائع، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی اور کشاف اصطلاحات الفنون وغیرہ کتابوں سے مختلف فقہاء کی عبارتیں نقل کی ہیں، جن میں تورق اورعینہ کی تعریف اوران کا حکم بیان کیا گیا ہے، پھرلکھا ہے کہ ایک طرف ربایا شبہ ربا ہے جو قرآن وحدیث میں ممنوع ہے، دوسری طرف ضرورت مند کا اضطرار ہے، جس کی وجہ سے بہت سی حرام اشیاء بھی اس کے لئے حلال ہو جاتی ہیں، پھر بڑی خوبصورتی کے ساتھ واضح کیا ہے کہ تورق کو جائز ہونا چاہئے۔

☆ امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

۲-مولانا عبدالتواب اناوی:

مولانا نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ دونوں بیع الگ الگ ہیں، اس لئے جائز ہیں، ضرورت مند کی ضرورت بھی پوری ہو جاتی ہے، اور بینک کے اخراجات کا نظم بھی ہو جاتا ہے، اس لئے کوئی حرج نہیں ہے، جائز ہے۔

۳-مولانا محمد مغفور باندوی:

انہوں نے تورق کے مسئلہ کو ذکر نہیں کیا ہے، عینہ کی بحث حنفیہ اور حنابلہ کی کتابوں سے نقل کی ہے، اور جواز کو راجح قرار دیا ہے، اس لئے تورق بھی ان کے نزدیک جائز ہے۔

۴-مولانا ابوسفیان مفتاحی:

مولانا نے لکھا ہے کہ بیع عینہ حنفیہ کے یہاں ناجائز ہے جبکہ امام ابویوسف کے یہاں جائز ہے، تورق اسی سے قریب ہے اس لئے جائز ہے۔

۵-مولانا افتخار احمد مفتاحی:

مولانا کے نزدیک یہ بیع عینہ سے ملتی جلتی شکل ہے، امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے، سود سے بچنے کے لئے یہ حیلہ اختیار کیا جاتا ہے، اس لئے جواز کا فیصلہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۶-مولانا امداد اللہ قاسمی:

تورق بیع عینہ سے ملتی جلتی صورت ہے، ردالمحتار کے حوالہ سے پوری تفصیل ذکر کی ہے، بیع عینہ صحیح ہے، البتہ کراہت مختلف فیہ ہے، اس لئے تورق خلاف اولی ہوگا۔

۷-مولانا عبیداللہ ندوی:

مولانا نے تورق کی وضاحت کرنے کے بعد اختلاف نقل کیا ہے، دونوں فریق کے دلائل تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد جواز کا رجحان ظاہر کیا ہے، عدم جواز کے قائلین کے

استدلال کا جواب بہتر طریقہ پر دیا ہے، لیکن سوال میں مذکور صورت کو ناجائز قرار دیا، اس کو تورق کہنا مشکل ہے، البتہ اگر ذیلی ادارہ ''ب'' کو مرکزی ادارہ ''الف'' کا وکیل مان لیا جائے تو جواز کا فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر حلال دروازہ نہیں کھولا گیا تو لوگ سودی اور حرام دروازے تلاش کرلیں گے۔

۸-مفتی رضوان الحسن مظاہری:

مولانا نے سود کی برائیاں واضح کی ہیں، پھر لکھا ہے کہ بیع الوفاء، بیع سلم، استصناع اور نقد، ادھار خرید وفروخت کی اجازت ہے، تورق میں بینک قرض دیتا ہے، مقروض اگر کچھ اضافی رقم دیتا ہے تو خود حضور اکرم ﷺ نے بھی قرض لیا تھا اور اضافہ کر کے دیا تھا، اور دوسرے لوگوں کو بھی بہتر طریقہ سے ادائیگی کا حکم دیا ہے، پھر مولانا نے قرض دینے کے فضائل ذکر کئے ہیں، پھر لکھا ہے کہ تورق کے مقابلہ میں عینہ کی صورت غیر واضح ہے، حنفیہ مطلقا اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں، پھر بھی امام ابو یوسف نے اس کو صرف جائز ہی نہیں کہا ہے بلکہ اس پر عمل کرنے والے کو ماجور کہا ہے، اس لئے اس باب میں امام ابو یوسف وامام شافعی کے قول کو اختیار کرنا بہتر ہوگا، یہ اس صورت میں ہے جبکہ تورق کو قرض کہا جائے، اگر اس کو بیع قرار دیا جائے تب تو ادھار خرید و فروخت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ خرید وفروخت کے لئے فقہاء نے جو شرطیں لگائی ہیں ان کی رعایت ضروری ہوگی۔

۹-مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی اعظمی:

مولانا نے بینکوں کے اختیار کردہ تورق کو جائز قرار دیا ہے، البتہ مبیع پر قبضہ کرنا شرط ہے، بظاہر یہ بیع عینہ کے مشابہ ہے مگر دونوں میں فرق ہے، عینہ میں بائع ہی کم دام میں خرید لیتا ہے جبکہ تورق میں دوسرا آدمی خریدتا ہے، وہ اگرچہ بینک سے منسلک ہے مگر مقروض کے حق میں تو غیر ہی ہے، تورق صراحۃ بیع ہے، پہلی بیع مرابحہ ہے، دوسری بیع وضعیہ ہے، پھر مولانا نے ایک اصول بیان کیا ہے کسی چیز کے جائز ہونے کے لئے دو امور ملحوظ رہیں: مقصد تو بہتر ہو اور اس کے

لئے طریقہ بہتر اختیار کیا جائے، اپنی ضرورت پوری کرنے کے مقصد سے یہ کام کیا جاتا ہے، اس کے لئے طریقہ بیع اور شرعی حیلہ کو اختیار کیا جاتا ہے، اور اگر اس کو قرض مان لیا جائے تو قرض لے کر اضافہ کے ساتھ ادا کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے، اس لئے طریقہ تورق جائز ہے۔

۱۰-مولانا اختر امام عادل:

مولانا نے لکھا ہے کہ مالیاتی اداروں نے سود سے بچنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے کہ کوئی چیز ادھار خرید کر دوسرے سے کم قیمت میں نقد فروخت کی جائے یا ادھار خرید کر پھر اسی سے کم قیمت میں نقد فروخت کی جائے، پہلی صورت تورق ہے، دوسری بیع عینہ ہے، پہلی صورت جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے، پہلی صورت کے بارے میں امام محمد کی طرف کراہت کی نسبت کی گئی ہے، مگر علامہ شامی نے جو تطبیق دی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام محمد کے نزدیک دوسری صورت مکروہ ہے۔

دوسری صورت کے بارے میں امام شافعی جواز کے قائل ہیں، جبکہ جمہور علماء، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ناجائز ہے، امام محمد نے اس کو سود خوروں کی ایجاد قرار دیا ہے، مولانا کے نزدیک جمہور فقہاء کا مذہب زیادہ مضبوط اور لائق ترجیح ہے، اس کے باوجود مولانا لکھتے ہیں کہ سوالنامہ میں مذکورہ صورت تورق کی ہے، بیع عینہ کی نہیں ہے، اس لئے جمہور علماء کی رائے کے مطابق یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے۔

۱۱-مفتی شیر علی گجراتی:

تورق میں مستقرض، مقرض سے ایک شی خریدتا ہے، پھر قبضہ کے بعد اس کو کسی تیسرے سے فروخت کر دیتا ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اگر بیع عینہ میں ثالث درمیان میں آجائے تو بالاتفاق جائز ہے، امام ابو یوسف نے اس کو باعث اجر قرار دیا ہے، زیادہ سے زیادہ اس کو خلاف اولی قرار دیا جا سکتا ہے۔

۱۲-مولانا ذکاء اللہ شبلی:

مولانا نے دوسطروں میں سوال میں مذکور صورت کو جائز قرار دیا ہے، کوئی بحث نہیں کی ہے۔

۱۳-مولانا عبدالقیوم پالنپوری:

مولانا نے عینہ کے بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف کتابوں سے نقل کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ اگر بینک سے خرید کر دوسرے سے فروخت کرے تو جائز ہے، اگر بینک سے خرید کر پھر بینک سے بیچ دے تو ناجائز ہے۔

۱۴-مولانا فاروق دربھنگوی:

مولانا نے بھی عینہ کے بارے میں کتابوں میں مذکور تعریفات اور ان کے بارے میں فقہاء کی آراء ذکر کرنے کے بعد خلاصہ کیا ہے کہ اگر بینک سے خرید کر پھر بینک سے ہی فروخت کردے تو ناجائز ہے، اور اگر کسی دوسرے سے بیچے تو خلاف اولی ہے، مگر جائز ہے۔

۱۵-مولانا عبداللطیف پالنپوری:

مولانا نے شامی کے حوالہ سے عینہ کی تعریف اور امام ابو یوسف و امام محمد کا اختلاف نقل کیا ہے، آخر میں علامہ ابن الہمام نے جو تطبیق دی ہے، اس کو لکھا ہے، سوال میں مذکور صورت کے بارے میں خود اپنی کوئی رائے ذکر نہیں کی ہے۔

۱۶-مولانا صبیح اختر قاسمی:

مولانا نے سوال میں مذکور صورت کو بیع عینہ کی ایک شکل قرار دیا ہے، پھر بیع عینہ کی چند صورتیں جو علامہ شامی نے ذکر کی ہیں لکھا ہے اور کہا ہے کہ امام شافعی اور امام ابو یوسف کے علاوہ تمام فقہاء کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے، اس لئے سوال میں مذکور تورق بھی ناجائز و حرام ہوگا۔

۱۷-حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی:

شیخ نے لکھا ہے کہ تورق کے بارے میں علماء کے فتاوی موجود ہیں، جن لوگوں نے اس

کو جائز کہا ہے ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ مشتری بائع اول کو بلاواسطہ یا بالواسطہ خریدی ہوئی قیمت سے کم میں فروخت نہ کرے، سوال نامہ میں جو صورت ہے وہ عینہ کی صورت ہے، جو ممنوع ہے، پھر رابطہ عالم اسلامی کی تجویز ذکر کی ہے۔

۱۸- مولانا سلمان پالنپوری:

مولانا نے تورق بسیط اور تورق منظم کا ذکر کیا ہے، پھر اس میں اختلاف بیان کیا ہے، پھر عینہ کی بحث کی ہے، ان کا مقالہ پانچ صفحات پر مشتمل ہے، اتفاق سے آخری صفحہ مجھے نہیں مل سکا، اس لئے سوالنامہ میں مذکور تورق کے بارے میں ان کی رائے کا علم مجھے نہیں ہو سکا۔

۱۹- مولانا مصطفیٰ قاسمی:

مولانا کی رائے ہے کہ تورق حرام ہے، بڑے زوردار انداز میں انہوں نے اس کی حرمت وشناعت ظاہر کی ہے، قرآنی آیات واحادیث اور فقہی عبارتوں سے استدلال کیا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ بہت سی آیات واحادیث کا تعلق اس مسئلہ سے مجھ کو سمجھ میں نہیں آسکا۔

۲۰- مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی:

مولانا نے شامی، اعلاء السنن اور الفقہ الاسلامی وادلتہ کے حوالہ سے بیع عینہ کی چار صورتیں نقل کی ہیں، ان میں سوال میں مذکور صورت بھی ہے، اور سب کو ناجائز کہا ہے، تورق کی ایک صورت ذکر کی ہے، اور اس کو جائز قرار دیا ہے، ارباب بینک کو مشورہ دیا ہے کہ اسی کو اختیار کریں، یعنی بینک ننانوے ہزار روپئے تو قرض دے دے اور ایک ہزار روپئے کا مثلاً گندم گیارہ ہزار روپئے میں ادھار مدت کی تعیین کے ساتھ دے دے، انہوں نے اس کے لئے اعلاء السنن کی عبارت نقل کی ہے۔

۲۱- مولانا محمد شاہجہاں ندوی:

مولانا نے الفقہ الاسلامی وادلتہ کے حوالہ سے تورق کی تعریف نقل کی ہے، پھر لکھا ہے

کہ جمہور فقہاء کے یہاں جائز ہے، بیع کے صحیح و جائز ہونے پر آیت، حدیث اور قیاس سے استدلال کیا ہے، دوسرا مذہب کراہت کا نقل کیا ہے، اس کی نسبت امام احمد بن حنبل اور امام محمد بن الحسن شیبانی کی طرف کی ہے۔

تیسرا مذہب حرمت کا نقل کیا ہے، یہ امام احمد کی ایک روایت، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کا مذہب ہے، حرمت کی دلیل ذکر کرنے کے بعد اس کو رد کیا ہے، مولانا کے نزدیک تورق جائز مگر خلاف اولی ہے، پھر مولانا نے تورق کی دو قسمیں کی ہیں، تورق حقیقی اور تورق منظّم، پہلی قسم جائز ہے، سوالنامہ میں جو صورت ہے وہ تورق منظّم کی ہے، یہی بیع عینہ بھی ہے، اور حرام ہے۔

۲۲-مولانا ممتاز خاں ندوی:

مولانا نے تورق کی تعریف کی ہے، پھر لکھا ہے کہ وہ جمہور کے نزدیک جائز ہے، جو لوگ ناجائز کہتے ہیں ان کے دلائل کمزور ہیں، سوالنامہ میں مذکور تورق دراصل عینہ ہے، سود نیز مقتضاء عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

۲۳-مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی:

مولانا نے لکھا ہے کہ تورق جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے، عینہ کے بارے میں اختلاف نقل کیا ہے، خود مولانا نے تورق کو جائز کہا ہے، سوال میں مذکور صورت ممنوع عینہ والی شکل ہے، اس لئے ناجائز ہے۔

۲۴-مفتی راشد حسین ندوی:

مولانا نے تورق کی تفصیل بیان کی ہے، اور لکھا ہے کہ وہ جائز ہے، وہ سود حاصل کرنے کے لئے حیلہ نہیں ہے، بلکہ سود سے بچنے کے لئے حیلہ ہے، البتہ سوال میں مذکور تورق دراصل تورق نہیں ہے بلکہ عینہ ہے، جو سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس میں سود لینے کے لئے حیلہ ہے۔

۲۵-مولانا نعیم اختر قاسمی:

مولانا نے لکھا ہے کہ تورق اور عینہ میں غیر شرعی معاملہ کو حیلہ کے ذریعہ جائز بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، انفرادی معاملہ میں بوقت ضرورت آخری چارہ کار کے طور پر حیلہ اختیار کرنے کی گنجائش ہے، اجتماعی معاملہ میں حیلہ کو بنیادی حیثیت دے دینا مناسب نہیں ہے، اس لئے یہ ناجائز ہے، عینہ کو جن فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، وہ بوقت ضرورت انفرادی صورت حال پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

۲۶-مولانا سید باقر ارشد قاسمی:

مولانا نے علامہ شامی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی کتابوں سے عینہ کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں، پھر لکھا ہے کہ اگر فروخت شدہ چیز بائع کے پاس تیسرے آدمی کے واسطہ سے لوٹ آئے تو مکروہ ہے، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، اگر لوٹ کر نہ آئے تو جائز ہے، اگر بائع خود کم قیمت میں خرید لے تو حرام ہے۔

۲۷-مولانا خورشید احمد اعظمی:

مولانا نے بیع عینہ کی مختلف صورتیں اور ان کے بارے میں فقہاء کے اختلافات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اگر کم قیمت کا سامان زیادہ قیمت میں ادھار فروخت کرے تو جائز ہے، اگر خود بینک خرید لے تو جائز نہ ہوگا، اسی طرح اگر خریدار اس معاہدہ کے ساتھ زیادہ قیمت پر ادھار لے کر بینک سے کم قیمت پر نقد فروخت کرے تو یہ بھی ناجائز ہوگا، دونوں گنہگار ہوں گے۔

۲۸-مولانا عطاء اللہ قاسمی:

مولانا نے درمختار اور ردالمحتار کی عبارتیں ذکر کی ہیں، اور واضح کیا ہے کہ سوال میں مذکور تورق کی جو صورت ہے وہ مشتبہ بلکہ ناجائز ہے۔

۲۹-مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی:

مولانا نے بیع عینہ وتورق کی تفصیل ردالمحتار کے حوالہ سے کی ہے، چار صورتیں ذکر کی

ہیں، ان کے بارے میں فقہاء کے اختلاف کو بڑی خوبصورتی وجامعیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، پھر دوصورتوں کے بارے میں امام ابو یوسف و امام محمد کے درمیان اختلاف نقل کیا ہے، پھر علامہ شامی کی تطبیق ذکر کی ہے، امام شافعی کے یہاں جائز ہے، ان کے دلائل ذکر کئے ہیں، پھر آخر میں لکھا ہے کہ بینک اور برانچ بینک کی حیثیت کو متعین کرنا ہوگا، اگر دونوں کا تعلق غلام وآقا کی طرح ہے تو بینکوں کا طریقہ کار شافعیہ کے مذہب کے مطابق صحیح اور حنفیہ کے یہاں کراہت سے خالی نہیں ہوگا، اور اگر تعلق ایسا ہے کہ ایک کی منفعت سے دوسرے کو کوئی فائدہ نہیں ہے تو حنفیہ کے نزدیک بھی بلا کراہت جائز ہوگا، مولانا نے اپنا کوئی رجحان ظاہر نہیں کیا ہے۔

۳۰- مفتی محمد معز الدین قاسمی:

مفتی صاحب نے تورق اور بیع عینہ کے بارے میں امام ابو یوسف سے جواز کا قول نقل کرنے کے بعد اس کے حرام ہونے پر حضرات صحابہ کرام وفقہاء کرام کی آراء نقل کی ہیں، پھر آخر میں اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ بیع عینہ کی تمام صورتیں ممنوع ہیں۔

۳۱- مولانا اشتیاق احمد اعظمی:

مولانا نے لکھا ہے کہ سوال نامہ میں تورق کی جو صورت ذکر کی گئی ہے وہ بیع عینہ کی صورت کے مماثل ہے، بیع عینہ ممنوع ہے، بظاہر دونوں میں فرق محسوس ہوتا ہے کہ بیع عینہ میں بائع ہی خریدار بن جاتا ہے، جبکہ سوال میں مذکور صورت میں بائع خریدار نہیں بنتا ہے، بلکہ دوسرا آدمی خریداری کرتا ہے، مگر چونکہ دونوں بینک کے ملازم ہیں اس لئے اشخاص کے بدل جانے کے باوجود بائع ومشتری الگ نہیں ہیں، یہ دراصل بیع نہیں ہے بلکہ قرض پر نفع کمانا مقصود ہے، جو ناجائز ہے، پھر مولانا نے تفصیل کے ساتھ بیع عینہ کے بارے میں فقہ وفتاوی میں مذکور آراء ذکر کی ہیں، پھر آخر میں اپنی رائے ذکر کی ہے، کہ مسئولہ صورت عدم جواز کی ہے۔

۳۲- مفتی اشرف قاسمی:

مولانا نے بیع عینہ کی تعریف کرنے کے بعد اس کے ناجائز ہونے کی صراحت کی ہے،

پھر فقہاء کی عبارتیں اور بعض احادیث کو ذکر کیا ہے، عینہ کے حرام ہونے کی اصل وجہ اس کا سودی قرض ہونا قرار دیا ہے اور اسی کے جواز کے لئے بیع کا حیلہ اختیار کیا گیا ہے، پھر تورق کی تعریف کی ہے، سوال میں مذکور تورق کو بیع عینہ کے مشابہ قرار دے کر اس کو حرام قرار دیا ہے، اس لئے کہ مذکورہ تورق بھی دراصل سود حاصل کرنے کی ایک شکل ہے۔

۳۳-ڈاکٹر مفتی حافظ عبدالباسط خان:

ڈاکٹر صاحب کا مضمون معلومات افزاء ہے، انہوں نے تورق کی تعریف کی ہے، اس کے متقارب توریق کو ذکر کیا ہے جس کا معنی سودی قرض حاصل کرنا ہے، پھر عینہ کا ذکر کیا ہے، انہوں نے عینہ کی پانچ قسمیں ذکر کی ہیں، پھر عینہ کا حکم لکھا ہے کہ اس کی تمام قسمیں امام شافعی کے علاوہ جمہور فقہاء کے یہاں ناجائز ہیں، کیونکہ یہ سودی معاملات کا دروازہ کھولتی ہیں، علامہ ابن قیم نے تو ایک صورت کو بدترین قرار دیا ہے، پھر تورق کی دو تقسیم کی ہے، پہلی تقسیم میں ایک تورق حقیقی ہے، جس میں بائع مشتری اور ایک تیسرا شخص حقیقت میں معاملات طے کرتے ہیں، اس میں دراصل دو عقد ہوتے ہیں، پہلے عقد میں نقد رقم کا ضرورت مند کسی سے کوئی چیز مہنگی قیمت میں ادھار خریدتا ہے دوسرے عقد میں ضرورت مند اپنی مقبوضہ چیز کو بازار میں کم قیمت میں نقد فروخت کرتا ہے۔ دوسری قسم تورق صوری ہے، جس میں کوئی شخص ایک چیز خریدتا ہے پھر قبضہ کے بغیر محض کاغذی کارروائی کے بعد وہ چیز پہلے شخص کے ایجنٹ یا جاننے والے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، وہ قبضہ نہیں دلاتا ہے، اس لئے کہ خود اس کا قبضہ اس چیز پر نہیں ہوتا ہے۔

دوسری تقسیم میں ایک تورق فردی ہے، یہ وہی تورق ہے جس کو پہلی تقیسم میں تورق حقیقی سے تعبیر کیا گیا ہے، دوم: تورق منظم: اس میں بائع تورق کے ضرورت مند شخص کے لئے تمام امور کے انجام دینے کا اہتمام کرتا ہے، ضرورت مند شخص جب مہنگے دام میں کوئی چیز ادھار خرید لیتا ہے تو یہی بائع اس کی طرف سے وکیل بن کر اس چیز کو کم دام میں نقد فروخت کر دیتا ہے، اور ضرورت مند کو حوالہ کر دیتا ہے۔

سوم: بینکاری تورق: یہ تورق منظم ہی ہے، اس میں بینک، بائع اور وکیل بنتا ہے، اور کم دام میں فروخت کر کے ضرورت مند کے اکاؤنٹ میں جمع کر دیتا ہے۔

چہارم: تورق مقلوب: اس میں بینک کا اکاؤنٹ ہولڈر بائع اول ہوتا ہے، بینک اس سے ادھار مہنگے دام میں خرید کر کسی دوسرے سے نقد کم دام میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح بینک کو رقم مل جاتی ہے۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے بینکاری تورق کی قسمیں اور تورق فردی کی مشہور قسمیں ذکر کی ہیں، پھر تورق فردی اور تورق منظم میں فرق بیان کیا ہے، پھر فقہاء کی آراء ذکر کی ہیں، لکھا ہے کہ تورق فردی کے بارے میں امام احمد کے دو اقوال منقول ہیں: ایک جواز کا، ایک کراہت کا، تاہم علماء حنابلہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جواز کا قول ہی راجح ہے، البتہ امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم نے اس کو حرام قرار دیا ہے، پھر عبارتیں ذکر کی ہیں۔

امام شافعی جب عینہ کے جواز کے قائل ہیں تو تورق فردی کے جواز کے قائل بدرجہ اولی ہوں گے۔

مالکیہ کی تصریحات سے بعض حضرات نے سمجھا ہے کہ تورق فردی ان کے یہاں ناجائز ہے، جبکہ دوسرے حضرات ان کی عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تورق فردی ان کے یہاں جائز ہے، ڈاکٹر صاحب نے ان عبارتوں کو بھی ذکر کیا ہے خود ڈاکٹر صاحب کا رجحان معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں مالکیہ کے نزدیک تورق فردی جائز ہے۔

حنفیہ میں متقدمین اصحاب ترجیح وتخریج نے تورق کو عینہ کی ہی ایک شکل قرار دیا ہے، علامہ سرخسی، نسفی، زیلعی کی عبارتوں سے یہی مفہوم ہوتا ہے، ان حضرات کے نزدیک عینہ اور تورق میں کوئی فرق نہیں ہے، عینہ بشمول تورق مکروہ تحریمی ہے، پھر امام محمد کا قول نقل کیا ہے دوسری طرف امام ابو یوسف سے عینہ کا جواز منقول ہے؛ بلکہ انہوں نے اس کو باعث اجر قرار دیا ہے، پھر علامہ ابن ہمام کی تطبیق کو ذکر کیا ہے کہ امام محمد کا قول عینہ سے متعلق ہے، اور امام ابو یوسف کے قول

کا تعلق تورق سے ہے۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے حاصل لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک تورق جائز ہے، الموسوعۃ میں بھی یہی لکھا ہے، مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ نے بھی اپنی تجویز میں اس کو جائز قرار دیا ہے، پھر تجویز کی عبارت نقل کی ہے۔

تورق منظم سعید بن المسیب، حسن بصری، امام مالک اور امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے، مجمع الفقہ الاسلامی نے بھی اس کو اپنی تجویز میں ناجائز کہا ہے، پھر ڈاکٹر صاحب تورق مقلوب کے عدم جواز اور اس کی وجوہات ذکر کرنے کے بعد مجمع الفقہ الاسلامی کی تجاویز کو ذکر کیا ہے پھر خلاصہ لکھا ہے کہ تورق فردی جائز ہے، بیع عینہ ناجائز ہے، تورق منظم اور تورق مقلوب بھی ناجائز ہے۔

۳۴- مفتی عبدالرحیم قاسمی:

مفتی صاحب نے چند سطروں میں تورق کو جائز اور عینہ کو ناجائز لکھا ہے اور فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کا حوالہ دیا ہے۔

۳۵- مفتی عارف باللہ قاسمی:

مفتی صاحب نے بہت سلیقہ کے ساتھ اس مسئلہ کے ہر پہلو کو واضح کیا ہے، تورق کی تعریف کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ فقہاء کے نزدیک جائز ہے، امام محمد، امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم وغیرہ سے جو ناجائز ہونا منقول ہے وہ دراصل عینہ کی شکل ہے جس میں مال بلاواسطہ یا بالواسطہ لوٹ کر بائع اول کے پاس آجاتا ہے، اور ان کی عبارتوں سے اس کی وضاحت کی ہے، پھر مفتی صاحب نے تورق کے جواز کے لئے چار شرطیں ذکر کی ہیں:

۱- بائع ومشتری ثانی دونوں حقیقۃ یا حکما ایک ہی شخص یا ادارہ نہ ہوں تاکہ یہ بیع عینہ نہ ہو جائے جو ممنوع ہے۔

۲- بائع اول حقیقی خریداری اور شرعی قبضہ کے بعد مشتری اول کے ہاتھ فروخت کرے

اسی طرح مشتری اول اس پر شرعی قبضہ کے بعد مشتری ثانی سے فروخت کرے، پھر مفتی صاحب نے بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے کے دلائل ذکر کیے ہیں۔

۳- مال بائع اول تک کسی تیسرے کے واسطہ سے نہ پہنچ جائے، اس کو علامہ ابن الہمام، علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے ممنوع قرار دیا ہے۔

۴- مال مشتری ثانی کے ہاتھ فروخت کرنے کی ذمہ داری بائع اول پر نہ ہو، نہ صراحۃً ہو نہ عرف کے اعتبار سے ہو، پھر مفتی صاحب نے بینکوں میں مروج کچھ صورتوں کو ذکر کیا ہے جن میں بعض کو ناجائز اور بعض کو بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، مفتی صاحب نے سوال میں مذکور صورت کے بارے میں صراحتاً اپنی رائے ظاہر نہیں کی ہے، مگر ان کی ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں محسوس ہوتا ہے کہ سوال میں مذکور صورت ان کے نزدیک ناجائز و حرام ہے۔

۳۶- مولانا خورشید انور اعظمی:

مولانا نے سوال میں مذکور تورق کو بیع عینہ قرار دیا ہے، اور واضح کیا ہے کہ بیع عینہ میں اگر سامان بائع اول کے پاس لوٹ آئے تو مکروہ تحریمی ہے، ورنہ جائز ہے، پھر تورق حقیقی کو جائز اور سوال میں مذکور صورت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

۳۷- مولانا ابوبکر قاسمی:

مولانا نے تورق حقیقی اور بیع عینہ کی تعریف کی ہے، تورق کو جائز اور بیع عینہ کو ناجائز قرار دیا ہے، سوال میں مذکور تورق کو بیع عینہ قرار دیا ہے، بینکوں کے لئے ناجائز قرار دیا ہے، البتہ ضرورت مند کے لئے بدرجہ مجبوری اجازت دی ہے۔

۳۸- مولانا شوکت ثنا قاسمی:

مولانا نے تورق کی تعریف کی ہے، بیع عینہ کو تورق سے ملتی جلتی شکل قرار دیا ہے، پھر علامہ شامی کے حوالہ سے اس کی مختلف تعریفات نقل کی ہیں، پھر لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک تورق جائز ہے، حضرت عمر بن

عبدالعزیز، امام محمد بن الحسن الشیبانی، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، فقہاء مالکیہ اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک تورق ناجائز ہے، پھر جائز قرار دینے والوں کے دلائل قرآن وحدیث سے ذکر کیا ہے، پھر ناجائز قرار دینے والوں کے دلائل ذکر کیے ہیں، اوران کے دلائل کورد کیا ہے کہ جن احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے، وہ معلول ہیں، نیز اس کا تعلق تورق سے نہیں ہے بلکہ بیع عینہ سے ہے، پھر آخر میں انہوں نے منظم شکل میں تورق کی اجازت دینے کو نامناسب قرار دیا ہے، البتہ حقیقی بیع تورق کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس کے لئے انہوں نے چند شرائط کو ذکر کیا ہے:

۱-مستورق کو واقعی نقد کی ضرورت ہو، ۲-ضرورت مند شخص کے لئے دوسرے مباح طریقہ مثلاً قرض حسنہ کے ذریعہ رقم حاصل کرنا ممکن نہ ہو، ۳-عقد میں بیع کے منافی کوئی شرط نہ ہو، نہ اس میں شبہ ربا ہو، ۴-فروخت کرتے وقت وہ چیز بائع کی ملکیت اور قبضہ میں ہو، ۵-مشتری قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرے، ۶-بائع اول سے فروخت نہ کرے، اسی طرح اگر بائع کوئی بینک یا ادارہ ہوتو سامان نہ اس بینک یا ادارہ سے فروخت کرے نہ اس کے وکیل یا منسلک ادارہ سے فروخت کرے۔

۳۹-مولانا شاہد علی قاسمی:

مولانا نے بینک میں رائج تورق کی صورت ذکر کر کے اس کو بیع عینہ قرار دیا ہے، پھر اس کو ناجائز قرار دے کر اس کے دلائل ذکر کئے ہیں، لکھا ہے کہ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ناجائز ہے، امام شافعی کے یہاں جائز ہے، پھر اپنی رائے واضح کی ہے کہ وہ سود کا ذریعہ ہے، نیز ثمن کے ضمان میں داخل ہونے سے قبل اس سے فائدہ اٹھانا ہے، اس لئے ناجائز ہے۔

۴۰-مولانا ارشد شاداب:

انہوں نے تورق کی تعریف، تورق وعینہ میں فرق واضح کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ تورق کے بارے میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں: ایک جواز کی، دوسری کراہت کی، البتہ عام فقہاء

حنابلہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک کے نزدیک تورق جائز ہے، شافعیہ کے نزدیک عینہ جائز ہے، حنفیہ میں تورق امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے، عینہ امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے، پھر خلاصہ لکھا ہے کہ تورق تمام فقہاء کے یہاں جائز ہے، عینہ امام شافعی کے علاوہ دوسرے فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے، امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کے نزدیک تورق بھی ناجائز ہے، پھر وضاحت کی ہے کہ سوال میں مذکورصورت تورق نہیں ہے بلکہ عینہ ہے اور ناجائز ہے۔

۴۱-مولانا محمد موسیٰ شمسی قاسمی:

تورق کی تعریف کر کے لکھا ہے کہ تمام فقہاء کے یہاں جائز ہے، پھر عینہ کی تعریف کر کے لکھا ہے کہ امام شافعی کے علاوہ تمام فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے، پھر فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں، تورق وعینہ میں فرق واضح کیا ہے، سوال میں مذکورصورت کو بیع عینہ قرار دیا ہے جو جمہور فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے۔

۴۲-مولانا توقیر بدر:

تورق کی تعریف کر کے لکھا ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے، پھر عینہ کی تعریف کر کے لکھا ہے کہ امام شافعی کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے، پھر مختلف کتابوں سے عبارتیں نقل کی ہیں، دونوں فریق کے دلائل ذکر کئے ہیں، امام شافعی کے دلائل کا جواب دیا ہے، سوال میں مذکورصورت کو عینہ قرار دے کر جمہور کے نزدیک اس کا ناجائز ہونا بیان کیا ہے۔

۴۳-مولانا نوشاد:

تورق کی تعریف اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا جائز ہونا ذکر کیا ہے، پھر عینہ کی تعریف کر کے لکھا ہے کہ امام شافعی کے علاوہ کسی کے یہاں جائز نہیں ہے، امام شافعی اور جمہور فقہاء کے دلائل ذکر کرنے کے بعد امام شافعی کے استدلال کا جواب دیا ہے اور سوال میں مذکور صورت کو بیع عینہ قرار دے کر اس کو ناجائز کہا ہے۔

۴۴-عبدالجلیل قاسمی:

میں نے بھی اپنے مقالہ میں سوال میں مذکورصورت کوعینہ قرار دیا ہے، امام شافعی سے منقول ہے کہ عینہ جائز ہے، علامہ شامی نے امام ابو یوسف کی طرف عدم کراہت کی نسبت کی ہے، لیکن علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اگر سامان کل یا اس کا کچھ حصہ لوٹ کر بائع کے پاس آجائے تو مکروہ تحریمی ہوگا، ورنہ اگر خریدار وہ سامان بازار میں فروخت کردے تو خلاف اولی ہوگا، کراہت نہیں ہوگی، امام ابو یوسف کے قول کا تعلق اسی صورت سے جس میں مال لوٹ کر بائع کے پاس نہ آئے۔

خلاصہ بحث:

ان تمام مقالات کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تورق کو اس کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ خریدار کو نقد رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لئے وہ کوئی سامان ادھار خرید کر نقد فروخت کردیتا ہے، ورنہ وہ ایک عام بیع ہے، کسی سامان کو خریدی ہوئی قیمت سے زیادہ میں، کم میں یا اسی قیمت میں فروخت کرنا جائز ہے، اسی طرح نقد فروخت کرنا اور ادھار فروخت کرنا بھی جائز ہے، تورق میں اس عام بیع کے علاوہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ امام محمد جس بیع کو انتہاء درجہ کا حرام اور سود خوروں کی ایجاد قرار دیں اس کے بارے میں امام ابو یوسف فرمائیں کہ وہ مکروہ بھی نہیں ہے، اس لئے علامہ شامی نے ان کی طرف عدم کراہت کی نسبت کی ہے، ناقابل فہم ہے۔

علامہ ابن ہمام نے تطبیق دی ہے، انہوں نے جس بیع کو خلاف اولی کہا ہے، اس کی نسبت امام ابو یوسف کی طرف کی ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام ابو یوسف نے اس کو باعث اجر قرار دیا ہے، یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جس بیع میں ایک مجبور شخص کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے فقہاء اس کو خلاف اولی کہیں امام ابو یوسف اس کو باعث اجر قرار دیں، اور صحابہ اس پر عمل کریں۔

امام ابو یوسف جس بیع کو باعث اجر قرار دے رہے ہیں میرے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی کسی ضرورت سے کسی کے پاس قرض لینے کے لئے جائے، اس کے پاس اتفاق سے نقد رقم نہ ہو وہ قرض دینے سے انکار نہ کرے بلکہ اس کو کہے کہ میرے پاس سامان ہے اس کو لے جاؤ اور فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرو، اس صورت میں اس کا اپنا سامان ضرورت مند کے ہاتھ فروخت کرنا اس کے لئے باعث اجر ہوگا غالباً امام ابو یوسف کی مراد یہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب



دوسرا باب

تعارف مسئلہ

تورق اور مالیاتی اداروں میں اس کے عملی اطلاق کا ڈھانچہ

مولانا شعیب جوسب☆

مقصد:

فقہاء کرام نے تورق کے تصور اور قانون سے متعلق زمانہ دارز تک بحث ومباحثہ کیا ہے، مگر اب جاکر اس چیز کو عملی طور پر اپنایا گیا ہے اور وسیع انداز میں اس کا نفاذ عمل میں آیا ہے، تورق کا تصور یہ ہے کہ اس میں فائنانس، انویسمنٹ اور سیال پروڈکٹس کے انتظام کا خاکہ تیار کیا جاتا ہے، اس میں عملی اطلاق اور اس کے مختلف خاکے پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ موجودہ مسائل کا حل ڈھونڈھا جاسکے، اور جو اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ذریعہ اختیار شدہ شرعی قوانین کے مطابق ہو۔

تورق کی تعریف:

تورق کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ایک شخص (مستورق) مؤجل قیمت پر کچھ اشیائے تجارت خریدتا ہے پھر وہ اس سے کم قیمت پر فوری ادائیگی کے لئے تیسری پارٹی سے اس چیز کو بیچ دیتا ہے۔

تورق ''ورق'' سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں ''چاندی'' چاہے وہ چاندی ڈھلی ہوئی ہو یا بغیر ڈھلی ہوئی، چنانچہ تورق کا مطلب ہے چاندی چاہنا (یعنی چاندی کا درہم) جب زمانہ ماضی میں چاندی کا درہم کرنسی کے طور پر مستعمل ہوتا تھا لیکن آج کل تورق کا مطلب ہوگا، پیسہ

☆ سابق شریعہ اڈوائزر ابسا بینکس، بارکلیز بینکس، shoayb@shariah.co.za۔

طلب کرنا، کرنسی ہو یا نہ ہو، جدید اقتصادی اصطلاح میں تورق کا مطلب ہوا ''سیال اثاثہ کی طلب میں خاص اشیاء کی فروختگی''اس لئے معاملہ تورق کا اصل مقصد سیال اثاثے کا حصول ہے۔

تورق کی قسمیں:

۱-قدیم اور روایتی تورق:

اس میں ایک شخص (مستورق) کریڈٹ پر اشیاء کی خریداری کرتا ہے تا کہ ان اشیاء کو وہ کم قیمت میں کسی تیسرے شخص سے پیسے (Cash) کے بدلے بیچے۔

۲-منظّم تورق:

منظّم تورق کی تعریف یہ ہے کہ یہ اسلامی قوانین کے مطابق تورق کے نظریہ وتصور کے مطابق پیسے کے حصول کا ایک عمل ہے، اس میں پروڈکٹ کا معاملہ مالیاتی اداروں ان کے امیدواروں (Clients) کے ساتھ ہوتا ہے، جس میں یہ مالیاتی ادارے فوری ادائیگی کے بدلے مخصوص اشیاء کی خریداری کرتے ہیں پھر ان اشیاء کے اپنے امیدواروں کو مؤجل (Deferred) ادائیگی اور مخصوص فیصدی نفع کے ساتھ پیش کرتے ہیں، اس کے بعد فوری ادائیگی کے لئے ان اشیاء کو دوبارہ مارکیٹ میں بیچنے کے لئے یہ مالیاتی ادارے اپنے آپ کو اپنے امیدواروں کا ایجنٹ بننے کے لئے پیش کرتے ہیں، اخیر میں یہ مالیاتی ادارے اپنے کلائنٹ کے کھاتے میں پیسے کریڈیٹ کرتے ہیں۔

منظّم تورق کو اسلامی مالیاتی ادارہ پیداوار کو پروڈکٹس کے ایک جز کے طور پر سمجھا جاتا ہے، یہ پروڈکٹس اور پیداوار اسلامی مالیاتی اداروں کی جانب سے پیش کی جارہی ہیں، اور ایسے پرانے اور روایتی بینکوں کے ذریعہ بھی پیش کی جارہی ہیں جو کسی حد تک اسلامی اصول کو اپناتے ہیں۔اس پروڈکٹ کی تیاری اس لئے ہوتی ہے کہ لوگوں اور کمپنیوں کو زیر کار سرمایہ (Working Capital)، کریڈیٹ کارڈ اور اسلامی قانون کے مطابق پرسنل فائنانس کے دوسرے طریقہ مہیا

کرائے جائیں۔

الٹا تورق:

الٹا تورق (Reverse Tawarruq) بھی منظم تورق ہی کی طرح ہے، مگر الٹا تورق میں مستورق مالیاتی ادارہ ہوتا ہے۔

ایک شخص ایک مقامی یا عالمی بازار سے فوری طور پر (On Spot Basis) کی بنیاد پر چیزیں خریدتا ہے، مالیاتی ادارہ سیل اگریمنٹ (بیع کا عقد) کا انتظام خود اپنے یا اپنے ایجنٹ کے ذریعہ کرتا ہے، بیک وقت یا معاہدہ مدت کے بعد، یہ مالیاتی ادارہ یعنی مستورق اور کلائنٹ یہ دونوں معاملے (Transactions) کو سنبھالتے ہیں اور یہ عام طور پر مساومہ یا مرابحہ معاملات کی بنیادوں پر مؤجل ادائیگی کے طور پر ہوتا ہے۔

منظم تورق اور روایتی تورق کے درمیان تقابل:

جب ہم روایتی تورق اور منظم تورق کے درمیان تقابل کرتے ہیں تو ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان مناسبت اور یکسانیت اس میں ہے کہ دونوں معاہدوں کا مقصد ایک ہے، کیونکہ ان دونوں میں خریداری کرنے والے کا مقصد پیسہ اور کیش کا حصول ہوتا ہے، چنانچہ خریدار کسی بھی مقصد کے لئے استعمال کے لئے ان چیزوں کو نہیں خریدتا، ان دونوں تورقوں میں دو طرح کے معاملات پیش آتے ہیں: پہلا یہ کہ خریداری اشیاء مؤجل ادائیگی کے لئے ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ پھر اسی چیز کو دوبارہ بیچا جاتا ہے تاکہ فوری طور پر ادائیگی مل جائے۔ دوسری قیمت عام طور پر پہلی قیمت سے کم ہوتی ہے، مزید یہ کہ ان دونوں تورقوں میں دو پارٹیاں مشغول ہوتی ہیں، پہلی پارٹی چیزوں کو مؤجل فروختگی (Deferred Sale) کی بنیاد پر بیچتی ہے اور دوسری پارٹی پہلی خریدنے والی ہے، اور آخری پارٹی دوسری خریدنے والی ہے، جو فوری ادائیگی کے لئے پہلے بیچنے والے سے خریدتی ہے، پہلا بیچنے والا شخص جو مؤجل ادائیگی کے ذریعہ اشیاء خریدتا ہے

وہ دوسرے کاروبار میں جو فوری ادائیگی کے لئے ہے کو بیچنے والا ہے، بہر حال منظّم اور روایتی تورق کے درمیان کچھ فرق ہے، روایتی تورق میں پہلی پارٹی جو مؤجل سیل (deferred Sale) کے طور پر اشیاء کو بیچتی ہے اس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ دوسری پارٹی جو مؤجل سیل کے طور پر اشیاء کو خریدتی ہے اس کا یہ ارادہ ہے کہ وہ چیزوں کو کیش حاصل کرنے کے لئے بیچے گی یا کم از کم بیچنے والا دوسرا کاروبار کرے گا، نتیجتاً تنہا ایک شخص جو ان دونوں کاروباروں میں موجود ہوتا ہے، چاہے وہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ، وہی شخص پہلا خریدار ہے، دوسری طرف یہ مالیاتی ادارے شروع ہی سے معاہدہ کرتے ہیں اور اشیاء کو اخیر تک اس کلائنٹ کو اشیاء پیش کرتے ہیں اور یہ مالیاتی ادارے کلائنٹ کے اکاؤنٹ میں قیمت کریڈیٹ کرتے ہیں۔

منظّم اور روایتی تورق

منظّم تورق		روایتی تورق
اس میں چار پارٹیاں شریک ہوتی ہیں، تین پارٹیاں بھی ہوسکتی ہیں		تین پارٹیاں شریک ہوتی ہیں
یہ فرد واحد کے وعدے کے ذریعہ ہوتا ہے اور کلائنٹ یعنی مستورق کے ذریعہ خریداری ہوتی ہے		اس میں خریداری کا کوئی وعدہ نہیں ہوتا
دو بنیادی سیل سے پہلے اضافی خریداری ہوتی ہے		صرف دو بنیادی سیل ہوتی ہے۔
معاہدہ رطریقہ کار کے خاکہ کی سمجھ پر دستخط شامل ہوتی ہے		کسی بھی معاہدہ پر دستخط شامل نہیں ہے
اس میں کلائنٹ بینک متعین کرتا ہے اور بینک کو اپنا ایجنٹ بناتا ہے تاکہ وہ دوسری بنیادی تورق سیل کو عمل میں لائے		کلائنٹ خود سے اشیاء فروخت کرتا ہے۔

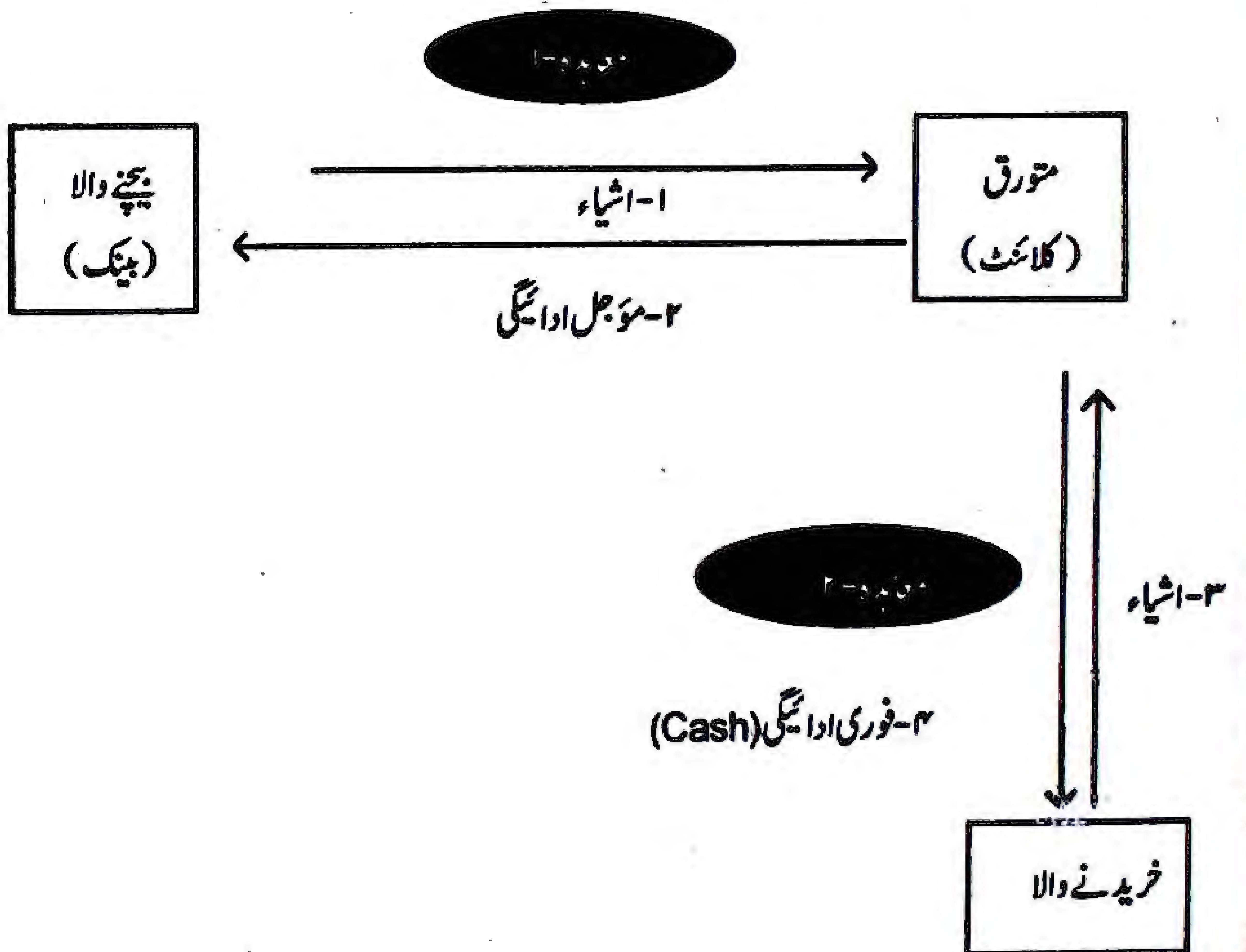
اس میں ملکیت کی منتقلی صرف اس حد تک محدود ہوتی ہے کہ سیل معاہدہ پر دستخط ہوجائے جو منتقلی کے حقوق پر قوانین و شرائط اور اشیاء سے متعلق قوانین کو شامل ہوتی ہے، چنانچہ ملکیت کی منتقلی اس کے مخصوص طریقہ کے ذریعہ صرف اس لئے ہوتی ہے کہ ساختیاتی طور پر اس کو حقیقت کا جامہ پہنایا جاسکے یعنی قبضہ حکمی ہوتا ہے۔		اس میں دونوں بنیادی سیل ہر ایک معاہدہ کے بعد جسمانی طور پر ملکیت کی نقل مکمل ہوجائے یعنی حقیقی قبضہ ہوتا ہے۔

مقصود اثاثے:

مثالوں کی بہتات ہے، تورق معاملات کے مقصود اثاثے شرعی قوانین کے مطابق ہوتے ہیں، یا وہ چیزیں ہیں جو اسٹاک ایکسچینج یا دھات (Metal) ایکسچینج میں مذکور ہیں تا کہ سیال اثاثے کو یقینی بنایا جائے۔

طریقہ کار اور تورق ماڈل کے پروڈکٹ:

روایتی تورق ماڈل کے لئے پروڈکٹ اسٹرکچر نقشہ:



روایتی تورق کا عمل:

۱-بینک کلائنٹ (متورق) کو اشیاء بیچتا ہے(فوری سپردگی)۔

۲-کلائنٹ بینک کو موجل ادائیگی کی بنیاد پر ادا کرتا ہے۔

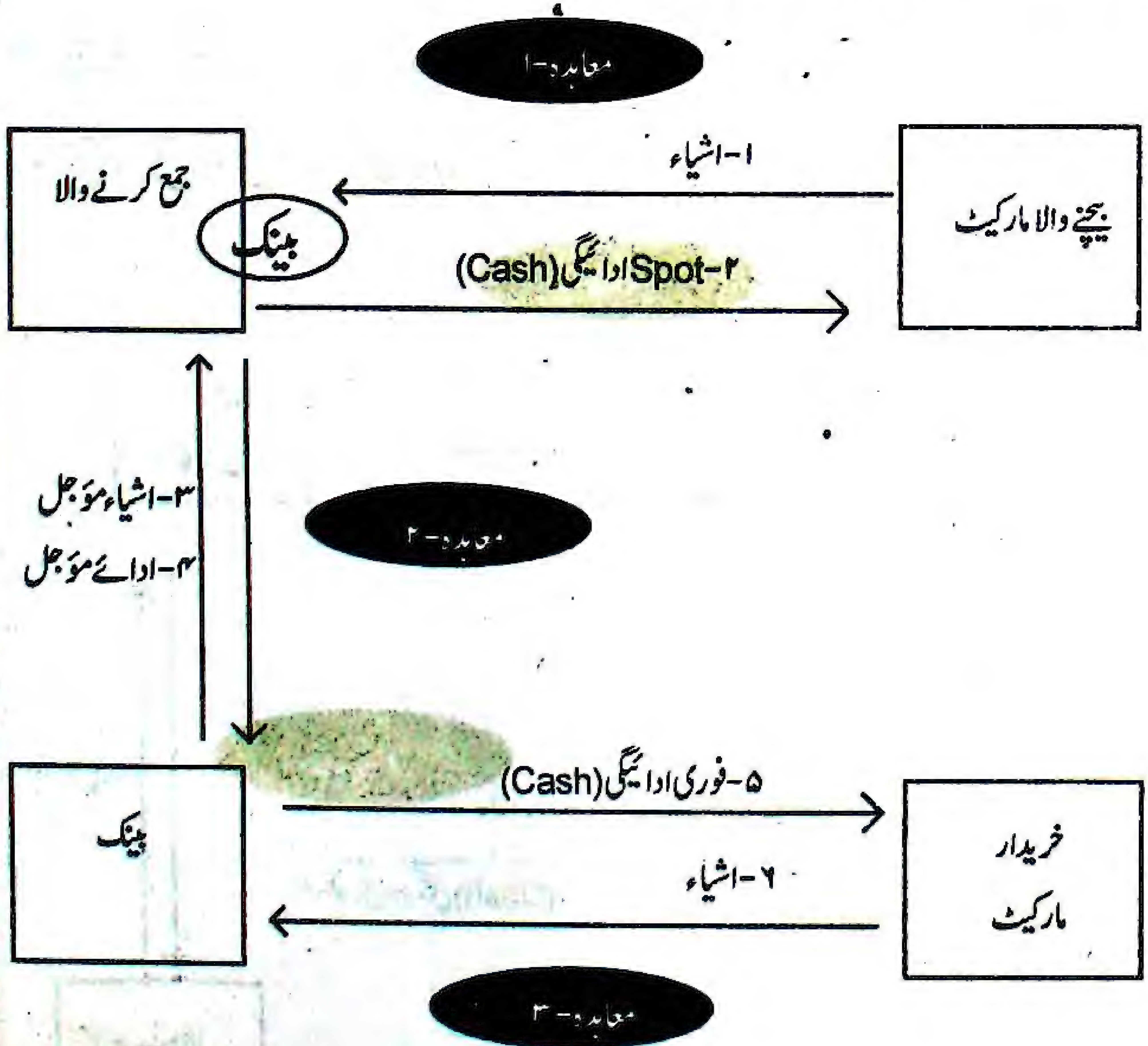
۳-کلائنٹ ملکیت اور اشیاء کا مالک بن جاتا ہے۔

۴-کلائنٹ چیزوں کو (تیسری پارٹی) سے بیچتا ہے۔

۵-خریدنے والا ان اشیاء کے لئے کلائنٹ کو پیسے (Cash) دیتا ہے۔

Depositاور Inter Bank Liquidity Managementکے لئے پروڈکٹ اسٹرکچر نقشہ

Reverse تورق ماڈل کی بنیادوں پر



الٹے تورق کے لئے درجہ بدرجہ طریقہ کار:

۱-جمع کرنے والا بینک سے اس بات کی درخواست کرتا ہے کہ وہ ایک متعینہ مدت اور متعینہ واپسی (Fix Return) کے لئے کیش جمع کرنا چاہتا ہے۔

۲-جمع کرنے والا بینک میں فنڈ مہیا کراتا ہے اور بینک جمع کرانے والے کے اکاؤنٹ میں کریڈٹ کرتا ہے۔

۳-جمع کرنے والا مارکیٹ سے اشیاء کی خریداری کے لئے بینک کو ایجنٹ کے طور پر متعین کرتا ہے۔

۴-بینک جمع کرنے والے ایجنٹ کے طور پر مارکیٹ میں اشیاء کی خریداری کرتا ہے اوران اشیاء کی قیمت ادا کرتا ہے۔

۵-بینک جمع کرنے والے کے کیش اکاؤنٹ کو ڈیبٹ (Debit) کرتا ہے اور اشیاء کے ساتھ ٹریڈنگ اکاؤنٹ کو کریڈٹ کرتا ہے، یہ عمل جمع کرنے والے کے اکاؤنٹ کو مرابحہ کے پیسوں کے مساوی منجمد بھی کرسکتا ہے۔

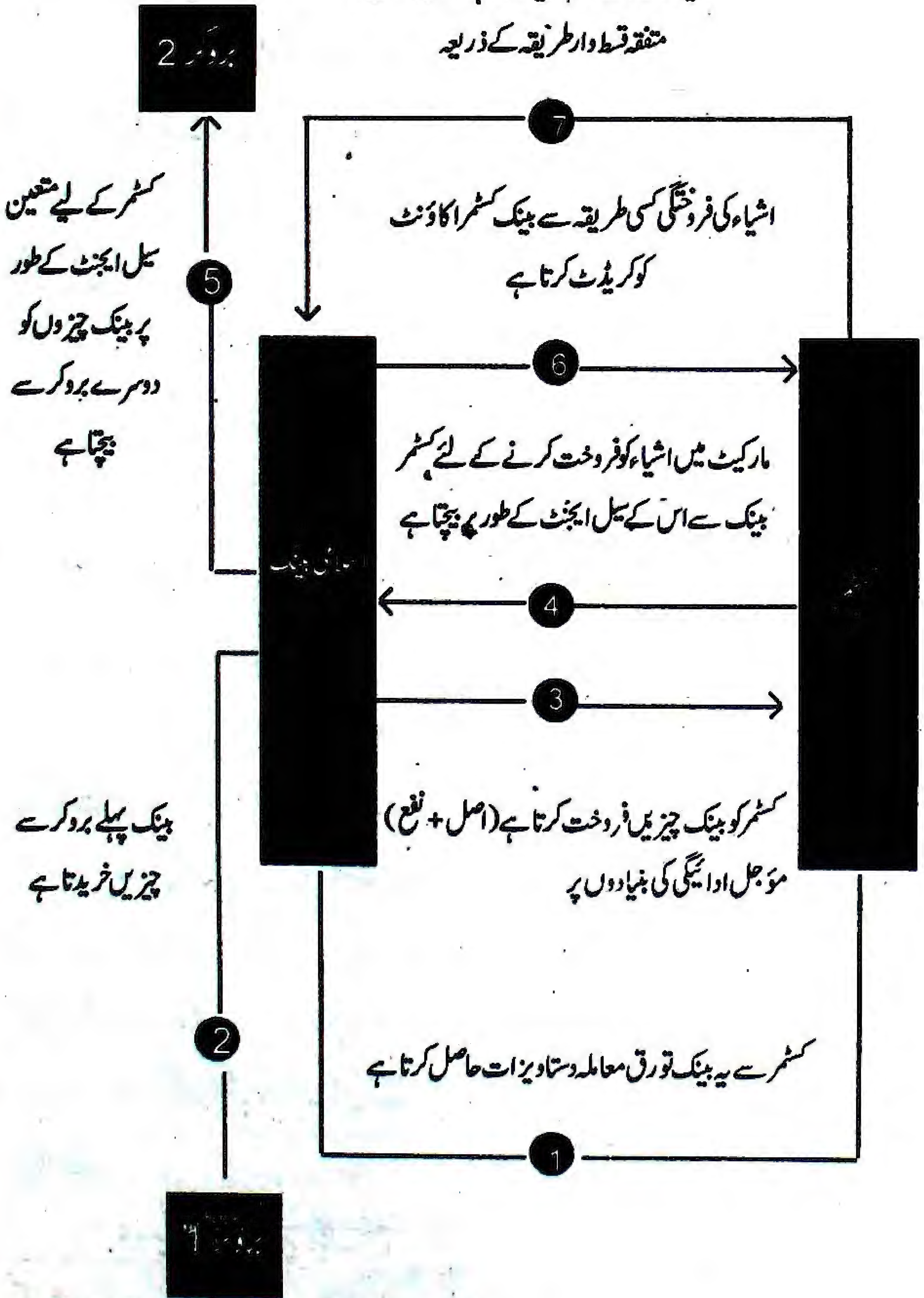
۶-جمع کرنے والا اشیاء کو بینک سے بیچتا ہے اور یہ مؤجل ادائیگی کی بنیادوں پر ہوتا ہے قیمت اور ایک متعین وقت کے لئے فائدے کے ساتھ۔

۷-بینک جمع کرنے والے ٹریڈنگ اکاؤنٹ میں ڈیبٹ (Debit) کرتا ہے اور یہ اشیاء کے ساتھ ہوتا ہے، اور بینک جمع کرنے والے کے اکاؤنٹ کو معیاد پر ادائیگی کی ذمہ داری جو متفقہ قیمت اور فائدے کے مساوی ہو، کے ساتھ کریڈیٹ کرتا ہے۔

۸-بینک اشیاء کو قبضہ میں لے لیتا ہے اور فوری ادائیگی کے لئے مارکیٹ میں اشیاء کو بیچتا ہے۔

۹-میعاد ادائیگی پر بینک جمع کرنے والے کے اکاؤنٹ بشمول قیمت اور فائدہ کے کریڈٹ کرتا ہے۔

تورق ماڈل کے طور پر فائنانس کرنے کے لئے پروڈکٹ اسٹرکچر نقشہ:



پروڈکٹ کا درجہ بدرجہ طریقہ کار:

۱-تورق خاکے کی بنیادوں پر پروڈکٹ فائنانس کرنے کے لئے کسٹمر بینک سے درخواست کرتا ہے۔

۲-بینک سے تورق معاملات کے دستاویزات کو کسٹمر حاصل کرتا ہے۔

۳-بینک پہلے بروکر (London Metal Exchange) سے اشیاء خریدے گا۔

۴-پھر مرابحہ معاہدہ کے تحت بینک چیزوں کو بینک کی سیلنگ قیمت (اصل+فائدہ) پر چیزوں کو کسٹمر سے فروخت کرے گا اور یہ مؤجل ادائیگی معاہدہ کے تحت ہوگا۔

۵-وکالۃ معاہدہ کے تحت، کسٹمر بینک کو متعین کرتا ہے کہ وہ چیزوں کو مارکیٹ میں فروخت کرے۔

۶-کسٹمر کے لئے مقرر سیل ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہوئے بینک چیزوں کو دوسرے بروکر کے ذریعہ بیچے گا۔

۷-پھر بینک ورق (Cash Proceed) کو چیزوں کی سیل سے کریڈٹ لیتا ہے کسٹمر کے اکاؤنٹ کے لئے۔

۸-بالآخر کسٹمر بینک کو رقم مہیا کرتا ہے (رقم+فائدہ) اور یہ متفقہ قسطوار طریقہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا خاکہ ذاتی فائنانس، منفی (Overdraft) جمع سہولیات، کریڈٹ کارڈ وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، ریسرچ کرنے والے حضرات جو اس طرح کے معاہدے کا مطالعہ کرتے ہیں وہ انہیں دو طریقوں کے تحت مطالعہ کرتے ہیں، پہلا طریقہ یا پہلی چیز بینکنگ تورق (التورق المصرفی) کہلاتا ہے، یہ تغیر عام طور پر کمرشیل (Commercial) سیاق و سباق میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ بینکنگ لفظ کا شامل ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ معاملہ کا کوئی مہیا کرنے والا ہے، دوسرا طریقہ یا دوسری تعبیر منظم تورق (التورق المنظم) کہلاتا ہے جو نسبۃً زیادہ

علمی اصطلاح محسوس ہو رہی ہے کیونکہ یہ معاہدے کے طریقہ کار کی طرف اشارہ کرتا ہے جو مالیاتی اداروں کے ذریعہ منظّم ہوتا ہے، اور اس کا انتظام منظّم اور روایتی تورق میں مختلف ہوتا ہے جو فقہ کی پرانی کتابوں میں موجود ہے۔

منظّم تورق پروڈکٹ میں شامل معاہدے:

معاہدے اور شرائط کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں، بہر کیف عام طور سے یہ شرائط مالیاتی اداروں اور معاہدے مرابحہ اشیاء کے جملہ طریقہ کے ذریعہ ہوتا ہے، یہ معاہدے درج ذیل طرح کے ہوتے ہیں:

☆ خریدگی کا وعدہ۔

☆ اشیاء خریدگی معاہدہ (بینک اور اشیاء بروکر کے درمیان) (اصل کے طور پر)۔

☆ اشیاء فروختگی معاہدہ (بینک اور اس کے کسٹمر کے مابین)۔

☆ ایجنسی کا لیٹر بینک اور کسٹمر کے درمیان، اس میں بینک کو اس بات کا اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چیزوں کو (کسٹمر کے ایجنٹ کے طور پر) بروکر B سے بیچے۔

☆ اشیاء فروختگی معاہدہ (بینک جو کسٹمر کے ایجنٹ کے طور پر ہوتا ہے اور اشیاء بروکر B کے درمیان)۔

تورق معاملات کے لئے معیاری عملی طریقوں کی ایک مثال:

۱- بینک تورق کے مقصد سے اشیاء کی خریداری کرے گا، جو مارکیٹ میں لائی جائیں گی (یا بینک کسٹمر کی درخواست پر اسے بیچ سکتا ہے) مشہور ہے کہ خریداریاں بینک یا عالمی بازار کے ذریعہ ہوتی ہیں، اور زیادہ تر چیزیں جو بینک کے ذریعہ خریدی جاتی ہیں وہ دھات (Metal) ہوتی ہیں، سونا یا چاندی کے علاوہ، اور اس طرح کے زیادہ بازار عام طور سے لندن میں پائے جاتے ہیں جیسے: London Metal Exchange

۲- بینک ان کسٹمر سے مارکیٹنگ کا معاملہ کرتا ہے جنہیں ورکنگ کیپٹل (Working

(Capital) یا پرسنل فائنانس کی ضرورت ہوتی ہے اور جو اس تورق کو کرنا چاہتے ہیں جس میں سیال اثاثے اور رقم کی حصول یابی ہوتی ہے اور یہ اشیاء کی رقم کو کریڈٹ پر بیچنے کے ذریعہ ہوتا ہے۔

۳-تورق کے ساتھ بینک اور ڈیل کرنے والے کے درمیان رشتہ مضبوط اور یقینی ہونا چاہئے، اور یہ قسط وار طور پر سیل شرائط کے ذریعہ ہوتا ہے، جس کا انحصار مرابحہ معاہدہ کے شرائط پر ہوتا ہے، اور یہ خریدنے کے لئے ہوتا ہے یا سیل معاہدہ ٹرم (مساومہ) کے لئے ہوتا ہے۔

۴-بینک کسٹمر اور مالیاتی صلاحیت کی چھان بین اور تحقیق کرتا ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ کسٹمر اس قابل ہے کہ وہ قرض دوبارہ ادا کرسکے۔

۵-کسٹمر جو تورق کا معاملہ کرتا ہے اس کو ایک درخواست لکھنی پڑتی ہے تاکہ وہ اڈوانس میں بینک کے ذریعہ تیار کردہ ماڈل کے ذریعہ اشیاء کی ایک مقدار خرید سکے، اور مقدار اس طور پر ہو کہ وہ اس رقم سے مماثل ہو جس کا اس کو مطالبہ ہے۔

۶-کسٹمر اس بات کو مان کر چلے گا اور اس کو پہلے اس بات کا علم ہے کہ جس قیمت پر بینک اشیاء کو فروخت کررہا ہے وہ قیمت اپنے اکاؤنٹ کے لئے اشیاء کی فروختگی کے ذریعہ ملنے والی رقم سے زیادہ ہوگی اور اس کو اس بات کا بھی علم ہے کہ بینک اس سیل کو مارکیٹ میں کرے گا، اور یہ ایجنسی کے معاہدے کے تحت ہوگا (جب کسٹمر پروڈکٹ کو خریدتا ہے اور حاصل کرتا ہے)۔

۷-آیا مرابحہ، معاہدے کی بنیاد پر کسٹمر کے ساتھ سیل مکمل طور پر ہوگئی ہے یا مساومہ معاہدے کے بنیادوں پر بینک کے کچھ اضافی فائدے کے ساتھ جو کسٹمر کو بینک کا مستقرض (ڈیبٹ کرنے والا) بنا دیتا ہے اور یہ عمل اس طور پر ہوتا ہے کہ پیسے قسطوار ادا کیا جائے جس میں ادائیگی کی مدت کے ساتھ اس کی قیمت اور اہمیت یکساں ہوگی۔

۸-کسٹمر یعنی خریدار چیزوں کو دوبارہ بیچنے سے پہلے چیزوں کو بینک سے خریدنے کے بعد ان چیزوں کی ملکیت اور قبضہ حکمی حاصل کرتا ہے۔

۹-کسٹمر کی طرف سے بینک عمل کرے گا تاکہ یہ بینک کسٹمر کو بیچی گئی چیزوں کے یکساں قیمت کو مارکیٹ میں نائب بن کر بیچے یعنی اس کی جتنی قیمت ہے اسی قیمت پر اب کسٹمر اپنی اشیاء کی فروختگی میں قیمتوں میں تبدیلی کو برداشت کرے گا، اکثر و بیشتر تورق کے معاملے ایجنٹوں کے ذریعہ بیرون ملک میں ہوئے ہیں یعنی London Metal Exchange کے ذریعہ۔

۱۰-فروختگی سے بینک کو حاصل شدہ رقم یہ کسٹمر لے لیتا ہے، پھر بینک اس رقم کو کسٹمر کے اکاؤنٹ میں جمع کر دیتا ہے، کسٹمر ایجنسی کے انتظامی اخراجات کو برداشت کرتا ہے، اس معاملہ میں جو بھی اخراجات ہوں۔

۱۱-کسٹمر بینک کو اپنا قرض ادا کرتا ہے جو تورق طریقہ کار کی وجہ سے ہوا، اور یہ عمل قسط وار طور پر سیل کے شرائط کے مطابق ہوگا، جیسا کہ فائدہ (Premium) کی رقم اور متعین ادائیگی مدت کے لئے اتفاق ہوا تھا۔

خاتمہ:

مذکورہ بالا چیزوں کی تیاری میں میں نے جان بوجھ کر مختلف شرعی آراء کو چھوڑ دیا ہے، میں نے اس کی تعریفات خاکہ اور اس تورق کے عملی اطلاق کے سمجھنے پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے، یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مارکیٹ میں پروڈکٹ پیش کرنے کے لئے مالیاتی ادارے کا خود اپنا مرتب کیا ہوا معیاری طریقہ کار ہوتا ہے۔

خلاصہ:

تورق کا خاکہ ایک ایسا میثاق و معاہدہ ہے جو جدید اسلامی مالیاتی نظام میں فائنانس کرنے کا ایک مسلسل مشہور ذریعہ بنتا جا رہا ہے، ان دنوں منظم تورق اسلامی بینک کاری پروڈکٹس کا ایک جزو شمار کیا جانے لگا ہے، یہ پروڈکٹس اور پیداوار اسلامی مالیاتی اداروں کی جانب سے پیش کی جا رہی ہے اور ایسے پرانے اور روایتی بینکوں کے ذریعہ بھی پیش کی جا رہی ہیں جو کسی حد تک اسلامی اصول کو اپناتے ہیں، یہ پروڈکٹ اور پیداوار فائنانس کرنے، صرف (Invest)

کرنے اور سیال اثاثے کے انتظام وانصرام کرنے کے لئے بدل کے طور پر راستے اور طریقے پیش کرتا ہے۔

منظم تورق کی تعریف یہ ہے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ اسلامی قوانین کے تورق کے نظریے اور تصور کے مطابق پیسے کا حصول ہو، اس پروڈکٹ کا معاملہ مالیاتی اداروں کے ذریعہ ان کے امیدواروں (Clients) کے ساتھ ہوتا ہے جس میں مالیاتی ادارے فوری ادائیگی کے بدلے مخصوص اشیاء کی خریداری کرتے ہیں، پھر ان اشیاء کو اپنے امیدواروں کو مؤجل (Deferred) ادائیگی اور مخصوص فیصدی نفع کے ساتھ پیش کرتے ہیں، اس کے بعد فوری ادائیگی کے لئے ان اشیاء کو دوبارہ مارکیٹ میں بیچنے کے لئے یہ مالیاتی ادارے اپنے آپ کو اپنے امیدواروں کا ایجنٹ بننے کے لئے پیش کرتے ہیں۔

اخیر میں یہ مالیاتی ادارے اپنے کلائنٹ کے کھاتے میں پیسے کریڈٹ کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر کوئی مالیاتی ادارہ بین الاقوامی بازار سے 20,000,000 ڈالر کے بدلے دس ٹن لوہا خریدتا ہے، تو ایک ٹن کی قیمت 2,000.000 ڈالر ہوئی، پھر یہ مالیاتی ادارہ اپنے کلائنٹ کو ایک ٹن لوہا 3,000,000 ڈالر میں پیش کرتا ہے جس کی ادائیگی قسط وار دس سالوں میں ہوتی ہے، جب کلائنٹ نے لوہے خریدا تو اس وقت اس مالیاتی ادارے نے کلائنٹ کو یہ پیش کش کی کہ وہ اپنے لوہے کو اس مالیاتی ادارے کے ایجنٹ کے طور پر 2,000,000 میں عالمی بازار میں بیچ دے جیسا کہ اس لوہے کو اس مالیاتی ادارے نے 2,000,000 میں خریدا تھا، اب اخیر میں یہ مالیاتی ادارہ کلائنٹ کے اکاؤنٹ میں 2,000,000 امریکی ڈالر کریڈٹ کرے گا۔

(انگریزی سے ترجمہ شدہ)

تیسرا باب

تفصیلی مقالات

اتفاقی اور منصوبہ بند تورق

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی☆

''ورق'' (راء کے زیر کے ساتھ) کے معنی چاندی کے سکہ کے ہیں، عربی زبان کے قاعدہ کے مطابق اس کے طلب کرنے کو ''تورق'' کہتے ہیں، (دیکھئے: لسان العرب لابن المنظور: ۱۰/ ۳۷۵، القاموس المحیط، مصباح المنیر، مادہ ''ورِق'') —— فقہاء کی اصطلاح میں تورق یہ ہے کہ انسان کوئی چیز اُدھار خریدے، پھر اسے فروخت کنندہ کے بجائے کسی اور کے ہاتھ نقد قیمت خریداری سے کم میں فروخت کردے؛ تاکہ اسے نقد رقم حاصل ہوجائے:

''أن یشتری المرء سلعة نسیئة ، ثم یبیعها نقداً لغیر البائع بأقل مما اشتراها به ، لیحصل بذلک علی النقد'' (الموسوعة الفقهیة ۱۴/ ۱۴۷)۔

اس تعریف سے ظاہر ہوا کہ تورق میں خرید وفروخت کے دو معاملے ہوتے ہیں؛ لیکن پہلے خریدار کا اصل مقصد نقد رقم حاصل کرنا ہوتا ہے، اس سے ملتی جلتی ایک اور شکل ہے، جس کا فقہاء نے ''بیع عینہ'' کے نام سے ذکر کیا ہے، بیع عینہ کی شکل یہ تھی کہ ''الف'' کو مثلاً ایک ہزار روپے کی ضرورت ہوتی اور اسے اُمید نہیں ہوتی کہ ''ب'' اسے قرض کے طور پر یہ رقم دیدے گا، اور ''ب'' کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس پر کچھ نفع حاصل کرے تو ''الف'' ''ب'' سے ایک ہزار کی چیز اُدھار بارہ سو کے بدلہ خرید کرلیتا اور پھر ''ب'' سے وہی سامان ایک ہزار روپے نقد میں بیچ دیتا، اس طرح ''الف'' کو ایک ہزار روپے وصول ہوگئے اور ''ب'' کو دو سو روپے نفع مل گیا،

☆ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا و ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب ہے کہ یہ صورت جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں؛ جب کہ امام محمدؒ سے اس صورت کے بارے میں منقول ہے :

"هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربا" (رد المحتار ۷/ ۶۱۳)۔

(میرے دل میں یہ بیع پہاڑ کی طرح معلوم ہوتی ہے، یہ ایسا برا طریقہ ہے جسے سود خواروں نے وضع کیا ہے)۔

اور فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے — اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تورق اور عینہ میں فرق یہ ہے کہ عینہ صرف دو شخصوں کے درمیان وجود میں آتا ہے اور تورق میں ایک تیسرے شخص کی شمولیت بھی ہوتی ہے۔

حنفیہ کا نقطۂ نظر :

تورق کا حکم کیا ہے؟ — اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، حنفیہ کے یہاں بیع عینہ کے سلسلہ میں دو قول ہیں : ایک قول جواز کا ہے اور اس کے قائل امام ابو یوسفؒ ہیں ، اور ایک قول امام محمدؒ کا ہے اور اس سلسلہ میں امام محمدؒ کا جو قول اوپر مذکور ہوا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم از کم مکروہ تحریمی ہے، بیع عینہ کی ایک شکل تو یہی ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا ، جس میں دو افراد کے درمیان خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا ہے اور بیع عینہ کی دوسری صورت بعینہ وہی ذکر کی گئی ہے ، جسے 'تورق' کہا جاتا ہے؛ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

"وقال بعضهم : تفسيرها أن يدخلا بينهما ثالثا فيبيع المقرض ثوبه من المستقرض بأثني عشر درهما ويسلم إليه ، ثم يبيع المستقرض من الثالث الذي أدخلاه بينهما بعشرة ويسلم الثوب إليه ويأخذ منه العشرة ويدفعها إلى طالب القرض ، فيحصل لطالب القرض عشرة دراهم ويحصل لصاحب الثوب

عليه اثنا عشر درهما كذا في المحيط "(الفتاویٰ الہندیہ ۳/۲۰۸، ط: مکتبہ ماجد)۔

(بعض حضرات نے کہا کہ عینہ سے مراد یہ ہے کہ دو آدمی اپنے درمیان تیسرے آدمی کو داخل کرلیں، قرض دہندہ اپنا کپڑا قرض لینے والے کے ہاتھ بارہ درہم میں فروخت کرلے اور اسے حوالہ کردے، پھر جس کو قرض مطلوب ہے، وہ اس تیسرے شخص سے ــــ جس کو ان دونوں نے درمیان میں داخل کیا تھا ــــ دس درہم میں فروخت کردے اور کپڑا اس کے حوالہ کردے، نیز اس سے دس درہم لے لے اور یہ تیسرا شخص طالب قرض کو یہ دس درہم دیدے، اس طرح طالب قرض کو دس درہم (نقد) حاصل ہوجائیں اور کپڑے والے کے اس کے ذمہ بارہ درہم ہوجائیں)۔

اسی طرح علامہ شامیؒ نے بعض مشائخ سے بیع عینہ کی تعریف اس طرح نقل کی ہے:

"قال بعضهم: تفسيرها أن يأتي الرجل المحتاج إلى آخر ويستقرضه عشرة دراهم ولا يرغب المقرض في الإقراض طمعاً في فضل لا يناله بالقرض، فيقول: لا أقرضك ولكني أبيعك هذا الثوب إن شئت باثني عشر درهما وقيمته في السوق عشرة ليبيعه في السوق بعشرة، فيرضى به المستقرض فيبيعه كذلك، فيحصل لرب الثوب درهمان وللمشتري قرض عشرة، وقال بعضهم: هي أن يدخلا بينهما ثالثاً ...... "(رد المحتار علی الدر المختار ۷/۵۴۱-۵۴۲)۔

(بعض حضرات نے کہا: اس کی مراد یہ ہے کہ ایک محتاج شخص دوسرے کے پاس آئے اور اس سے دس درہم قرض طلب کرے، قرض دینے والا، قرض دینے کی طرف راغب نہ ہو، اسے لالچ ہو کہ قرض دے کر وہ کوئی نفع حاصل نہیں کرسکتا؛ لہٰذا وہ کہے کہ میں تمہیں قرض تو نہیں دوں گا؛ لیکن اگر چاہو تو میں تم سے بارہ درہم میں یہ کپڑا فروخت کرسکتا ہوں، جس کی قیمت بازار میں دس درہم ہو؛ تاکہ وہ اسے بازار میں دس درہم میں فروخت کرلے؛ چنانچہ طالب قرض اس پر رضامند ہوجائے اور وہ اس کو اسی طرح فروخت کرلے، اس طرح کپڑے کے مالک کو دو درہم کا نفع مل جائے اور خریدار کو دس درہم کا قرض، اور بعض لوگوں نے کہا: یہ خرید و فروخت کرنے والے

اپنے درمیان تیسرے شخص کو داخل کرلیں)۔

اس طرح کی اور بھی تصریحات فقہاء احناف کے یہاں ملتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ احناف بھی کم از کم اس کے مکروہ ہونے کے قائل ضرور ہیں اور یہ کراہت بھی تحریمی ہے نہ کہ تنزیہی، اسی طرح علامہ ان ہمامؒ نے بیع عینہ کی ایک صورت ''عینہ ثلاثیہ'' کے نام سے نقل کی ہے، وہ پوری طرح تورق کے مطابق ہے (دیکھئے: فتح القدیر ۶/ ۲۳۴)۔

مالکیہ کی رائے:

مالکیہ اس کے عدم جواز ہی کے قائل ہیں؛ چنانچہ علامہ ابن رشد نے اپنی معروف کتاب ''البیان والتحصیل'' میں متعدد ایسی جزئیات نقل کی ہیں، جو اس نقطۂ نظر کو واضح کرتی ہیں (دیکھئے: ۷/ ۸۵-۸۶)، بلکہ امام مالک کی ایک روایت مروجہ تورق کے سلسلہ میں بالکل واضح معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں:

''وسئل مالک عن رجل ممن یعین: یبیع السلعة من الرجل بثمن إلی آجل، فاذا قبضها منه ابتاعها منه رجل حاضر کان قاعدا معهما فباعها منه، ثم إن الذی باعها الأول اشتراها منه بعد، و ذلک فی موضع واحد، قال: لا خیر فی هذا وراٰه کانه محلّل فیما بینهما'' (البیان والتحصیل ۷/ ۸۹)۔

(امام مالکؒ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو بیع عینہ کرتا ہو کہ وہ کسی شخص سے اُدھار سامان فروخت کرے، پھر جب خریدار اس پر قرضہ کرلے تو ایک اور شخص جو وہاں موجود ہے اور ان دونوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، اس سے خرید کرلے اور یہ خریدار اس کے ہاتھ بیچ دے، پھر پہلا فروخت کنندہ اس کے بعد دوسرے خریدار سے اسے خرید کرلے اور یہ سب کچھ ایک ہی جگہ پر ہو؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی خیر نہیں، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ گویا اس تیسرے شخص کو ان دونوں کے درمیان حلال کرنے کے لئے ہی رکھا گیا ہے)۔

مالکیہ کے یہاں ایسے معاملات کے سلسلے میں ایک واضح اُصول ہے، جس کو علامہ

قرافیؒ نے ذکر کیا ہے کہ ایسے معاملات میں اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ آپ کے قبضہ سے کیا گیا اور کیا چیز واپس آئی؟ اگر اس کو سامنے رکھ کر سود پیدا ہو جاتا ہو، تو معاملہ کرنے والوں کے الفاظ و کلمات کا اعتبار نہیں :

"والأصل أن ينظر ما خرج من اليد وما خرج إليها ، فان جاز التعامل به صح وإلا فلا ، ولا تعتبر أقوالهما أى المتبايعين بل أفعالهما فقط ، فهذا هو تلخيص الفرق بين الذرائع التى يجب سدها والذرائع التى لا يجب سدها"

(الفروق ۳/۲۶۹)۔

(اصل یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس کے ہاتھ سے کیا چیز گئی ہے اور کیا چیز اس کو واپس آئی ہے؟ اگر اس لحاظ سے معاملہ جائز قرار پاتا ہو تب تو درست ہے ورنہ نہیں، خرید و فروخت کرنے والوں کے اقوال کا اعتبار نہیں؛ بلکہ صرف ان کے افعال کا اعتبار ہے، "وہ ذرائع جن کو روکنا واجب ہے اور جن کو روکنا واجب نہیں" کے درمیان فرق کا خلاصہ یہی ہے)۔

شافعیہ کی نظر میں :

سد ذریعہ کے باب میں بمقابلہ مالکیہ اور دوسرے فقہاء کے امام شافعیؒ کے نزدیک سہولت ہے، امام شافعیؒ نے خود اپنی مایہ ناز تالیف "کتاب الام" میں اُدھار خرید و فروخت کی مختلف صورتوں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، انھوں نے تورق کی صورت تو صراحتاً ذکر نہیں کی ہے؛ لیکن عینہ کے جائز ہونے کی صراحت کی ہے، جس میں تیسرے آدمی کی شرکت کے بغیر فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان یہ عمل انجام پاتا ہے، تورق کا معاملہ تو اس کے مقابلہ نسبتاً خفیف ہے، کیوں کہ اس میں تیسرے آدمی کی بھی شرکت ہوتی ہے اور حیلہ کا پہلو نسبتاً ہلکا ہو جاتا ہے، تو یہ صورت تو بدرجۂ اولیٰ ان کے نزدیک جائز ہوگی؛ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں :

"فإذا اشترى الرجل من الرجل السلعة فقبضه وكان الثمن إلى أجل فلا بأس أن يبتاعها من الذى اشتراها منه ومن غيره بنقد أقل أو أكثر مما اشتراه

البیع "(کتاب الأم ۳/ ۶۸-۶۹)۔

(جب ایک شخص دوسرے شخص سے سامان خریدے اور اس پر قبضہ کرلے، نیز قیمت اُدھار ہو تو اس میں حرج نہیں کہ جس نے اس سے خریدا ہے اسی کے ہاتھ یا کسی اور شخص سے وہ اس کو نقد فروخت کردے، خواہ وہ اس کی پہلی قوتِ خرید سے کم ہو یا زیادہ)۔

امام شافعیؒ کی بنیادی فکر یہ ہے کہ معاملات میں ظاہر کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ نیت وارادہ کا:

"أصل ما أذهب أن كل عقد كان صحيحاً فى الظاهر لم أبطله بتهمة ولا بعادة بين المتبايعين، وأجزته بصحة الظاهر، وأكره لهما النية، إذا كانت النية لو أظهرت كانت تفسد البيع "(کتاب الأم ۳/ ۶۵)۔

(میرا اُصولی نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو معاملہ بظاہر صحیح ہو، میں اسے محض تہمت یا خرید و فروخت کرنے والے کے درمیان مروج عادت کی وجہ سے باطل قرار نہیں دے سکتا، میں تو بظاہر درست ہونے کی وجہ سے اسے جائز قرار دوں گا؛ البتہ اس کی نیت کو ناپسند کرتا ہوں، اگر یہ نیت ظاہر کردی گئی تو پھر یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا)۔

چنانچہ علامہ نوویؒ نے بھی بیع عینہ کو جائز قرار دیا ہے اور لکھا ہے: "هذا هو الصحيح المعروف فى كتب الأصحاب"؛ البتہ ابو اسحٰق اسفرائنی اور شیخ ابو محمد سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر بیچنے والے شخص کا یہی معمول ہو تو اس میں دوسری بیع پہلی بیع کے لئے مشروط سمجھی جائے گی اور دونوں ہی باطل ہو جائیں گی: "وأفتى أبو إسحاق الاسفرائنى والشيخ أبو محمد بأنه إذا صار البيع الثانى مشروطاً فى الأول فيبطلان" (روضۃ الطالبین ۳/ ۴۱۶-۴۱۷) —

چنانچہ شافعیہ میں بھی متاخرین نے بیع عینہ کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں علامہ ابن حجر ھیثمی، شیروانی، ابن قاسم، علامہ رملی اور شبراملسی کا ذکر ملتا ہے (دیکھئے: تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۲۲، للہیثمی ونہایۃ المحتاج ۳/ ۴۶۰، للرملی)؛ لیکن جیسا کہ مذکور ہوا متاخرین کا یہ نقطۂ نظر بیع عینہ کے بارے میں ہے نہ

کہ تورق کے بارے میں، تورق کا معاملہ چوں کہ عینہ سے کمتر ہے، اس لئے ممکن ہے کہ یہ صورت ان کے نزدیک بھی جائز ہو۔

حنابلہ کا نقطۂ نظر:

تورق کی اصطلاح اصل میں حنابلہ ہی کے یہاں ملتی ہے، امام احمدؒ سے اس سلسلہ میں دونوں طرح کا قول منقول ہے؛ لیکن قولِ راجح جائز ہونے کا ہے؛ چنانچہ فقہ حنبلی کی معروف کتاب ''کشاف القناع'' میں ہے:

"ولو احتاج إنسان إلى نقد فاشترى مالا يساوى مائة بمائة وخمسين مثلاً فلا بأس بذلك نص عليه وهى أى هذه المسألة تسمى مسألة التورق من الورق وهى الفضة "(۱۸۶/۳)۔

(اگر کسی انسان کو نقد رقم کی ضرورت ہو اور وہ سو درہم کی چیز مثلاً ڈیڑھ سو درہم میں خریدے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، امام محمدؒ کے یہاں اس کی صراحت ملتی ہے، اس مسئلہ کو تورق کہتے ہیں، جو ورق یعنی چاندی کے لفظ سے ماخوذ ہے)۔

علامہ مرداویؒ اس قول کی ترجیح کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''**وهو المذهب وعليه الأصحاب**'' (الإنصاف ۲۳۷/۴)، دوسرے فقہاء نے بھی اس کے جائز ہونے کی صراحت کی ہے (دیکھئے: الفروع لابن المفلح ۱۷۱/۴)۔

لیکن فقہاء حنابلہ کی دو نمائندہ شخصیتیں علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے پوری قوت اور صراحت کے ساتھ تورق کو ناجائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

"وكان شيخنا رحمه الله يمنع من مسألة التورق وروجع فيها مراراً وأنا حاضر فلم يرخص فيها، وقال: المعنى الذى لأجله حرم الربا موجود فيها بعينه مع زيادة الكلفة بشراء السلعة وبيعها والخسارة فيها، والشريعة لا تحرم الضرر الأدنى وتبيح ما هو أعلى منه "(إعلام الموقعين ۱۸۲/۳)۔

(ہمارے شیخ (علامہ ابن تیمیہ) تورق سے منع کرتے تھے، میری موجودگی میں کئی باران سے مراجعت کی گئی، مگر انھوں نے اس کی اجازت نہیں دی، انھوں نے کہا کہ سود کو حرام قرار دینے کا جو مقصد ہے وہ بعینہٖ اس میں بھی موجود ہے؛ بلکہ اس سے بڑھ کر؛ کیوں کہ اس میں سامان کو خریدنے اور اس کو بیچنے کی کلفت بھی ہے اور اس میں نقصان اُٹھانا بھی ہے، اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ شریعت کم درجہ کے نقصان کو تو منع کردے اور اس سے اعلیٰ درجہ کے نقصان کو جائز)۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول نقل کیا ہے:

''التورق أخية الربا أي أصل الربا'' (مجموع الفتاویٰ ۲۹/ ۳۰۲)۔

(تورق ربا کی جڑ ہے)۔

اصحابِ ظواہر امام شافعیؒ کے قول کے مطابق اسے جائز قرار دیتے ہیں اور معاملہ کی ظاہری شکل کو فیصلہ کا مدار بناتے ہیں، علامہ ابنِ حزمؒ نے اس سلسلہ میں تفصیل سے گفتگو کی ہے (دیکھئے: المحلی ۹/ ۵۷، مسئلہ نمبر: ۱۵۵۸)۔

مذاہب کا خلاصہ:

غرض کہ حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کا رجحان اس کے ناجائز یا قریب بہ حرام ہونے کی طرف ہے، اور یہی رائے بعض متاخرین شوافع کی ہے؛ جب کہ شوافع اور اصحابِ ظواہر اسے جائز قرار دیتے ہیں، ماضی قریب کے اہل علم میں بھی اس سلسلہ میں اختلاف رائے رہا ہے، شیخ عبدالعزیز بن باز سابق مفتی عام سعودی عرب، شیخ محمد بن ابرہیم سابق مفتی عام سعودی عرب، ''اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء سعودی عرب، **هيئة كبار العلماء** سعودی عرب (دیکھئے: مجلة المجمع الفقهي الاسلامي، بحوث الدورة السابعة عشرة: ۲/ ۱۸)، ڈاکٹر علی محی الدین علی قرہ داغی، شیخ عبداللہ بن سلیمان المنیع، دکتور محمد علی قری وغیرہ اس کے جواز کے قائل ہیں، موجودہ حالات میں مولانا محمد تقی عثمانی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے، اور شیخ محمد بن عثیمین (سابق مفتی اعظم سعودی عرب) نے اسے حالت اضطرار میں جائز قرار دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اصلاً

اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

جب کہ شیخ عبد اللہ بن محمد عبد الوہاب آل شیخ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، شیخ صالح حسین، ڈاکٹر حامد حسان، ڈاکٹر صدیق محمد امین الضریر، ڈاکٹر علی سالوس، ڈاکٹر سالم بن ابراہیم سویلم اور ڈاکٹر عبد اللہ بن محمد سلیمی جامعۃ الملک سعود اس کو نا جائز قرار دیتے ہیں اور اسی پر مصرف قطر الاسلامی، فیصل بینک، بحرین اور شرکۃ الراجحی وغیرہ کا عمل ہے (دیکھئے: مجلہ مذکورہ)۔

جائز قرار دینے والوں کی دلیلیں:

جن حضرات نے اسے جائز قرار دیا ہے، ان کے پیش نظر درج ذیل دلائل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ نے تجارت کو جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام، اور تورق کی شکل بنیادی طور پر تجارت کی ہے، جس میں ایک شخص سے ایک چیز خریدی جاتی ہے اور خریدار دوسرے شخص سے اسے فروخت کرتا ہے۔

۲-"عن أبی سعید الخدری و أبی ھریرۃ رضی اللہ عنھما أن رسول اللہ ﷺ استعمل رجلاً علی خیبر فجاء بتمر جنیب، فقال رسول اللہ ﷺ: أکلّ تمر خیبر ھکذا؟ قال: لا واللہ یا رسول اللہ! إنا لنأخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلاثۃ، فقال رسول اللہ ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیباً" (صحیح البخاری مع الفتح، ط: السلفیۃ: ۳۹۹/۴، ودیگر کتب حدیث)

(حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر پر عامل بنایا، وہ جنیب نامی کھجور لے کر آئے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح کی ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: خدا کی قسم! نہیں، اے اللہ کے رسول! ہم اس کھجور کا ایک صاع دو صاع کے بدلہ اور دو صاع تین صاع کے بدلہ لیتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا نہ کرو؛ بلکہ دو صاع یا تین صاع کھجور کو درہم کے بدلہ فروخت کرو اور درہم سے یہ جنیب نامی کھجور حاصل کرو)۔

۳- معاملات میں اصل مباح ہونا ہے، سوائے اس کے کہ حرمت پر کوئی دلیل موجود ہو۔

۴- بعض دفعہ لوگوں کو نقد رقم کی ضرورت پڑتی ہے، اور آج کل لوگ عام طور پر قرض دینے کو تیار نہیں ہوتے، ان حالات میں تورق کے ذریعہ نقد رقم حاصل کی جاسکتی ہے اور سود سے بچا جاسکتا ہے۔

مانعین کی دلیلیں:

جو حضرات اس کے جائز نہ ہونے کے قائل ہیں، انھوں نے حسبِ ذیل اُمور سے استدلال کیا ہے:

۱- ''عن أبی إسحاق ، عن امرأته أنها دخلت علی عائشة رضی الله عنها نسوة ، فسألتها أمرأة فقالت : یا أم المؤمنین : کانت لی جاریة فبعتها من زید بن أرقم بثمان مائة إلی أجل ، ثم اشتریتها منه بست مائة فنقدته ستمائة، و کتبت علیه ثمان مائة ، فقالت عائشة : بئس والله ما اشتریت ! وبئس والله ما اشتری ، أخبری زید بن أرقم أنه قد أبطل جهاده مع رسول الله ﷺ إلا أن یتوب'' (مصنف عبدالرزاق ۸/ ۱۸۴-۱۸۵، حدیث نمبر: ۱۴۱۸۲)۔

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ خواتین آئیں، ایک خاتون نے سوال کرتے ہوئے عرض کیا: ام المومنین! میری ایک باندی تھی، میں نے اس کو زید بن ارقم سے آٹھ سو میں فروخت کردیا، پھر اسی کو ان سے چھ سو میں خرید کرلیا تو میں نے چھ سو ان سے وصول کئے اور ان کے آٹھ سو ہوگئے، حضرت عائشہؓ نے کہا کہ خدا کی قسم! کیا ہی بدترین ہے تمہارا خریدنا اور ان کا خریدنا، زید بن ارقم کو بتادو کہ اگر انھوں نے توبہ نہیں کی تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انھوں نے جو جہاد کیا ہے، انھوں نے اس کو ضائع کرلیا)۔

اس روایت میں بالواسطہ ہی نفع پہنچایا گیا ہے؛ لیکن حضرت عائشہؓ نے اسے بھی قابل

قبول نہیں سمجھا۔

۲- رسول اللہ ﷺ نے بیع عینہ سے منع فرمایا؛ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إذا تبايعتم بالعينة، وأخذتم أذناب البقر، ورضيتم بالزرع، وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلاً لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم "(منتقی الاخبار مع نیل الأوطار: ۲۱۹/۵)۔

(جب تم بیع عینہ کرنے لگوگے، بیل کی دم پکڑنے لگوگے، کھیتی پر راضی ہو جاؤگے اور جہاد چھوڑ دوگے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت کو مسلط کر دے گا، جو اس وقت تک دور نہ ہوگی، جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ آجاؤ)۔

عینہ میں بھی بالواسطہ روپیہ پر نفع حاصل کیا جاتا ہے اور تورق میں بھی بالواسطہ یہی عمل ہوتا ہے، فرق یہ ہے کہ عینہ دو افراد کے درمیان ہوتا ہے اور تورق تین افراد کے درمیان۔

۳-"عن شيخ من بني تميم قال : خطبنا علي رضي الله عنه قال : نهى رسول الله ﷺ عن بيع المضطر وبيع الغرر وبيع الثمرة قبل أن تبدو الخ "(سنن ابوداؤد، باب بیع المضطر، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۳۳۸۲)۔

(بنی تمیم کے ایک شخص سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مضطر کی بیع غرر یعنی جہالت وابہام والی بیع اور پھل کے قابل استعمال ہونے سے پہلے اس کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

تورق بھی اصل میں حالتِ اضطرار ہی کی بیع ہوتی ہے کہ وہ نقد رقم لینے کے لئے مجبور ہوتا ہے اور اس بنا پر اسے ایک چیز خرید کر بیچنی پڑتی ہے۔

۴- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"إذا استقمت بنقد ثم بعت بنقد فلا بأس، و إذا استقمت بنقد فبعت

بنسیئة فلا خیر فیه ، تلک ورق بورق" (بیان الدلیل: ۲۳۶/۸، تہذیب السنن لابن قیم: ۵/ ۱۰۹، مصنف عبدالرزاق: ۲۳۶/۸)۔

(جب تم نقد خریدو اور پھر نقد بیچو تو حرج نہیں اور نقد خریدو اور اُدھار بیچو تو اس میں خیر نہیں، یہ دراہم کی دراہم سے بیع ہے)۔

۵- تورق دراصل ربا کے لئے ایک حیلہ ہے اور شریعت کا ایک مستقل اُصول سد ذریعہ ہے کہ نہ صرف گناہ کو منع کیا جائے؛ بلکہ ان راستوں کو بھی بند کردیا جائے جو گناہ کا سبب بنتے ہیں، لہٰذا سد ذریعہ کے طور پر تورق کو ممنوع ہونا چاہئے۔

جواز کے دلائل پر ایک نظر:

۱- یہ درست ہے کہ تورق میں دو الگ الگ خرید وفروخت کے معاملات ہوتے ہیں اور خرید وفروخت کو جائز قرار دیا گیا ہے؛ لیکن دونوں معاملات کا مجموعہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اصل مقصود سامان کی خرید وفروخت نہیں ہے؛ بلکہ نفع دے کر قرض حاصل کرنا ہے اور معاملات میں صرف الفاظ کی اہمیت نہیں ہوتی؛ بلکہ مقاصد کو بھی اہمیت حاصل ہوتی ہے: "لا عبرة فی العقود للالفاظ والمبانی ، والعبرة للمقاصد والمعانی" — نیز بعض دفعہ انفرادی طور پر ایک عقد کا حکم الگ ہوتا ہے؛ لیکن اگر اس کے ساتھ کوئی اور عقد جمع ہوجائے تو اجتماعی حیثیت میں اس کا حکم مختلف ہوجاتا ہے، جمہور فقہاء نے جو بیع عینہ کو منع کیا ہے اس کی بنیاد بھی یہی ہے، ورنہ فی الجملہ دو الگ الگ عقد وہاں بھی پائے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں علامہ ابواسحٰق شاطبیؒ کی یہ بات بڑی چشم کشا ہے:

"...... الاستقراء من الشرع عرف أن للاجتماع تأثیراً فی أحکام لا تکون فی حالة الانفراد ...... فقد نهی علیه الصلاة والسلام عن بیع وسلف وکل واحد منهما لو انفرد لجاز ...... ونهی عن جمع المفترق وتفریق المجتمع خشیة الصدقة وذلک یقتضی أن للاجتماع تأثیراً لیس للانفراد" (الموافقات ۱۷۲/۳-۱۷۳،

ط: دار المعرفہ، بیروت)۔

(......احکامِ شریعت کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام میں اجتماع کا وہ اثر ہوتا جو انفراد کا نہیں ہوتا...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بیع اور قرض سے منع فرمایا؛ حالانکہ ان میں سے ہر ایک کو اگر انفرادی طور پر کیا جائے تو جائز ہے، اور سول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے خوف سے الگ الگ مال کو جمع کرنے اور جو مال ایک جگہ ہو اس کو الگ الگ کرنے کی ممانعت فرمائی، اس کا تقاضہ ہے کہ اجتماعی حیثیت کے ایسے آثار واحکام ہوتے ہیں، جو انفرادی حیثیت کے نہیں ہوتے)۔

۲- جہاں تک معمولی تمر (کھجور) بیچ کر عمدہ تمر (کھجور) خریدنے کی بات ہے، تو اس سلسلہ میں تین باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں:

(الف) اس واقعہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مقصد زیادہ پیسہ دے کر کم پیسہ حاصل کرنا نہیں تھا؛ جیسا کہ تورق میں ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا مقصد معمولی کھجور کی جگہ بہتر کھجور حاصل کرنا تھا، اس لئے تورق کے معاملہ اور اس واقعہ کی نوعیت میں فرق ہے۔

(ب) کھجور کی خرید وفروخت والے معاملہ میں دونوں معاملات نقد کئے گئے تھے، اُدھار نہیں، اور سود کی بنیاد بنتی ہے اُدھار معاملہ؛ کیوں کہ سود خوار مہلت کے بدلہ پیسہ وصول کرنا چاہتا ہے، اس لئے فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اصلاً حرمت ربا نسیئۃ کی ہے، ربا فضل کی حرمت سد ذریعہ کے طور پر ہے۔

(ج) اتفاقی اور انفرادی طور پر بعض حالات میں حیلہ کی اجازت ہو سکتی ہے؛ لیکن اس کو معاملہ کا ایک مستقل طریقہ بنالینا درست نہیں، یہ حرام کو حلال کرنے کی کوشش ہے۔

۳- یہ درست ہے کہ معاملات میں اصل جائز ہونا ہے؛ لیکن یہ ایسے وقت میں ہے؛ جب کہ حرمت پر کوئی دلیل موجود نہ ہو؛ لیکن اگر کسی معاملہ میں حلت اور حرمت کا شبہ پیدا ہو جائے تو پھر حرمت کو ترجیح دی جائے گی؛ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: ''إذا اجتمع الحلال والحرام فقد غلب الحرام''۔

۴- حاجت یقیناً احکام فقہیہ کی ایک اہم اصل ہے؛ کیوں کہ شریعت کے مقاصد میں سے رفع حرج بھی ہے؛ لیکن نص کے مقابلہ میں حاجت معتبر نہیں؛ جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے :

"المشقة والحرج إنما يعتبر ان فی موضع لا نص فيه وأما مع النص بخلافه فلا" (الأشباہ والنظائر مع غمز عیون البصائر ۱/۲۷۱)۔

اس لئے بطور مستقل اُصول کے تورق کو جائز قرار دینا درست نہیں؛ البتہ کوئی شخص بہت ضرورت مند ہوتو فقہاء احناف کی صراحت "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" (الأشباہ والنظائر: ۱۴۹) (حاجت مند کے لئے نفع پر قرض حاصل کرنا جائز ہے) کے تحت اس کے لئے سودی قرض حاصل کرنے کی گنجائش ہے، خواہ وہ تورق کے ذریعہ ہو یا کسی سودخوار سے لیا جائے۔

خلاصۂ بحث:

یہ حقیر، فقہاء کے نقاطِ نظر اور ان کی پیش کی گئی دلیلوں کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ایک تو ہے کسی شخص کا انفرادی اور اتفاقی طور پر کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تورق کر لینا، اس کی تو گنجائش ہو سکتی ہے، دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی ادارہ اس کو تمویل کا ذریعہ بنائے اور استثمار کے ایک منہج کے طور پر اس کا استعمال کرے یہ جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ بہر حال ایک حیلہ ہے، اور حیلہ کو مستقل طریقۂ کار نہیں بنایا جا سکتا، ورنہ یہ شریعت کے احکام سے کھلواڑ کرنا اور بالواسطہ طریقہ پر حرام کو حلال کرنا ہوگا، اس کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے حیلوں کو اختیار کرنے والا اس کو جائز وحلال سمجھ کر استعمال کرتا ہے، اس لئے نہ اس میں اپنے عمل پر ندامت ہوتی ہے اور نہ کبھی یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے، اس کے برخلاف اگر آدمی کسی کام کو حرام سمجھ کر بہت ہی مجبوری کے تحت کرتا ہے تو اسے اپنے فعل پر ندامت ہوتی ہے، وہ آئندہ اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی غلطی پر تائب بھی ہوتا ہے، اس لئے انفرادی تورق تو جائز ہوگا؛ لیکن منظم تورق بطور طریقۂ استثمار کے جائز نہیں۔

معاصر اسلامی بینکاری اور تورق، ایک تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر (مفتی) حافظ عبدالباسط خان☆

معاصر اسلامی بینکاری میں تورق کا استعمال روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اس کے متعلق تمام ضروری ابحاث کو اجمالاً سمیٹا گیا ہے۔

لغوی تعریف:

تَوَرُّق باب تفعل سے مصدر ہے۔ اس کی اصل ورق ہے۔ ورق راء کے فتحہ کے ساتھ پتے کو کہتے ہیں جب کہ راء کے کسرہ کے ساتھ چاندی کو کہتے ہیں خواہ وہ ڈھالی ہوئی ہو یا نہ ہو۔

ورق سے باب افعال اورق الرجل (آدمی مالدار ہو گیا) باب استفعال استورق الرجل (آدمی نے مال طلب کیا) اور باب تفعل تورق الحیوان (جانور نے پتے کھائے) مستعمل ہیں (ابن منظور افریقی، محمد بن مکرم، لسان العرب، ایران، قم، ۱۴۰۵ھ، ۱۰/ ۳۷۵)۔

قرآن کریم کی آیت: "فَلْيَاْتُوا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ" (سورۃ الکہف/۱۹)۔

(تم میں سے ایک یہ چاندی کے سکے لے کر بازار جائے)۔

اور حدیث مبارکہ: "وفی الرقة ربع العشر" (بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الغنم) (چاندی میں اڑھائی فیصد زکوۃ ہے) میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

☆ لیکچرار شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان۔

اصطلاحی تعریف:

تورق بیع کی وہ قسم ہے جس میں نقد رقم کا ضرورت مند ایک شخص سے ادھار چیز مہنگے داموں خریدتا ہے اور پھر اسے بازار میں نقد قیمت پر (جو ادھار قیمت سے کم ہوتی ہے) کسی تیسرے شخص کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور نقد رقم حاصل کر کے اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے۔ چونکہ اسے نقد رقم (وَرِق یعنی چاندی) حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی مناسبت سے اس معاملہ کو تورق کہہ دیتے ہیں (موسوعہ فقہیہ کویت، تحت "تورق" ۱۴/ ۱۴۷)۔

جو شخص اس معاملہ کے ذریعے نقد رقم کا طالب ہو اسے متورق یا مستورق کہتے ہیں اور جو شخص اسے ادھار فروخت کرتا ہے اسے مُورِق کہتے ہیں۔

تورق کی متقارب اصطلاحات:

تورق کے متقابل دو اصطلاحات اور مستعمل ہیں۔ توریق اور عینہ۔

توریق:

توریق (Securitization) کا معنی سودی قرض حاصل کرنا ہے (وھبہ الزحیلی، الدکتور، التورق حقیقتہ وانواعہ (الفقھی المعروف والمصرفی المنظم) ص: ۳، (مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کے انیسویں سیمینار میں پیش کیا گیا مقالہ)۔

عینہ:

عینہ بیع کی وہ قسم ہے جس میں نقد رقم کا ضرورت مند ایک شخص سے ادھار چیز مہنگے داموں خریدتا ہے اور پھر اسے اسی پہلے شخص کو نقد قیمت پر (جو ادھار قیمت سے کم ہوتی ہے) بیچ دیتا ہے۔

عینہ کی اقسام:

عینہ کی مختلف اقسام فقہاء نے ذکر کی ہیں:

پہلی قسم: ایک ضرورت مند شخص کسی دوسرے شخص سے کوئی چیز ادھار خریدتا ہے اور پھر

یہ خریدار اسی شخص کو یہی چیز نقد قیمت پر فروخت کر دیتا ہے۔ یہ نقد قیمت اس ادھار قیمت سے کم ہوتی ہے۔

تفہیم کی خاطر مزید اقسام کو مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح کیا جاتا ہے:

قسم دوم: زید، بیع عینہ کے ذریعے نقد رقم کا طالب ہے۔ خالد، عامر سے نقد قیمت پر چیز خریدتا ہے اور پھر خالد یہ چیز زید کو ادھار پر مہنگے داموں فروخت کر دیتا ہے اور پھر زید یہ چیز دوبارہ عامر کو نقد قیمت پر بیچ دیتا ہے۔

تیسری قسم: زید ایک چیز ادھار خریدتا ہے اور ایک مہینہ میں قیمت کی ادائیگی طے پاتی ہے پھر زید یہی چیز اسی شخص کو جس سے خریدی تھی ادھار پر مہنگی فروخت کر دیتا ہے اور ادائیگی کے لئے ایک مدت طے کرتا ہے جو پہلی مدت سے کم ہوتی ہے۔

چوتھی قسم: زید خالد کو پندرہ روپے ادھار دیتا ہے۔ پھر دس روپے کی کوئی چیز اسے پندرہ روپے میں فروخت کر دیتا ہے اور وہی ادھار پندرہ روپے بطور چیز کی قیمت کے واپس لے لیتا ہے۔ یوں اصل پندرہ روپے زید پر ادھار رہ گئے۔

پانچویں قسم: زید اور خالد پہلے ایک سودی معاملہ پر متفق ہو جاتے ہیں اس معاملہ کی خاطر وہ عامر کے پاس جاتے ہیں۔ زید، عامر سے کوئی چیز خریدتا ہے اور خالد کو نقد قیمت پر فروخت کر دیتا ہے۔ خالد پھر زید کو ادھار پر مہنگے داموں فروخت کر دیتا ہے۔ زید پھر عامر کو وہی چیز واپس کر دیتا ہے اور عامر کے اس معاملہ میں تعاون کرنے پر کچھ رقم اسے دے دیتا ہے۔

اس پانچویں قسم کو عینہ ثلاثیہ کہتے ہیں اور وہ قسم جس میں چیز پہلے بائع کے پاس بغیر کسی واسطہ کے واپس چلی جاتی ہے اسے عینہ ثنائیہ کہتے ہیں (ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتہد، لاہور، المکتبۃ العلمیہ ۱۹۸۴ء، کتاب البیوع، باب فی بیوع الذرائع الربویہ ۲/۱۰۶، ۱۰۷، ابن تیمیہ محمد حسن عبدالحلیم، مجموع الفتاوی بیروت، دارالکتب العلمیہ ۲۰۰۵ء، کتاب البیوع، مسئلہ التورق ومسئلہ العینہ رص ۱۹۴، ۱۹۷ جز ۲۹ء، خطاب، محمد بن عبد الرحمٰن، مواہب الجلیل شرح مختصر الخلیل، بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۹۹۵، کتاب البیوع، فصل فی العینہ ۶/ ۱۹۳، ۲۰۰، ابن عابدین، محمد امین، ردالمحتار علی الدر المختار، مکہ مکرمہ، مکتبہ مصطفیٰ احمد الباز، س-ن، کتاب البیوع، باب الصرف،

مطلب فی بیع العینہ ۵/ ۳۴۷ ۲،نووی، یحی بن شرف، المجموع شرح المہذب ۱/ ۱۵۳)۔

عینہ کا حکم:

عینہ کی یہ تمام اقسام جمہور فقہاء کے نزدیک نا جائز اور حرام ہیں، سوائے امام شافعی کے (مزید تفصیل آگے آرہی ہے) کیونکہ یہ سودی معاملات کا دروازہ کھولتی ہیں۔ ابن قیم نے مذکورہ بالا پانچویں قسم کو تمام اقسام میں بدترین قرار دیا ہے کیونکہ اس میں دو سودی معاملہ کرنے والے تیسرے شخص کا واسطہ پیدا کر کے حرام کو حلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں (ابن قیم، تہذیب السنن، بیروت، المکتبۃ السلفیہ، ۱۹۷۹ء، ۹/ ۲۴۷)۔

تورق کی اقسام:

تورق کی دو تقسیمات ہیں۔

تقسیم اول: تورق حقیقی:

وہ تورق جس میں باقاعدہ بائع، مشتری اور تیسرا شخص معاملات حقیقت میں طے کرتے ہیں۔ تورق حقیقی دو عقود سے مرکب ہے:

عقد اول میں نقد رقم کا ضرورت مند شخص کوئی چیز کسی سے مہنگی قیمت پر ادھار خریدتا ہے اور باقاعدہ قبضہ حاصل کرتا ہے۔

عقد دوم میں یہ ضرورت مند شخص اپنی مقبوضہ چیز کو بازار میں کسی تیسرے شخص کے ہاتھ خریدی ہوئی قیمت کی بہ نسبت سستی قیمت پر نقد بیچ دیتا ہے۔

یہ دونوں عقود حقیقت میں انجام پاتے ہیں۔

تورق صوری:

یہ وہ قسم ہے جس میں محض صورۃً کوئی چیز ضرورت مند شخص خریدتا ہے اور بغیر قبضہ کے وہ محض ایک کاغذی کاروائی کے ذریعے بالواسطہ طور پر اس پہلے شخص کے کسی ایجنٹ یا جاننے والے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور بیچتے وقت عموماً قبضہ بھی نہیں دلاتا، اس لیے کہ خود اس کو بھی چیز پر حقیقی قبضہ

حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے بائع اول اس مخصوص مشتری کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

تقسیم دوم: تورق فردی:

یہ وہی تورق ہے جس کا ذکر ''تورق حقیقی'' کے ذیل میں ہوا۔ چونکہ یہ عموماً افراد کے درمیان ہوتا ہے اور فرد اس سے متمتع ہو رہا ہوتا ہے، اس لئے اسے تورق فردی کہا جاتا ہے۔

تورق منظم:

یہ تورق کی وہ قسم ہے جس میں نقد کے ضرورت مند شخص کیلئے بائع تورق کے تمام امور کا اہتمام کرتا ہے چنانچہ ضرورت مند شخص جب بائع سے مہنگے داموں ادھار قیمت پر چیز خرید لیتا ہے تو یہی بائع اس شخص کی طرف سے وکیل بن کے اس کی چیز کو آگے نقد پر فروخت کر دیتا ہے اور خریدنے والے سے چیز کی قیمت لے کر ضرورت مند شخص کے حوالے کر دیتا ہے۔

بینکاری تورق:

بینکوں کا تورق بھی تورق منظم ہی کی گویا ایک قسم ہے چنانچہ بنک متورق کی طلب پر بازار سے نقد چیز خرید کے متورق کو ادھار پر مہنگے داموں فروخت کر دیتا ہے اور پھر متورق کی طرف سے بطور وکیل کے اسی چیز کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ نقد کم قیمت پر فروخت کر کے رقم متورق کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دیتا ہے یہ تیسرا شخص بینک ہی سے متعلق ہوتا ہے۔

تورق مقلوب:

یہ بینکاری تورق ہی کی ایک قسم ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس میں بنک متورق ہوتا ہے اور بنک کا اکاؤنٹ ہولڈر بائع اول ہوتا ہے۔ وہ بنک کو ادھار پر مہنگے داموں چیز بیچتا ہے جو بنک ہی اولاً وکالۃً انٹرنیشنل مارکیٹ یا نیشنل مارکیٹ سے خریدتا ہے اور بنک اس چیز کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ نقد فروخت کر دیتا ہے۔ یوں بنک کے پاس نقد رقم (Liqudity) آ جاتی ہے (سعید بوهراوة، الدکتور، التورق المصرفی، دراسة تحلیلیة نقدیة للآراء الفقهیة، ص۹۔۱۱، مجمع الفقه الاسلامی جدہ کے انیسویں

سیمینار میں پیش کیا گیا مقالہ)۔

بینکاری تورق کی مشہور اقسام:

۱- جس کا ذکر بینکاری تورق کی تعریف کے ذیل میں گزرا۔

۲- جس کا ذکر تورق مقلوب کے ذیل میں گزرا۔

۳- کرنٹ اکاؤنٹ یا کریڈٹ کارڈ اکاؤنٹ ہولڈر سے اکاؤنٹ کھولتے وقت اس چیز پر دستخط لیے جاتے ہیں کہ جونہی اس کا اکاؤنٹ ایک مقررہ رقم تک پہنچ گیا اسے تورق کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ اس معاملے سے بنک کا مقصد اپنے خسارہ جات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔

۴- صکوک شیئ مستاجرہ: بنک زمین وغیرہ عوام کو بیچتا ہے اور پھر ان سے لیز (lease) پر لے لیتا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ زمین بائع یعنی بینک کو خرید شدہ رقم پر دوبارہ بیچ دی جائے گی۔ اس میں مقصود صاحب صکوک کو زمین کا کرایہ دلانا ہے۔

۵- صکوکِ منافع: یہ طویل المدتؒ منافع کا صکوک ہے، جسے عوام خرید بھی سکتے ہیں مگر اس شرط پر کہ منافع بائع اول ہی کو فروخت کرنا ہوں گے سالانہ کی بنیاد پر۔ دوبارہ بیچتے وقت قیمت بڑھا دی جاتی ہے۔

تورق فردی کی مشہور اقسام:

۱- وہی جس کا تذکرہ تورق فردی کے تعارف کے ذیل میں آیا ہے۔ اس قسم کی انفرادیت یہ ہے کہ متورق کی نیت کا کسی کو علم نہیں کہ وہ اس نیت سے ادھار خرید رہا ہے کہ اسے نقد پر فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرے گا۔

۲- متورق تاجر سے قرض مانگتا ہے وہ کہتا ہے کہ قرض کے لئے تو نقد رقم میرے پاس نہیں تم مجھ سے ادھار پر چیز خرید لو اور اسے بازار میں نقد پر فروخت کر دو۔ تاجر ادھار کی وجہ سے چیز کی قیمت میں اضافہ نہیں کرتا۔

۳- یہی دوسری صورت ہو مگر تاجر ادھار پر فروخت کی وجہ سے قیمت میں اضافہ

کر دے (سعید بوھراوۃ، الدکتور، التورق المصرفی، دراسۃ تحلیلیۃ نقدیۃ للآراء الفقھیۃ، ص ۹-۱۱)۔

تورق فردی اور تورق منظّم (بشمول بینکاری تورق و تورق مقلوب) کے درمیان فروق:

۱-تورق منظم میں بائع، متورق کے لیے نقد پر فروخت کرنے کے معاملے میں ایک واسطے کا کام دیتا ہے۔ جب کہ تورق فردی میں بائع کا مبیع اور متورق کے ساتھ تعلق ختم ہو جاتا ہے۔

۲-تورق منظم میں متورق، نقد قیمت پر فروخت کردہ شے کی قیمت بائع سے حاصل کرتا ہے جب کہ تورق فردی میں متورق شےء کو بذات خود فروخت کر کے براہ راست قیمت مشتری سے حاصل کرتا ہے۔

۳-تورق منظم میں بائع اور مشتری دوم کے درمیان تورق کے معاملہ کی ابتداء ہی میں اتفاق ہو جاتا ہے کہ مشتری دوم مبیع کو فلاں قیمت پر خرید لے گا اور وہ مشتری دوم اس کا وعدہ اور التزام کرتا ہے۔ یہ اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ قیمتوں کی گراوٹ سے محفوظ رہا جا سکے جب کہ تورق فردی میں اس عمل کا نام ونشان نہیں ہوتا (سویلم، سامی بن ابراہیم، الدکتور، منتجات التورق المصرفیہ، ص ۲۳، مجمع الفقہ الاسلامی کے انیسویں سیمینار میں پیش کیا گیا مقالہ)۔

تورق فردی کے مجوزین و مانعین:

تورق کے جواز و عدم جواز کی بحث میں سب سے مقدم یہ امر ہے کہ آیا تورق فردی بھی جائز ہے کہ نہیں؟

ظاہر ہے کہ اگر تورق کی یہ قسم جواز و قبول کا درجہ حاصل کر لیتی ہے تب ہی تورق منظم پر بحث کا دروازہ کھل سکے گا ورنہ معاملہ یہیں ختم ہو جائے گا۔

تورق فردی۔۔ مسالک فقہیہ کی روشنی میں:

حنبلی مسلک:

کہا جاتا ہے کہ تورق کا اول اول ذکر حنابلہ کے ہاں ملتا ہے۔ علمائے حنابلہ امام احمد

تورق کے بارے میں دو قول نقل کرتے ہیں: ایک جواز کا اور دوسرا کراہت کا۔ تاہم علمائے حنابلہ کی تصریحات یہ واضح کرتی ہیں کہ جواز کا قول ہی مختار اور پسندیدہ ہے۔

"لو احتاج إلى نقد، فاشترى ما يساوى مائة بمائة و خمسين فلا باس، نص عليه وهو المذهب، وعليه الأصحاب، وهى مسألة التورق" (ابن مفلح، الفروع، ۱۷۱/۴)۔

(یعنی اگر ایک شخص کو نقد کی ضرورت ہو اور وہ سو روپے کی چیز ایک سو پچاس میں خرید لے تو کوئی حرج نہیں اسی پر نص وارد ہوئی ہے یہی حنبلی مذہب ہے اور اسی پر حنابلہ کا اتفاق ہے اور اسی کا نام تورق ہے)۔

"ولو احتاج انسان إلى نقد فاشترى ما يساوى مائة بمائة و خمسين فلا بأس بذلک نص عليه وهى اى هذه المسئلة تسمى مسألة التورق" (البہوتی، منصور بن یونس، کشاف القناع، مکۃ المکرمۃ، مطبعۃ الحکومۃ، ۱۳۹۴ھ، ۱۷۵/۳)۔

اس عبارت کا مفہوم بھی مقدم الذکر عبارت کے مفہوم کے قریب ہے۔

ابن قدامہ جو حنبلی مسلک کے معتمد شارح شمار ہوتے ہیں انہوں نے اگرچہ تورق کے عنوان سے مسئلہ کا ذکر نہیں کیا تاہم بیع عینہ کے ضمن میں اس کا تذکرہ کیا ہے کہ اگر مشتری اول بائع اول ہی کو دوبارہ فروخت نہ کرے نہ ہی اس کے کسی وکیل کو فروخت کرے تو پھر یہ بیع عینہ جائز ہے (ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، المغنی مع الشرح الکبیر، کتاب البیوع، باب المصر اۃ وغیر ذلک، ۲۷۷/۴۔۲۷۹)،

ظاہر ہے کہ جس بیع کے جواز کا وہ فتویٰ دے رہے ہیں وہی بیع تورق ہے۔

البتہ امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم تورق کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان کے اقوال و تحریرات سے جو امر مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بیع عینہ اور بیع تورق میں یہ امر مشترک ہے کہ متورق اور صاحب عینہ کا اصل مقصد اس مبیع سے براہ راست استفادہ کرنا نہیں ہے، بلکہ وہ اسے نقد رقم کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں اور اپنے ذمہ زیادہ رقم بطور قرض اٹھا کے کم رقم بطور نقد

حاصل کرتے ہیں اور یہ ربا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ یہاں ایک شئے کو واسطہ بنانے کے باعث اس سود کا حصول مشکل بنایا گیا ہے اور سادہ سودی معاملہ میں سود کا حصول آسان ہوتا ہے گویا سود کے حصول کے لئے شئے کا واسطہ اسے جائز نہیں کرے گا۔ اگر چہ یہ دونوں حضرات تسلیم کرتے ہیں کہ امام احمد سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں تاہم وہ جواز والی روایت کو مرجوح قرار دیتے ہیں (مجموع الفتاوی، مسئلة التورق و مسئلة العینة ۱۹۶/۲۹، تہذیب السنن، پاکستان، المکتبة الاثریة، ۱۰۸/۵_۱۰۹)۔

معاصر مصنفین میں سے جو حضرات تورق منظّم یا تورق فردی و منظّم دونوں کے عدم جواز کے قائل ہیں، انہوں نے ان دو حضرات کے استدلالات کو اپنے مؤقف کی تائید میں پرزور طریقے سے تفصیلاً پیش کیا ہے۔

شافعی مسلک:

شافعی مسلک میں بیع عینہ بھی جائز ہے تآنکہ بائع اول پابند کرے مشتری اول (صاحب عینہ) کو کہ وہ کم قیمت پر اسے ہی فروخت کرے۔ یہ مسلک شافعی کی وہ تعبیر ہے جو فیومی نے ذکر کی ہے۔ باقی خود امام شافعی (شافعی، محمد بن ادریس، کتاب الام، بیروت، دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۲ء، کتاب البیوع، باب بیع الآجال، ۹۵/۳_۹۶) اور ان کے مذہب کے متقدمین اصحاب اجتہاد بڑی شدو مد سے بیع عینہ کے جواز کا فتوی دیتے ہوئے اور اس کے جواز کا دفاع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

امام ماوردی نے بیع عینہ کے مانعین کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بجائے سود کے حصول کے لیے حیلہ ہونے کے، سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔

"واما الجواب عن قولھم انه ذریعة الی الربا الحرام فغلط بل ھو سبب یمنع من الحرام وما منع من الحرام کان ندبا" (ماوردی، علی بن محمد، الحاوی الکبیر، مکة مکرمة، مکتبة دار الباز، ۱۹۹۹ء، کتاب البیوع، باب الرجل یبیع الی أجل ثم یشتریه باقل من الثمن، ۲۸۹/۵)۔

امام نووی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مشتری اول (صاحب عینہ) کے لیے بائع اول ہی کو دوبارہ فروخت کر دینا صحیح ہے خواہ یہ طریقہ اس شہر میں بطور عرف و عادت کے موجود ہو یا نہ ہو (نووی، یحیٰی بن شرف، روضۃ الطالبین، سعودیہ، دار عالم الکتب، ۲۰۰۳ء کتاب البیع، باب البیوع المنہی عنھا، ۸۶/۳)۔

البتہ متاخرین شوافع مثلاً ذکریا انصاری، شربینی اور رملی وغیرہ نے بیع عینہ کی کراہت کا قول اختیار کیا ہے (مثلاً دیکھیے۔ شربینی، محمد بن احمد، مغنی المحتاج، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س۔ن، کتاب البیوع، باب فی بیوع المنہی عنہا وغیرہا ۳۹/۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب متقدمین شوافع اور خود امام شافعی عینہ کے جواز تک کے قائل ہیں تو وہ تورق کے بطریق اولیٰ قائل ہوں گے۔

مالکی مسلک:

جہاں تک مالکی مسلک کا تعلق ہے تو جمہور کے ہاں جو بیع عینہ کی صورت ہے مالکیہ کے ہاں وہ قابل فسخ ہے جب تک مبیع موجود ہے وہ اسے بیع الآجال کے تحت داخل کرتے ہیں۔ ابن رشد کی عبارت سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔

"فاذا باع الرجل سلعة بثمن إلى اجل ثم ابتاعها منه بأقل من ذلک الثمن نقداً فسخت البيعتان جميعا عن ابن الماجشون، وهو الصحيح فی النظر" (ابن رشد، محمد بن احمد، المقدمات الممہدات، بیروت، دار الغرب الاسلامی، س۔ن، ۵۳/۲)۔

البتہ ان کے ہاں عینہ کی صورت یہ ہے:

"إذا جاء شخص لآخر وقال له: سلفنی ثمانين وأرد لک مائة، فقال له: هذا لا يحل ولكن أبيعک سلعة قيمتها ثمانين بمائة فهذا من العينة المكروهة" (ابن قدامہ، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی، مصر، عیسیٰ البابی الحلبی، س۔ن، کتاب البیوع، فصل ذکر فیہ حکم بیع العینہ، ۸۹/۳)۔

یعنی ایک شخص دوسرے سے سودی قرض مانگے تو وہ یہ کہے کہ یہ تو جائز نہیں، البتہ میں تمہیں اسّی روپے کی چیز سو روپے میں ادھار دے دیتا ہوں (تاکہ تم اسے نقد قیمت پر فروخت کر کے رقم سے فائدہ اٹھا سکو) تو یہ صورت عینہ مکروہہ کی ہے۔

اب مالکیہ کے ہاں بعض روایات تو وہ ہیں جن سے مطلقاً وہ تمام صورتیں ممنوع قرار پاتی ہیں جن میں بائع اول کو معلوم ہو کہ مشتری ادھار خرید شدہ چیز کو نقد فروخت کر کے رقم حاصل کر لے گا اور اپنی ضرورت پوری کر لے گا، ہاں البتہ اگر وہ اس ادھار خرید شدہ چیز کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا چاہے تو پھر فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں اس علی الاطلاق ممانعت کے باعث بعض معاصر مصنفین (سامی بن ابراہیم السویلم اسلامک ڈیولپمنٹ بنک جدہ) کے نزدیک تورق بھی مالکیہ کے نزدیک عینہ کی طرح حرام قرار پاتا ہے۔

متعدد تحریرات اس علی الاطلاق ممانعت پر دلیل ہیں۔ بطور مثال ایک تحریر درج ذیل ہے:

"قال مالک، "لو باعه وهو ممن یعیّن، روایة زیت بعشرین، علی ان ینقده عشرة، و عشرة الی اجل فلا خیر فیه ان کان مبتاعها یرید بیعها" (ابن رشد، محمد بن احمد، النوادر والزیادات، ۶/ ۹۲)۔

"وهذا فیما یشتریه لیبیعه لحاجته الی ثمنه، فاما من یشتری لحاجته من ثوب تلبسه ودابة یرکبها او خادم یخدمه فلا باس بذلک کله" (حوالہ بالا)۔

البتہ بعض معاصر مصنفین (مولانا محمد تقی عثمانی) کی رائے مختلف ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ مالکیہ نے صراحتاً "بیوع الآجال" کے تحت تورق کی صورت کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس بعض جزئیات تورق کی اجازت پر دلالت کرتی ہیں۔

مندرجہ ذیل جزئیات قابل غور ہیں:

"وسئل مالک عن رجل ممن یعین یبیع السلعة من الرجل بثمن إلی أجل، فاذا قبضها منه ابتاعها منه رجل حاضر کان قاعدا معهما فباعها منه ثم إن

الذی باعها الأول اشتراها منه بعد، وذلک فی موضع واحد، قال: لا خیر فی هذا، ورآه انه محلل فیما بینهما" (ابن رشد، محمد بن احمد، البیان والتحصیل، بیروت، دار الغرب الاسلامی، س۔ن، کتاب السلم والآجال الاول، ۷/۸۹)۔

(امام مالکؒ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو بیع عینہ کرتا ہے، وہ ایک کے ہاتھ ادھار چیز بیچتا ہے۔ خریدار جب چیز پر قبضہ کر لیتا ہے تو وہیں موجود شخص اس سے وہ چیز خرید لیتا ہے اور پھر وہ بائع اول کو چیز فروخت کر دیتا ہے اور یہ سارے معاملات ایک ہی مجلس میں منعقد ہوتے ہیں۔ امام مالک نے جواباً فرمایا: اس معاملہ میں کوئی خیر نہیں ہے اور یہ تیسرا شخص ان کے درمیان گویا محلل ہے)۔

اس جزئیہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر یہ شے بائع اول ہی کو واپس نہ ہوتی بلکہ مشتری ثانی یہ چیز کسی اور کو فروخت کر دیتا تو یقیناً یہ معاملہ جائز ہو جاتا۔

"قال عیسیٰ: وسمعت ابن القاسم وسئل عن رجل اشتری من رجل سلعة بثمن، إلی أجل، ثم أن البائع أمر رجلا أن یشتری له سلعة بنقد و دفع الیه دنانیره فاشتراها المأمور من المشتری بأقل من الثمن الذی کان ابتاعها به المشتری، وقد علم المأمور أن الآمر باعها منه أو لم یعلم وقد فاتت السلعة قال لا خیر فیه" (ایضاً، کتاب السلم والآجال الثانی، تحت عنوان "ومن کتاب القطعان" ۷/۱۲۶)۔

(عیسیٰ کہتے ہیں کہ ابن قاسم کو میں نے سنا ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص دوسرے سے ادھار چیز خریدتا ہے پھر فروخت کنندہ ایک شخص کو حکم دیتا ہے کہ وہ خریدار سے وہی چیز نقد قیمت پر خرید لے اور وہ اسے اس مقصد کے لئے رقم بھی دے دیتا ہے پھر یہ شخص (مأمور) مشتری سے وہ چیز اس ادھار قیمت کے مقابلے میں کم قیمت پر خرید لیتا ہے، حالانکہ اس مامور کو یہ تو علم ہے یا علم نہیں ہے کہ آمر نے یہ چیز اسی مشتری اول کو فروخت کی تھی۔ ابن قاسمؒ نے فرمایا اس معاملہ میں کوئی خیر نہیں ہے)۔

ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں خیریت کا پہلو اسی لیے نہیں ہے کہ وہ چیز بائع اول کے پاس بالواسطہ پہنچ ہی گئی۔ اگر یہ آمر اس چیز کو خرید کے بازار میں کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا تو ابن القاسم کا یہ جواب نہ ہوتا۔

چنانچہ امام دسوقی نے بیوع الآجال جو ممنوع ہیں ان کی پانچ اقسام ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں سے متعلقہ قسم وہ ہے کہ دوسری مرتبہ فروخت کرنے والا وہی ہے جو پہلی مرتبہ خریدنے والا ہے یا اس کا قائم مقام اور پہلی مرتبہ فروخت کرنے والا وہی ہے جو دوسری مرتبہ خریدنے والا ہے یا اس کا قائم (الدسوقی، محمد بن عرفۃ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مصر، عیسیٰ بابی الحلبی، س۔ن، کتاب البیوع، فصل فی بیوع الآجال، ۳/۷۷)۔

امام قرافیؒ نے فرمایا ہے کہ ہم اس صورت کو غلط سمجھتے ہیں کہ دوسری مرتبہ عقد بائع اول ہی کے ساتھ ہو (قرافی، احمد بن ادریس، الفروق، بیروت، دار المعرفہ، س۔ن، ۳/۲۶۸)۔

چنانچہ ان تمام مندرجہ بالا تصریحات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مالکیہ کے ہاں تورق فردی جائز ہے۔

حنفی مسلک:

جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے تو اولاً ان کے ہاں متقدمین اصحاب ترجیح وتخریج نے تورق کو عینہ ہی کی ایک شکل بتلایا ہے۔

امام سرخسی لکھتے ہیں:

"وذكر عن الشعبي أنه كان يكره أن يقول الرجل للرجل: أقرضني فيقول: لاحتى أبيعك وإنما أراد لهذا اثبات كراهية العينة، وهو أن يبيعه ما يساوى عشرة بخمسة عشر ليبيعه المستقرض بعشرة، فيحصل للمقرض زيادة وهذا فى معنى قرض جر منفعة والإقراض مندوب إليه فى الشرع، والغرر حرام، إلا أن البخلاء من الناس تطرقوا بهذا الامتناع مما يدنوا إليه،

والاقدام علی ما نهو عنه من الغرور" (سرخسی، محمد بن ابی سہل، المبسوط، بیروت، دار المعرفۃ، س۔ن، کتاب الصرف، باب القرض والصرف فیہ، ۳۶/۱۴)۔

اسی طرح امام حصکفیؒ بیع عینہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ای بیع العین بالربح نسیئة لیبیعها المستقرض باقل لیقضی دینه، اخترعه آکلة الربا وهو مکروه مذموم شرعا لما فیه من الإعراض عن مبرة الإقراض" (حصکفی، علاء الدین، الدر المختار مع رد المحتار، مکہ مکرمۃ، مکتبہ مصطفیٰ احمد، الباز، س۔ن، کتاب الکفالۃ، مطلب بیع العینہ، ۳۲۵/۵)۔

امام نسفیؒ (۵۳۷ھ) (نسفی، عمر بن محمد، طلبۃ الطلبۃ فی الاصطلاحات الفقہیہ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۸ھ، کتاب البیع، تحت عنوان "العینہ" ص:۲۰۶) اور امام زیلعی (۷۴۳ھ) نے بھی عینہ کی تفسیر علی الاطلاق ذکر کی ہے جس میں شئے کے بائع اول کی طرف دوبارہ لوٹنے کی قید نہیں ہے بلکہ صراحتاً بازار میں فروخت کرنے کا ذکر ہے۔

"وصورته أن یاتی هو إلی تاجر فیطلب منه القرض و یطلب التاجر الربح ویخاف من الربا، فیبیعه التاجر ثوبا یساوی عشرة مثلا بخمسة عشر نسیئة لیبیعه هو فی السوق بعشرة، فیصل إلی العشرة ویجب علیه للبائع خمسة عشر إلی أجل" (زیلعی، عبداللہ بن یوسف، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۰ھ، کتاب الکفالۃ، زیر عنوان "فصل" ۵۴/۵)۔

ان تمام تحریرات سے یہ امر واضح ہے کہ حنفیہ کے اکثر اصحاب متون نے تورق اور عینہ میں فرق نہیں کیا۔ البتہ عینہ کی تفسیر میں فتاویٰ ہندیہ میں دو صورتیں ذکر ہیں۔ ایک صورت تو وہی ہے جو عین تورق ہے جب کہ دوسری صورت "عینہ ثلاثیہ" کی ہے جو صفحات بالا میں عینہ کی پانچویں صورت کے تحت مذکور ہے (شیخ نظام وجماعۃ علماء، الفتاویٰ الھندیہ (فتاویٰ عالمگیری)، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ، کتاب البیوع، الباب العشرون فی البیاعات المکروھۃ والارباح الفاسدۃ، ۲۰۸/۳۔۲۰۹)۔

رہا یہ امر کہ عینہ (بشمول تورق) کا حکم کیا ہے، تو ان تمام مذکورہ بالا اصحاب متون نے

اسے مکروہ (جو علی الاطلاق بولا جائے تو مکروہ تحریمی سے عبارت ہوتا ہے) قرار دیا ہے۔ امام محمد سے منقول ہے:

"هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه أكلة الربا" (رد المحتار، کتاب الکفالۃ، مطلب بیع العینہ، ۵/۳۲۶)۔

جب کہ دوسری طرف امام ابو یوسف سے اس کا جواز منقول ہے:

"وقال أبويوسف: لا يكره هذا البيع، لأنه فعله كثير من الصحابة وحمدوا على ذلك ولم يعدوه من الربا حتى لو باع كاغذة بالف يجوز ولا يكره" (ایضا، ۵/۳۲۵۔۳۲۶)۔

اسی طرح امام ابو یوسف سے یہ بھی منقول ہے کہ بیع عینہ قابل ثواب ہے۔

"العينة جائزة ماجور من عمل بها كذا في مختار الفتاوىٰ" (الفتاویٰ الہندیہ، ۳/۲۰۹)۔

خاتمۃ المحققین عبد الواحد بن کمال المعروف ابن الہمام نے امام محمد کے کراہت کے قول کو عینہ ثنائیہ وثلاثیہ پر محمول کیا ہے، (جس میں مبیع، بلا واسطہ یا بالواسطہ بائع اول کی طرف لوٹ جاتا ہے) اور امام ابو یوسف کے قول جواز کو تورق پر محمول کیا ہے۔

"ثم الذي يقع في قلبي ان ما يخرجه الدافع، ان فعلت صورة يعود فيها إليه هو أو بعضه كعود الثوب او الحرير فمكروه وإلا فلا كراهة إلا خلاف الاولىٰ على بعض الاحتمالات كان يحتاج المديون فيأبى المسؤل أن يقرض بل أن يبيع ما يساوي عشرة بخمسة عشر إلى اجل فيشتريه المديون ويبيعه في السوق بعشر حالة ولا بأس في هذا فان الأجل قابله قسط من الثمن، والقرض غير واجب عليه بل هو مندوب" (ابن ہمام، عبد الواحد، فتح القدیر، مصر، دار احیاء التراث العربی، س۔ن، کتاب الکفالہ ۶/۳۲۴)۔

ابن الہمامؒ کے تورق اور عینہ کے درمیان اس فرق کو بقول ابن عابدین بہت سے متاخرین حنفیہ نے اختیار کیا ہے (ردالمحتار ۵/۳۲۶)، بلکہ قاضی خان جن کی ترجیح اقوال حنفیہ کے ہاں سب سے معتمد سمجھی جاتی ہے ان کا کلام بھی اس فرق کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ انہوں نے عینہ ثلاثیہ کے بارے میں کہا ہے:

"وهذه الحيلة هى العينة التى ذكرها محمد رحمه الله تعالىٰ" (قاضی خان، حسن بن منصور اوز جندی، فتاوئ قاضی خان علی ھامش الھندیۃ، کوئٹہ، مکتبہ ماجدیہ، س۔ن، ۵/۲۷۹)۔

نیز سودی قرض کے حصول کے لیےعوام میں رائج حیلوں کا انہوں نے تفصیل سے ذکر کیا ہےلیکن تورق کی صورت کو ان کے ذیل میں ذکر نہیں کیا (حوالہ بالا)۔

لہذا یہ بات واضح ہے کہ حنفیہ کے ہاں تورق، عینہ سے خارج ہے۔

اقوال فقہاء کا حاصل:

اقوال فقہاء کا حاصل یہ ہے کہ جمہور تورق کو جائز قرار دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ موسوعۃ فقہیہ کویتیہ نے بھی جمہور کی طرف جواز تورق کی نسبت کی ہے (الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ، تحت عنوان "تورق"، ۱۴/۱۴۷)، اور مجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ نے اپنے پندرہویں اجلاس (منعقدہ مکہ مکرمہ بتاریخ ۱۴۲۱ھ) کی پانچویں قرارداد میں جمہور کے قول جواز کی وجہ سے جواز کا فیصلہ کیا تھا۔ محقق کے نزدیک انفرادی سطح پر تورق کا معاملہ جائز ہے، اس لئے کہ اس میں کوئی ناجائز عقد نہیں ہے۔

تورق فردی کے بارے میں مجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ:

أولاً: أن بيع التورق: هو شراء سلعة فى حوزة البائع و ملكه، بثمن مؤجل، ثم يبيعها المشترى بنقد لغير البائع، للحصول على النقد، (الورق)۔

ثانياً: ان بيع التورق هذا جائز شرعا، وبه قال جمهور العلماء، لأن الأصل فى البيوع الإباحة، لقول الله تعالىٰ: (وأحل الله البيع وحرم الربوا) (البقرة: ۲۷۵)، ولم يظهر فى هذا البيع ربا، لا قصدا ولا صورة، ولان الحاجة

داعية الى ذلك لقضاء دين او زواج او غيرهما"۔

ثالثاً: جواز هذا البيع مشروط بأن لا يبيع المشترى السلعة بثمن أقل مما اشتراها به على بائعها الأول، لا مباشرة ولا بالواسطة، فان فعل فقد وقعا فى بيع العينة المحرم شرعا لاشتماله على حيلة الربا، فصار عقد محرما"

(قرارات المجمع الفقہی الاسلامی، مکہ مکرمۃ رابطۃ العالم الاسلامی، ۱۴۲۱ھ، ص۳۲۱۔ ۳۲۲)۔

اس فیصلہ میں اولاً تورق فردی کی تعریف کی گئی ہے، ثانیاً اس کی اباحت کا فتویٰ دیا گیا ہے اور دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ یہ بیع ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے نیز یہ کہ تورق میں صورۃ نہ ارادۃً ربا ہے۔ ثالثاً یہ کہ اگر مبیع بائع اول کے پاس دوبارہ آ جائے تو یہ تورق نہیں بلکہ عینہ ہے جو جمہور کے نزدیک ناجائز ہے۔

تورق منظّم:

تورق منظّم کا شیوع: تورق منظّم کا شیوع ایک فطری امر ہے۔ اس لئے کہ علم الاقتصاد انسان کو ہمیشہ ایسے طریقوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے جن میں کم سے کم رسک (Risk) اٹھا کر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سود کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیونکہ اس میں بھی کاروبار کا رسک لئے بغیر، نفع ونقصان کے جھنجٹوں کے بغیر ایک مناسب اضافہ حاصل ہو جاتا ہے۔

آج سے قریباً دس سال پہلے جب تورق پر فقہی بحث کا آغاز ہوا تھا اور اور مجمع الفقہ الاسلامی کے مندرجہ بالا فیصلہ کی وجہ سے اولاً سعودی بینکوں میں تورق کا آغاز ہوا تھا تو کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہی تورق فردی ایک دن تورق منظّم کی شکل اختیار کر لے گا اور اسلامی مالیاتی اداروں (Islamic Financial Institution) کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

تورق منظّم، فقہاء سلف کی تحریرات کی روشنی میں:

یہ بات تو طے ہے کہ فقہاء سلف کے دور میں "تورق منظّم" کی اصطلاحات موجود نہ

تھی۔ یہ اصطلاح تو معاصر دور میں رائج ہوئی ہے، البتہ تورق منظم کی حقیقت اور اصل فقہاء سلف کے ادوار میں بھی موجود تھی اور انہوں نے اس کے بارے میں اپنی تحریرات میں کافی مواد چھوڑا ہے۔ تورق منظم کے بارے میں چند تابعین وفقہاء کی آراء درج ذیل ہے:

سعید بن المسیب ۹۴ھ:

داؤد بن عاصم ثقفی کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن میتب سے پوچھا کہ میری بہن نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے لیے بیع عینہ کا معاملہ کرنے کے لیے کسی کو تلاش کرو۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے پاس گندم ہے۔ داؤد کہتے ہیں کہ پھر میں نے وہ گندم سونے کے بدلے میں ادھار انہیں فروخت کردی اور انہوں نے اس پر قبضہ بھی کرلیا۔ پھر وہ مجھ سے کہنے لگیں کہ اب کوئی ایسا شخص تلاش کرو جو مجھ سے یہ گندم (نقد) خرید لے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں خود اسے آپ کی طرف سے فروخت کیے دیتا ہوں، چنانچہ میں نے یہ گندم ان کی طرف سے وکالۃً آگے فروخت بھی کردی۔ پھر مجھے خیال ہوا کہ شاید اس معاملہ میں کوئی غلطی ہوئی ہے، لہذا میں نے سعید بن میتب سے پوچھا تو وہ فرمانے لگے کیا تم ہی اس گندم کے اصل مالک نہ تھے۔ میں نے کہا کہ میں ہی اس کا اصل مالک تھا۔ آپ نے فرمایا:

"فذلک الربا محضا فخذ رأس مالک، واردد إلیها الفضل" (شیبانی، عبد الرزاق بن ہمام، المصنف، تحقیق و طباعت، حبیب الرحمٰن اعظمی، کتاب البیوع، باب الرجل یعین الرجل ھل یشتریھا منہ أو یبیعھا لنفسہ، حدیث نمبر: ۱۵۲۷۳، ۸/ ۲۹۴، ۲۹۵، ابن ابی شیبہ، المصنف، بیروت، دار الکتب العلمیہ، کتاب البیوع والأقضیۃ، فی الرجل یبیع الدین إلی أجل، حدیث نمبر ۲۳۰۲۹ ص ۴/ ۵۵۶-۵۵۷)۔

یعنی یہ تو خالص سودی معاملہ ہوگیا تم اپنی اصل قیمت لے لو اور ادھار کے باعث جو زائد طے ہوا تھا اسے واپس کردو۔

اس اثر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ داؤد کی بہن نے نقد فروخت کیلئے محض انہیں وکیل بنایا تھا جیسا کہ تورق منظم میں بینک خود ہی قرض دار کی طرف سے وکیل بن کے نقد فروختگی کا معاملہ طے کرتا ہے، مگر سعید بن میتب نے اصل مالک اور قرض دار کو قرض خواہ کی طرف سے وکالۃً

فروخت کرنے کے معاملہ کو سودی ہی نہیں خالص سودی معاملہ قرار دیا اور اصل قیمت سے زائد واپس کرنے کا حکم فرمایا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اسے ابواب العینہ الثنائیہ کی بجائے دوسرے ابواب میں ذکر فرمایا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عینہ کی نہیں بلکہ تورق کی ہی کوئی صورت ہے جو یقیناً بمطابق جدید اصطلاح تورق منظّم ہے۔

امام الحسن بن یسار البصری:

ابو کعب عبدربہ بن عبید الازدی کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ میں ریشم (جو عموماً اس دور میں بیع عینہ کے لیے استعمال ہوتی تھی) فروخت کرتا ہوں۔ اب کوئی دیہاتی مرد یا عورت (بیع عینہ کے تحت) وہ ریشم مجھ سے خریدتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے بازار میں اب تم ہی نقد فروخت کر دو کیونکہ ہمیں بازار کے معاملات کا علم نہیں۔ حسن بصری فرمانے لگے:

"لا تبعه ولا تشتره، ولا ترشده، الا ان ترشد الى السوق" (مصنف عبد الرزاق، حدیث نمبر ۱۵۲۷۴، ۸/۲۹۵)۔

یعنی تم نہ تو اسے وکالۃً فروخت کرو نہ خریدو، نہ خرید کنندہ کی طرف ان کی رہنمائی کرو۔ ہاں صرف بازار کا راستہ بتادو۔

اسی طرح رزیق ابن ابی سلمی نے حضرت حسن سے ایسا ہی سوال پوچھا تو فرمایا:

"إذا بعته، فلا تدل عليه أحداً، ولا تكون منه في شيء، إدفع إليه متاعه ودعه" (ایضاً، حدیث نمبر، ۱۵۲۷۵، ۸/۲۹۵)۔

یعنی نہ تو فروخت کرو نہ اور کسی طریقے سے مدد کرو بس ان کا سامان انہیں دو اور چھوڑ دو۔

اس اثر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ادھار فروختگی کے معاملہ میں فروخت کرنے کے بعد اب بائع کو سختی کے ساتھ یہ حکم ہے کہ اس بیع کو نقد فروخت کرنے کیلئے وہ مشتری کو سوائے بازار کا راستہ بتانے کے اور کوئی رہنمائی بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ وہ وکالۃ مبیع کو فروخت کرے جیسا کہ تورق منظم

میں ہوتا ہے، نیز یہ کہ یہ ممانعت ایسی صورت میں بھی قائم رہے گی جب مشتریٔ اول بازار کے معاملات سے بخوبی واقف نہ ہو۔

امام مالک بن انس:

امام مالک بن انس کے بارے میں ابن القاسم لکھتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ ایک شخص سو دینار کے بدلے میں ایک چیز ادھار فروخت کرتا ہے جب بائع اور مشتری میں معاملہ طے پا جاتا ہے تو خریدار فروخت کنندہ سے کہتا ہے کہ میری طرف سے اس چیز کو نقد پر فروخت کر دیجئے۔ اس سوال پر امام مالک نے فرمایا: "لا خير فيه" (المدونة الكبرى ۴/۱۲۵)۔

یعنی اس میں کوئی خیر نہیں اور آپ نے اس سے منع فرما دیا۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی:

امام محمد بن الحسنؒ الشیبانی بیع عینہ کے مانعین میں شامل ہیں انہوں نے لکھا ہے:

"ولو باعه لرجل، لم يكن ينبغي له أن يشتريه بأقل من ذلك قبل أن ينقد لنفسه ولا لغيره، بل ولا ينبغي للذى باعه أن يشتريه أيضا بأقل من ذلك، لنفسه ولا لغيره، لأنه هو البائع" (شیبانی، محمد بن الحسن، الامام، کتاب الاصل، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، س۔ن، کتاب البیوع، باب السلم، (باب نمبر ۹، باب العیوب فی البیوع کلھا) فقرہ نمبر ۴۳، ۵/۲۰۴)۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے وکالۃ کوئی شئے ادھار فروخت کرے تو اب شئے کے مالک اصلی (مؤکل) کے لیے اور نہ ہی اس وکیل کے لیے جس نے شئے کو فروخت کیا ہے یہ جائز ہے کہ وہ کم قیمت پر دوبارہ یہی شئے اپنے لیے یا اپنے علاوہ کسی دوسرے کے لیے (مصلحۃً و وکالۃً) خرید کریں۔

یہ عبارت تورق منظّم میں مُورِق (بائع اصلی) کے کسی بھی طرح دوسری مرتبہ ہونے والے معاملہ میں شمولیت کو منع کرتی ہے، نیز نہ صرف مورق کے لیے بلکہ اس کے وکیل کے لیے بھی دوسری مرتبہ ہونے والے معاملہ میں شمولیت کو سختی سے منع کرتی ہے اگرچہ وہ کسی دوسرے کے

لیے ہی شئے کو کیوں نہ خرید کر رہا ہو۔

امام زیلعی نے بھی اسی طرح کی بات ذکر فرمائی ہے (تبیین الحقائق، کتاب الکفالۃ، زیر عنوان ''فصل''، ۵/ ۵۴)، نیز ابن عابدین نے بھی یہی بات ذکر فرمائی ہے (رد المحتار، کتاب الکفالۃ، مطلب بیع العینۃ، ۵/ ۳۲۶)۔

ان تمام عبارات بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:

۱-تورق منظم فقہاء سلف کے ادوار میں بھی موجود تھا۔ پہلی صدی ہجری سے آج تک فقہاء کرام اس کی ممانعت کا حکم فرماتے رہے ہیں۔

۲-اس معاملہ میں اگر چہ مورق (بائع اول) کا متورق کے ساتھ توکیل کا معاملہ پہلے سے نہ بھی طے ہو، پھر بھی یہ معاملہ ناجائز رہے گا جیسا کہ سعید بن مسیب اور حسن بصری وغیرہ کے اقوال سے واضح ہے۔

تورق منظم یا تورق مصرفی کو مجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ نے بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

تورق منظّم کے بارے میں مجمع الفقہی الاسلامی کا فیصلہ:

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على رسول الله وعلى اله وصحبه، اما بعد: فان مجلس المجمع الفقهي الاسلامى برابطة العالم الاسلامى في دورته السابعة عشرة المنعقدة بمكة المكرمة، في الفترة من 19-23/10/1424ھ الذى يوافقه: 13-17/12/2003م، قد نظر في موضوع: "التورق كما تجريه بعض المصارف في الوقت الحاضر"

وبعد الاستماع الى الابحاث المقدمة حول الموضوع، والمناقشات التي دارت حوله، تبين للمجلس أن التورق الذى تجريه بعض المصارف في الوقت الحاضر هو: قيام المصرف بعمل نمطي يتم فيه ترتيب بيع سلعة (ليست من الذهب أو الفضة) من أسواق السلع العالمية أو غيرها، على المستورق بثمن اجل،

على أن يلتزم المصرف۔ اما بشرط في العقد أو بحكم العرف والعادة بأن ينوب عنه في بيعها على مشتر اخر بثمن حاضر، وتسليم ثمنها للمستورق۔

وبعد النظر والدراسة، قرر مجلس المجمع ما يلي:

أولاً: عدم جواز التورق الذي سبق توصيفه في التمهيد للأمور الآتية:

١) أن التزام البائع في عقد التورق بالوكالة في بيع السلعة لمشتر آخر أو ترتيب من يشتريها يجعلها شبيهة بالعينة الممنوعة شرعاً، سواء أكان الالتزام مشروطاً صراحةً أم بحكم العرف والعادة المتبعة۔

٢) أن هذه المعاملة تؤدي في كثير من الحالات إلى الإخلال بشروط القبض الشرعي اللازم لصحة المعاملة۔

٣) أن واقع هذه المعاملة يقوم على منح تمويل نقدي بزيادة لما سمي بالمستورق فيها من المصرف في معاملات البيع والشراء التي تجري منه والتي هي صورية في معظم أحوالها، هدف البنک من اجرائها أن تعود عليه بزيادة على ما قدم من تمويل، وهذه المعاملة غير التورق الحقيقى المعروف عند الفقهاء، والذى سبق للمجمع في دورته الخامسة عشرة أن قال بجوازه بمعاملات حقيقية وشروط محددة بينها قراره، وذلک لما بينها من فروق عديدة فصلت القول فيها البحوث المقدمة۔ فالتورق الحقيقي يقوم على شراء حقيقي لسلعة بثمن أجل تدخل في ملك المشتري و يقبضها قبضاً حقيقياً وتقع في ضمانه، ثم يقوم ببيعها هو بثمن حال لحاجته إليه، قد يتمكن من الحصول عليه وقد لا يتمكن، والفرق بين الثمنين الآجل والحال زيادة لما قدم من تمويل لهذا الشخص بمعاملات صورية في معظم أحوالها، وهذا لا يتوافر في المعاملة المبينة التي تجريها بعض المصارف۔

ثانیاً: یوصي مجلس المجمع جمیع المصارف بتجنب المعاملات المحرمة، امتثالاً لأمَر الله تعالیٰ، کما أن المجلس اذ یقدر جهود المصارف الاسلامیة في انقاذ الامة الاسلامیة من بلوی الربا، فانه یوصي بأن تستخدم لذلک المعاملات الحقیقة المشروعة دون اللجوء إلی معاملات صوریة تؤول إلی کونها تمویلا محضاً بزیادة ترجع إلی الممول۔

اس فیصلہ میں:

(i) تورق منظم کی تعریف کی گئی ہے۔

(ii) تورق منظم کو بایں وجوہات ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

الف۔ بائع یعنی بینک کا دوبارہ نقد پر فروخت کرنے کے معاملہ میں متورق کی طرف سے وکیل بننا یا فروختگی کے معاملہ کا انتظام کروانا اس تورق کو بیع عینہ سے مشابہہ بناتا ہے جو کہ حرام ہے۔

ب۔ بینکاری تورق میں اکثر شرعی قبضہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔

ج۔ یہ معاملہ محض ایک کاروائی ہے جس میں بینک کم کے بدلے زیادہ حاصل کرتا ہے جو ظاہر ہے کہ سود ہی کی ایک شکل ہے۔ مجمع الفقہی الاسلامی نے اپنے سابقہ فیصلے میں جس تورق کی اجازت دی تھی وہ تورق اور یہ بینکاری تورق دو مختلف قسمیں ہیں اور ان میں واضح فرق ہے۔ وہاں حقیقی عقود انجام پاتے ہیں اور یہاں محض صوری عقود انجام پاتے ہیں۔

(iii) نیز کہ اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ان تمام معاملات سے گریز کریں جو سود کے مشابہ ہیں۔

تورق مقلوب:

تورق مقلوب، اسلامی مالیاتی اداروں اور بینکوں میں مختلف ناموں ''مرابحہ عکسیہ'' (Inverse Murabaha) براہ راست انویسمینٹ (Direct Invesment)، انویسمینٹ

بطریق وکالۃ (Proxy Invesment) وغیرہ سے جاری ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ تورق منظّم جس طرح عمیل کو نقد رقم فراہم کرنے کا ذریعہ ہے اسی طرح تورق مقلوب بینک کو نقد رقم میسر آنے کا ذریعہ ہے۔ یہاں عمیل مورق اور بینک متورق ہے، اسی لیے اسے تورق مقلوب یعنی الٹا تورق یا تورق عکسی کہا جاتا ہے اور اسی لیے اسے مرابحہ عکسیہ کہا جاتا ہے کہ اس میں عمیل دائن اور بینک مدیون ہے۔ نیز براہ راست انویسمینٹ اور انویسمینٹ بطریق وکالۃ بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عمیل بجائے خود خریدنے کے بینک کے واسطہ سے خریدتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تورق مقلوب، روایتی سودی بینکاری میں جاری Term Deposit کے مقصد سے مختلف نہیں ہے۔ Term Deposit بھی ایک ایسا طریقہ ہے جس میں سودی بینک Depositer کی رقم ایک خاص مدت تک اپنے پاس رکھتا ہے اور پھر اسی میں بطریق سود اضافہ کر کے واپس کرتا ہے، مثلاً ایک لاکھ روپیہ، ایک سال کیلئے رکھا گیا اور ہر ماہ پانچ سو روپیہ بطور سود ادا کیا جاتا رہا اور پھر مدت پوری ہو جانے کے بعد یہی ایک لاکھ واپس کر دیا گیا۔

تورق مقلوب میں بھی بینک اولاً عمیل کی طرف سے وکیل ہو کر ایک شئے خریدتا ہے اور پھر خود ہی اسے عمیل سے ادھار پر خرید لیتا ہے اور قسطوں کی صورت میں عمیل کو ادائیگی کرتا رہتا ہے۔ دوسری طرف بینک اس خرید کردہ چیز کو فوری طور پر نقد پر فروخت کر دیتا ہے یوں بینک کو نقد رقم (Liqudity) حاصل ہو جاتی ہے۔

جس طرح تورق منظّم کو حدِ جواز سے دائرہ ممانعت میں لانے والے اصل نقطہ توکیل تھا، اسی طرح تورق مقلوب میں بھی مخدوش نقطہ یہی توکیل ہے۔ شریعت اسلامیہ حقیقی خرید و فروخت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ اس لیے کہ اس کے نتیجہ میں ہزاروں منسلک افراد کو روزگار ملتا ہے جب کہ کاروبار کی وہ تمام اقسام جن میں لفظی کاروائی ہی ہو اور مبیع اپنی جگہ سے منتقل تک نہ ہو ایسے کاروبار کی شدت سے ممانعت اور حوصلہ شکنی کرتی ہے۔

دوسرے ذریعہ سے جائزہ لیا جائے تو اسلامی بینکاری کی روح حقیقی کاروبار کا فروغ ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ایسا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب اسلامی بینک فنڈز کے حصول اور استعمال کے لئے مثالی اسلامی طریقوں شرکت و مضاربت کو اپنائیں۔ لیکن بدقسمتی سے اسلامی بینکوں کو ان مثالی طریقوں کے استعمال میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں مرابحہ، اجارہ اور دیگر عارضی طریقوں کا سہارا لینا پڑا۔ اسلامی بینکوں کی کاروائیوں پر نظر رکھنے والے اداروں نے ان غیر مثالی طریقوں کو صرف اس لئے قبول کرلیا کہ نظام چلتا رہے لیکن بجائے اس کے کہ مثالی طریقوں کی طرف پیش رفت کی کوئی صورت نظر آتی، ان بینکوں نے روایتی بینکاری کے خاکہ (Frame Work) کو اسلامی رنگوں سے بھرنا شروع کر دیا اور اسلامی کی بجائے حیلوں اور رخصتوں پر مشتمل غیر سودی بینکاری کو اپنا مطمح نظر بنالیا۔ نتیجہ وہی ہے جو سب کو نظر آرہا ہے۔ مرابحہ سے تجاوز کرتے ہوئے مرابحہ عکسیہ اور تورق سے تجاوز کرتے ہوئے تورق مقلوب ان اسلامی بینکوں کی پچھلی تین دہائیوں کی ترقی رپورٹ (Progress Report) ہے۔

تورق مقلوب کے عدم جواز کی وجوہات:

۱- تورق مقلوب اور مرابحہ عکسیہ، عام تورق اور مرابحہ سے زیادہ نقصان دہ ہیں، اس لئے کہ تورق منظم میں فروختگی کا معاملہ مکمل ہونے کے بعد عمیل بینک کو دوبارہ فروختگی کے لئے وکیل بناتا ہے جب کہ تورق مقلوب میں بینک کی توکیل ابتداء ہی میں شامل ہے گویا خرید و فروخت کے عقد اول ہی میں بینک وکیل بن چکا ہے۔

۲- نیز یہ کہ تورق منظم میں دائن (بینک) طرف ثالث سے نقد وصول کرکے مدین کو دیتا ہے جب کہ تورق مقلوب میں مدین (بینک) دائن کو (وکالۃً) فروختگی کے بعد نقد رقم دیتا ہے جو تہمت ربا کے لیے زیادہ مثبت ہے۔

۳- نیز یہ کہ جب مرابحہ میں وعدہ کا التزام ممنوع ہے تو پھر تورق مقلوب یا مرابحہ عکسیہ میں اس کا التزام بطریق اولیٰ ممنوع ہونا چاہیے، اس لئے کہ عام مرابحہ میں نقد مؤجل کے

مقابلے میں کوئی شئے تو ہے جب کہ یہاں نقد حاضر کا نقد مؤجل سے معاوضہ ہے۔

۴- نیز یہ کہ تورق مقلوب میں جب بینک کی نیت ہی یہی ہے کہ وکالۃً خرید کردہ شئے اسے ہی دوبارہ خریدنی ہے تو اس بات میں کیسے فرق کیا جائے گا کہ وہ وکالۃً شئے خریدتے وقت موکل کی مصلحت کو مدنظر رکھ رہا ہے یا خود اپنی یعنی وکیل کی مصلحت کا خیال کر رہا ہے۔ قرائن واحوال اسی کی خبر دیتے ہیں کہ وہ اپنے ہی مفادات کی پرواہ کرے گا کیونکہ اسے ہی بعدازاں خرید کرنا ہے اور پھر فروخت کرنا ہے۔

۵- پھر اس پر مستزاد یہ کہ بینکوں کے اکاؤنٹس میں رکھی جانے والی رقم پر بینک کا قبضہ امانۃً نہیں ہوتا بلکہ ضماناً ہوتا ہے، جب تورق مقلوب میں عمیل ودائن کے اکاؤنٹ میں موجود رقم پر بینک کا قبضہ ضماناً ہے تو پھر بینک بطور وکیل، عمیل کی طرف سے شئے کیسے خرید سکتا ہے کیونکہ وہ تو قرض دار بن چکا ہے پھر اس معاملہ کے اخیر میں بینک نے اولاً جس قدر رقم پر قبضہ کیا تھا اخیراً اس سے زیادہ رقم کا وہ قرض دار ہے اور یہی تو سود ہے، مثلاً بوقت معاملہ صدیق کے اکاؤنٹ میں ایک کروڑ روپیہ تھا۔ یہ رقم بینک کے پاس بطور ضمانت کے ہے۔ بینک انٹرنیشل مارکیٹ سے ایک کروڑ کی شئے خریدتا ہے وکالۃً۔ پھر اصالۃً خود ہی اسے ایک کروڑ دس لاکھ میں خرید لیتا ہے اور اب بینک جس کے پاس صدیق کے ایک کروڑ روپے تھے وہ صدیق کے ایک کرور دس لاکھ کا مقروض ہو گیا اور یہی سود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے تورق مقلوب سے منع فرمایا ہے۔

"وأما ان اعطى رب المال لمريد سلف منه بالربا ليشترى بها سلعة على ملک رب المال ثم يبيعها له فهو ممنوع" (حاشیۃ الدسوقی، کتاب البیع، فصل فی بیوع الآجال، ۳/۸۹)۔

ومن هذا الباب مسألة يفعلها بعض الناس، وهى ممنوعة، وذلک أن يدفع لبعض الناس دراهم، ويقول له: اشتربها سلعة على ذمتى فاذا اشتريتها بعتها منک بربح لأجل، ولا اشكال فى منع ذلک" (مواہب الجلیل، کتاب البیوع، فصل

فی العینة، ۶/ ۲۰۰)۔

"إلا أن الوكيل فى هذه المسالة هو المبتاع للطعام بالثمن الذى دفعه إليه موكله، فلا يجوز أن يبيعه منه وان تحقق قبضه بأكثر مما دفع إليه" (البيان والتحصیل، کتاب السلم والآجال الثانی، من مسئلة القطان، ۸/ ۷ ۱۳-۱۳۸، ۱۲/ ۳۳۵ النوادر والزیادات بعد اطلاع علی البحوث الواردة إلی المجمع بخصوص موضوع التورق: حقیقة، أنواعه ۷/ ۲۴۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ موکل کا قبضہ شئے پر ہو جائے پھر بھی وکیل بالشراء کے لیے اب اپنی ہی وکالۃً خرید کردہ شئے کو دوبارہ اصالۃً خریدنا ناجائز ہے اس لئے کہ اسے وکالۃً خریدنے کے لئے جتنی رقم دی گئی تھی اب اصالۃً خریدتے وقت اس سے زیادہ رقم کا قرض دار ہو گیا جو ناجائز ہے۔

تورق مقلوب کے بارے میں مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کا فیصلہ:

فان مجلس المجمع الفقهي الاسلامي برابطة العالم الاسلامى في دورته التاسعة عشرة المنعقدة بمكة المكرمة في الفترة من 22-27/شوال/ 1428ه الذى يوافقه3-8/نوفمبر/2007م، قد نظر في موضوع: "المنتج البديل عن الوديعة لأجل"، والذى تجريه بعض المصارف في الوقت الحاضر تحت أسماء عديدة، منها: المرابحة العكسية، والتورق العكسي أو مقلوب التورق، والاستثمار المباشر، والاستثمار بالمرابحة، ونحوها من الأسماء المحدثة أو التي يمكن إحداثها.

والصورة الشائعة لهذا المنتج تقوم على ما يلي:

۱-توكيل العميل (المودع) المصرف في شراء سلعة محددة، وتسليم العميل للمصرف الثمن حاضراً.

۲-ثم شراء المصرف للسلعة من العميل بثمن مؤجل، وبهامش ربح

يجري الاتفاق عليه.

وبعد الاستماع إلى البحوث والمناقشات المستفيضة حول هذا الموضوع، قرر المجلس عدم جواز هذه المعاملة؛ لما يلي:

١-أن هذه المعاملة مماثلة لمسألة العينة المحرمة شرعاً، من جهة كون السلعة المبيعة ليست مقصودة لذاتها، فتأخذ حكمها، خصوصاً أن المصرف يلتزم للعميل بشراء هذه السلعة منه.

٢-أن هذه المعاملة تدخل في مفهوم "التورق المنظم" وقد سبق للمجمع أن قرر تحريم التورق المنظم بقراره الثاني في دورته السابعة عشرة، وما علل به منع التورق المصرفي من علل يوجد في هذه المعاملة.

٣-أن هذه المعاملة تنافي الهدف من التمويل الاسلامي، القائم على ربط التمويل بالنشاط الحقيقى، بما يعزز النمو و الرخاء الاقتصادي.

والمجلس اذ يقدر جهود المصارف الاسلامية في رفع بلوى الربا عن الأمة الاسلامية، و يؤكد على أهمية التطبيق الصحيح للمعاملات المشروعة والابتعاد عن المعاملات المشبوهة أو السورية التى تؤدي الى الربا المحرم، فانه يوصي بما يلي:

١-أن تحرص المصارف والمؤسسات المالية على تجنب الربا بكافة صوره وأشكاله: امتثالاً لقوله سبحانه: ﴿يا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾

٢-تأكيد دور المجامع الفقهية، والهيئات العلمية المستقلة، في ترشيد وتوجيه مسيرة المصارف الاسلامية: لتحقيق مقاصد وأهداف الاقتصادي الاسلامي.

٣-ايجاد هيئة عليا في البنک المركزي في كل دولة اسلامية،

مستقلة عن المصارف التجارية، تكون من العلماء الشرعيين والخبراء الماليين: لتكون مرجعاً للمصارف الاسلامية، والتاكد من أعمالها وفق الشريعة الاسلامية۔

اس فیصلہ میں اولاً تورق مقلوب کی تعریف کی گئی ہے اور پھر اسے بوجہ

(i) بیع عینہ کے مشابہ ہونے کے

(ii) تورق منظم ہی کی ایک شکل ہونے کے

(iii) محض ایک غیر حقیقی شکلی ہاتھوں کی تبدیلی کے ناجائز قرار دیا گیا ہے اور پھر (i) اسلامی بینکوں کو سودی مشابہت والے اعمال اپنانے سے منع کیا گیا ہے۔ (ii) علمی وفقہی مجالس اور اداروں کو تاکید کی گئی ہے کہ اسلامی بینکوں کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیں (iii) ہر ملک میں مرکزی بینک میں ایک مستقل اسلامی بینکاری کا شریعہ بورڈ قائم کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔

تورق (فردی، منظم ومقلوب) کے بارے میں مجمع الفقہ الاسلامی کا فیصلہ:

قراررقم ۱۷۹ (۱۹/۵)

بشأن:

التورق: حقيقته وأنواعه (الفقهي المعروف والمصر فى المنظم)

ان مجلس مجمع الفقه الاسلامي الدولي المنبثق عن منظمة المؤتمر الاسلامی المنعقد في دورته التاسعة عشرة في امارة الشارقة (دولة الامارات العربية المتحدة) من ۱ الى ۵ جمادى الاولى ۱۴۳۰ھ، الموافق ۲۶۔ ۳۰ نيسان (ابریل) ۲۰۰۹م،

بعد اطلاعه على البحوث الواردة الى المجمع بخصوص موضوع التورق: حقيقته، انواعه (الفقهى المعروف والمصر في المنظم)، وبعد استماعه الى المناقشات التي دارت حوله۔

وبعد الاطلاع على قرارات المجمع الفقهي الاسلامي التابع لرابطة العالم الاسلامي بمكة المكرمة بهذا الخصوص،قرر ما يلى٥:

التورق العكسي: هو صورة المنظم نفسها مع كون المستورق هو المؤسسة والممول هو العميل۔

لا يجوز التورقان (المنظم والعكسي) وذلک لأن فيهما تواطؤا بين الممول والمستورق، صراحة أو ضمنا أوعرفاً، تحايلاً لتحصيل النقد الحاضر بأكثر منه فى الذمة وهو ربا۔

ويوصي بما يلي:

(الف) التأكيد على المصارف والمؤسسات المالية الاسلامية باستخدام صيغ الاستثمار والتمويل المشروعة في جميع أعمالها، وتجنب الصيغ المحرمة والمشبوهة التزاماً بالضوابط الشرعية بما يحقق مقاصد الشريعة الغراء، ويجلي فضيلة الاقتصاد الاسلامي للعالم الذيي يعاني من التقلبات والكوارث الاقتصادية المرة تلو الأخرى۔

(ب) تشجيع القرض الحسن لتجنب المحتاجين للجو للتورق، وانشاء المؤسسات المالية الاسلامية صناديق للقرض الحسن۔

اس فیصلہ میں اولاً تورق کی اقسام ثلاثہ (تورق فردی،تورق منظم،تورق مقلوب) کو ناجائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان میں متورق اور مورق کے درمیان وکالت کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ ثانیاً اسلامی مالیاتی اداروں کو مقاصد شریعت سے ہم آہنگ طریقہ ہائے تمویل اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے اور قرض حسن دینے کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔

خلاصہ بحث:

۱-تورق فردی ایک ایسا عقد ہے جس میں نقدرقم کا ضرورت مند شخص کسی شخص سے کوئی

چیز مہنگے داموں ادھار خرید تا ہے اور پھر کسی تیسرے شخص کے ہاتھ سستے داموں نقد فروخت کر دیتا ہے اور یوں نقد رقم حاصل کر کے اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے۔ یہ عقد جمہور علماء وفقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

۲- بیع عینہ جس میں ادھار خرید کرنے والا دوبارہ بائع اول ہی کو نقد فروخت کر دیتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک ناجائز ہے۔ اسی طرح توریق بھی ناجائز ہے۔

۳- تورق منظم وہ ہے جس میں باقاعدہ بائع اول متورق کے لیے نقد فروختگی کے معاملہ میں وکیل کے فرائض سرانجام دیتا ہے اور تورق مصرفی بھی اسی تورق منظم کی جدید صورت ہے جس میں بینک عمیل یعنی متورق کے لیے وکیل کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ یہ عقد ناجائز ہے اس لیے کہ اولاً یہ ربا کے مشابہ ہے اور ثانیاً اس میں قبضہ نہیں پایا جاتا۔

۴- تورق مقلوب جس میں بینک متورق اور عمیل مورق ہو جاتا ہے یہ بھی ناجائز ہے اور تورق منظم سے زیادہ قابل شناعت ہے۔



مسئلہ تورق

وضاحت اور شرعی حکم

مولانا راشد حسین ندوی☆

تورق کی لغوی تعریف:

لغت میں تورق ''ورق'' سے تفعل کا صیغہ ہے، ورق چاندی کو کہتے ہیں، خواہ وہ سکے کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں، اس کی جمع اوراق اور وراق ہے، اور ''أورق فلان'' کے معنی ہیں: اس کا مال بڑھ گیا، استورق کے معنی ہیں: ورق کا مطالبہ کیا، ''والتورق من الورق: وهي الفضة مضروبة كانت أو غير مضروبة جمعه أوراق ووراق، وأورق فلان: كثر ماله، واستورق: طلب الورق'' (المعجم الوسیط)۔

اس اعتبار سے تورق کا مفہوم روپئے پیسے کے حصول میں کوشش اور مشقت ہونا چاہئے، اس لئے کہ باب تفعل کی خواص میں سے اہم خاصیت یہ ہے کہ کسی کام کو بہ تکلف مشقت سے کیا جائے جبکہ وہ اس کا کام ہو ہی نہ، جیسے: تحلم: بہ تکلف بردباری اختیار کی، تشجع: بہ تکلف بہادری ظاہر کی وغیرہ وغیرہ (الدکتور رزیہ مادہ فی بحث ''التورق فی الفقہ الاسلامی'' مجلۃ البحوث الفقہیہ العدد الرابع والسبعون ۱۴۲۸ھ، ص ۷، ۸)۔

تورق کی اصطلاحی تعریف:

تورق ایک قدیم اصطلاح ہے، لیکن اس کا ذکر پوری صراحت کے ساتھ فقہاء حنابلہ

☆ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی۔

کے یہاں ملتا ہے، دوسرے فقہاء اس کا ذکر ضمناً کرتے ہیں، فقہاء شافعیہ اس کو زرنقہ کہتے ہیں، بہرحال تورق کی اصطلاحی تعریف بایں الفاظ کی جاتی ہے:

"أن يشتري المرء سلعة نسيئة ثم يبيعها نقدا لغير البائع بأقل مما اشتراها به ليحصل بذلك على النقد" (مجلہ مذکور بحوالہ: الانصاف ۱۱/۱۹۵، المبدع ۴/۴۹ ......معونۃ اولی النہی ۴/۶۷، کشاف القناع ۳/۱۷۵، شرح منتہی الارادات ۲/۱۵۹، مطالب اولی النہی ۳/۶۱، نیز دیکھئے: مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرۃ العدد الثالث والسبعون ۱۴۲۵ھ/ص ۱۲، مذاہب العلماء فی التورق للدکتور عبداللہ بن محمد سعیدی، بحوالہ: الموسوعۃ الکویتیۃ ۴/۱۴۷)۔

(آدمی کوئی سامان ادھار خریدے، پھر بائع کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ جتنے میں خریدا ہے اس سے کم کے بدلہ نقد بیچ دے تاکہ اسے کرنسی حاصل ہو جائے)۔

تورق کا شرعی حکم:

جہاں تک تورق کے حکم کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں فقہاء کا دو قولوں پر اختلاف ہے:

پہلا قول: یہ ہے کہ تورق یعنی مندرجہ بالا طریقہ سے حصول زر کے لئے خرید وفروخت کرنا جائز ہے، یہ قول جمہور فقہاء یعنی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور ظواہر کا ہے (مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۹/۳۰ طبع دار عالم الکتب، اعلام الموقعین ۳/۱۷۰ باب لیس للعبد إلا ما نواہ مکتبہ دار الجیل)۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ تورق حرام ہے، یہ قول امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے جس کو علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم نے راجح قرار دیا ہے۔

دکتور عبداللہ ابن محمد نے اپنے مقالہ "مذاہب العلماء فی التورق" میں تورق کے حکم کے متعلق تین قول نقل کئے ہیں: ایک جواز کا جو شافعیہ، حنابلہ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے، دوسرا کراہیت کا جو حنفیہ، مالکیہ اور امام احمد کی ایک روایت ہے، تیسرا حرمت کا جو کہ امام احمد کی ایک روایت ہے اور جس کو علامہ ابن تیمیہ نے راجح قرار دیا ہے (مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرۃ العدد الثالث والستون ۱۴۲۵ھ/ص ۱۸)۔

لیکن حنفیہ کی طرف کراہت کی نسبت ہدایہ، عنایہ، البحر الرائق اور مجمع الانہر کی جس عبارت کے حوالہ سے کی ہے وہ صاف طور سے بیع عینہ کی ہے نہ کہ تورق کی۔

جمہور کے دلائل:

تورق کے جواز کو جمہور مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت کرتے ہیں:

۱- ان آیات کا عموم جن میں مطلقاً بیوع کو جائز قرار دیا گیا ہے، مثلاً:

الف- "وأحل الله البيع" (سورۂ بقرہ:۲۷۵) (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے)۔

ب- "وقد فصل لكم ما حرم" (سورۂ انعام:۱۲۰) (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ان تمام چیزوں کی تفصیل بتادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے)۔

ج- "يأيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم" (سورۂ نساء:۲۹) (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ، لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: "مظاهر هذه النصوص يقتضي جواز كل بيع إلاما خص بدليل" (بدائع الصنائع ۵/۱۸۹) (ان نصوص کا ظاہر ہر بیع کے جواز کا تقاضہ کرتا ہے سوائے اس بیع کے جس کو کسی دلیل سے الگ کر دیا جائے)۔

۲- "عن أبي سعيد الخدري و ابي هريرة أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر فجاء ه بتمر جنيب، فقال رسول الله ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله يا رسول الله! إنا لنا خذ الصاع من هذا بالصاعين، والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا" (بخاری کتاب البیوع باب إذا أراد بیع تمر بتمر خیر منہ، حدیث نمبر: ۲۲۰۱، ۲۲۰۲، مسلم مساقاۃ باب بیع الطعام مثلا بمثل رقم ۱۵۹۳)۔

(حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کو خیبر کا عامل مقرر کیا، چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں عمدہ کھجوریں لے کر آئے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی عمدہ ہوتی ہیں، انہوں نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول! بلکہ ہم اس کا ایک صاع دو صاع کے بدلے اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ تمام کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچ دیا کرو اور پھر دراہم سے اچھی کھجوریں خرید لیا کرو)۔

اس حدیث میں سود سے بچنے کا ایک حیلہ بتایا گیا ہے، اور بلاشبہ تورق میں بھی سود سے بچنے کا ایک مناسب حیلہ ہے۔

۳- یہ ایک تجارت ہے، جو دوسری مشروع تجارتوں سے مشابہ ہے، تجار کبھی نقد بیچتے ہیں، کبھی ادھار، کبھی نفع کے ساتھ بیچتے ہیں کبھی بغیر نفع کے کہ کہیں کساد بازار نہ ہو جائے اور اس کے سبب نقصان نہ ہو جائے، شرعا اس میں فرق نہ ہونا چاہئے کہ اس کا مقصد بیع سے انتفاع ہے یا تورق، اس لئے کہ حرمت سود کے سبب ہو سکتی تھی، اور اس میں سود کی تعریف کسی طور سے بھی صادق نہیں آتی، جبکہ اس کی حاجت موجود ہے، لہذا اس کو جائز ہونا چاہئے (مجلۃ البحوث الفقہیۃ المعاصرۃ العدد الرابع والسبعون رص ۲۲ بحث للدکتور رزنیہ بحوالہ الارشاد الی معرفۃ الاحکام لابن سعدی رص ۱۰۷)۔

۴- بیع عینہ کو ممنوع اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ وہ سودی قرض کا وسیلہ ہے، تورق میں یہ بات نہیں ہے، چنانچہ علامہ شامی نے بیع عینہ کی جو شکلیں لکھی ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے:

"اختلف المشائخ فی تفسیر العینة التی ورد النهی عنها، قال بعضهم: تفسیرها أن یاتی الرجل الخ" (شامی ۴ر۲۷۲) (اس عینہ کی تفسیر میں مشائخ کا اختلاف ہے جس کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے، بعض کا کہنا ہے کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ حاجت مند دوسرے کے پاس آئے اور اس سے دس درہم قرض مانگے اور مقرض کو اس زیادتی کی طمع کی وجہ سے جس کو وہ

قرض دینے سے حاصل نہیں کرسکتا، قرض دینے کی کوئی رغبت نہ ہو تو وہ کہے: میں تمہیں قرض نہیں دوں گا، لیکن تمہارے ہاتھ یہ کپڑا بشرطیکہ تم چاہو بارہ درہم میں بیچ دوں گا، حالانکہ اس کپڑے کی قیمت بازار میں دس درہم ہوتا کہ وہ بازار میں اسے دس درہم میں بیچ لے، اور قرض لینے والا راضی ہو جاتا ہے اور اس کو اسی طرح بیچ لیتا ہے، تو کپڑے کے مالک کو دو درہم مل جاتے ہیں، مشتری کو دس درہم قرض مل جاتے ہیں، اور بعض کا کہنا ہے کہ عینہ یہ ہے کہ وہ دونوں اپنے درمیان تیسرے کو داخل کرلیں، تو مقرض اپنا کپڑا قرض طلب کرنے والے کے ہاتھ بارہ درہم میں بیچے اور اس کے حوالہ کردے، پھر قرض طلب کرنے والا کپڑے کو تیسرے کے ہاتھ دس درہم میں بیچے اور اس کے حوالہ کردے، پھر تیسرا کپڑے کو مالک کے ہاتھ جو کہ مقرض ہے دس درہم میں بیچے اور اس کے حوالہ کردے اور اس سے دس درہم لے کر قرض طلب کرنے والے کے حوالہ کردے، تو قرض طلب کرنے والے کو دس درہم مل گئے اور کپڑے کے مالک کے اس پر بارہ درہم لازم ہو گئے محیط میں اسی طرح ہے)۔

جبکہ صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر نے عینہ کا نام لئے بغیر مندرجہ ذیل شکل لکھی ہے:

"ومن اشترى جارية بألف درهم حالة أو نسيئة فقبضها ثم باعها من البائع بخمس مائة قبل ان ينقد الثمن الأول لا يجوز البيع الثاني، وقال الشافعي رحمه الله: يجوز" (ہدایہ مع الفتح ۶/۶۸ بیوع باب البیع الفاسد)۔

۳- بائع اور مشتری کا مقصد خرید وفروخت نہیں ہے، مشتری کو قرض کی ضرورت ہے، اور بائع قرض دے کر نفع لینا چاہتا ہے، خرید وفروخت صرف تحلیل ربا کے لئے ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے: **"إنما الأعمال بالنيات"** الحدیث (بخاری کتاب بدء الوحی رقم الحدیث-۱)۔

نیز فقہ کا قاعدہ ہے: **"الأمور بمقاصدها"**۔

پہلا قول راجح ہے: لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ دونوں میں سے پہلا قول اقرب الی

الصواب اور راجح ہے، اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- دونوں کے دلائل کا جائزہ لیں تو فریق اول کے دلائل زیادہ مضبوط اور دل کو لگنے والے ہیں۔

۲- بلا شبہ "إنما الأعمال بالنیات" اور "الأمور بمقاصدھا" کا مفہوم بہت واضح ہے، اور فقہ کے بہت سے ابواب کا ان پر مدار ہے، لیکن یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ تورق کا مقصد کیا ہے؟ سود حاصل کرنا یا سود سے بچنا، اس کو بلا شبہ اس حیلہ سے مشابہ حیلہ قرار دیا جا سکتا ہے جو صاع بالصاعین والی حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے گورنر کو بتایا تھا، وہاں ظاہری شکل میں تبدیلی کر کے ایک صاع کے بدلے دو صاع حاصل کئے گئے، یہاں بھی شکل میں تبدیلی کر کے دس روپئے کے بدلہ پندرہ لئے جا رہے ہیں۔

۳- حرام قرار دینے والے سود ہی کے خیال سے حرمت کے قائل ہیں، لیکن ربا کی علت تو بیع عینہ میں پائی جاتی ہے جبکہ بائع خود ہی مشتری سے کم قیمت پر سامان خریدے، جہاں تک تورق کا تعلق ہے اس میں تیسری پارٹی کے آجانے کے سبب علت ربا موجود ہی نہیں ہے۔

۴- اس طرح کی بیوع کی حاجت ہے، لہذا دلائل اگر کچھ کمزور بھی ہوتے تب بھی حاجت دور کرنے کے لئے اس کے جواز کا قول اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی، چہ جائیکہ اس کے دلائل بھی مضبوط ہیں۔

۵- اس کو بیع مضطر کہنا بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ ابن اثیر کہتے ہیں:

"ان بیع المضطر یکون من وجھین: أحدھما أن یضطر علی العقد من طریق الإکراہ علیہ...... والثانی أن یضطر إلی البیع لدین رکبہ أو مؤنۃ ترھقہ فیبیع ما فی یدہ بلاوکس للضرورۃ" (النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر ۳/۸۲)۔

(بیع مضطر دو طرح کی ہوتی ہے: ایک یہ کہ اسے عقد پر مجبور کیا جائے، دوسرے یہ کہ کسی چھا جانے والے قرض یا پریشان کن خرچہ کے سبب بیع پر مجبور ہو جائے، اور اس کے قبضہ میں

جو کچھ ہو ضرورۃً اسے کم قیمت میں فروخت کرے)۔

یہی وجہ ہے کہ رابطہ عالم اسلامی کی ''مجلس الفقہ الاسلامی'' نے اپنے پندرہویں اجلاس منعقدہ ۳۱، ۱۰/ ۱۹۹۸ء بمقام مکہ مکرمہ میں مندرجہ ذیل قرارداد پاس کی:

۱-.........۲-''ان بیع التورق جائز شرعاً وبه قال جمهور العلماء، لأن الأصل في البيوع الإباحة لقول الله تعالى: "وأحل الله البيع وحرم الربوا"، ولم يظهر في هذا البيع ربا لا قصدا ولا صورة، ولأن الحاجة داعية إلى ذلك لقضاء دين اوزواج أو غيرهما''۔

۳-''جواز هذا البيع مشروط بأن لا يبيع المشتري السلعة بثمن أقل مما اشتراها به على بائعها الأول لا مباشرة ولا بالواسطة، فان فعل فقد وقع في بيع العينة المحرم شرعا لاشتماله على حيلة الربا فصار عقدا محرما'' (مجلۃ البحوث الفقہیۃ المعاصرۃ العدد السادس والسبعون رص ۲۵۶، دکتور عبد العزیز بن علی بن عزیز غامدی)۔

(۲-بیع تورق شرعاً جائز ہے، جمہور اسی کے قائل ہیں، اس لئے کہ بیوع میں اصل اباحت ہے، اس لئے کہ اللہ نے فرمایا: اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام قرار دیا ہے، اور اس بیع میں سود نہ قصد و نیت میں پایا جارہا ہے، نہ شکل وصورت میں، نیز اس سے کبھی دین کی ادائیگی اور شادی وغیرہ کے لئے اس کی حاجت پائی جارہی ہے۔

۳-اس بیع کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ مشتری سامان کو بائع اول کے ہاتھ خریدی ہوئی قیمت سے کم پر نہ بیچے نہ سیدھے طور پر اور نہ واسطے سے، اگر ایسا کیا تو بیع عینہ ہوجائے گی جو شرعاً حرام ہے، اس لئے کہ وہ سود کے حیلہ پر مشتمل ہے، لہذا عقد حرام ہوگیا ہے)۔

تورق بذریعہ بینک:

جہاں تک اسلامی بینکوں کے ذریعہ کئے جانے والے تورق کا تعلق ہے تو وہ شرعاً ناجائز ہے، تورق کا نام اسے غلط طور پر دیا گیا ہے، اس میں معنی عینہ کے پائے جارہے ہیں، کوئی بھی

معاملہ اسی وقت جائز ہوسکتا ہے جب اس کے اندر کوئی ممنوع چیز نہ پائی جائے، مثلاً:

۱-حدیث شریف میں ارشاد ہے:"نهى عن بيعتين في بيعة"(ترمذی بیوع باب ماجاء فی النہی عن بیعتین فی بیعۃ رقم ۱۲۳۱)(حضور ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

نیز ارشاد ہے:"عن ابن مسعود قال: نهى رسول الله ﷺ عن صفقتين في صفقة"(مسند احمد ۱/۳۸۹ طبع دار الفکر)(نبی کریم ﷺ نے ایک معاملہ میں دو معاملات کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

بینک کے ذریعہ جو تورق کیا جاتا ہے اس میں دو معاملات جمع ہوجاتے ہیں، ایک عقد بیع دوسرا عقد سلف یا عقد بیع اور عقد شراء۔

۲-اس میں سود حاصل کرنے کے حیلہ کے طور پر بیع عینہ پائی جارہی ہے، اس لئے کہ سوالنامہ میں بتایا گیا ہے کہ تورق کی شکل جو بینکوں میں رائج ہے یہ ہوتی ہے کہ مثلاً "الف" کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے، اور اسے "ب" سے ایک لاکھ روپئے نقد میں فروخت کردیتا ہے، اس طرح "الف" کو ایک لاکھ کی رقم حاصل ہوجاتی ہے، اور "ب" کو دس ہزار روپئے نفع مل جاتا ہے اور عام طور پر "ب" بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے (بینک کو) ہی دس ہزار روپئے نفع حاصل ہوتا ہے......۔

اس کو بالواسطہ طور سے بائع ہی کا خریدنا بتایا گیا ہے، جبکہ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی بھی مرکزی ادارہ کے تحت جتنے بھی ذیلی ادارے ہیں دراصل وہ الگ الگ اکائیاں ضرور ہیں، لیکن معنیٰ سب ایک ہیں اس طرح کسی ذیلی ادارہ کا خریدنا خود بینک ہی کا خریدنا ہے، اس تفصیل کے تحت یہ کھلے طور پر عقد عینہ ہے جس کی ممانعت سے متعلق عبارات اوپر گذر چکی ہیں۔

البتہ اگر ذیلی ادارہ کو مرکزی ادارہ کے وکیل کی حیثیت دی جائے تو پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا، اور اس کے اعتبار سے ہم ممانعت کی دلیل کے طور پر اس نکتہ

کو پیش نہیں کر سکتے، البتہ صاحبین کے نزدیک وکیل کا تصرف اپنا ہی تصرف ہوتا ہے، لہذا ذیلی ادارہ کو وکیل کی بھی حیثیت دی جائے تب بھی صاحبین کے نزدیک یہ عقد عینہ ہوگا اور ناجائز ہوگا، چنانچہ علامہ ابن الہمام بیع عینہ کی تفصیلات کے بعد فرماتے ہیں:

"ولو اشترى وكيل البائع بأقل من الثمن الأول جاز عنده خلافا لهما، لأن تصرف الوكيل عنده يقع لنفسه، فلذا يجوز للمسلم أن يوكل ذميا بشراء خمروبيعها عنده وعندهما عقدالوكيل كعقده" (فتح القدیر ۶/۶۸ بیوع باب البیع الفاسد) (اگر بائع کا وکیل ثمن اول سے کم پر خریدے تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، برخلاف صاحبین کے، اس لئے کہ امام صاحب کے نزدیک وکیل کا تصرف خود اس کے لئے واقع ہوتا ہے، اسی لئے مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ ذمی کو شراب کی خرید وفروخت کا امام صاحب کے نزدیک وکیل بنائے، اور صاحبین کے نزدیک وکیل کا عقد مؤکل کے عقد کی طرح ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور کے محققین نے تورق کو اگرچہ جائز قرار دیا ہے، لیکن بینک تورق کے نام سے جو عقد کرتے ہیں اس کو وہ بھی ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ ڈکتور نزیہ حماد اپنی رائے بایں الفاظ پیش کرتے ہیں:

"أما إذا كان الشخص الثالث أى مشترى السلعة من العميل المتورق وكيلا عن البائع (المصرف) فى شرائها أو مشتريا لحسابه بمواطاة لفظية أو عرفية أو نحو ذلک فلا يجوز عندئذ هذه المعاملة، لأنها تكون عينة فى الحقيقة وإن كانت تورقاً صورة" (مجلۃ البحوث الفقہیۃ المعاصرہ العدد الرابع والسبعون ۱۴۲۸ھ/ص ۵۶)۔

(رہی وہ صورت جب تیسرا فرد یعنی تورق کرنے والے شخص سے سامان خریدنے والا بائع (بینک) کا وکیل ہو، چاہے خریداری کرنے میں یا اس کے حساب میں خریداری کرنے والا ہو لفظی یا عرفی یا اسی جیسی چیز میں اتفاق کے ذریعہ تو اس وقت یہ معاملہ جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ در حقیقت بیع عینہ ہے، اگرچہ شکلاً تورق ہے)۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ تورق جائز ہے، عینہ ناجائز ہے، بینک جو بیع تورق کرتے ہیں وہ صرف نام نہاد تورق ہے، معنیً وہ عینہ ہے، لہذا یہ ناجائز ہے الا یہ کہ اس میں تبدیلی کر کے اس کو خالص تورق کے انداز میں کر دیا جائے۔

تورق کے شرعی احکام

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی☆

تورق کا مادہ ''ورق'' ہے، ثلاثی مجرد میں راء کے زبر کے ساتھ اس کے معنی پتہ کے ہیں، قرآن کریم میں حضرت آدم نبینا علیہ السلام کے ذکر میں ہے: ''وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ'' (اعراف ۲/۶)۔

باب تفعل میں اس کے معنی أکل الورق کے آتے ہیں، جب اونٹنی پتہ کھالے تو کہتے ہیں: ''تورقت الناقة'' (تاج العروس مادہ (ورق)) یہ لفظ ثلاثی مجرد میں راء کی زبر کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی'' الدراهم من الفضة ''(دلیل المصطلحات الفقہیہ الاقتصادیہ ۴) کے ہیں، خواہ مضروبۃ ہو یا غیر مضروبہ، لسان العرب میں ہے:

''الورق : الفضة كانت مضروبة كالدراهم اولا'' (ایضاً ۶/۴۸۱۶)۔

(ورق کے معنی چاندی کے ہیں، خواہ وہ درہم کی طرح ڈھالا ہوا ہو یا نہیں ڈھالا ہو)۔

قرآن کریم میں اصحاب کہف کے ذکر میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے جب انہوں نے باہم مشورہ کر کے کھانے کا سامان لینے کے لئے چاندی کا سکہ دے کر بھیجا، ارشاد ربانی ہے:

''فَابْعَثُوا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَاماً'' (سورۂ کہف/۱۹)

(اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر اپنا، اس شہر میں پھر دیکھے کونسا کھانا

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ، بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ۔

ستھرا ہے)۔

تورق کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کوئی ضرورت مند کسی شخص سے ادھار خریدے اور پھر اسی خریدی ہوئی چیز کو دوسرے شخص کے ہاتھ کم قیمت پر فروخت کردے تاکہ اس کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے نقد روپے مل جائیں، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"أن یشتری سلعة نسیئة ، ثم یبیعها نقدا لغیر البائع بأقل مما اشتراها به لیحصل بذالک علی النقد"(۱۴/۱۴۶)۔

(کسی نے ادھار سامان خریدا پھر اسے بائع کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ خریدی ہوئی قیمت سے کم پر نقد بیچ دیا، تاکہ اسے نقد حاصل ہوجائے)۔

کشاف القناع میں ہے:

"ولو احتاج انسان إلی نقد فاشتری ما یساوي مأة بمأة وخمسین مثــلا فلا باس بذالک نص علیه وهی أی هذه المسئلة تسمی مسئلة التورق"(۳/۱۸۶)۔

(اگر کسی شخص کو نقد کی ضرورت ہے، اس نے ایک سو کے سامان کو ایک سو پچاس میں خریدا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، فقہاء کی نص اس پر موجود ہے اور اسے مسئلہ تورق کہا جاتا ہے)۔

فقہائے حنابلہ کے علاوہ سب اس مسئلہ کو تورق کے بجائے بیع عینہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا ذکر بیع عینہ بیوع منہی عنہا اور ربوا وغیرہ کے ضمن میں کرتے ہیں، ان حضرات کے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ جس شخص سے ادھار لیا تھا، اسی سے کم قیمت پر نقد بیچ دے یا بغیر ثمن پر قبضہ کئے اسی سامان کو کم قیمت پر لے لے۔

"لو باع شیئا نسیئة أو بثمن لم یقبضه ......ثم اشتراه بأقل مما باعه فتکون علة المنع باقیة هذه مسألة العینة"(الفروع لابن المفلح)۔

(اگر کسی چیز کو ادھار بیچا یا ایسے ثمن کے بدلے جس پر قبضہ نہیں کیا، پھر اسکو بیچی ہوئی قیمت سے کم پر خرید لیا تو اس میں ممانعت کی علت موجود ہے اور یہ مسئلہ عینۃ ہے)۔

حنفیہ کے یہاں عینۃ میں دونوں صورتیں داخل ہیں، خواہ بائع ایک ہو یا ان دونوں کے بیچ تیسرا شخص ہو، جس کے ہاتھ بیچا گیا ہو، اس لئے کہ اس کا مقصد نہ تو اپنے استعمال کے لئے خرید نا ہے اور نہ تجارت کے لیے بلکہ اسے نقد رقم کی ضرورت ہے، وہ اسے نہیں مل پا رہا ہے تو وہ بیع و شراء کے اس طریقہ سے مطلوبہ نقد رقم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ احناف میں امام ابو یوسف اس صورت کو نہ صرف جائز کہتے ہیں؛ بلکہ اس شخص کو ماجور سمجھتے ہیں، جس نے اس طریقہ سے ایک شخص کی حاجت برآری کی، اس کے برعکس امام محمدؒ ''الامور بمقاصدھا'' کے تحت اس صورت کو ناجائز کہتے ہیں، انکے نزدیک یہ ایک ایسا حیلہ ہے جسے سود خواروں نے ایجاد کیا ہے، ان کی دلیل ابوداؤد کی مشہور روایت ہے:

"إذا تبايعتم بالعينة، وأخذ تم أذ ناب البقر، ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد، سلط الله عليكم ذلا لاينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم" (سنن ابی داؤد ۲/۴۹۰)۔

(جب تم لوگ بیع عینۃ کرنے لگو گے، بیلوں کی دموں کو پکڑے رہو گے، زراعت پر قناعت کرو گے، جہاد کو ترک کردو گے تو تم پر اللہ تعالی ایسی ذلت مسلط کردیں گے کہ تم اس سے گلوخلاصی نہیں پاؤ گے، یہاں تک کہ دین کی طرف لوٹ جاؤ)۔

اسی وجہ سے امام مالکؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، متاخرین حنابلہ (امام ابن تیمیہ، ابن قیم)، محمد بن حسن شیبانی، حصکفی (احناف میں) اور جمہور اہل مدینہ اسے جائز قرار نہیں دیتے، جبکہ امام ابو یوسف، امام شافعیؒ، ابوداؤدؒ اور ابو ثورؒ جائز قرار دیتے ہیں۔ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں تفصیلی بحث کے بعد لکھا ہے:

"ومن منعه فوجه منعه اعتبار البيع الثاني بالبيع الأول فاتهمه أن يكون، انما قصد دنانير في أكثر منها إلى أجل وهو الربا المنهي عنه فزور هذه الصورة

لیتصلا بھا إلی الحرام" (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ۲/ ۱۵۴)۔

(جس نے اسے ممنوع قرار دیا ہے اس نے بیع ثانی کو بیع اول پر قیاس کیا ہے، تو انہوں نے متہم کیا کہ وہ ادھار میں دینے کی وجہ سے دنانیر کے حصول کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ ربا ممنوع ہے، تو یہ صورت حرام تک لے جانے والی ہے)۔

امام ابن تیمیہ سے عینۃ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اسلام میں یہ جائز ہے یا نہیں اور کیا کسی شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ ان فقہاء کی تقلید کرے جو اس کو جائز قرار دیتے ہیں، فرمایا: اگر دینے والے کا ارادہ ادھار دے کر زیادہ لینے کا ہو اور دینے والا بھی دینے پر راضی ہو تو یہ ربوا ہے، جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، چاہے اس کے لئے کوئی حیلہ اختیار کیا جائے ،اس لئے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور نیت کے مطابق ہی ہر شخص کو بدلہ ملے گا، ان دونوں نے سود کا قصد کیا ہے، جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے:

"أما إذا كان قصدا لطالب أخذ دراهم بأكثر منها، الى أجل، والمعطى يقصد، اعطائه ذلك فهذا ربا لا ريب في تحريمه وان تحيلا على ذلك باى طريق كان، فإنما الأعمال بالنيات انما لكل امرئ ما نوى، فان هٰذين قد قصدا الربا الذى انزل الله فى تحريمه القرآن" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/ ۴۴۱)۔

(جب طالب کا مقصد ادھار میں زیادہ لے کر (کم) دراہم حاصل کرنے کا ہے اور دینے والا اسی طرح دینے کا مقصد بھی رکھتا ہے تو یہ ربا ہے؛ جس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں، خواہ جس طرح سے بھی یہ دونوں حیلہ کریں، اس لئے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو (اجر) اس کی نیت کے مطابق ہی ملتا ہے کیونکہ ان دونوں نے اسی ربا کا قصد کیا جس کی حرمت اللہ تعالی نے قرآن میں نازل کیا ہے)۔

متقدمین کے یہاں تورق اور عینۃ کی جو بحثیں ہیں اس کا خلاصہ یہی ہے اور ان سب کا مدار اجتماعی اور اداراتی نہیں ہے، بلکہ اس کی حیثیت تورق فردی کی ہے، لیکن اب یہ معاملہ اجتماعی

طور پر ہو رہا ہے، کمپنیاں، بینک اور دوسرے ادارے، سود سے تخلص کے نام پر اس کام کو بڑے پیمانے پر کر رہے ہیں، اس لئے معاصر فقہاء کے یہاں تورق کی دو اور قسم "تورق منظم" اور "تورق مصرفی" کا ذکر ملتا ہے۔

تورق منظم کی شکل یہ ذکر کی ہے کہ نقد کے حصول کے لئے بائع کو مشتری نے اپنا معاملہ سپرد کر دیا کہ وہ کوئی سامان ادھار قیمت پر اس کے ہاتھ بیچ دے، پھر بائع مشتری کا وکیل یا نائب ہونے کی حیثیت سے پہلے ثمن سے کم پر اس کو فروخت کر کے قیمت مشتری کو دیدے، مثلاً کسی سامان کو بائع نے پندرہ روپے میں ادھار بیچا، پھر اسی بائع نے اسی سامان کو مشتری کی نیابت کرتے ہوئے دس روپے میں نقد بیچ دیا، مشتری کو نقد دس روپے مل گئے اور بائع کو اس کے بدلے پندرہ روپے بعد میں ملیں گے کیونکہ دونوں قیمتوں کے درمیان پانچ روپے کا فرق ہے، ڈاکٹر عبدالعزیز خیاط وزیر اوقاف مملکت اردن اس صورت کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فیسمی تورقا منظما، لأن هذه المعاملة تجری علی تنظیم بین أطراف متعددة وقدیکون البائع متفقا مع طرف آخر یشتری السلعة نقدا بثمن أقل قبل لأن یبیعها للمشتری " (التورق حقیقته وانواعه ص ۷)۔

(اس کا نام منظم تورق ہے، اس لئے کہ یہ معاملہ متعدد پارٹیوں میں منظم شکل میں چلتا ہے اور کبھی بائع دوسری پارٹی کے لئے اس بات پر آمادہ ہوتا ہے کہ سامان کو مشتری کے لئے بیچنے سے قبل کم قیمت پر نقد خرید لے)۔

ظاہر ہے یہ صورت مشتری کو دس روپے نقد، پندرہ روپے ادھار کے بدلے میں فراہم کرنے کی ایک شکل ہے اور یہ نا جائز ہے، کیونکہ اس میں ربوا کا تحقق یقینی ہے۔

تورق مصرفی کی مختلف صورتیں رائج ہیں، سب میں بینک یا مالیاتی اداروں کی حیثیت بائع کی ہوتی ہے اصلاً یا نیابةً یا وکالةً، انہیں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ بینک خریدار سے کوئی

ایسی چیز فروخت کرتا ہے جس کو بیچ کر ضرورت مند مطلوبہ رقم حاصل کر لیتا ہے، عملی طور پر اس کی صورت یہ ہے کہ خالد کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے، اسے بینک نے کسی کمپنی سے ایک لاکھ دس ہزار کا لوہا ادھار دلوا دیا، اب اس شخص نے اسی کمپنی کے ہاتھ یا بینک سے منسلک کسی دوسرے ادارہ کے ہاتھ نقد ایک لاکھ روپے میں اسے فروخت کر دیا، یہ شکل بھی درست نہیں ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ولم يجز شراؤه وشراء من لا تصح شهادته له ما باع بنفسه أو بيع له بأن باع وكيله بأقل مما باع قبل نقد الثمن لنفسه أو لغيره من مشتريه أو من وارثه" (الباب التاسع الفصل العاشر ۳/ ۱۱۳)۔

(نہ تو اس کی خریداری درست ہے اور نہ اس شخص کی خریداری جس کی شہادت اس کے حق میں نفع بخش نہیں، اس چیز کی جو اس نے خود بیچا یا اس کے لئے چیز بیچی گئی، اس طرح کہ اس کے وکیل نے اپنے لئے یا دوسرے کیلئے اپنے مشتری یا وارث کے ہاتھ ثمن کی ادائیگی سے قبل خریداری سے کم قیمت پر فروخت کر دیا)۔

علماء، مفتیان وفقہاء معاصرین میں شیخ عبداللہ بن سلیمان المنیع رکن ہیئت کبار العلماء سعودی عرب، ڈاکٹر محمد عبدالغفار الشریف، ڈاکٹر موسی آدم عیسی، ڈاکٹر علی قرۃ داغی عمید کلیۃ الشرعیہ قطر، مفتی محمد تقی عثمانی پاکستان، سابق مفتی شیخ محمد ابراہیم، مجمع الفقہی الاسلامی مکہ المکرمۃ اور الموسوعۃ الفقہیہ میں تورق کو جائز لکھا ہے اور استدلال "احل الله البيع وحرم الربو" کے عموم سے کیا ہے اور "البیع" میں الف لام استغراق کا مان کر بیع کی تمام صورتوں کو جائز قرار دیا ہے، سوائے ان صورتوں کے جن کی ممانعت نص میں وارد ہے، ان حضرات کا خیال ہے کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے اور اللہ تعالی نے جہاں باطل طریقے سے مال کھانے سے منع کیا ہے، وہیں "تجارة عن تراض منكم" کو جائز قرار دیا ہے ارشاد ربانی ہے:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَاْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ

تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ"(سورۂ نساء/۲۰)۔

(اے ایمان والو! اپنا مال آپس میں باطل طریقہ پر مت کھاؤ مگر ہاں البتہ آپس کی رضامندی کے ساتھ تجارت کے طریقہ پر ہو)۔

مجمع الفقہ الاسلامی رابطہ عالم اسلامی نے اپنے پندرہویں سیمینار منعقدہ رجب ۱۴۱۹ھ میں اسی انداز کی تجویز پاس کی ہے:

"ان بیع التورق هذا جائز شرعا وبه قال جمهور العلماء، لأن الاصل فی البیوع الإباحة لقوله تعالی (أحل الله البیع وحرم الربوا) ولم یظهر فی هذا البیع ربا لا قصدا ولا صورة وإن الحاجة داعیة إلی ذالک لقضاء دین أو زواج أو غیر ذالک"(التورق:حقیقتہ وانواعہ)۔

(بیع تورق شرعا جائز ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے، اس لئے کہ اصل بیع میں اباحت ہے، اللہ تعالی کے قول کہ بیع کو اللہ نے حلال کیا اور ربوا کو حرام کیا، اور اس بیع میں ربا کا ظہور نہیں ہوا، نہ ارادۃً اور نہ صورۃً اور اس لئے بھی کہ اس کی حاجت ہے، قرض کی ادائیگی، شادی وغیرہ کے لئے)۔

البتہ اس تجویز میں اس بیع کو جائز کہا گیا ہے جس میں مشتری سامان کو بائع اول کے ہاتھ فوراً یا بالواسطہ خریدی ہوئی قیمت سے کم پر نہ بیچے، تجویز میں صراحت کی گئی ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو یہ بیع عینہ میں داخل ہوگا، جو شرعی طور پر حرام ہے، اس لئے اس صورت میں یہ عقد حیلۂ ربا پر مشتمل ہوگا:

"وجاء القرار ان هذا البیع مشروط بأنه لا یبیع المشتری السلعة بثمن أقل مما اشتراها به علی بائعها الأول مباشرة ولا بواسطة فان فعل فقدوقع فی بیع العینة المحرم شرعا لا شتماله علی حیلة الربا فصار عقدا محرما"۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں بھی "أحل الله البیع وحرم الربا" سے استدلال کرتے

ہوئے جمہور علماء کا قول جواز کا نقل کیا ہے، دلیل میں خیبر کے عامل کے ذریعہ ایک صاع دو صاع کے بدلے میں لینے والی روایت کو نقل کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا گیا ہے کہ ایسا مت کرو، جمع شدہ کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچو پھر ان دراہم سے اچھی کھجوریں خرید لو، اس لئے کہ اس صورت میں قصداً اور نہ ہی صورتاً ربا متحقق ہوتا ہے:

"إنا لناخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا......" (اخرجہ البخاری، کتاب البیوع ۱/ ۲۹۳)۔

(ہم ایک صاع دو صاع کے بدلے اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، جمع شدہ کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچو اور پھر حاصل شدہ دراہم سے اچھی کھجوریں لے لو......)۔

لیکن مجمع الفقهی الاسلامی نے اپنے سترہویں سیمینار منعقدہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ میں اس مسئلہ پر دوبارہ غور کیا، تورق کی جاری شکلوں پر عدم جواز کی تجویز پاس کی اور اس کے اسباب میں یہ صراحت کیا کہ ان دنوں جو صورت رائج ہے وہ تورق حقیقی کی نہیں ہے، جو فقہاء کے یہاں معروف ہے۔

معاصر علماء میں جن لوگوں نے تورق کو حرام قرار دیا ہے، ان میں شیخ عبداللہ بن محمد بن حسین السعید، شیخ علی سالوس (العینہ والتورق المصرفی)، ڈاکٹر حسین حامد، سامی بن ابراہیم السویلم، پروفیسر صدیق محمد امین الضریر، ڈاکٹر رفیق یونس المصری (مقالہ ڈاکٹریٹ بیع العینہ والتورق ۱۴۲۸ھ م ۲۰۰۷ ص ۱۳۸) کے نام قابل ذکر ہیں، ان حضرات نے "الأمور بمقاصدها ومعانيها لا بالفاظها ومبانيها" سے استدلال کیا ہے، کیونکہ مقصود اس سارے معاملہ کا نقد کا حصول ہے، بیع نہیں ہے اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہوتا ہے، اس لئے یہ صورتاً بیع ہے اور اصلاً ربا ہے، صورۃً جو بیع دکھائی دے رہی ہے اس میں مبیع صرف وسیلہ ہے، مقصود نہیں ہے، نیز یہ بیع مضطر اور مکرہ کی

وجہ سے بھی ممنوع ہے۔ اس پورے معاملہ کو اگر بیع عینۃ نہ مانیں تو بھی کم از کم یہ مشابہ عینۃ ہے جسے جمہور نے حرام قرار دیا ہے۔

اسے مشابہ عینۃ قرار دینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جمہور فقہاء عینۃ کی حرمت کے قائل ہیں، جب کہ تورق کے مسئلہ میں علماء کی آراء مختلف ہیں، اور اختلاف کی بنیاد عینۃ اور تورق کی حقیقت کو الگ الگ سمجھنا ہے۔ اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں دونوں کے فرق کو واضح کرتے چلیں۔

تورق اور بیع عینۃ دونوں میں مشتری بازار سے زیادہ قیمت پر سامان ادھار لیتا ہے اور کم قیمت میں نقد فروخت کرتا ہے، دونوں صورتوں میں مشتری کا مقصد، نقد کا حصول ہوتا ہے اور بیع کو حیلہ ومخرج کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ بیع عینۃ میں سامان، بیع ثانی کے ذریعہ بائع اول کے پاس پہنچ جاتا ہے، لیکن تورق میں سامان کا بائع اول کے پاس لوٹنا ضروری نہیں ہے، مشتری چاہے تو بیع پر قبضہ کرکے دوسرے کے ہاتھ بھی بیچ سکتا ہے:

"ومسألة التورق: تختلف عن مسئلة بيع العينة إذا لعينة: أن يبيع سلعة نسيئة ثم يشتريها البائغ لنفسه بثمن حال أقل منه فلا صلة بين التورق وبين العينة إلا فى تحصيل النقد الحال فيهما وفيما ورائه متبان لأن العينة لابد فيها من رجوع السلعة إلى البائع الاول ، بخلاف التورق : فإنه ليس فيه رجوع العين إلى البائع إنما هو تصرف المشترى فيما ملكه كيف شاء" (دلیل المصطلحات الفقهیہ الاقتصادیۃ)۔

(تورق کی صورت حال بیع عینۃ کی صورت سے مختلف ہے، اس لئے کہ عینۃ سامان کا ادھار بیچنا ہے، پھر بائع اسے خرید لیتا ہے ادھار بیچی ہوئی قیمت سے کم پر، تو کوئی مناسبت تورق اور عینۃ کے مابین سوائے فوری نقد کے حصول کے نہیں ہے، اس کے علاوہ دونوں ایک دوسرے

سے متباین ہیں، اس لئے کہ عینۃ میں سامان کا بائع اول کے پاس پہونچنا ضروری ہے۔ بخلاف تورق کے کہ اس میں عین مبیع کا بائع اول کے پاس لوٹنا نہیں ہوتا، اس میں اپنی ملکیت میں مشتری کا تصرف ہے، جیسے چاہے کرے۔

اسی فرق کی بنیاد پر علامہ شامی نے فتح کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ اگر مبیع مشتری کے پاس سے دوبارہ بائع کے پاس نہ آئے اور مشتری اپنی مرضی سے کسی تیسرے کے ہاتھ کم یا زیادہ قیمت پر، جس طرح چاہے فروخت کردے تو یہ صورت جائز ہوگی:

"قال في الفتح: ما حاصله إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع فيكره تحريما فإن لم يعد كما إذا باعها المديون في السوق فلا كراهة فيه بخلاف الأولى" (ردالمحتار کتاب الکفالۃ مطلب بیع العینہ ۴/۳۱۱)۔

(اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایسی صورت ہو کہ بائع کے پاس مبیع لوٹ جائے تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر نہ لوٹے جیسے کہ مدیون نے بازار میں بیچا تو کراہت نہیں ہوگی برخلاف پہلی صورت کے)۔

ابن قدامہ نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر بائع اول نے باپ یا بیٹا سے بھی بیچا تو بھی یہ ممنوع عینۃ کے حکم سے نکل جائے گا، اس لئے کہ وہ بائع اول کے علاوہ ہے:

"إن العينة ممنوعة هي أن يشتري البائع نفسه السلعة التي باعها نسيئة ويجوز لغيره من الناس سواء كان أباه أو ابنه أو غيرهما لأنه غير البائع" (المغنی ۴/۴۶)۔

(بیع عینۃ وہ ممنوع ہے جس میں بائع بعینہ بیچے ہوئے سامان کو ادھار خود خرید لے، کسی دوسرے سے بیچتا ہے تو جائز ہے، چاہے مشتری، بائع کے باپ، بیٹا یا ان دونوں کے علاوہ کسی کے ہاتھ بیچے، اس لئے کہ وہ غیر بائع ہے)۔

علامہ ماوردیؒ نے اپنے تفصیلی بحث میں بیع عینۃ کو ناجائز کہنے والوں کا سخت تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے کہ جو لوگ بیع عینۃ کو حصول ربا کا ذریعہ قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ

حرام ربا سے روکنے کا سبب ہے اور جو حرام سے روک دے وہ مستحب ہے:

"أما الجواب عن قولهم: إنه ذريعة الى الربا الحرام فغلط، بل هو سبب منع من الربا الحرام وما منع من الحرام كان ندبا" (الحاوی الکبیر للماوردی ۲۸۷-۲۹۰/۵)۔

(جو لوگ اسے حرام سود کا ذریعہ کہتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں، بلکہ یہ حرام ربا سے روکنے کا سبب ہے اور جو چیز حرام سے روکے وہ مستحب ہوگی)۔

ان تمام بحثوں سے تورق فردی کے جواز اور عدم جواز کی طرف رہنمائی ہوتی ہے، کیونکہ اس زمانہ میں اسی کا رواج تھا، اسی لئے جن لوگوں نے جائز کہا، اسے انتہائی ضرورت کے موقع سے بوجہ اضطرار، قرض کے حصول اور ربا سے بچنے کے حیلے کے طور پر کہا، امام ابو یوسفؒ نے تو ماجور ہونے کی بھی بات کہی ہے۔

لیکن آج جو تورق کی شکلیں رائج ہیں، وہ تورق منظم اور تورق مصرفی ہے، اس صورت میں سارا معاملہ بینک سے ہوتا ہے اور مالیاتی ادارے اسے منظم انداز میں کرتے ہیں، اس میں نہ تو ثمن پر قبضہ ہوتا ہے نہ مبیع پر، قرض کو ثمن مان بھی لیں تو یہ بیع قبل القبض کی ایک شکل ہے اور قرض پر فائدہ کا حصول ہی اصلا ربا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"والتورق المصرفي المنظم أو التمويل بالنقود الحاصل بين الفرد و البنك وكذا عكسه وهو ممارسة المؤسسة أو الشركة بذاتها له بصفتها، إنما هي المتورق ، فيعقد حراما شرعا، لأنه يفقد قبض السلعة حقيقتا أو حكما ويكون مجرد عقد صوري يستر تعاملا ربويا أو قرضا صريحا بفائدة فهو حيلة على الربا والحيلة منكرة دينيا وخلقيا" (التورق حقیقتہ انواعہ ص ۱۶)۔

(منظم مصرفی تورق یا فرد و بینک کے درمیان حاصل شدہ نقد کے ذریعہ سرمایہ کا حصول

اوراسی طرح اس کے برعکس، بایں طور کہ ادارہ یا کمپنی بذات خود سرمایہ کاری کا انجام دے، اس طور پر کہ ادارہ یا کمپنی خود ہی تورق کا عمل کر رہا ہے تو ایسا کرنا شرعاً حرام ہے، اس لئے کہ حقیقتاً یا حکماً سامان پر اس کا قبضہ مفقود ہے اور محض ظاہری طور پر لین دین سودی معاملہ سمجھا جائے گا یا انٹرسٹ والا صریح قرض سمجھا جائے گا۔ چنانچہ یہ عمل سود کا ایک بہانہ ہے اور حیلہ، بہانہ دینی، اخلاقی اعتبار سے مذموم ہے)۔

اس کے علاوہ دوسری قباحت اس میں یہ ہے کہ متورق نقد قرض حاصل کرتا ہے اور اسکے ذمہ لی ہوئی رقم سے زیادہ کی ادائیگی بعد میں واجب ہوتی ہے، اضافہ مدت کی وجہ سے ہی ہے، اس لئے یہ صورۃ بھی اور مقصد کے اعتبار سے بھی ربا النسیہ ہے۔

اس لئے احقر ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی اس رائے سے متفق ہے کہ تورق اپنے وسیع معنی میں عینہ کی طرح ہی ہے اور تمام محرمات اور منکرات پر مبنی ہے، لکھتے ہیں۔

"التورق هو كالعينة بالمعنى الواسع وهو يشمل كل ذرائع الحرام، ومنها العينة بالمعنى الضيق والربا الصريح والسلف (القرض) وبيع الدين بالدين (أو فسخ الدين بالدين) أو قلب الدين لآخر أو جدولة الديون وبيع النسيئة أو الشراء بنسيئة في دائرة الأموال الربوية وشراء الشئي بأكثر من ثمنه إلى أجل، وبيع الشئي للبائع الأول أو لغيره بأقل مما اشتراه" (ایضاً ص ۷)۔

(تورق اپنے وسیع معنی میں عینہ کی طرح ہے جو حرام کے تمام ذرائع کو شامل ہے، اسی میں سے تنگی کے معنی ہیں، عینہ سے صریح ربا اور سلف (قرض) ہے، بیع الدین بالدین (یا فسخ دین بالدین) یا دوسرے سے دین کو بدلنا یا دیون کا نقشہ بیع النسیہ یا ادھار خریداری یا کسی چیز کو اس کے ثمن سے زیادہ میں ادھار خریدنا، اور سامان کو بائع اول یا دوسرے کے ہاتھ خریداری کی رقم سے کم میں فروخت کر دینا)۔

ڈاکٹر حسین حامد حسان رئیس ہیئۃ الفتوی والرقابۃ الشرعیہ بینک دبئی اسلامی نے بہت

تفصیل سے مجوزین کے دلائل کا جائزہ لیا ہے اور جس نتیجہ پر پہنچے ہیں، احقر کی رائے اسی کے موافق ہے، لکھتے ہیں:

"والخلاصة أن التورق المصرفی المنظم الذی تمارسه بعض البنوک حرام بأدلة قطعية فی نظری ولیس محل اجتهاد" (التورق المصرفی المنظم ص۱۰)۔

(خلاصہ یہ کہ تورق مصرفی منظم جس کا چلن بعض بینکوں میں ہے، میری نظر میں دلائل قطعیہ سے حرام ہے اور محل اجتہاد نہیں)۔

یہاں پر حضرت عائشہؓ کی اس روایت کو بھی یاد رکھنا چاہئے جس میں ام ولد زید بن ارقم نے حضرت عائشہ سے کہا کہ میں نے زید سے ایک غلام آٹھ سو میں ادھار بیچا اور چھ سو میں پھر نقد خرید لیا، حضرت عائشہ نے فرمایا: " بئس ما شریت وبئس ما اشتریت "۔



تورق کی حقیقت اوراس کا حکم

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی ☆

سود اسلامی شریعت میں حرام ہے، اس کی ممانعت اتنی شدید ہے کہ سودی کاروبار کرنے والوں سے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا گیا ہے، اس لئے ہر حال میں سود سے بچنے کی کوشش ہونی چاہئے۔

بعض اوقات لوگوں کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے نقد رقم حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو بینک سے قرض لیتے ہیں، عام بینک ان کو سود پر قرض فراہم کرتے ہیں، ضرورت مند لوگ جن کو نقد رقم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سود میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کیونکہ کوئی بینک سود کے بغیر قرض نہیں دیتا، اس سے بچنے کے لئے اسلامی بینکوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے جس کو "تورق" کا نام دیا گیا ہے، تورق کے ذریعہ لوگوں کو اسلامی بینک سے رقم حاصل ہو جاتی ہے، اور ان کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔

ذیل میں ہم فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں تورق کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت کی وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے، اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ تورق کسے کہتے ہیں؟ اور اس سے ملتا جلتا ایک عقد بیع عینہ بھی ہے، ان دونوں کی حقیقت کیا ہے؟

تورق کی حقیقت:

تورق لغت میں ورق سے مشتق ہے، ورق: درخت کے پتہ اور کتاب کے ورق کو کہتے

☆ استاذ المعهد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف پٹنہ۔

ہیں اسی سے ہے: "تورق الحیوان، أکل الورق" (یعنی جانور نے پتہ کھایا)، ورق: چاندی کو کہتے ہیں خواہ وہ ڈھلی ہوئی ہو یا نہ ہو، اسی سے ہے: "أورق الرجل: صار ذاورق" (آدمی چاندی والا ہوگیا)، بعد میں ورق کا استعمال چاندی کے ڈھلے ہوئے درہم کے معنی میں ہونے لگا۔

مفردات الفاظ القرآن میں ہے: "الورق بالکسر، الدراھم قال: فابعثوا أحدکم بورقکم ھذہ" (ص ۵۵۷)۔

مختار الصحاح میں ہے: "الورق الدراھم المضروبة وکذا الرقة بالتخفیف وفی الحدیث: فی الرقة ربع العشر...... ورجل وراق: کثیر الدراھم وھو أیضا الذی یورق ویکتب والورق من أوراق الشجر والکتاب" (ص ۱۳۲)۔

اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں تورق کا مفہوم یہ ہے کہ مشتری بائع سے سامان کو ادھار خریدے پھر اس سے کم قیمت پر نقداً بائع کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو فروخت کردے، اس میں مشتری کا مقصد سامان کو خریدنا اور اس کو فروخت کرنا نہیں ہوتا ہے اور نہ اس کو اس سامان کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اس کو نقد رقم کی ضرورت ہے، بائع اس کو اصل قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار سامان فروخت کرتا ہے، مشتری رقم حاصل کرنے کے لئے اس سامان کو کسی تیسرے شخص سے اصل قیمت پر نقد فروخت کردیتا ہے، اس سے مشتری کو اس کی مطلوبہ رقم مل جاتی ہے اور اس پر بائع کا قرض لازم ہوجاتا ہے، موسوعہ فقہیہ میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

"التورق فی الاصطلاح: أن یشتری سلعة نسیئة ثم یبیعھا نقدا لغیر البائع بأقل مما اشتراھا بہ لیحصل بذلک علی النقد" (موسوعہ فقہیہ ۱۴؍۱۴۷)۔

معجم لغۃ الفقہاء میں تورق کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"بیع التورق: العدول عن القرض إلی بیع عین بذاتھا للمستقرض

بسعر أعلى تقسيطا ليبيعها للحصول على ما يريد من المال"(ص۱۳۱)۔

تورق کے نام سے اس مسئلہ کا تذکرہ عموما فقہاء حنابلہ کے یہاں ہی ملتا ہے، دیگر مسالک میں اس نام سے اس کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

"ولو كان مقصود المشترى الدرهم وابتاع السلعة إلى أجل ليبيعها ويأخذ ثمنها فهذا يسمى التورق"(فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/۳۰)۔

تورق کا ذکر تورق کے نام سے صرف فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتا ہے، مگر اس کی جو صورت ہے وہ تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ یہ دو الگ بیع ہے، اس میں سامان بائع اول کے پاس لوٹ کر نہیں آتا ہے، اس لئے کہ اس میں ربا کی کوئی شکل نہیں ہے اور بظاہر حرمت کی کوئی دوسری وجہ بھی نظر نہیں آتی، البتہ علامہ ابن تیمیہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، یہ ان کا تفرد ہے، کیونکہ دیگر فقہاء حنابلہ اس کے جواز کی صراحت کرتے ہیں، علامہ ابن مفلح حنبلی اس کے جواز کی صراحت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

"ولو احتاج إلى نقد فاشترى ما يساوى مائة بمائتين فلا بأس، نص عليه، وهي التورق، وعنه يكره، وحرمه شيخنا"(الفروع ۴/۱۷۱)۔

"بل مقصوده دراهم لحاجته إليها وقد تعذر أن يستسلف قرضاأو سلما فيشترى سلعة ليبيعها ويأخذ ثمنها، فهذا هو التورق، وهو مكروه فى أظهر قولى العلماء، وهذا إحدى الروايتين عن أحمد، كما قال عمر بن عبد العزيز: التورق أخية الربا"(فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/۴۴۲)۔

"وأما الذى لم يعد إلى البائع بحال بل باعها المشترى من مكان آخر لجاره فهذا يسمى "التورق"، فكرهه عمر بن عبد العزيز والإمام أحمد بن حنبل فى إحدى الروايتين، وقال عمر بن عبد العزيز: التورق أخية الربا أى أصل الربا، وهذا القول أقوى"(فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/۴۳۱)۔

فقہاء شافعیہ تو بیع عینہ کو بھی جائز قرار دیتے ہیں، اس لئے تورق ان کے نزدیک بدرجہ اولی جائز ہے، فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی تورق جائز ہے، علامہ ابن ہمام نے اس کے عدم کراہت کی صراحت کی ہے، البتہ بعض احتمالات کی وجہ سے خلاف اولی بتایا ہے، جیسا کہ آگے عینہ کی بیان میں اس کی تفصیل آرہی ہے، موسوعہ فقہیہ میں تورق کی اباحت پر فقہاء کا اتفاق نقل کیا ہے۔

"جمهور العلماء على إباحته سواء من سماه تورقاوهم الحنابلة أو لم يسمه بهذا الاسم وهم من عدا الحنابلة" (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۷)۔

اس لئے تورق کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بس صرف اصطلاح کا فرق ہے۔

بیع عینہ کی حقیقت:

فقہ کی کتابوں میں بیع عینہ کے نام سے ایک بیع کا ذکر موجود ہے، جس کی ممانعت حدیث میں ملتی ہے۔

"عن ابن عمر رضی الله عنهما قال رسول الله ﷺ يقول: "إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقرو رضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم" (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی النہی عن العینۃ ۴۹۰/۲)۔

"روى غندر عن شعبة عن أبي اسحاق السبيعي عن امرأته العالية بنت أيفع بن شرحبيل أنها قالت: دخلت أنا وأم ولد زيد بن أرقم وامرأته على عائشة رضى الله عنها فقالت أم ولد زيد بن أرقم: إني بعت غلاما من زيد بن أرقم بثمان مائة درهم إلى العطاء ثم اشتريته منه بست مائة درهم. فقالت لها: "بئس ما شريت وبئس ما اشتريت، أبلغي زيد بن أرقم أنه قد أبطل جهاده مع رسول الله ﷺ إلا أن يتوب"- "رواه احمد و سعيد بن منصور" (المغنی ۴/ ۱۹۳، باب الربا والصرف)۔

بیع عینہ کی بہت سی شکلیں ہیں، ان میں سے ایک صورت جو زیادہ واضح ہے اور حدیث عائشہؓ میں بھی اس کا ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ خریدار جس شخص سے کسی چیز کو اصل قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدے اسی شخص سے اسی چیز کو کم قیمت پر نقدا فروخت کردے، اس میں خریدار کا مقصد سامان کی خرید وفروخت نہیں ہوتا بلکہ اپنی ضرورت کے لئے نقد رقم کا حصول ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ بیع عینہ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

"الأمر ببيع العينة مثل أن يستقرض من تاجر عشرة فيتابى عليه ويبيع منه ثوبا يساوى عشرة بخمسة عشر مثلا رغبة فى نيل الزيادة ليبيعه المستقرض بعشرة ويتحمل عليه خمسة" (ہدایہ مع الفتح ۶/ ۳۲۳ کتاب الکفالۃ)۔

امام محمد شیبانیؒ عینہ کی صورت کو شدید ناپسندیدہ اور مذموم قرار دیتے ہیں، صاحب ہدایہ، صاحب عنایہ، صاحب کفایہ، صاحب فتح القدیر، علامہ حصکفی وغیرہ فقہاء حنفیہ بیع عینہ کو مکروہ تحریمی بتاتے ہیں۔

"بيع العين بالربح نسيئة ليبيعها المستقرض بأقل ليقضى دينه اخترعه آكلة الربا وهو مكروه مذموم شرعا لما فيه من الإعراض عن مبرة الإقراض" (الدرالمختار ۲/ ۶۶)۔

لیکن بعض لوگوں نے امام ابو یوسفؒ سے اس کی نہ صرف عدم کراہت بلکہ متعدد صحابہ کرام کا معمول ہونا نقل کیا ہے۔

"قال أبويوسف : لا يكره هذا البيع لأنه فعله كثير من الصحابة وحمدوا على ذلک، لم يعدوه من الربا، حتى لو باع كاغذة بألف يجوز ولا يكره، وقال محمد: هذا البيع فى قلبى كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربا وقد ذمهم رسول الله ﷺ" (فتح القدیر ۶/ ۳۲۴)۔

علامہ ابن ہمام نے اس میں تفصیل کی ہے اور ایک صورت کو جس میں سامان لوٹ کر بائع اول کے پاس آجاتا ہے مکروہ (تحریمی) قرار دیا ہے، یہی صورت اصل عینہ کی ہے، دوسری

صورت جس میں سامان بائع اول کے پاس لوٹ کرنہیں آتا اس کو غیر مکروہ یا زیادہ سے زیادہ خلاف اولی قرار دیا ہے، یہ صورت تورق کی ہے۔

"ثم الذی یقع فی قلبی أن ما یخرجه الدافع إن فعلت صورة یعود فیها إلیه هو أو بعضه کعود الثوب أو الحریر فی الصورة الأولی و کعود العشرة فی صورة إقراض الخمسة عشر فمکروه، وإلا فلا کراهة إلا خلاف الأولی علی بعض الاحتمالات" (فتح القدیر باب الکفالة ۶/ ۳۲۴)۔

علامہ شامی صاحب فتح القدیر کی عبارت نقل کر کے لکھتے ہیں کہ بعد کے فقہاء نے اسی کو درست مانا ہے، اور مفتی سید ابو سعود نے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے اختلاف کو ان ہی دونوں الگ الگ محمل میں رکھا ہے، امام ابو یوسف کے عدم کراہت کے قول کو انہوں نے تورق پر محمول کیا ہے اور امام محمدؒ کے کراہت تحریمی کے قول کو عینہ پر محمول کیا ہے، یعنی تورق بلا کراہت جائز ہے اور عینہ مکروہ تحریمی ہے۔

"قال فی الفتح ما حاصله إن الذی یقع فی قلبی أنه إن فعلت صورة یعود فیها إلی البائع جمیع ما أخرجه أو بعضه کعود الثوب إلیه فی الصورة المارة و کعود الخمسة فی صورة إقراض الخمسة عشر فیکره یعنی تحریما فإن لم یعد کما إذا باعه المدیون فی السوق فلا کراهة فیه بل خلاف الأولی فإن الأجل قابله قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیه دائما بل هو مندوب ومالم ترجع إلیه العین التی خرجت منه لا یسمی بیع العینة، لأنه من العین المسترجعة لا العین مطلقا وإلا فکل بیع بیع العینة اه، وأقره فی البحر والنهر والشرنبلالیة وهو ظاهر وجعله السید أبوالسعود محمل قول أبی یوسف و حمل قول محمد والحدیث علی صورة العود" (ردالمحتار ۴/ ۳۱۱ باب الکفالة)۔

اس سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک تورق بلا کراہت جائز

ہے، اور بیع عینہ مکروہ تحریمی ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ فقہاء کرام کی اکثریت نے بیع عینہ کے عدم جواز کو اختیار کیا ہے، ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ کرام بیع عینہ کے عدم جواز کے قائل ہیں، صرف امام شافعی اس کے جواز کی طرف گئے ہیں۔

"إن من باع سلعة بثمن مؤجل ثم اشتراها بأقل منه نقدا لم يجز فی قول أكثر أهل العلم روی ذلک عن ابن عباس وعائشة والحسن وابن سيرين والشعبی والنخعی وبه قال الزناد وربيعة وعبد العزيز بن أبی سلمة والثوری والأوزاعی ومالک وإسحاق وأصحاب الرای وأجازه الشافعی" (المغنی ۴/ ۱۹۴)۔

جمہور کے دلائل:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عینہ سے ممانعت والی حدیث جو اوپر گذری: "إذا تبايعتم بالعينة الخ"۔

حضرت زید بن ارقمؓ کی ام ولد سے حضرت عائشہؓ کا فرمان: "بئس ما شريت وبئس ما اشتريت الخ"۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ اتنی سخت بات "قد أبطل جهاده مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا أن يتوب" حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر نہیں کہی ہوگی، اس لئے یہ صرف حضرت عائشہؓ کا قول نہیں ہے بلکہ یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

"والظاهر أنها لا تقول مثل هذا التغليظ وتقدم عليه إلا بتوقيف سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم فجری مجری روايتها ذلک عنه" (المغنی ۴/ ۱۹۳)۔

اس کے عدم جواز کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سود لینے کا ذریعہ بن جائے گا، اس لئے سد الذریعہ بھی اس کو ناجائز ہونا چاہئے۔

"ولأن ذلک ذريعة إلی الربا، لأنه يدخل السلعة ليستبيح بيع الف بخمس مائة إلی أجل معلوم" (المغنی ۴/ ۱۹۳)۔

احادیث میں ایسے قرض کی ممانعت وارد ہوئی ہے جس سے نفع حاصل ہو رہا ہو، فقہاء اس کو سود قرار دیتے ہیں، عینہ میں بھی اس کا قوی شبہ موجود ہے، اس لئے اس کو ناجائز ہونا چاہئے، کیونکہ ربا کے ساتھ ریبہ (شبہ ربا) کو بھی ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، "دعوا الربا والريبة"، خلاصہ یہ ہے کہ بیع عینہ کے سلسلے میں جمہور فقہاء کا قول صحیح اور راجح ہے کہ بیع عینہ جائز نہیں ہے۔

عینہ اور تورق میں فرق:

ان تمام تفصیلات سے عینہ اور تورق میں کافی فرق نظر آتا ہے۔

الف- بیع عینہ میں سامان کو دوبارہ بائع اول سے ہی فروخت کر دیا جاتا ہے، جبکہ تورق میں بائع کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے فروخت کیا جاتا ہے، "لأن العينة لابد فيها من رجوع السلعة إلى البائع الأول بخلاف التورق فإنه ليس فيه رجوع العين إلى البائع، إنما هو تصرف المشترى فيما ملكه كيف شاء" (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۷)۔

ب- عینہ میں سود لینے کا ارادہ پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں قرض پر منفعت کا حصول ہوتا ہے، جبکہ تورق میں ایسا نہیں ہے، اس میں صرف بازار کی قیمت سے زائد قیمت پر سامان کو فروخت کیا جاتا ہے اور بیع میں ہر بائع کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے سامان کو زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت کرے، علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: "لو باع كاغذة بألف يجوز ولا يكره" (فتح القدیر ۶/ ۳۲۴ باب الکفالۃ)۔

ج- تورق میں سامان لوٹ کر بائع اول کے پاس نہیں آتا اور عینہ میں سامان لوٹ کر بائع اول کے پاس ہی آجاتا ہے، "ومالم ترجع إليه العين التى خرجت منه لا يسمى بيع العينة" (فتح القدیر ۶/ ۳۲۴)۔

بینک کا طریقہ کار:

تورق اور عینہ کی پوری وضاحت ہوجانے کے بعد اب دیکھیں کہ سوالنامہ میں بینک

نے تورق کے نام سے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس پر تورق کی صورت جو اوپر ذکر کی گئی صادق آتی ہے؟ بینک کا طریقہ کار سوالنامہ کے مطابق اس طرح ہے:

بینک خریدار سے کوئی ایسی شی فروخت کرتا ہے جس کو بیچ کر ضرورت مند مطلوبہ رقم حاصل کرسکتا ہے، عملی طور پر اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ مثلاً ''الف'' کو ایک لاکھ روپئے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے، اور اسے ''ب'' سے ایک لاکھ روپئے نقد میں فروخت کردیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ کی رقم حاصل ہو جاتی ہے، اور ''ب'' کو دس ہزار روپئے نفع مل جاتا ہے اور عام طور پر ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے (بینک کو) ہی دس ہزار روپئے نفع حاصل ہوتا ہے۔

بینک کے طریقہ کار کے بارے میں سوالنامہ میں مذکور اس صورت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تورق نہیں ہے، بلکہ یہ صاف طور سے بیع عینہ ہے، اس لئے کہ بینک نے جو سامان (لوہا) فروخت کیا ہے وہ ''ب'' کے واسطہ سے بینک تک پہنچ جاتا ہے، کیونکہ ''ب'' بھی بینک سے منسلک ادارہ ہے تو بینک ہی نے ''الف'' سے ایک لاکھ روپئے میں سامان (لوہا) ادھار فروخت کیا اور ''ب'' کے واسطے سے یہ لوہا نقد ایک لاکھ میں اس کو واپس مل گیا، نیز اس پر دس ہزار روپئے بینک کو بلا عوض مل گئے، یہ بالکل بیع العینہ کی صورت ہے، فقہاء کرام نے بائع اور مشتری کے درمیان کسی تیسرے آدمی کو لانے کو جو مشتری سے اس سامان کو خرید کر بائع تک پہنچا دے بیع عینہ کی ہی ایک صورت قرار دیا ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

"قال بعضهم: هی أن يدخلا بينهما ثالثا فيبيع المقرض ثوبه من المستقرض باثنی عشرة درهما ويسلمه إليه ثم يبيعه المستقرض من الثالث بعشرة ويسلمه إليه ثم يبيعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ويسلمه إليه ويأخذ منه العشرة ويدفعها للمستقرض فيحصل للمستقرض عشرة

ولصاحب الثوب عليه اثنا عشر درهما" (ردالمحتار باب الصرف ۴/ ۲۷۲)۔

اس طرح کے معاملات میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مستقل بیع ہے، لیکن درحقیقت اس میں سود کے لین دین کا مکمل قصد وارادہ پایا جاتا ہے اور سود کے لین دین کے لئے ہی یہ بیع کی جاتی ہے، احکام شریعت میں جس طرح معاملات میں ظاہری شکل کا اعتبار ہوتا ہے، اسی طرح عاقدین کے مقاصد کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بینک کی مذکورہ صورت کو اگرچہ تورق کا نام دیا گیا ہے مگر وہ مکمل طور سے بیع عینہ ہے جو جمہور فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے اسلامی بینک کے ذمہ داران کو چاہئے کہ اس طریقہ کار سے بچنے کی کوشش کریں اور بینک میں اس کو جاری نہ کریں اور اگر یہ طریقہ بینک میں چل رہا ہے تو اس کو بند کرنے کی جدوجہد کریں۔



تورق کا مسئلہ

مولانا نورالحق رحمانی ☆

اسلامی معاشیات کے دواہم ستون ہیں: ایک زکوۃ کی فرضیت اور دوسرے سود کی حرمت، سماج کے وہ افراد جو معذور اور اپاہج یا مفلس ونادار اور وسائل زندگی سے محروم ہیں ان کی کفالت اور ضروریات کی تکمیل کے لئے اللہ تعالی نے مالداروں اور اصحاب ثروت پر زکوۃ فرض کی اور سود کو حرام قرار دیا کہ اگر فقراء ومساکین اپنی کسی اہم ضرورت سے سرمایہ داروں کی طرف رجوع کریں اور قرض کے خواہاں ہوں تو انہیں بغیر سود کے قرض مل جائے اور اس پر اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا۔

اسلام سے قبل عرب معاشرے میں سود کا رواج بڑے پیمانے پر تھا، مدینہ منورہ میں یہود سرمایہ دار تھے جو سودی نظام کے ذریعہ عرب کی ساری دولت کو سمیٹ رہے تھے، اور فقراء و مساکین دن بدن بدحال ہوتے جارہے تھے، اسلام نے سماج کے کمزور اور نادار افراد پر ہونے والے اس ظلم کو مٹایا اور سود پر مکمل پابندی عائد کردی کیونکہ اس سے خوشحال طبقہ میں سنگ دلی، قساوت قلبی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے اور کمزور طبقہ میں ان کی طرف سے نفرت وعداوت اور بغض وحسد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اور اسلام جو مثالی معاشرہ تیار کرنا چاہتا ہے اس کی بنیاد اخوت ومحبت، ایثار وقربانی، ہمدردی وخیر خواہی، باہمی تعاون اور شفقت وترحم پر ہے، اس لئے اس نے سماج کے دبے کچلے اور کمزور طبقہ پر سرمایہ دار اور طاقت ور طبقہ کی طرف سے ہونے والے ظلم

☆ استاذ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف پٹنہ۔

وتشدد کا سد باب کیا، اس لئے ہر ایسا عمل اور معاشی نظام جس سے سرمایہ دارانہ ذہنیت کو شہ ملے اور سودی نظام کو تقویت پہنچے وہ اسلامی نقطہ نظر کے منافی اور اس کے معاشی نظام سے متصادم ہے، سود ایک سماجی لعنت، کمزور طبقہ کا معاشی استحصال اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ ہے جسے کسی حال میں گوارہ نہیں کیا جاسکتا، اسلامی مملکت میں غیر مسلم شہری اگر چھپ کر شرک کریں تو اسے گوارہ کیا جاسکتا ہے لیکن انہیں سودی کاروبار کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ اس کے نقصانات متعدی ہیں۔

دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اسلامی شریعت نے ہر ایسے حیلہ اور تدبیر کو حرام قرار دیا ہے جس کا مقصد کسی حرام کو حلال کرنا ہو یا فرائض و واجبات اور شرعی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرنا ہو، قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے گروہ کا متعدد جگہوں میں تذکرہ موجود ہے، لہذا اگر زکوۃ کو ساقط کرنے یا سود کو حلال کرنے کے لئے اگر کوئی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ شریعت کی رو سے جائز نہ ہوگا۔

تورق کے نام پر بینکوں نے آج جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس کا اصل مقصد ضرورت مندوں کو سودی قرضے فراہم کرنا اور اس پر سود کمانا ہے، سامان کو درمیان میں حیلے کے طور پر لایا گیا ہے، یہ ایک کمزور حیلہ ہے جو کسی حرام کو حلال نہیں کرسکتا۔

اس مسئلے پر بحث کرنے سے قبل دو مسئلوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے جن سے یہ مسئلہ بنیادی طور پر جڑا ہوا ہے اور وہ تورق کا مسئلہ اور بیع عینہ کا مسئلہ ہے۔

تورق کی تعریف اور اس کا حکم:

تورق باب تفعل کا مصدر ہے جس کا مادہ ورق ہے، ورق راء کے فتحہ کے ساتھ اس کے معنی پتہ اور کاغذ کے ہیں اور راء کے کسرہ کے ساتھ اس کے معنی چاندی کے سکہ کے ہیں، قرآن کریم میں اصحاب کہف کے واقعہ میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

"فابعثوا أحدكم بورقكم هذه إلى المدينة" (سورۂ کہف:۱۹) (پس تم اپنے میں

سے کسی کو اپنا چاندی کا یہ سکہ دے کر شہر بھیجو)۔

تورق الحیوان: جانور نے درخت کا پتہ کھایا (لسان العرب، المعجم الوسیط، الموسوعہ)۔

اصطلاح شریعت میں تورق اس کا نام ہے کہ کوئی ایسا شخص جسے نقد مال کی ضرورت ہو وہ کسی شخص سے کوئی سامان ادھار خریدے پھر اسے کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ خریدی ہوئی قیمت سے کم میں نقد فروخت کردے تاکہ اس طرح اسے نقد مال حاصل ہوسکے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۴ر ۱۴۷)۔

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے:

"بیع التورق: العدول عن القرض إلی بیع عین بذاتها للمستقرض بسعر أعلی تقسیطا لبیعها للحصول علی مایرید من المال"۔

یعنی بیع تورق یہ ہے کہ سرمایہ دار کسی قرض چاہنے والے کو نقد قرض دینے کے بجائے کوئی سامان اس کے ہاتھ ادھار فروخت کردے جس کی قیمت مارکٹ کی قیمت سے زائد ہو، جسے خریدار ایک مقررہ وقت میں قسط وار ادا کرے اور پھر یہ پہلا خریدار اس سامان کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردے تاکہ اس طرح اسے نقد مال حاصل ہوسکے۔

تورق کی یہ اصطلاح ائمہ اربعہ میں سے صرف فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتی ہے، دیگر فقہاء نے اس مفہوم کے لئے اس اصطلاح کو استعمال نہیں کیا ہے، البتہ بیع عینہ کے ذیل میں اس کے مسائل سے بحث کی ہے، جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے، تورق کی یہ صورت شرعی لحاظ سے جائز ہے کیونکہ اس میں حرمت کی بظاہر کوئی علت نہیں پائی جارہی ہے، صرف اتنا ہے کہ ایک سامان کو ایک شخص اس کے عام ریٹ سے زیادہ میں فروخت کررہا ہے اور دوسرا اسے خرید رہا ہے، اور شریعت میں اس کی اجازت ہے کہ کسی معمولی چیز کو زیادہ قیمت پر خریدا جائے یا فروخت کیا جائے، اس لئے جمہور فقہاء کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے:

"جمهور الفقهاء علی إباحته سواء من سماه تورقا وهم الحنابلة أو من

لم یسمه بها الاسم"، پھر پہلا خریدار اس سامان کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، پہلے بائع کے ہاتھ نہیں فروخت کر رہا ہے جو شبہ ربا ہو۔

"وهم من عدا الحنابلة لعموم قول تعالی: "وأحل الله البيع" (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۷-۱۴۸)۔

جمہور فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں، خواہ وہ حضرات ہوں جنہوں نے اس کا نام تورق رکھا ہے یعنی حنابلہ یا دیگر فقہاء ہوں جنہوں نے اسے اس نام سے موسوم نہیں کیا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے جو بیع کی اجازت دی۔ ہے اس کے عموم میں یہ صورت بھی داخل ہے، اور اس لئے کہ اس میں نہ ربا کا قصد پایا جا رہا ہے نہ ربا کی صورت ہے۔

بیع عینہ اور اس کا حکم:

حدیث میں جن بیوع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، ان میں سے ایک بیع عینہ ہے جن سے متعلق چند حدیثیں درج ذیل ہیں:

"عن ابن عمر رضی الله عنهما قال رسول الله ﷺ یقول: إذا تبایعتم بالعینة وأخذتم أذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجهاد سلط الله علیکم ذلا لا ینزعه حتی ترجعوا إلی دینکم" (ابوداؤد مع بذل المجہود ۱۵/ ۱۳۸)۔

(حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم لوگ بیع عینہ کرنے لگو گے اور گائے کی دم پکڑ لو گے اور کھیتی باری کے کام پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالی تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس ذلت سے تمہیں اس وقت تک نہیں نکالے گا جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ جاؤ)۔

"روی عن ابن عمرؓ أن النبی ﷺ قال: إذا ضن الناس بالدینار والدرهم وتبایعوا بالعینة واتبعوا أذناب البقر، وترکوا الجهاد فی سبیل الله أنزل الله بهم بلاء فلا یرفعه حتی یراجعوا دینهم" (مسند احمد ۲/ ۸ طبع المیمنیہ)۔

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب لوگ دینار و درہم پر بخل کرنے لگیں گے اور بیع عینہ کرنے لگیں گے اور گائے کے دم کے پیچھے چلیں گے (یعنی ہل جوتیں گے اور کھیتی کریں گے) اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالی ان پر بلا نازل کرے گا اور اسے ان سے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ وہ اپنے دین کی طرف رجوع نہ کریں)۔

بیع عینہ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے، شارحین حدیث نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے:

"هو أن يبيع من رجل سلعة بثمن معلوم إلى أجل مسمى ثم يشتريها منه بأقل من الثمن الأول" (بذل المجہود ۱۵؍۱۳۸)۔

(بیع عینہ یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے ہاتھ کوئی سامان ادھار مقررہ قیمت پر مقررہ مدت تک ثمن کی ادائیگی کی شرط پر فروخت کرے، پھر یہ فروخت کنندہ اسی سامان کو اسی پہلے خریدار سے پہلی قیمت سے کم میں خرید لے)۔

اس بیع کو بیع عینہ کہنے کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ ادھار سامان خریدنے والا اس کے بدلے فروخت کنندہ سے عین یعنی نقد مال حاصل کرتا ہے۔

اور علامہ ابن ہمام نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اس کا نام عینہ اس لئے رکھا گیا کہ اس میں عین یعنی سامان پہلے بائع کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

دسوقی فرماتے ہیں کہ یہ کہنا بہتر ہے کہ اس کا نام عینہ اس لئے رکھا گیا کہ سامان فروخت کرنے والا مجبور آدمی کی مدد کرتا ہے اور حیلہ کے طور پر اس کے مقصود کے حاصل ہونے میں اس کی اعانت کرتا ہے (الموسوعہ ۹؍۹۵)۔

فقہاء کرام نے اس بیع کی جو تعریف کی ہے ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بیع کا مقصد سرمایہ دار کا قرض دے کر نفع کمانا ہے، براہ راست نقد مال دے کر نفع لینا چونکہ سود ہے، اس لئے

اس سے بچنے کے لئے بیع کا حیلہ اختیار کیا گیا ہے، اور محتاج کو چونکہ نقد پیسے کی ضرورت ہے اور قرض آسانی سے مل نہیں رہا ہے، اس لئے وہ سامان کے خرید وفروخت کو نقد مال حاصل کرنے کا ذریعہ بناتا ہے، اس مقصد سے وہ کسی سامان کو اس کے مالک سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے کہ فلاں مدت تک وہ اس کی قیمت ادا کردے گا اور پھر اس سامان کو سامان والے ہی کے ہاتھ خریدی ہوئی قیمت سے کم میں نقد فروخت کر دیتا ہے، تاکہ اس طرح اسے نقد مال مل جائے اور وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر سکے، حدیث میں چونکہ اس سے منع کیا گیا ہے، اس لئے جمہور فقہاء اس کی حرمت کے قائل ہیں، مسند احمد کی جو حدیث اوپر گذری اس سے اس کی وضاحت ہوتی ہے، اس لئے کہ اس میں فرمایا گیا ہے:

"إذا ضن الناس بالدينار والدرهم وتبايعوا بالعينة" یعنی جب لوگ دینار ودرہم کے سلسلے میں بخل کریں گے اور محتاجوں کو قرض دینے کے بجائے بیع عینہ کریں گے یعنی نفع کمانے کے لئے بیع کا حیلہ اختیار کریں گے تو اللہ ان پر ذلت مسلط کرے گا، یہ وعید حرمت پر دلالت کررہی ہے چنانچہ علامہ ابن قدامہ بیع عینہ والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"هذا وعيد يدل على التحريم" (المغنی ۴/۱۹۵) (یہ وعید ہے جس سے حرمت ثابت ہورہی ہے)۔

صاحب بذل المجہود در مختار کے حوالہ سے اس کا حکم لکھتے ہیں:

"قال في الدر المختار: وبيع العينة مكروه مذموم شرعا لما فيه من الإعراض عن مبرة الإقراض وقال الشامي: قال محمد: هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربا" (بذل المجہود ۱۵/۱۳۸)۔

(صاحب درمختار فرماتے ہیں: بیع عینہ شرعا مکروہ تحریمی اور مذموم ہے، اس لئے کہ اس میں قرض دینے کی نیکی سے اعراض کرنا ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے فرمایا: میرے نزدیک یہ بیع پہاڑ کی طرح سخت اور بھاری ومذموم ہے، سودخواروں نے اسے ایجاد کیا ہے)۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے: "فقال أبو حنیفة ومالک وأحمد: لا یجوز هذا البیع" (۹/۹۶)۔

(امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ بیع درست نہیں ہے)۔

ائمہ اربعہ میں صرف امام شافعی اس کے جواز کے قائل ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ شاید انہوں نے بیع کی ظاہری صورت پر حکم لگایا ہو اور نیت کا اعتبار نہ کیا ہو کہ جس طرح خریدے ہوئے سامان کو خریدار کسی اور کے ہاتھ کم قیمت پر فروخت کرسکتا ہے، اسی طرح بائع اول کے ہاتھ بھی فروخت کرسکتا ہے (حوالہ سابق)۔

اور مالکیہ نے ممانعت کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ قرض پر نفع لینا ہے جو حدیث کی رو سے سود اور حرام ہے (حوالہ سابق)۔

علامہ زیلعی حنفی نے اس میں سود کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ بائع نے جب سامان ادھار فروخت کیا تو ثمن اس کے قبضے میں نہیں آیا تو اس کے ضمان میں داخل نہیں ہوا، پھر جب خریدار نے بعینہ اسی مال کو اسی حالت پر اس کی طرف لوٹا دیا جس حالت میں اس کی ملکیت سے نکلا تھا تو پہلے ثمن کا جو حصہ دوسرے ثمن کے مقابلے میں آیا وہ برابر سرابر ہو گیا اور جو حصہ بچ رہا وہ عوض سے خالی ہونے کی وجہ سے سود ہے اور یہ ایسی چیز کا نفع ہے جس کا وہ ضامن نہیں تھا اور یہ حدیث کی رو سے حرام ہے (موسوعہ فقہیہ ۹/۹۶، بحوالہ درمختار)، گویا حنفیہ کے نزدیک بھی اس کی حرمت کی وجہ سود ہے۔

اور حنابلہ نے بھی اس کی حرمت پر انہیں احادیث سے استدلال کیا ہے جو اوپر گذریں، اسی کے ساتھ مسند احمد کی درج ذیل حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ:

ابو اسحاق سبیعی اپنی بیوی عالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی بیوی نے کہا کہ میں اور زید بن ارقمؓ کی ام ولد حضرت عائشہؓ کے یہاں گئی تو زید بن ارقمؓ کی باندی نے یہ کہا کہ میں نے ایک غلام کو زید بن ارقمؓ کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں عطیہ ملنے تک کی مدت تک ثمن کی ادائیگی کی شرط

پر بیچ دیا پھر ان سے چھ سو درہم نقد کے بدلے خرید لیا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم نے جو خریدا اور بیچا وہ بہت برا کیا، زید کو جا کر یہ کہہ دو کہ اس عمل کی وجہ سے ان کا وہ جہاد جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انہوں نے کیا تھا، وہ باطل ہو گیا، الا یہ کہ وہ اس سے توبہ کر لیں (المغنی ۴ر ۱۹۴)۔

علامہ ابن قدامہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"والظاهر أنها لا تقول مثل هذا التغليظ وتقدم عليه إلا بتوقيف سمعته من رسول الله ﷺ فجرى مجرى روايتها ذلك، وعنه ولأن ذلك ذريعة إلى الربا" (المغنی ۴ر ۱۹۴)۔

(ظاہر یہ ہے کہ ام المومنین اس طرح کی سخت بات اس کے بغیر نہیں کہہ سکتی ہیں کہ انہوں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، اس لئے اس کی حیثیت ایسی ہوگی کہ گویا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر کہی ہو، گویا یہ حدیث حدیث مرفوع کے درجہ میں ہے، اور اس بیع کی حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سود کا ذریعہ ہے)۔

بہر حال بیع عینہ جمہور فقہاء کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ متعدد احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہے اور اس لئے کہ یہ ربا کا ذریعہ ہے۔

اور تورق اور عینہ میں فرق یہ ہے کہ تورق میں خریدار پہلے بائع سے کوئی سامان خرید کر کسی دوسرے خریدار کے ہاتھ اسے پہلی قیمت سے کم میں فروخت کرتا ہے، اس میں حرمت کا ظاہری یا معنوی کوئی سبب نہیں پایا جاتا، اس لئے جمہور اسے درست قرار دیتے ہیں، اور بیع عینہ جس کی ممانعت ابوداؤد اور مسند احمد وغیرہ کی روایات میں وارد ہے جمہور فقہاء اسے ناجائز قرار دیتے ہیں کیونکہ بائع اول کا مقصد اس بیع کے ذریعہ سرمایہ قرض لگا کر اس سے نفع حاصل کرنا اور خریدار کا مقصد سود دے کر نقد مال حاصل کرنا ہے جو از روئے شرع حرام ہے، اس لئے کہ شریعت میں اصل اعتبار مقصود کا ہے نہ کہ ظاہری صورت اور الفاظ کا اور سامان کی خرید و فروخت محض حیلہ ہے۔

سوالنامہ میں تورق کے جس مسئلہ کے بارے میں حکم شرعی دریافت کیا گیا ہے اس کی

نوعیت کتابوں میں ذکر کردہ تورق کی نہیں بلکہ بعینہ بیع عینہ کی ہے، کیونکہ سوالنامہ میں کہا گیا ہے:

بینک خریدار سے کوئی ایسی شی فروخت کرتا ہے جس کو بیچ کر ضرورت مند مطلوبہ رقم حاصل کرسکتا ہے، اور پھر اس کی صورت یہ بیان کی گئی ہے مثلاً ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے اور وہ اسے ''ب'' سے ایک لاکھ روپے نقد میں فروخت کردیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی رقم حاصل ہوجاتی ہے اور ''ب'' کو دس ہزار روپے نفع میں مل جاتا ہے، اور عام طور پر ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے ہی دس ہزار روپے نفع حاصل ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس میں ضرورت مند کے ہاتھ ایک لاکھ دس ہزار میں ادھار لوہا بیچنے والا بھی بینک ہی ہے اور پھر اس سے ایک لاکھ میں لوہا خریدنے والا بھی اسی سے متعلق ادارہ ہے، اس طرح گویا یہ بائع اول ہی کے ہاتھ میں فروخت کرنا ہے لہذا اس کا وہی حکم ہوگا جو بیع عینہ کا ہے۔ اور جس کی حرمت منصوص اور قطعی ہے، بلکہ بیع عینہ کے مقابلہ میں اس کی حرمت وقباحت زیادہ ہے، اس لئے کہ بیع عینہ میں تو خرید وفروخت میں سامان پر قبضہ پایا جاتا ہے اور بینکوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس میں خرید وفروخت محض کاغذی ہے، لوہا اپنی جگہ رہتا ہے، قبضہ کے بغیر دوسری بیع ہوتی ہے اور بیع قبل القبض ممنوع ہے، اس لئے اس کی حرمت وممانعت زیادہ ہوگی۔

ہاں اگر بینک ضرورت مند خریدار کو اس کی اجازت دے کہ وہ بینک سے متعلق ادارہ کے علاوہ کسی تیسرے کے ہاتھ بھی وہ سامان فروخت کرسکتا ہے اور ضرورتاً اسے لے کر دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے تو پھر یہ صورت جائز ہوگی۔



اسلامی بینکوں میں رائج تورق کا شرعی حکم

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی ☆

کسی ضرورت مند کو نقد رقم کی ضرورت ہے، اس کو بہ طور قرض وہ نقد رقم حاصل نہیں ہوتی ہے تو اسلامک بینک تورق کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جس میں بینک خریدار سے کوئی ایسی شی فروخت کرتا ہے جس کو بیچ کر ضرورت مند اپنی مطلوبہ رقم حاصل کرسکتا ہے، سوالنامہ میں اس کی عملی شکل یہ بتائی گئی ہے مثلاً ''الف'' کو ایک لاکھ روپئے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے اور وہ اسے ''ب'' سے ایک لاکھ روپئے نقد میں فروخت کردیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ روپئے کی رقم حاصل ہو جاتی ہے اور ''ب'' کو دس ہزار روپئے نفع میں مل جاتا ہے، اور عام طور پر ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے ہی دس ہزار روپئے نفع حاصل ہوتا ہے۔

تورق کی مذکورہ شکل جو بیان کی گئی ہے غور کرنے سے اس کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱- ایک تو یہ کہ ''ب'' جو خریدار ثانی ہے وہ مذکورہ اسلامک بینک ہی ہو یا بینک کا کوئی دوسرا ادارہ ہو جس کا نفع ونقصان اسلامک بینک ہی کو حاصل ہوتا ہے۔

۲- دوسری شکل یہ ہے کہ ''ب'' نہ تو مذکورہ اسلامک بینک ہو اور نہ ہی اس کا کوئی ادارہ ہو بلکہ کوئی ثالث ہو، سوالنامہ کی عبارت پر غور کرنے سے پہلی ہی شکل معلوم ہوتی ہے، یعنی ''ب''

☆ مفتی امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ، پھلواری شریف پٹنہ۔

اسلامک بینک یا اس کا ادارہ ہی ہے جس نے ''الف'' سے فروخت کیا ہے تب ہی تو ''ب'' کو دس ہزار روپئے کا نفع ہوا اور نہ اس کو نفع سے تعبیر نہیں کر سکتے ہیں۔

ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کے لئے اسلامک بینکوں کے لئے اس طرح کا طریقہ اختیار کرنے کی شرعا اجازت ہے یا نہیں؟ اس کا جواب سمجھنے سے قبل ''بیع عینہ'' اور ''تورق'' کی وضاحت ضروری ہے، ان دونوں کی وضاحت کے بعد انشاء اللہ جواب آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔

تورق:

تورق کی تعریف موسوعہ فقہیہ میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"التورق فی الاصطلاح: أن یشتری سلعة نسیئة ثم یبیعها نقدا لغیر البائع بأقل مما اشتراها به لیحصل بذلک علی النقد" (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۷/ ۱۴۷)۔

یعنی اصطلاح میں تورق یہ ہے کہ سامان ادھار خرید کر فروخت کرنے والے کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے خریداری قیمت سے کم میں فروخت کیا جائے تا کہ اس کے ذریعہ نقد رقم حاصل ہو جائے۔

موسوعہ فقہیہ میں یہ بھی ہے کہ تورق کی اصطلاح صرف فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتی ہے، دوسرے فقہاء نے بیع عینہ کے تحت اس پر کلام کیا ہے۔

"ولم ترد التسمیة بهذا المصطلح الإعند فقهاء الحنابلة أما غیرهم فقد تکلموا عنها فی مسائل(بیع عینه)" (حوالہ مذکور)۔

بیع عینہ:

چنانچہ فقہاء حنفیہ میں سے علاء الدین الحصکفی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب الدر المختار میں ''بیع عینہ'' کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"بیع العین بالربح نسیئه لیبیعها المستقرض بأقل لیقضی دینه"

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار کتاب الکفالہ ۷ ر ۶۱۳)۔

یعنی کسی چیز کو ادھار نفع کے ساتھ فروخت کرنا تا کہ قرض لینے والا اپنے دین کی ادائیگی کے لئے اس کو کم قیمت میں فروخت کرے، علامہ شامی نے رد المحتار میں ''بیع عینہ'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

یہ بیع عینہ جو شرعاً ممنوع ہے اس کی تفسیر میں مشائخ کا اختلاف ہے...... بعض مشائخ کہتے ہیں کہ اس بیع کی تفسیر یہ ہے کہ ایک ضرورت مند شخص جس کو نقد رقم کی ضرورت ہے، وہ کسی شخص کے پاس جا کر قرض طلب کرتا ہے کہ مجھے دس روپئے دے دو، قرض دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ قرض دینے کی صورت میں زائد رقم نہیں ملے گی، اس لئے وہ کہتا ہے کہ میں قرض تو نہیں دوں گا البتہ یہ کپڑا تم سے بارہ روپئے میں فروخت کروں گا اگر تم چاہو تو اس کو بارہ روپئے میں ادھار خرید کر بازار میں اس کو فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرلو اور میرا پیسہ تم اتنی مدت کے بعد ادا کر دینا۔ جبکہ بازار میں اس کپڑے کی قیمت دس روپئے ہے، ضرورت مند شخص اس کو بارہ روپئے میں خرید کر بازار میں دس روپئے میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور کپڑے کے مالک کو دو روپئے زائد مل جاتے ہیں...... بعض حضرات نے اس بیع کی تشریح اس طرح کی ہے کہ:

قرض لینے والا اور قرض دینے والا دونوں اپنے درمیان کسی تیسرے کو واسطہ بنالیں، چنانچہ قرض دینے والا دس روپئے کا کپڑا بارہ روپئے میں ادھار فروخت کر کے کپڑا خریدار کے حوالہ کر دے پھر قرض لینے والا کسی تیسرے سے اس کپڑا کو دس روپئے میں فروخت کر کے کپڑا اس کے حوالہ کر دے اس کے بعد تیسرا شخص قرض دینے والے کے ہاتھ دس روپئے میں نقد فروخت کر کے دس روپئے لے کر قرض لینے والے کو دے دے، اس طرح قرض لینے والے کو دس روپئے نقد حاصل ہو جاتے ہیں اور کپڑے کے مالک کو دو روپئے کا فائدہ ہو جاتا ہے (دیکھئے: رد المحتار باب الصرف ۷ ر ۵۴۱-۵۴۲)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے کتاب الکفالہ میں بیع عینہ کی ایک صورت یہ بتائی ہے کہ:

اصیل اپنے کفیل سے کہے کہ تم لوگوں سے سامان کی خرید وفروخت کرو، بائع جوتم سے نفع لے گا جس کی وجہ سے تم کو جونقصان ہوگا وہ نقصان میں برداشت کروں گا، چنانچہ کفیل کسی تاجر کے پاس جاتا ہے اور اس سے قرض طلب کرتا ہے، تاجر اس سے نفع لینا چاہتا ہے لیکن سود سے بھی بچنا چاہتا ہے، لہٰذا تاجر کفیل کو قرض دینے کے بجائے اس سے دس روپے کا کپڑا پندرہ روپے میں ادھار فروخت کرتا ہے اور ثمن کی ادائیگی کی مدت طے کر لیتا ہے پھر کفیل اس کپڑے کو بازار میں دس روپے میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح اس کو دس روپے نقد حاصل ہو جاتے ہیں اور تاجر کے پندرہ روپے اس پر قرض رہتے ہیں۔

دوسری صورت یہ بیان کی ہے کہ تاجر کفیل کو پندرہ روپے قرض دیتا ہے پھر اس سے دس روپے کپڑا پندرہ روپے میں فروخت کر کے پندرہ روپے تاجر لے لیتا ہے، اور کفیل کے ذمہ پندرہ روپے قرض رہتے ہیں، پھر کفیل اس سامان کو دس روپے میں فروخت کر کے نقد رقم حاصل کر لیتا ہے جس سے اصیل کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے (حوالہ مذکور کتاب الکفالۃ ۷/ ۶۱۳)۔

''بیع عینہ'' کی جو مختلف صورتیں پیش کی گئی ہیں ان میں غور کرنے کے بعد واضح طور پر یہ بات سامنے نہیں آئی کہ کیا بیع عینہ کے لئے سامان کا بائع اول کے پاس لوٹ کر آنا ضروری ہے یا نہیں، اگر سامان بائع اول کے پاس نہ لوٹے بلکہ بازار میں کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے تو یہ صورت ''بیع عینہ'' میں داخل نہیں ہوگی، البتہ علامہ شامی نے اس کے بعد یہ وضاحت کی ہے کہ ''بیع عینہ'' اسی وقت کہلائے گی جبکہ سامان بائع اول (جو قرض دینے والا ہے) کے پاس لوٹ کر آ جائے، ملاحظہ ہو رد المحتار کی عبارت:

"ومن صورها: أن یعود الثوب إلیه کما إذا اشتراه التاجر فی الصورة الأولی من المشتری الثانی ودفع الثمن إلیه لیدفعه المشتری الأول" (حوالہ مذکور)۔

اس سے بھی زیادہ واضح وہ عبارت ہے جو شرح فتح القدیر میں ہے، اس میں یہ صراحت ہے کہ جب فروخت کردہ شی بائع اول سے نکل کر اس کے پاس نہ لوٹے تو اس کو ''بیع عینہ'' نہیں کہیں گے، اس لئے کہ اگر ''بیع عینہ'' میں بائع اول کے پاس لوٹنے کی شرط نہ لگائی جائے تو ہر بیع ''بیع عینہ'' کہلائے گی، جو صحیح نہیں ہے، ملاحظہ ہو عبارت:

''ومالم ترجع إليه العين التي خرجت منه لا يسمى بيع العينه لأنه من العين المسترجعة لا العين مطلقا وإلافكل بيع بيع العينة''(فتح القدیر کتاب الکفالہ ۷ر ۲۱۳)۔

یعنی عینہ کا لغوی معنی قرض کے ہیں اور اصطلاح میں عینہ یہ ہے کہ سامان ادھار فروخت کرے، اور خود بائع اس کو اس سے کم قیمت میں خریدے، اس میں بھی یہ قید ہے کہ فروخت کرنے والا ہی اس کو کم قیمت میں خریدے۔

تورق اور بیع عینہ کے درمیان فرق:

تورق اور بیع عینہ کی مذکورہ تعریف اور ان دونوں سے متعلق جو تفصیلات پیش کی گئیں، ان سے ان دونوں کے درمیان فرق واضح ہے کہ اگر سامان بائع اول کے پاس لوٹ کر آ جاتا ہے تو وہ ''بیع عینہ'' ہے اور اگر اس کے پاس لوٹ کر نہیں آتا ہے بلکہ خریدار (قرض لینے والا) اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو وہ ''تورق'' ہے، موسوعہ فقہیہ میں دونوں کے درمیان بہت ہی واضح انداز میں یہی فرق بیان کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو عبارت:

''ولا صلة بين التورق وبين العينة إلا في تحصيل النقد الحال فيهما وفيما وراءه متباينان، لأن العينة لا بد فيها من رجوع السلعة إلى البائع الأول بخلاف التورق فإنه ليس فيه رجوع العين إلى البائع، انما هو تصرف المشتري فيما ملكه كيف شاء''(موسوعہ فقہیہ ۱۴ر ۱۴۷)۔

تورق اور بیع عینہ کے درمیان صرف اتنا تعلق ہے کہ دونوں سے نقد رقم حاصل ہو جاتی

ہے، اس کے علاوہ ان دونوں کے درمیان تباین ہے، اس لئے کہ عینہ میں سامان کا بائع اول کی طرف لوٹنا ضروری ہے، برخلاف تورق کے کہ اس میں سامان کا بائع کی طرف لوٹنا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ اپنی مملوکہ شی میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

بیع عینہ کا شرعی حکم:

''بیع عینہ'' اور ''تورق'' کی تعریف اوران دونوں کے درمیان فرق کو بیان کرنے کے بعد یہ بحث ضروری ہے کہ ان دونوں کا شرعی حکم کیا ہے؟ پہلے میں ''بیع عینہ'' کا شرعی حکم بیان کرتا ہوں، پھر ''تورق'' کا شرعی حکم بیان کروں گا۔

''بیع عینہ'' کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں فقہاء کرام کی دونوں رائیں ملتی ہیں؛ شافعیہ اس بیع کے جواز کے قائل ہیں جبکہ مالکیہ اور حنابلہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ اس کے جواز کے قائل ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے اس کے عوم جواز کا فتوی دیا ہے، اور امام محمدؒ نے اس کو سودخوری کی ایجاد قرار دیا ہے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے کیا دلائل ہیں، ان سے قطع نظر جب ہم اس مسئلہ کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فقہاء کے درمیان یہ اختلاف لفظی ہے حقیقی نہیں، کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے سبھی متفق نظر آتے ہیں، اس لئے کہ جو فقہاء ''بیع عینہ'' کے عدم جواز کے قائل ہیں وہ اس صورت میں ہے جبکہ سامان لوٹ کر بائع اول ہی کے پاس آجائے، اگر سامان لوٹ کر بائع اول کے پاس نہ آئے تو وہ بھی عدم جواز کا فتوی نہیں دیں گے، اور جن فقہاء کے نزدیک یہ بیع جائز ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ سامان لوٹ کر بائع اول کے پاس نہ آئے۔ ظاہر ہے کہ اگر سامان لوٹ کر بائع اول کے پاس آجائے تو وہ بھی عدم جواز کے قائل ہوں گے۔

اس کی تائید ردالمحتار کی اس عبارت سے بھی ہورہی ہے جس کو علامہ ابن عابدین شامی نے شرح فتح القدیر، البحرالرائق، النہرالفائق اور شرنبلالیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

”ومالم ترجع إليه العين التى خرجت منه لا يسمى بيع العينة، لأنه من العين المسترجعة لا العين مطلقا وإلافكل بيع بيع العينة اهـ وأقره فى البحر، والنهر والشرنبلالية وهو ظاهر وجعله السيد أبو السعود محمل قول أبى يوسف، وحمل قول محمد والحديث على صورة العود“(ردالمحتار کتاب الکفالۃ ۷/ ۱۳-۶۱۴)۔

(فروخت کی ہوئی چیز جو بائع اول سے نکلی اگر وہ اس کے پاس واپس نہ جائے تو اس کو ”بیع عینہ“ نہیں کہیں گے، اس لئے کہ بیع عینہ سے مراد اس شی کی بیع ہے جو لوٹنے والی ہو نہ کہ مطلق شی کی بیع ورنہ ہر بیع ”بیع عینہ“ کہلائے گی، البحر الرائق، النہر الفائق اور شرنبلالیہ میں اسی کو راجح قرار دیا ہے، اور سید ابوالسعود نے امام ابویوسفؒ کے قول (جواز) کو اسی صورت پر محمول کیا ہے اور امام محمدؒ کے قول (عدم جواز) کو اور حدیث رسول اللہ ﷺ کو بائع اول کے پاس سامان کے لوٹنے کی صورت پر محمول کیا ہے)۔

”بیع عینہ“ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں مذکورہ بالا وضاحت اقرب الی الفقہ اور مزاج شریعت سے ہم آہنگ معلوم ہوتی ہے- اس لئے جس صورت میں سامان لوٹ کر بائع اول کے پاس آجاتا ہے اس صورت میں یہی سمجھا جائے گا کہ قرض میں نفع حاصل کرنے کے لئے بیع کی صورت اختیار کی گئی ہے، حقیقت میں یہ بیع نہیں ہے، لہذا ”کل قرض جر نفعا فھو ربا“ کے تحت یہ حرام ہوگا، اور جس صورت میں سامان بائع اول کے پاس لوٹ کر نہیں آتا ہے بلکہ خریدار اپنی مرضی کے مطابق جس سے چاہتا ہے اس سے فروخت کرتا ہے وہ صورت درحقیقت بیع کی ہے، البتہ بائع اس صورت میں اصل قیمت سے زائد قیمت لے رہا ہے، اور کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ ادھار فروختگی کے وقت بائع زیادہ قیمت لے تو یہ جائز ہے، لہذا مذکورہ صورت جائز ہوگی۔

تورق کا شرعی حکم:

جہاں تک تورق کے شرعی حکم کا تعلق ہے تو چونکہ یہ لفظ صرف فقہاء حنابلہ کی اصطلاح میں استعمال ہوا ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک یہ لفظ استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ ان حضرات نے ''بیع عینہ'' کے تحت اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے، اس لئے تورق کے سلسلے میں صراحت کے ساتھ کوئی حکم نہیں ملتا ہے، البتہ بیع عینہ کی شکلوں اور ان کے شرعی احکام سے متعلق جو تفصیلات گزری ہیں ان کی روشنی میں ''تورق'' کا شرعی حکم بھی واضح ہو جاتا ہے، جو درج ذیل ہے: چونکہ تورق میں سامان بائع اول کے پاس لوٹ کر نہیں آتا ہے اس لئے ''تورق'' کی صورت جائز ہوگی۔

اسلامی بینکوں کے لئے مذکورہ طریقہ پر قرض دینے کا شرعی حکم:

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں سوالنامہ کا جواب یہ ہے کہ اگر اسلامی بینک قرض لینے والے کے ہاتھ سامان زیادہ قیمت میں فروخت کر کے کم قیمت میں خود ہی لیتے ہیں یا ان ہی کا ادارہ خریدتا ہے جیسا کہ سوالنامہ کی عبارت سے واضح ہے تو یہ صورت ''بیع عینہ'' کی ہوگی جو شرعاً ممنوع ہے اور قرض میں نفع حاصل کرنے کے لئے بیع کا حیلہ اختیار کرنا ہوگا جو ''کل قرض جر نفعا'' کے تحت سود ہوگا جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، لہٰذا اسلامی بینک قرض دینے کے لئے مذکورہ طریقہ اختیار نہیں کر سکتے ہیں، یہ شرعاً ناجائز و حرام ہوگا، ان پر اس سے احتراز لازم ہوگا، اور اگر اسلامی بینک قرض لینے والے کے ہاتھ اپنا سامان فروخت کر کے نہ تو وہ خود خریدیں اور نہ ہی ان کا کوئی ادارہ خریدے بلکہ خریدار جس سے چاہیں نقد فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کر لیں تو پھر یہ صورت ''تورق'' کی ہوگی جو شرعاً جائز و درست ہے، گرچہ اسلامی بینک ادھار خریدنے کی وجہ سے کچھ زائد قیمت لیں۔



مسئلہ تورق

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی☆

صحابہ کرام وفقہاء عظام نے عینہ کی مختلف تعریفیں کی ہیں، حضرت ابن عباسؓ کی تعریف اس طرح ہے: "أن يبيع الرجل حريرة بمائة ثم يشتريها بخمسين" (اعلاء السنن ۱۴/ ۱۷۰ باب العینہ مطبوعہ کراچی) (ایک شخص ریشم کو اس طرح فروخت کرے کہ اس کو پچاس میں خریدے) حاشیہ ابن عابدین میں اس کی وضاحت یوں ہے:

"اختلف المشائخ فی تفسير العينة التی ورد النهی عنها، قال بعضهم تفسيرها: أن يأتی الرجل المحتاج إلى آخر ويستقرضه عشرة دراهم ولايرغب المقرض فی الإقراض طمعا فی فضل لا يناله بالقرض فيقول: لا أقرضک ولكن ابيعک هذا الثوب إن شئت باثنی عشر درهما وقيمته فی السوق عشرة ليبيعه فی السوق بعشرة فيرضى به المستقرض فيبيعه كذلك فيحصل لرب الثوب درهمان وللمشترى قرض عشرة" (رد المحتار علی الدر ۷/ ۵۴۱-۵۴۲ باب الصرف مکتبہ زکریا دیوبند)۔

(ایک محتاج شخص کسی کے پاس آ کر دس درہم قرض مانگے لیکن قرض دہندہ کا یہ مقصد ہو کہ مجھے قرض پر نفع ملے، اس لئے وہ مستقرض سے معاملہ اس طرح کرتا ہے (کیونکہ قرض کی صورت میں نفع تو لے نہیں سکتا) کہ میں تمہیں دس درہم نقد نہ دے کر یہ کپڑہ بارہ درہم ادھار میں

☆ شیخ الحدیث و پرنسپل دار العلوم مئو۔

فروخت کر رہا ہوں جس کی مارکیٹ قیمت دس درہم ہے، تم اسے فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرلو، اگر مستقرض اس معاملہ پر راضی ہوجاتا ہے تو مقرض (صاحب ثوب) کو دو درہم زائد مل گئے اور ضرورت مند کو اس طرح دس درہم بھی مل گئے)۔

ایک دوسری تعریف علامہ شامی جلد مذکور کے صفحہ ۵۴۲ پر اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"وقال بعضهم: هي أن يدخلا بينهما ثالثا فيبيع المقرض ثوبه من المستقرض باثني عشر درهما ويسلمه إليه ثم يبيعه المستقرض من الثالث بعشرة وتسليمه إليه ثم يبيعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ويسلمه اليه ويأخذ منه العشرة ويدفعها للمستقرض فيحصل للمستقرض عشرة ولصاحب الثوب عليه اثنا عشر درهما كذا في المحيط"۔

(بعض فقہاء نے تعریف اس طرح کی ہے کہ قرض دینے اور لینے والے دونوں ہی کسی تیسرے شخص کو حصول نفع کی غرض سے واسطہ بنائیں، مقروض کوئی کپڑہ مستقرض کو بارہ درہم میں ادھار فروخت کر کے کپڑہ اس کے حوالہ کردے پھر ضرورت مند (مستقرض) تیسرے شخص کو دس درہم میں فروخت کردے، بعدہ شخص ثالث وہ کپڑہ مقرض کو دس درہم میں فروخت کردے اور مالک ثوب سے یہ تیسرا شخص دس درہم لے کر ضرورت مند (مستقرض) کو دے دے، اس ضرورت مند کو دس درہم اور مالک ثوب کو بارہ درہم حاصل ہوگئے، ایسے ہی محیط میں ہے)۔

موسوعہ فقہیہ ۹/۹۶ پر ایک تحریر ہے: **"للعينة التي منهي عنهاتفسيرات: أشهرها أن يبيع سلعة بثمن إلى أجل معلوم ثم يشتريها نفسه نقد الثمن أقل وفي نهاية الأجل يدفع المشترى الثمن الأول والفرق بين الثمنين فضل هوللبائع الأول"۔**

(ایک آدمی کوئی سامان ادھار کی ایک مدت متعین کر کے فروخت کردے اور پھر اسے ہی خریدے اور متعینہ مدت کے پورے ہونے پر ثمن اول بائع کو دے دے، یہ زیادتی بائع اول

کے حق میں رہا ہے)۔

محقق علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں:

"ومن صورة العينة :أن يقرضه مثلا خمسة عشر ثم يبيعه ثوبا يساوى بخمسة عشر ويأخذ الخمسة عشر القرض منه فلم يخرج منه إلاعشرة وثبت له خمسة عشر، ومنها: أن يبيع متاعه بألفين من المستقرض إلى أجل ثم يبعث متوسطا يشتريه لنفسه بألف حالة ويقضيه ثم يبيعه من البائع الأول بألف ثم يحيل المتوسط بائعه على البائع الأول بالثمن الذى عليه وهو ألف حالة فيدفعها إلى المستقرض ويأخذ منه ألفين عند الحلول قالوا: وهذا البيع مكروه لقوله ﷺ: إذا تبايعتم بالعين واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظهرعليكم عدوكم" (شرح فتح القدير ۵/۴۲۵ کتاب الکفالۃ مکتبہ رشید محمد عبدالواحد بک مصر) (علامہ ابن ہمام عینہ کی صورت یوں تحریر فرماتے ہیں: کہ کوئی کسی کو پندرہ قرض دے پھر بیچ دے اسے وہ کپڑہ جو دس کے مساوی تھا پندرہ میں پھر وہ پندرہ قرض کے عوض لے لے، معلوم ہوا کہ اس نے مقروض کو صرف دس دیا اور لے لیا پندرہ، دوسری صورت علامہ یوں فرماتے ہیں کہ اپنا سامان مدیون کو ایک متعینہ مدت پر دو ہزار میں دے دے پھر مدیون کے پاس ایک تیسرے شخص کو یہ کہہ کر بھیجے کہ وہ اپنے لئے ایک ہزار نقد میں خرید کر قبضہ کر لے پھر بائع اول کو ہزار ہی میں بیچ دے دے پھر حیلہ کرے تیسرا شخص بائع اول پر اس ثمن سے جو اس پر ہے اور وہ ہزار نقد ہے پس وہ مدیون کو ہزار دے دے اور اس سے مدت کے پورے ہونے کے بعد دو ہزار لے لے، فقہاء کہتے ہیں کہ یہ بیع مکروہ ہے)۔

صاحب اعلاء السنن حضرت مفتی ظفر احمد صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں: "فإن كان البيع الأول مشروطا بالبيع الثانى فهو غير جائز أيضا لعدم جواز البيعتين فى بيعة وإن لم يكن مشروطا فهو مكروه لأنه بيع مضطر لأن المشترى لاحاجة له فى

الحريرة وإنما حاجته فى الدراهم والبائع لا يرضى بالاقراض وإنما يرضى بالبيع كذلك فهو مضطر إلى الشراء فيكون مكروها والوجه فيه إن فيه بخلامذموماوتر كاللمبرة والاحسان الذين هما من مكارم الأخلاق وقد روى عن أنس رضی اللہ عنہ أنه سئل عن العينة فقال إن الله لا يخدع هومما حرم الله ورسوله "(اعلاء السنن ۱۴/۱۷۰ باب العینہ مطبوعہ ادارۃ القرآن دار العلوم اسلامیہ کراچی پاکستان)۔

عبارت بالا سے دو باتیں مفہوم ہوئیں، اگر بیع اول مشروط بالبیع الثانی ہے تو ناجائز ہے، کیونکہ یہاں ایک معاملہ میں دو معاملہ پایا گیا ہے، دوسرے کراہت، کراہت بایں معنی کہ مقروض کو بیع وشراء کی طرف مجبور کیا گیا ہے جبکہ وہ اسے نہیں چاہتا تھا کیونکہ مستقرض کو تو نقد روپیوں کی ضرورت تھی نہ کہ حریرہ کی، اور یہاں بائع اول اسے قرض نہ دے کر بیع کا معاملہ کر رہا ہے، جو اس کے لئے اضطرار کا درجہ رکھتی ہے اور یہی وجہ کراہت ہے۔

علامہ ابن الہمام کی ایک تحریر درج ذیل ہے جو مسئلہ مذکورہ کے حکم کے متعلق نشان راہ بن سکتی ہے:

"ثم ذموا البياعات الكائنات الآن أشد من بيع العينة حتى قال مشائخ بلخ منهم محمد بن سلمة ببلخ للتجار: ان العينة التى جاء ت في الحديث خير من بياعاتكم وهو صحيح فكثير من البياعات كالزيت والعسل......وبه يصير البيع فاسدا ولا شك أن البيع الفاسد بحكم الغصب المحرم فأين هو من بيع العينة الصحيح المختلف فى كراهته الخ"۔

(اس وقت جو مروجہ خرید وفروخت کی بہت ساری صورتیں ہیں وہ بیع عینہ سے بھی زیادہ قبیح ہیں، یہاں تک کہ مشائخ بلخ میں سے محمد بن سلمہ تو یہاں تک کہہ گئے کہ عینہ جس کا ذکر حدیث میں ہے وہ تمہاری بہت سی بیوع سے جس پر بزعم خود صحت کا اطلاق ہے بہتر ہے اور تمہارے بہت سے معاملات مفضی الی الفساد ہیں جو بلاشبہ غصب محرم کے مترادف ہیں، اس بیع کا اس سے کیا

علاقہ ہے جس میں صحت ہے اور اختلاف صرف کراہت اور عدم کراہت کی بابت ہے)، ابن ہمام آگے فرماتے ہیں: پھر میرے دل میں یہ بات آئی کہ دینے والے نے جو چیز دی ہے اس کا کلا یا بعضا خود دائن کی طرف لوٹ رہا ہے، جیسے پہلی صورت میں کپڑے یا ریشم کا لوٹنا یا قرض کی صورت میں دس دے کر پندرہ کا لوٹنا تو یہ مکروہ ہے ورنہ تو اس میں کوئی کراہت نہیں، بجز خلاف اولی کے بعض احتمالات کے پائے جانے کی بنیاد پر، مثلاً مدیون محتاج ہے اور اسے دائن قرض نہیں دے رہا ہے مگر اس سے ایک معاملہ دس کا سامان پندرہ میں ادھار دے کر کر رہا ہے تا کہ مدیون اسے خرید کر دس نقد پر بازار میں فروخت کر دے اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں (کیونکہ اجل یہاں ثمن کی ایک مقدار کے مقابل ہے)، پھر یہ کہ دائن پر قرض دینا کوئی واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، اب اگر اس نے جلب دنیا کی غرض سے قرض نہیں دیا تب تو مکروہ ہے، یا کسی عارض کے سبب ایسا نہیں کیا تو اس میں کراہت بھی نہیں وہ صورتیں جن میں عین کی واپسی دائن تک نہیں ہوتی اسے بیع عینہ نہیں کہتے کیونکہ جو چیز واپس ہوئی وہ عین مسترجعہ (ثمن ہے) نہ کہ عین مطلق، اگر ثمن کی واپسی کو عین کی واپسی کہا جائے تو پھر تمام بیع بیع عینہ ہو جائیں گی (شرح فتح القدیر ۵/۴۲۵ باب الکفالۃ مکتبہ سید محمد عبد الواحد بک مصر)۔

"وفی الشرح الکبیر: من باع سلعة بثمن مؤجل ثم اشتراها بأقل منه نقدا لم یجز روی ذلک عن ابن عباس و عائشة والحسن و ابن سیرین والشعبی والنخعی و به قال الثوری والأوزاعی و مالک و إسحاق و أصحاب الرائی وأجازه الشافعی".

جمہور ائمہ نے صورت مذکورہ کو ناجائز کہا ہے "لأن ذلک ذریعة إلی الربا" حضرت امام ابوحنیفہ نے اس صورت کے متعلق جہاں سو میں فروخت کر کے پچاس میں خرید اجارہا ہو اور دونوں کے درمیان حریرہ یعنی خرقه حریر جعلا ها فی بیعها ہو اس کے متعلق فرمایا:

"لا یجوز استحسانا لأنها کالشئ الواحد فی معنی الثمنیة ولأن ذلک یتخذ

وسیلة إلی الربا"(اوجزالمسالک ۷/۵ مکتبہ)۔

علامہ ابن عابدین کہتے ہیں:"قوله وفسد شراء ما باع أی لو باع شیئا وقبضه المشتری ولم یقبض البائع الثمن فاشتراه بأقل من الثمن الأول لا یجوز زیلعی، أی سواء کان الثمن الأول حالا أو مؤجلا: هدایه ،وقید بقوله وقبضه لأن بیع المنقول قبل قبضه لا یجوز ولو من بائعه (بنفسه أوبو کیله)......"(شامی ۱۵۸/۴ مطبع عثمانیہ تفسیر الجامع لاحکام القرآن ۵۸/۲ ایضا ۳۶۰/۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) پر علامہ قرطبی تحریر فرماتے ہیں:

"وهو جائز عند بعضهم"،علامہ ابن کثیر نے حضرت عائشہؓ کے اثر:"بئس ما شریت وبئس ما اشتریت" کو پیش فرما کر تحریر کیا ہے کہ "وهذا الاثر المشهور وهو ......لمن حرم مسئلة العینة"(ابن کثیر ۳۲۷/۱ مطبع مصطفی محمد مصر)۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ سے عینہ سے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:"فأجاب، إن کان المشتری محتاجا إلی الدراهم فاشتراها لیبیعها ویأخذ ثمنها فهذا یسمی التورق وإن کان المشتری غرضه أخذ الورق فهذا مکروه فی أظهر قولی العلماء کما قال عمر بن عبد العزیز: التورق أخیة الربا، وقال ابن عباس: إذا قومت بنقد ثم بعت بنسیئه فتلک دراهم بدراهم وهذا إحدی الروایتین عن أحمد"(فتاوی لابن تیمیہ ۳۰۳/۲۹)،"ولو کان مقصود المشتری الدراهم وابتاع السلعة إلی أجل لیبیعها ویأخذ ثمنها فهذا یسمی التورق ففی کراهته عن أحمد روایتان"(جلد مذکورہ صفحہ مذکورہ)،عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت امام احمدؒ کے نزدیک ایک روایت میں کراہت بھی نہیں ہے،آگے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنی رائے ظاہر فرماتے ہیں:"فیما أظن بخلاف المشتری الذی غرضه التجارة أو غرضه

الا انتفاع أو القنية فهذا يجوز شراء ه الى أجل بالاتفاق" (۲۹/۳۰)۔
(میرے خیال میں تورق کا مسئلہ برخلاف اس مشتری کے جس کی غرض شراء سے جو بھی ہو (خواہ تجارت ہو یا انتفاع یا کمائی) اس میں ادھار کی مدت متعین کر کے بالاتفاق خریدنا جائز ہے)۔

عالم اسلام کے مشہور فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

بیع عینہ میں علماء کا عقد ثانی کی بابت اختلاف ہے، باوجودیکہ تعامل بالربا متعاقدین کے درمیان ظاہر ہے، پس فرمایا ابوحنیفہؒ نے کہ یہ بیع فاسد ہے اگر مقرض و مستقرض کے درمیان کوئی تیسرا شخص نہ پایا جائے...... اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ یہ بلا کراہت درست ہے جبکہ حضرت امام محمدؒ مع الکراہت درست کے قائل ہیں مگر انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ میرے دل پر یہ معاملہ پہاڑ کی طرح گھناؤنا اور برا ہے جس میں سود خوری کی غرض سے حیلہ کیا گیا ہے، امام شافعی اور داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ یہ عقد بدون کسی کراہت کے درست ہے، بیع کے ارکان کے پائے جانے کی وجہ سے اور وہ چیز ہے جسے ہم جانتے نہیں (یعنی سوء نیت جس کے باعث ائمہ شبہ ربا کے قائل ہیں) یہ چیز تو اللہ کی طرف لوٹتی ہے حکم تو صرف ظاہر کو دیکھ کر لگایا جاتا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۶۷ تا ۴۶۹ طبع دار الفکر)۔

آگے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں: "إلا أنه يلاحظ أن أباحنيفة خالف أصله السابق الذكر الذی يقتضی القول بصحة هذا العقد" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۶۸ دار الفکر) اسی کے ذیل میں حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں: "وهو أن المعتبر فی العقود: هو الالفاظ دون النيات، لأن نية الغرض غير المباح شرعا مستترة فيترك أمرها إلى الله وحده ويعاقب عليها صاحبهما مادام اثم بنية" (یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے بیع کی صحت میں جو شرط ذکر کی تھی اس کی مخالفت کی ہے اور وہ یہ کہ معتبر عقود میں الفاظ ہیں نہ کہ نیات، نیت کو بیع کی صحت و عدم صحت میں دخل دینا غیر مباح ہے، نیز یہ کہ یہ ایک امر مخفی ہے لہذا یہ چیز اللہ کی طرف سونپ دینی چاہیے کہ اللہ ہی اسے نیت کی عدم درستگی کے سبب عذاب دے گا)۔

علامہ بہوتی تورق کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:"ولو احتاج إنسان (إلى نقد) فاشترى مايساوى مائة بمائة و خمسين فلا بأس بذالک نص عليه (وهى) اى هذه المسئلة تسمى(مسئلة التورق)......(وان باع انسان ما يجرى فيه الربا) كالمكيل والموزون(نسيئة) ثم اشترى منه بثمنه الذى فى ذمته قبل قبضه من جنسه أى جنس ما كان باعه......(أو) اشترى بالثمن قبل قبضه من غير جنس المبيع(مالايجوز بيعه به أي بالمبيع(نسيئة) بأن اشترى بثمن المكيل مكيلا والثمن الموزون موزونا (لم يجز) ذلک"(کشاف القناع عن متن الاقناع ۱۷۵/۳ للبہوتی مطبوعہ الحکومۃ)۔

(شیخ بہوتی تحریر فرماتے ہیں کہ کسی کو روپیوں کی ضرورت ہے پس اگر وہ خرید لے کوئی سامان جو سو کا تھا ڈیڑھ سو میں ادھار تو کوئی حرج نہیں، اس مسئلہ کو مسئلہ تورق کہا جاتا ہے، پس اگر بیچا اس نے وہ سامان جو ربوی تھا ادھار پھر خرید لیا اس سے اس ثمن کے ساتھ جو اس کے ذمہ تھا قبضہ کرنے سے پہلے......تو یہ جائز نہیں، کیونکہ اس نے مکیل کو مکیل اور موزون کو موزون کے بدلے خریدا)۔

بیع تورق کے جواز پر ایک تحریر پیش ہے: اگر طالب نے مطلوب منہ سے بیع کا معاملہ اس طرح کیا کہ وہ کپڑہ جو خریدا ہے اس کی قیمت بیس تھی چالیس میں پھر ضرورت مند قرض لیتا ہے ساٹھ دینار یہاں مستقرض پر سو دینار لازم ہوئے جبکہ اسے صرف اسی دینار حاصل ہوئے، خصاف نے اس معاملہ کو جائز کہا ہے، اور یہی محمد بن مسلمہ امام بلخ کا مذہب ہے جبکہ علماء بلخ کی اکثریت کراہت کی قائل ہے، مشائخ بلخ کی دلیل کل قرض جر منفعۃ ہے، مشائخ بلخ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر یہ دونوں معاملات ایک مجلس میں ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں...... شمس الائمہ خصاف کے مطابق فتوی دیتے ہیں، نیز محمد بن مسلمہ جواز کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ صورت "كل قرض جر منفعة" کی نہیں ہے بلکہ یہ بیع جر منفعۃ کی صورت ہے یعنی یہ بیع ہے جس سے نفع حاصل

ہو رہا ہے، (ردالمحتار علی الدر ۷/۲۹۷ کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مطبوعہ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

"واستدل به على جواز بيع العينة وهو أن يبيع السلعة من رجل بنقد ثم يشتريها منه بأقل من الثمن لأنه لم يخص الخ......فدل على ان المعتبر فی ذلک وجود الشرط فی أصل العقد وعدمه فإن تشارطا على ذلک فی نفس العقد فهو باطل أو قبله ثم وقع العقد بغير شرط فهو صحيح ولا يخفى الورع" (فتح الباری ۴/۵۰۴-۵۰۵ کتاب البیوع باب ۸۹ حدیث ۲۲۰۱-۲۲۰۲ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)۔

حافظ صاحب نے بیع عینہ کے جواز پر دو دلیلیں پیش فرمائی ہیں، ایک مشہور حدیث: "ثم اشتر بالدراهم جنيبا" جس میں معجّل ومؤجل کی کسی قسم کی تصریح نہیں ہے، جس سے جواز کا ثبوت ہے دوسرے یہ کہ اگر شرط فاسد صلب عقد میں ہے تب تو معتبر ہے اور وہ معاملہ فاسد ہوگا لیکن اگر صلب عقد میں نہیں ہے تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، مثلاً شرط معاملہ کے انعقاد سے پہلے پائی گئی اور عقد بعد کو ہوا بدون کسی شرط کے تو یہ صحیح ہے۔

صورت مبحوثہ کے تحت علامہ بدرالدین عینی رقم طراز ہیں: "دليل هذا من الحديث أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: بع هذا واشتر بثمنه من هذا ولم يفرق بين أن يشترى من المشترى أو من غيره فدل على أنه لا فرق، وقال النووی وهذا كله ليس بحرام عند الشافعی وأبی حنيفة وأخرين" (عمدۃ القاری ۱۲/۱۰ باب إذا أراد بیع تمر بتمر خیر منہ، دار احیاء التراث العربی لبنان) (علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل وہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے "واشتر بثمنه من هذا"۔ مذکورہ صورت میں مشتری سے خریدنے اور کسی اور سے خریدنے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، علامہ نووی نے فرمایا کہ اس طرح کی تمام صورتیں امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ کے یہاں حرام نہیں ہیں)۔

احناف میں سے علامہ زیلعی نے بایں صورت ربا ہونے پر یوں دلیل پیش کی ہے:

"ان الثمن لم يدخل فی ضمان البائع قبل قبضه فإذا أعاد إليه عين ماله

بالصفة التی خرج عن ملکه و صار بعض الثمن قصاصا ببعض بقی له علیه فضل بلا عوض فکان ذلک ربح"(صورت مسئولہ کی تفصیلات شرح الکبیر للدردیر ۸۹/۳، المغنی لابن قدامہ ۲۵۶/۴، الفروع ۱۷۱/۴، المصباح ۴۴۱/۲، الاختیارات ۷۵/۴، مبسوط للسرخسی ۳۶/۱۴ مطبع سعادہ بجوار محافظہ پر بھی دیکھی جاسکتی ہے)۔

علامہ دسوقی بیع عینہ کی وجہ تسمیہ یوں تحریر فرماتے ہیں:"إنما سمیت عینه لإعانة أهلها للمضطر علی تحصیل مطلوبه علی وجه التحیل بدفع قلیل فی کثیر"(الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر ۸۸/۳)۔

فقہاء کی مذکورہ عبارتوں سے یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ تورق میں بہر حال حیلہ کا دخل ہے، حیلہ کے متعلق حضرت مفتی ظفر احمد تھانوی صاحب کی ایک تحریر پیش ہے جس میں موصوف نے حضرت ابن عباس کا اثر پیش فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ: پس یہ اخبار واحادیث علی الاطلاق حیلہ کی حرمت پر دال نہیں ہیں (یعنی حدیث:"بع الجمع أی التمر الذی یقال له الجمع بالدراهم ثم اشتر بالدراهم جنیبا وأمره بذلک لیکون بصفقتین فلا یدخله الربا") جیسا کہ ابن القیم جوزی وغیرہ نے سمجھا ہے، اس لئے کہ عینہ کی حرمت بایں وجہ نہیں ہے کہ اس میں حیلہ ہے بلکہ اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ربا ہے اور اس جیسے حیلہ کی علماء میں سے کسی نے بھی اجازت نہیں دی ہے، کیونکہ یہاں حیلہ سود لینے کے لئے اپنایا گیا ہے، اور جہاں حیلہ مشروع ہے وہاں مقصد ربا سے بچنا ہے، دونوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے،"فلا دلالة فی هذه الأحادیث والأخبار علی حرمة الحیل علی الإطلاق کما فهم ابن القیم وغیره لأن حرمة العینة لیس لأجل أنها حیلة بل لأنها مشتملة علی الربا......ومثل هذه الحیلة لم یقل بجوازها أحد من العلماء وإنما یجوز الحیلة عند نا للنقص عن الربا ونحوها من المنهیات وشتان بینهما کماسیاتی"(اعلاء السنن ۱۷۱/۱۴ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی باب العینہ) آگے مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ

اچھی طرح معلوم ہے کہ عینہ کی صورت میں معاملہ وہی کرتا ہے جو بدون سود قرض دینا نہیں چاہتا، نام تو اس کا بیع رکھا جاتا ہے جبکہ متعاقدین قبل العقد ربا صریح پر اتفاق کر چکے ہوتے ہیں پھر معاملہ کو دوسری طرف پھیر دیتے ہیں جبکہ مشتری کا ہرگز یہ مقصد نہیں رہتا جسے حیلہ ومکر و دھوکہ کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے (اعلاء السنن ۱۴/ ۱۷۱)۔

مفتی ظفر احمد صاحب علیہ الرحمہ نے حیلہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: حیلہ مباحہ اور محرمہ، پہلی صورت یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے کسی قریبی کافر سے شراب کا وارث ہوا یا اس کے پاس شربت انگور کا تھا اور بغیر کسی عمل کے از خود شراب بن گیا، اب مسلمان کسی ذمی کو اس کی بیع کا وکیل بنا دے، دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان انگور کا درخت یا انگور شراب کی تجارت سے خریدے اور لوگوں کی انگشت نمائی اور تہمت سے بچنے کی غرض سے اس کی شراء کا کسی ذمی کو وکیل بنا دے، پہلی صورت جائز ہے کیونکہ اس میں حیلہ تفصی عن بیع الخمر کی غرض سے ہے اور دوسری صورت میں تجارت فی الخمر کے لئے ہے، پہلی شکل میں کوئی قباحت نہیں جبکہ دوسری صورت میں یہ حیلہ گناہ ہے، حنفیہ نے جہاں کہیں حیلہ جائز قرار دیا ہے وہاں نوع اول ہے نہ کہ نوع ثانی، انشاء اللہ یہ بات ان احادیث و آثار کے ذیل میں جس کا ذکر کتاب الحیل میں آئے گا پورے طور پر واضح ہو جائے گی (جلد مذکور ۱۷۲)۔

مفتی ظفر احمد تھانوی تورق کے جواز کی خاطر ایک حیلہ تحریر فرماتے ہیں:

آسان حیلہ یہ ہے کہ اگر مستقرض کو ایک ہزار کی ضرورت ہو تو قرض دہندہ اسے ۹۹۹ بطور قرض دے دے اور ایک درہم کے عوض میں وہ کپڑہ دے دے جس کی قیمت پانچ سو درہم ہے، اب گویا اس نے ہزار درہم نقد پندرہ سو ادھار کے عوض دے دیا، قرض اور بیع کی مشترک صورت نے اس معاملہ کو حرمت سے نکال دیا (اعلاء السنن ۱۴/ ۱۷۱ مطبوعہ کراچی)۔

اسی طرح کا ایک جزئیہ ابوالحسین قدوری نے تحریر فرمایا ہے:

"ولو قال: أعطني درهما صغيرا وزنه نصف درهم إلاحبة والباقي

فلوسا جاز البیع وکان نصف الحبة بإزاء الدرهم الصغیر والباقی بازاء الفلوس" (قدوری ۸۷/ کتاب الصرف) (اگر کوئی بائع کو ایک درہم دے کر یوں کہتا ہے کہ مجھے اس ایک درہم کے عوض ایک چھوٹا درہم جس کا وزن نصف درہم ایک حبہ کم ہو اور باقی کے پیسے دے دو تو یہ بیع درست ہوگی اور نصف الاحبۃ درہم صغیر کے مقابلہ میں ہوگا اور باقی کے عوض فلوس ہو جائیں گے)۔

حضرت محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ نے بخاری شریف (۱۰۳۳/۲ مطبع اصح المطابع کتاب الحیل) میں شفعہ کے اسقاط کے سلسلہ میں ایک حیلہ تحریر فرما کر امام صاحب پر طنز کیا ہے جس کی بابت علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں: "هذا أيضا شنيع بلاوجه" وہ حیلہ یہ ہے: "قال بعض الناس: اذا شترى دارا بعشرين ألف درهم فلا بأس ان يحتال من يشترى الدار بعشرين ألف درهم وينقده تسعة آلاف وتسعمائة وتسعة وتسعين وينقده دينارا بما بقي من العشرين الفا"۔

صورت مسئلہ کے جواز پر علامہ کاسانی کی تحریر نظر نواز ہو "ولو خرج المبيع من ملک المشترى فاشتراه البائع من المالک الثانى بأقل مما باعه قبل نقد الثمن جاز لأن اختلاف الملک بمنزلة اختلاف العين فيمنع تحقق الربا" (بدائع الصنائع ۲۲۸/۵ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

"جمهور العلماء على إباحته سواء من سماه تورقا وهم الحنابلة أو من لم يسمه بهذا الاسم وهم من عد الحنابلة" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۴۷/۱۴ مطبوعہ وزارۃ اوقاف کویت)۔

شیخ ابوالحسن مرداوی تحریر فرماتے ہیں: "لو احتاج إلى نقد فاشترى ما يساوى مأة بمائة و خمسين فلا بأس نص عليه وهو المذهب، وعليه الأصحاب وهي مسألة التورق......واختار الشيخ تقى الدين الصحة إذا كان ثم حاجة وإلا

فلا" (الانصاف ۱۱/ ۱۹۵ تا ۱۹۷، وزارۃ الشئون الاسلامیۃ والاوقاف والدعوۃ والارشاد المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)۔

ذیل میں ایک تحریر پیش کی جارہی ہے جس سے نہ یہ کہ صرف بیع عینہ کا جواز معلوم ہو رہا ہے بلکہ عینہ کا مرتکب ثواب کا بھی مستحق ہوگا۔

"اختلف المشائخ فی تفسیر العینة التی ورد النهي عنها قال بعضهم: تفسیر ها الخ كذا فی المحیط وعن أبی یوسفؒ: العینة جائزة ماجور من عمل بها ، كذا فی مختار الفتاوی" (عالمگیری مع خانیہ وبزازیہ ۳/ ۲۰۸ دارالکتاب دیوبند)۔

کاسانی کی بدائع الصنائع (۵/ ۴۲۹ مکتبہ زکریا دیوبند) سے مزید ایک جزئیہ تورق کے جواز پر ملاحظہ ہو:

"ولو باع ثم وكل بنفسه انسانا بأن یشتری له ذلک الشئ بأقل مما باع قبل نقد الثمن فاشتراه الوكیل فهو جائز للوكیل والزیادة من الثمن الأول لا تطیب المباح ویكون ملكاله وهذا قول أبی حنیفه"۔

اب بندہ عرض کرتا ہے کہ ایک طرف ربا وشبہ ربا سے احتراز کی تاکید آیات واحادیث "یمحق الله الربوا ویربي الصدقات"، "أحل الله البیع و حرم الربا"، "الحلال بین والحرام بین و بینهما مشتبهات" ......"مایریبک إلى مالا یریبک" قال: فمن لم یاكله ناله غباره، كل ربا فی الجاهلیة فهو موضوع تحت قدمی (بعض حدیث حجة الوداع المتفق علیه"۔

دوسری جانب قرض خواہ کا اضطرار جو اپنی جگہ ایک حقیقت رکھتا ہے اور اضطرار سے احکام میں تخفیف ہوتی ہے بسا اوقات ممنوعات بھی حلال ہوجاتے ہیں، علامہ دسوقی کی بیع عینہ کی تعریف میں ہی اضطرار کو خاص اہمیت دی گئی ہے: "انما سمیت عینة لإعانة أهلها للمضطر علی تحصیل مطلوبه علی وجه التحیل بدفع قلیل فی كثیر" عینہ ہو یا تورق دونوں میں اضطرار سے مستقرض کو فائدہ ملے گا، حتی کہ غبن فاحش کے ساتھ (جو کہ منع ہے)

اپنا سامان بھی بعض صورتوں میں بیچ سکتا ہے۔

"بأن اضطر إلى بيع شئ من ماله ولم يرض المشترى إلا بشرائه بدون ثمن المثل بغبن فاحش ومثاله مالو ألزمه القاضى ببيع ماله لا ستيفاء دينه فباع صح" (ردالمحتار علی الدر ۷ر ۲۴ مکتبہ زکریا دیو بند) (ایک شخص پر قرض ہے قاضی نے اسے مجبور کر دیا کہ اپنا مال بیچ کر قرض پورا کرو، اب اس کا مال غبن فاحش کے ساتھ فروخت ہو رہا ہے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تو اگر اس نے فروخت کر دیا تو بیع صحیح ہو جائے گی)۔

مضطر کی بابت ابو اسحاق شاطبی تحریر فرماتے ہیں:

اضطراری حالات شرعا معفو عنہ کے درجہ میں ہیں یعنی یہ کہ ضرورت کا قیام معتبر ہے اور اس پر جو عارضی مفاسد طاری ہوتے ہیں وہ مصالح کی رعایت میں معاف ہیں، لہذا مصالح ضروریہ کی خاطر بحالت اضطرار عارض کا اعتبار نہ کیا جانا ضروری ہے (الموافقات ۱ر ۱۸۲ مکتبہ التجاریۃ الکبری مصر)۔

موافقات ہی کی ایک اور تحریر ہے: حاجیات سے مراد وہ مصالح ہیں جن کی ضرورت ایسی تنگی کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے جو حرج و مشقت کا باعث بنتی ہے اور جن سے مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اگر ان کی رعایت نہ کی جائے تو مکلفین کی زندگی مشقت کی وجہ سے دشوار گذار ہو جائے، لیکن اس طرح کا فساد متصور نہ ہو جو ضروری مصالح کو نظر انداز کرنے سے ہوتا ہے حاجیات کا دائرہ وسیع ہے عبادات و عادات و معاملات ہر ایک کو شامل ہے۔

حضرت امام صاحب کے یہاں عدم جواز کی وجہ استحسان ہے، لیکن استحسان بذات خود ایک مخفی شی ہے اور خود ائمہ احناف کا اس کی کسی ایک تعریف پر اتفاق نہ ہو سکا، اس لئے اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا، شیخ احمد الریسونی لکھتے ہیں: "وإذا كان الإمام أبو حنيفة قد نفذ بصره إلى إدراك المقاصد المصلحية لشريعة الاسلام فعبرعنها بكثير من تعليلاته وعبرعنها بفكرة الاستحسان فإن ذلك لم يخل من الغموض على الاقل في

توضیح ذلک للآخرین......حتی عسر علی الاحناف أنفسهم الاتفاق والاستقرار علی تعریف واحد واضح له"(نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی/۸۶)۔

جہاں تک نیت کا تعلق ہے کہ نیت کے فساد سے تورق کے فساد کا قول کیا جائے تو فقہاء نے دیانت کی مفصل بحث کی ہے اور ظاہر حال ہی کو قرار دیا ہے:"الدیانة وهی مابینه و بین الله تعالی......اعلم أن القاضی یجب علیه الحکم بظاهر حال المکلف ویلزم بما یثبت عنده بالإقرار والشهادة ولا یلتفت إلی خلاف الظاهر من القرائن وإظهار المکلف"(کشاف اصطلاحات الفنون ا/۵۰۳)۔

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ظاہر حال کو دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جائے گا، اب اگر فساد نیت ہے تو وہ فیما بینہ وبین اللہ ہوگا۔

علامہ ابن نجیم کی الاشباہ والنظائر نے ایک جزئیہ درج ہے جس سے مزید وضاحت ہوجائے گی"ولو کرر لفظ الطلاق فان قصد لاستیناف وقع الکل أو التاکید فواحدة دیانة والکل قضاء "(الاشباہ/۹۷)، پھر یہ کہ انما الاعمال بالنیات والی حدیث ظنی الثبوت والدلالۃ کے قبیل سے ہے، جس سے سنیت واستحباب کا ثبوت ہورہا ہے، تورق کی صورت اپنانے پر زیادہ سے زیادہ ترک استحباب لازم آتا ہے۔

اسی لئے زحیلی صاحب نے فرمایا تھا کہ نیت کو بیع کی صحت وعدم صحت میں دخل دینا غیر مباح ہے، ساتھ ہی امام بلخ محمد بن سلمہ کا قول بھی قابل توجہ ہے جوانہوں نے تورق کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے اور جس کو بندہ نقل کر چکا ہے، تورق" قرض جر منفعۃ" کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ "بیع جر منفعۃ" کے قبیل سے ہے، علامہ ابن الہمام کی تحریر بھی منقول ہوچکی موصوف نے کہا:" یہ معاملہ خلاف اولی ہے" جہاں تک ۱۰۰ کا مال ڈیڑھ سو میں فروخت کرنے کا مسئلہ ہے، فقہاء نے ادھار ونقد کے درمیان قیمت میں فرق کو جائز قرار دیا ہے، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:"مساواة بین النقد والنسیئة لأن العین خیر من الدین والمؤجل أکثر قیمة من المعجل"(بدائع

۵/۱۸۷) یہی رائے امام مالکؒ کی علامہ ابن رشد قرطبی نے نقل کی ہے (۲/۲۳۲ مکتبۃ الکلیات الازہریہ)۔

عارض تورق میں حیلۂ مباحہ کے ذریعہ جواز کو اعلاء السنن کے حوالہ سے گذشتہ صفحہ میں پیش کر چکا ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ تو یہاں تک کہہ گئے کہ تورق کے ساتھ معاملہ کرنے پر اسے ثواب ملے گا، "العینة جائزة ماجور من عمل بها" بنابریں بندہ کی فہم ناقص میں یہ بات آتی ہے کہ تورق کے جواز کی گنجائش ملنی چاہئے۔

☆☆☆

مسئلہ تورق فقہاء کی نظر میں

مولانا مفتی اقبال محمد ٹنکاروی ☆

یہ بات تقریبا تمام فقہاء رحمہم اللہ کے یہاں بالکل مسلم ہے کہ ہماری شریعت میں مقاصد کو ایک تاسیسی حیثیت حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ مقاصد وعلل آپ ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کی سنن میں شائع وذائع ہے، حتی کہ صحابہؓ نے اس بات کو محسوس فرمایا کہ ہر حکم کی (خاص کر انسان کے انفرادی واجتماعی سلوک ومعاملات کے میدان میں) کوئی غایت اور مقصد ہوتا ہے اور جس حکم کا کوئی مقصد اور غایت نظر نہ آوے تو وہ مقاصد عامہ وغایت کلیہ کے ماتحت درج ہوگا، اور یہ اسلامی احساس یقین کی حد تک پہنچ گیا ہے کہ مقاصد وافعال کے مابین ایک دقیق ربط وتعلق ہے، تمام امور من حیث الاثمار والانتاج اپنی اپنی غایات کے ساتھ مربوط ہیں، اسی طرح من حیث الوجود والتحقیق اپنے مقدمات اور اسباب کے ساتھ مربوط ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے ''الأمور بمقاصدھا'' اور ''الأمور بخواتیمھا'' اور مقاصد دنیوی و اخروی کامیابی اور ناکامی کا مبنی ہیں، اسی وجہ سے شریعت نے اس کے مصالح کا اعتبار اور اس کے مفاسد کا دفعیہ واجب قرار دیا اور اس پر ڈھیر ساری جزئیات کی صحت وفساد کو مرتب فرمایا ہے، اسی وجہ سے حیلہ کی چاروں اقسام (طریق محمود لغرض محمود، طریق مذموم لغرض مذموم، طریق محمود لغرض مذموم اور طریق مذموم لغرض محمود) کا حکم جداگانہ ہے جیسا کہ کتاب الحیل میں ابوحفص کبیر نے امام محمدؒ کی یہ صراحت پیش فرمائی ہے۔

☆ مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ گجرات۔

"ونقل أبو حفص الكبير راوی كتاب الحيل عن محمد بن الحسن أن محمدا قال: ما احتال به المسلم حتى يتخلص به من الحرام أو يتوسل به إلى الحلال فلا بأس به وما احتال به حتى يبطل حقا أو يحق باطلا أو ليد خل به شبهته في حق فهو مكروه، والمكروه عنده إلى الحرام أقرب" (فتح الباری ۱۲/۱۴۰)۔

(یعنی مسلمانوں کا وہ حیلہ جس کے ذریعہ کسی حرام سے بچ جائے یا حلال تک پہنچ جائے ایسا حیلہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ایسا حیلہ جس کے ذریعہ ابطال حق ہوتا ہے یا احقاق باطل ہوتا ہے یا اس کے ذریعہ کسی حقیقت کے متعلق شبہ میں پڑا جائے وہ مکروہ ہے اور مکروہ ان کے نزدیک قریب قریب حرام کے ہے)۔

آج بہت سے ادارے حتی کہ غیر مسلم ادارے بھی اسلامی بینک کے سنہرے نام اور عنوان سے معاملات اور معیشت کے میدان میں مصروف کار نظر آتے ہیں، ربوی معاملہ پر نہایت ہی زرق برق اور حسین وجمیل "حلال" کا لبادہ چڑھا کر اپنے اصلی غیر شرعی مقاصد کو بروئے کار لانے میں کامیاب نظر آتے ہیں اور اپنی اس کامیابی کو مزید ترقی دینے کے لئے نت نئے پروگرام اور حیلے پیش کرتے ہیں، اور مقصد محض ذخیرہ اندوزی اور شکم پروری کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ہے، یا اگر امت کے لئے قدرے مصلحت اور افادہ مقصود بھی ہو تب بھی اغراض فاسدہ کی آمیزش اس میں ضرور ہوتی ہے، لہذا کیا مسئلہ "تورق" بھی حیلہ گر اور حیلہ سازوں کی پیداوار تو نہیں؟ اس سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر سے غور وفکر کرکے اس کا حکم نکالنا ضروری ہے۔

چنانچہ ہم سب سے پہلے تورق کی لغوی پھر اصطلاحی بحث، بعد ازاں اس کی شکلیں اور مروجہ صورتیں، پھر مصادر شریعت میں اس کی کیا اصل ہے؟ دور نبوی میں اس کی شکل وصورت کا کوئی مسئلہ تھا یا نہیں تھا؟ تو اس کے بارے میں آپ ﷺ نے کیا حکم بیان فرمایا؟ وغیرہ امور کی تحقیق کے بعد مسئلہ تورق کے حکم پر روشنی ڈالیں گے، اگر صواب اور درست ہے تو فمن اللہ والا فمنی۔

تورق لغت میں:

تورق، یتورق، تورقا مصدر ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: تورق الحیوان: أی أکل الورق جانور نے پتے کھائے، نیز ''اورق الرجل'' بھی بولتے ہیں، بمعنی صار ذاورق بکسر الراء آدمی درہم والا ہوگیا، اور الورق اصل لغت میں مضروب اور غیر مضروب چاندی کو کہا جاتا ہے، پھر اس کا استعمال مضروب چاندی یعنی سکہ کے معنی میں عام ہوگیا جیسا کہ قرآن مجید میں اصحاب کہف کے قصہ میں باری تعالی کے اس فرمان میں بھی ''ورق'' کا اس معنی میں استعمال ہوا ہے، فابعثوا أحدکم بورقم هذه إلى المدينة الخ......۔

اسی طرح چاندی کی مقدار زکوۃ کی تحدید کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اس لفظ کا استعمال فرمایا ہے، جیسا کہ امام بخاریؒ نے باب الزکوۃ میں اور مختار الصحاح (۱/۲۹۹) پر اس روایت کو نقل فرمایا ہے:''وفی الرقة ربع العشر''اور چاندی (یعنی دراہم) میں ربع عشر (زکوۃ) ہے۔

تورق اصطلاح میں:

''أن یشتری شخص سلعة نسیئة(لأجل) ثم یبیعها نقدا(فی الحال) لغیر البائع، بأقل مما اشتراها لیحصل بذلک علی النقود''

اصطلاحاً تورق کہتے ہیں ایسی صورت کو کہ کوئی شخص ادھار (میعاد) پر کوئی سامان خریدے پھر اس کو نقد بیچ دے بائع (اول) کو اس مقدار ثمن سے کم میں جس مقدار میں خریدا تھا (اور مقصد اس کا) اس کے ذریعہ نقد کا حصول ہے۔

یہ تعریف ڈاکٹر وہبہ مصطفی زحیلی نے متحدہ عرب امارات میں منعقدہ انیسویں فقہی سمینار کے موقر پر تیار کردہ مقالہ میں تحریر فرمائی ہے۔

ڈاکٹر محمد علی القری نے اپنے مقالہ میں تورق کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

"وفی الاصطلاح الفقهی: التورق هو شراء سلعة لیبیعها إلی آخر غیر بائعها الأول للحصول علی النقد، مثال ذلک: ان یشتری سلعة بثمن مؤجل ثم یبیعها الآخر نقدا لیحصل علی ثمنها الحال لحاجته إلی النقود الیوم"۔

(فقہی اصطلاح میں تورق کہتے ہیں اس امر کو کہ سامان خریدے تا کہ مبیع بائع اول کے علاوہ کسی دوسرے کو فروخت کردے نقد حاصل کرنے کی غرض سے، اس کی مثال یہ ہے کہ (کوئی شخص) ادھار ثمن کے عوض کوئی سامان خریدے پھر کسی دوسرے کو وہ سامان بیچ دے تا کہ اس کا موجودہ ثمن حاصل ہو اس وجہ سے کہ اس شخص کو آج نقود کی ضرورت ہے)۔

تورق کی یہ اصطلاح فقہاء حنابلہ کے یہاں تو مستعمل ہے مگر دیگر فقہاء نے اس لفظ کا استعمال کیا ہو یہ بات کہیں بھی نظر سے نہیں گذری۔

فتاوی ابن تیمیہ (۲۹/ ۴۴۲) پر تورق کا تذکرہ ہے "هكذا "التورق" يقوم السلعة فی الحال ثم یشتریها إلی أجل بأكثر من ذلک......"۔

ابن تیمیہ کے شاگرد رشید ابن القیم جوزیؒ نے اعلام الموقعین کی کتاب الحیل ۳/ ۱۷۰ پر "تورق" کا استعمال فرمایا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں: "وان باعها لغيره فهو التورق" بہر حال فقہاء حنابلہ کے یہاں تو اس اصطلاح کا استعمال ہوا ہے لیکن دیگر فقہائے امت نے لفظ تورق کا استعمال نہیں فرمایا۔

گزشتہ چند سالوں سے مسلم بینکوں اور اداروں نے "تورق" کی چند اقسام بیان فرمائی ہے:

۱-"تورق فردی! طلب شخص للنقود السائلة من خلال شرائه لسلعة من شخص آخر (البائع) بثمن مؤجل، وتملكه لها-ثم قیامه (المشتری) ببیعها نقدا بسعر أقل لشخص ثالث(غير البائع) للحصول على النقد السائل لتمويل حاجات أخرى مختلفة"۔

(تورق فردی: کسی شخص کا کسی دوسرے انسان (بائع) سے ثمن مؤجل کے عوض کوئی سامان خریدنے کے دوران رائج الوقت نقود کو طلب کرنا اور اس شخص کا اس سامان کا مالک بن جانا، پھر وہ سامان نقد داموں میں بیچنے کے لئے اس ''مشتری'' کا تیار ہونا کم داموں میں کسی تیسرے (بائع اول کے علاوہ) کو تاکہ نقد سائل حاصل ہو جس کے ذریعہ اپنی دیگر مختلف حاجات کو پورا کیا جاسکے)۔

۲-التورق المصرفی المباشر: بلاواسطہ بینک سے متعلق عقد تورق:

"فیقصد به طلب الافراد بنقود السائلة من خلال إعطاء أمر للبنک لشراء سلع......فی الأسواق العالمیة أو المحلیة، ثم بیعها للعمیل بسعر أجل ثم یوکل العمیل البنک لیبیعها نیابة عنه بسعر حال لشخص ثالث"۔

(تورق کی اس قسم سے مراد یہ ہے کہ چند افراد ملکی یا عالمی مارکیٹ میں پیش شدہ سامان کو خریدنے کے لئے کسی بینک کو حکم دینے کے دوران رائج نقود طلب کرنا، پھر یہ سامان کسی ایجنٹ کو ادھار فروخت کرنا، پھر اس ایجنٹ کا بینک کو وکیل بنانا تاکہ بینک ایجنٹ کا نائب بن کر تیسرے انسان کے لئے موجودہ نقد دام میں یہ سامان فروخت کردے)۔

۳-التورق المصرفی العکسی: بینک سے متعلق بالواسطہ عقد تورق۔

"فیقصد به طلب البنوک الإسلامیة للنقود السائلة من عملائها من خلال توسیط عملیات تقوم بها البنوک لصالح العملاء لشراء بعض السلع من الأسواق العالمیة أو المحلیة بسعر حال، ثم بیعها للبنک بسعر آجل علی أن یتصرف فیها البنک بعد ذلک بالبیع لشخص ثالث"۔

تورق کی ان دونوں قسموں کو تورق موسیسی اور تورق منظم سے بھی موسوم کرتے ہیں۔

عقد تورق کے دو طرف ہیں: (۱-مورق (یعنی نقود دینے والا دائن)، ۲-مستورق اور متورق (مشتری اول نقود حاصل کرنے والا)۔

عقد تورق کا محل: خریدا ہوا سامان اور مبیع۔

قبل اس کے کہ ہم زیر بحث مسئلہ کی تفصیل تحریر کریں ضروری ہے کہ ربا کے باب میں شریعت اسلامیہ کے منہج کو جان لینا از حد ضروری ہے۔

یہ مسلم ہے کہ آپ ﷺ نے سود کھانے والے، سودی کاروبار کرنے والے، اس کو لکھنے والے اور شاہد پر لعنت فرمائی ہے، نیز فرمایا ہے کہ "الأخذ والمعطی سواء فی الربا"

آپ ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ربا کے دو طرف اور دو پہلو ہیں: ۱- آخذ (لینے والا)، ۲- معطی (دینے والا)، ایک کو دائن کہتے ہیں اور دوسرے کو مدین کہیں گے، اور دائن یہ مدین کے مقابلہ میں قوی تر ہوتا ہے، کیونکہ مدین تو اپنی حاجت کی وجہ سے قرض لیتا ہے اس کے باوجود لعنت اور وعید کے باب میں آپ ﷺ نے دونوں کے مابین کوئی تفریق نہیں فرمائی، اور شریعت نے ربا کو حرام کیا تو دونوں پر حرام فرمایا ہے، کیونکہ ربا دونوں طرف کی رضامندی کا نتیجہ ہے، لہذا دونوں کے لئے ربا سے پرہیز کرنا اور بچنا واجب ہے، اور اسی وجہ سے شریعت نے ربا کے تمام دروازوں کو دونوں طرف سے بند کر دیا ہے۔

جب آپ ﷺ نے وعید اور مقام ذم میں دائن اور مدین کے مابین کوئی تفریق نہیں فرمائی ہے، تو احکام کے باب میں دونوں کے درمیان فرق کرنا منع ہے، اس طور پر کہ مدین کی جہت سے تو باب ربا بند رہے اور دائن کی جہت سے کھلا رہے، احکام شرعیہ کی حکمت اس بات کی اجازت نہیں دیتی ہے۔

نیز جب شریعت نے دائن کی جانب سے ربا کا سد باب کر دیا تو مدین کی جانب سے تو بدرجہ اولی سد باب ہوگا، کیونکہ مدین پر واقع ہونے والا ظلم اور زیادتی تحریم ربا کی اصل ہے، جیسا کہ باری تعالی کا فرمان ہے: "لا تظلمون ولا تظلمون"، پس جب دائن کو مدین پر ظلم کرنے سے روک دیا تو بدرجہ اولی مدین کو اپنی ذات پر ظلم کرنے سے روکا جائے گا۔

اور جب دائن کو زیادتی لینے سے روک دیا گیا تو بدرجہ اولی مدین کو زیادتی دینے سے

روکا جائے گا، اب اگر سب سے زیادہ سختی کے قابل اور لائق دونوں میں سے کوئی ہے تو وہ مدین ہے۔

پھر جب دائن پر بطور معاوضہ زیادتی لینا حرام ہے، اگرچہ وہ زیادتی تیسرے شخص کی جانب سے ہو جیسا کہ "ربح مالم یضمن، بیع قبل القبض" میں ہے، تو اسی طرح بطور معاوضہ مدین کے لئے زیادتی دینا بھی حرام ہوگا، اگرچہ یہ تیسرے شخص کے لئے ہو کیونکہ شریعت نے دائن و مدین آخذ و معطی دونوں پر حرمت میں مساوات کا لحاظ رکھا ہے، تو اب جو شخص بھی دونوں کے حکم میں فرق کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ شریعت اور منہج تشریعی کے منافی ہوگا۔

درحقیقت شریعت میں باب الربا کا سدو اغلاق عام و خاص دو جہت سے ہے:

جہت خاص: بیع عینہ کی ممانعت اور جہت عام: حفظ المال سے متعلق اصول شریعت۔

عینہ: "هي أن يشتري شخص سلعة بثمن مؤجل إلى مدة كألف دينار، ثم يبيع مااشتراه من البائع نفسه بثمن نقدي في الحال أقل من ذلك الثمن المؤجل كآن يكون بتسع مأة دينار"۔

مطلب یہ ہے کہ عینہ بیع کی ایک صورت ہے، جس کو سود کے لئے وسیلہ بنایا گیا ہے، ورنہ اس سے حقیقت میں بیع مقصود نہیں ہے، یہ درحقیقت اصلی بائع کے ساتھ ایک سودی قرض کا معاملہ ہے، گویا کہ مذکورہ مثال میں اس نے مشتری کو ۹۰۰ دینار قرض دیا اور اس مشتری پر مدت کے ختم پر یا تمام اقساط کی ادائیگی پر ایک ہزار دینار لازم ہے، تو اس مقام پر (۱۰۰) دینار کا فرق ہے، جیسا کہ آج کل روایتی بینکوں کا عمل ہے۔

مفہوم عینہ کی اصل:

مفہوم عینہ کی اصل امام ابوداؤد وغیرہ رحمہم اللہ کی ذکر کردہ روایت ہے، "عن النبی ﷺ أنه قال: قال: إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقرورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلالاينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم"۔

مذکورہ روایت میں بیع عینہ کی ممانعت اور اس کے کرنے والے پر سخت قسم کی وعید کا تذکرہ ہے، بہر حال جمہور فقہاء ''تورق'' کو بیع عینہ میں داخل کرتے ہیں، جیسا کہ آنے والی نصوص جس میں عینہ کی ممانعت ہے وضاحت کرتی ہیں:

ڈاکٹر سامی بن ابراہیم سویلم نے اپنے مقالہ میں طلبۃ الطلبہ کے حوالہ سے تفسیر عینہ کے متعلق علامہ نسفی نے جو اقوال ذکر کئے ہیں ان کا تذکرہ کیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

"قيل : هي شراء ما باع بأقل مما باع قبل نقد الثمن -وقيل: وهو الصحيح، هي أن يشتري ثوبا مثلا من انسان بعشرة دراهم إلى شهر وهو يساوي ثمانية ثم يبيعه من انسان نقدا بثمانية، فيحصل له ثمانية ويحصل عليه عشرة دراهم دينا، سميت بها لأنه وصل بها من دين إلى عين"

یعنی عینہ کہتے ہیں اس بات کو کہ جس چیز کو بیچا ہے اس کو خرید لینا اس سے بھی کم داموں میں کہ جس قدر داموں میں اس نے ادھار بیچا تھا، دوسرا قول اور یہی صحیح ہے وہ یہ کہ عینہ کہتے ہیں اس صورت کو کہ کوئی شخص مثال کے طور پر کسی انسان سے ایک مہینہ کی مدت پر دس درہم کے عوض کپڑا خریدے اور کپڑا آٹھ درہم کی مالیت کے مساوی ہے، پھر وہ دوسرے انسان کے ہاتھوں آٹھ درہم نقد کے عوض بیچ دے، تو اس کو آٹھ درہم مل جائیں گے اور دس درہم اس پر قرض ہوں گے اور اس کو عینۃ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ انسان اس کے ذریعہ دین (قرض) سے عین (نقد) تک پہنچ گیا۔

اس عبارت میں ''ثم يبيعه من انسان'' سے سمجھ میں آرہا ہے کہ وہ انسان بائع اول کے علاوہ کوئی اور ہوگا، اور پہلی صورت جس کا تذکرہ ہوا اس کو عینہ ثنائیہ کہیں گے، کیونکہ جس چیز کو بیچا ہے اس کو خرید لینا اس سے بھی کم داموں میں کہ جس قدر داموں میں ادھار بیچا تھا اس میں سامان بائع اول کی طرف واپس آتا ہے گویا اس میں عینۃ ثنائیہ اور ثلاثیہ دونوں کا تذکرہ ہے۔

بیع عینہ کے باب میں صاحب تبیین الحقائق علامہ زیلعی ۴؍۱۶۳ پر اور اس سے قریب

عبارت فتح القدیر ۶ ر ۳۲۴ کے حاشیہ پر مرقوم ہے:

"وصورته أن يأتي هو إلى تاجر فيطلب منه القرض ويطلب التاجر منه الربح ويخاف من الربا فيبيعه التاجرثوبا يساوى عشرة مثلا بخمسة عشرة نسيئة ليبيعه هو فى السوق بعشرة فيصل إلى العشرة ويجب عليه للبائع خمسة عشر إلى أجل......وسمى هذا النوع من البيع عينة لما فيه من السلف، يقال: باعه بعينة أى نسيئة......وهذا النوع مذموم شرعا اخترعه آكلة الربا الخ"

(بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایک تاجر کے پاس آ کراس سے قرض مانگے اور تاجراس آدمی سے نفع کا خواہش مند ہے مگراس کو ربا کا ڈر ہے تو وہ تاجراس شخص کو دس درہم کے مساوی کپڑا پندرہ درہم کے عوض ادھار فروخت کردے تاکہ یہ شخص بازار میں جا کر دس درہم (نقد) کے عوض بیچ دے، جس سے (محتاج) شخص کو دس درہم حاصل ہو جائیں گے اوراس پر بائع کے پندرہ درہم بطور قرض واجب ہوں گے، پھر آگے چل کرفرماتے ہیں کہ اس بیع کو عینہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ادھار اور قرض ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اس نے بیع عینہ کی یعنی ادھار بیچا، پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ بیع کی یہ قسم ازروئے شریعت مذموم ہے جس کو سود خوروں نے ایجاد کر رکھا ہے)۔

بہر حال فقہاء متقدمین کے یہاں عینہ ثنایہ وثلاثیہ (تورق) دونوں قسموں کا مفہوم اور حکم ایک ہی تھا، علامہ ابن ہمامؒ کی عبارت سے اور پھر ان کی تابعداری میں دیگر متاخرین فقہاء کی عبارات اوران کی تصریحات سے ایسا واضح ہوتا ہے کہ اب عندالاحناف عینہ کا مفہوم متغیر ہو چکا ہے۔

عینہ محرمہ مکروہہ کی صورت علامہ ابن ہمامؒ کے یہاں یہ ہے کہ مشتری مبیع کسی تیسرے فرد کو فروخت کردے اور یہ تیسرا فرد مبیع بائع اول کو واپس کردے، ابن ہمام نے اس کے بعد بھی فتح القدیر (۶ ر ۳۲۳-۳۲۴) پر عینہ کی چند صورتیں ذکر کی ہیں، جس میں تورق کی صورت نہیں ہے، اس کے بعد وہ اسی صفحہ ۳۲۴ پر تحریر فرماتے ہیں:

وہ بات جو میرے دل میں آرہی ہے یہ ہے کہ جو چیز دینے والا نکالتا ہے اگر ایسی صورت اختیار کرے کہ جس میں وہ چیز یا اس کا بعض دینے والے کے پاس واپس آجائے جیسے کہ پہلی صورت میں کپڑا یا حریر کا واپس آجانا اور دوسری صورت میں یعنی پندرہ درہم قرض دینے کی صورت میں دس درہم کا واپس آنا تو یہ مکروہ ہے ورنہ پھر کوئی کراہت نہیں ہے، ہاں بعض احتمالات کی بنا پر خلاف اولی ہے، جیسا کہ مدیون محتاج ہے اور تاجر قرض دینے سے انکار کرتا ہے، بلکہ دس درہم کے مساوی چیز کو پندرہ درہم کے عوض ادھار بیچتا ہے، پھر مدیون اس چیز کو خرید کر بازار میں نقد دس درہم کے عوض فروخت کر دیتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اجل کے مقابلہ میں ثمن کی قسط ہے اور قرض دائمہ طور پر اس پر واجب نہیں ہے بلکہ وہ وہ ایک مندوب شی ہے۔

اور جس صورت میں عین (مبیع) جو اس کے پاس سے نکلتی ہے وہ (بائع اول) کے پاس واپس نہ آئی ہو، تو اس کو بیع عینہ نہیں کہا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے عینہ کے معنی کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"فيبيعه التاجر ثوبا يساوى عشرة مثلا بخمسة عشر نسيئة، فيبيعه هو في السوق بعشرة فيحصل له العشرة ويجب عليه للبائع خمسة عشر إلى أجل" (ردالمحتار ۵/۳۲۵)۔

(پھر تاجر اس کے ہاتھ دس درہم کے مساوی کپڑا پندرہ درہم ادھار کے عوض فروخت کرتا ہے، پھر وہ شخص یہ کپڑا بازار میں دس درہم نقد کے عوض فروخت کر دیتا ہے تو اس شخص کو دس درہم حاصل ہو جاتے ہیں اور بائع کا اس پر پندرہ درہم قرض واجب ہوتا ہے)۔

علامہ شامیؒ کی ذکر کردہ صورت "تورق" کی صورت ہے، علامہ شامی ردالمحتار کے اسی صفحہ پر آگے تحریر فرماتے ہیں: **"ومن صورها أن يعود الثوب إليه"** عینہ کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ کپڑا (بائع اول) کے پاس واپس آجائے، گویا کہ مذکورہ دونوں صورتوں کے درمیان فرق کر دیا، لیکن ان دونوں صورتوں کو عینہ کی صورتیں قرار دے کر فرمایا کہ

"وهو مکروه، ای عند محمد وبه جزم فی الهدایه" یعنی یہ مکروہ ہے امام محمدؒ کے نزدیک اور اس کو صاحب ہدایہ نے قطعی قرار دیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ردالمحتار (۳۲۶/۵) پر علامہ ابن ہمام کا کلام سابق "الذی یقع فی قلبی الخ" کو مذکورہ گذشتہ تفصیل کے بعد نقل فرما کر یوں تحریر فرمایا: "واقره فی البحر والنهر والشرنبلالية وهو ظاهر" مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علامہ ابن ہمامؒ کے کلام سے قبل تمام متقدمین فقہاء کے یہاں "تورق" کو عینہ میں شمار کیا جاتا رہا، بلکہ علامہ نسفیؒ نے جیسا کہ طلبۃ الطلبہ کے حوالہ سے سابق میں ہم نے اس کو تحریر کیا کہ "وهو الصحيح" یعنی یہ صحیح ہے کہ "تورق" عینہ میں شامل اور داخل ہے، اور انہوں نے اس بات کی بھی صراحت فرمائی کہ وہ مکروہ ہے۔

مگر ابن ہمام نے "تورق" کو مفہوم عینہ سے خارج قرار دیا اور کراہت کی نفی فرمائی بلکہ جیسا کہ گزرا زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ قرار دیا، اور انہی کی تابعداری میں دیگر متاخرین فقہاء مثلاً صاحب بحرالرائق اور شرنبلالیہ وغیرہما نے بھی یہی موقف اختیار فرمایا ہے۔

مگر اس مقام پر ابن عابدینؒ کی تحریرات اور کلام قدرے تردد کی عکاسی اور ترجمانی کرتا ہے، کیونکہ انہوں نے بیع عینہ کی تفسیر میں مشائخ کا اختلاف نقل فرمایا ہے، پھر آپ نے ایک تفسیر "تورق" کی ذکر فرمائی، پھر عینہ ثلاثیہ کو بیان کیا مگر کسی کو ترجیح نہیں دی، پھر دوسرے مقام پر جیسا کہ سابق میں ان کا یہ کلام گذر چکا تورق کو ایک صورت قرار دیا اور اس کے بعد پھر ابن ہمام کا سابقہ کلام ذکر فرما کر اس کے متعلق فرمایا کہ "وهو ظاهر"۔

اس طرح کی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں مفہوم عینہ کے سلسلہ میں موقف میں تبدیلی ہوتی رہی ہے، اور اب متاخرین کے یہاں یہ بات طے ہوگئی ہے کہ عینہ کی صورت وہ ہے جس میں سامان بائع اول کے پاس واپس آجائے، اور تورق یہ ہے کہ جس میں سامان بائع اول کے پاس واپس نہ آئے۔

لیکن در حقیقت یہ بات جدید اصطلاح سے نص کی تشریح کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی اور اس میں غلطی واقع ہوئی ہے اور ایسا بہت سے فقہی مسائل میں کئی بار ہوا ہے کہ نص کی تفسیر جب اصطلاح جدید سے کرتے ہیں تو خطا اور تسامح واقع ہو جاتا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ تورق کی موجودہ رائج تمام اقسام بیع عینہ میں داخل ہے اس کی کسی بھی قسم کو بیع عینہ سے خارج مان کر محض خلاف اولی قرار دینا در حقیقت حیلہ گروں اور موجودہ ربوی نظام اور اس کو کسی طرح اسلامی شرعی نظام میں داخل کر کے روح شریعت کو ختم کر دینے کی کوشش کرنے والوں کو ایک راستہ ہی نہیں بلکہ رہنمائی کرنا، نیز اس باب میں ان کو تقویت دے کر جری بنانا ہے۔

محض مسلمانوں کو غنی بنانے اور زیادہ سے زیادہ نقود کے حصول کی غرض، نیز تکاثر کی حرص وہوس یہ تو مقصد تخلیق انسانی کے منافی ہے، لہذا وہ تمام صورتیں جس میں مدین کی جہت سے سود متحقق ہوتا ہو چاہے سامان بائع اول کے پاس واپس آتا ہو یا نہ آتا ہو، تمام کو عینہ کہا جائے گا، چاہے اس کا نام ثنائیہ، ثلاثیہ، تورق عکسی، تورق منظم، مقلوب التورق یا بیع الوفاء یا بیع التلجئہ ہو۔

حدیث عینہ کو جوامع الکلم میں شمار کرنا اور نبوی اعجاز کے لئے شاہد بنانا دور نبوی سے لے کر قیامت تک پیش آنے والی اس طرح کی جزئیات اس حدیث میں داخل اور شامل ہے، کیونکہ آپ نے قیامت تک آنے والی عینہ کی جزئیات کو ایک کلمہ میں جمع فرما دیا، نیز حدیث پاک نے مدین کی جہت سے ہر قسم کے ربا کا سد باب فرما دیا جس طرح کہ دائن کی جہت سے اس کا سد باب ہوا ہے۔

بیع عینہ کی ممانعت اور مذمت پر اصول شریعت وقواعد بھی دال ہیں، اس جہت سے بحث کرنے سے بھی مسئلہ ''تورق'' پر حکم لگانے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

اس امر پر تقریباً علماء امت کا اتفاق ہے کہ احکام شریعت میں مقاصد شریعت کو بھی بہت بڑا دخل ہے، مقاصد شریعت میں سے ایک مقصد حفظ المال ہے، کیونکہ مال ایک ضروری چیز ہے، جو انسان کی مصلحت اور انسان کی حیات ومعاش کے قیام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اس لئے

تو اللہ تبارک تعالی نے کچھ ایسے احکام وضع فرمائے ہیں کہ جو آدمی ان تشریعات اور احکام پر عمل کرتا ہے وہ دارین کی خیریت کو حاصل کرتا ہے، اور جو انسان اس کا لحاظ نہیں کرتا اللہ تعالی اس کی معیشت کو تنگ بنا دیتے ہیں۔

بہر حال جب اضاعت مال حرام ہے تو عینہ کی تمام صورتوں میں بلا استثناء قرض دار (مدین) کا ہدف سامان کو اس سے بھی اونچے داموں میں ادھار خریدنا ہے جتنے داموں میں وہ نقد فروخت کرنے والا ہے، اسی وجہ سے ذمہ میں واجب ثمن سے کم نقد پر قبضہ کرنے تک معاملہ کی انتہاء ہوتی ہے، اور مدین کا یہی ہدف اور مقصد مقصد شارع یعنی حفاظت مال کے وجوب کے لئے مناقض ہے، اس لئے کہ کوئی عقل مند انسان اونچے داموں میں خریدنے اور سستے داموں میں بیچنے کا مقصد وارادہ نہیں رکھتا ہے، اگر ایسا کرتا ہے تو یہ اضاعت مال ہے، مدین (قرض کا طالب) نقصان اور خسارہ والی بیع کی کوشش کرتا ہے اور نصوص متواترہ اس کی ممانعت پر دال ہیں۔

اور اسی وجہ سے بلا خسارہ ربح مالم یضمن کے ساتھ نہی شارع خاص ہے، کیونکہ اس مقام پر سامان اصلا مقصود نہیں ہے، بلکہ نفع مقصود ہے اور مال میں اضافہ یہ تو شریعت کا فی نفسہ ہدف ہے اور اس کا مشروع طریقہ سے ہونا ضروری ہے، اگر وہ مشروع طریقہ سے ہو تو وہ جائز نفع ہے ورنہ وہ نفع حرام ربا میں داخل ہوگا۔

اس مقام پر ڈاکٹر سامی بن ابراہیم سویلم نے اپنے مقالہ میں ''قاعدۃ التبعیۃ'' کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

''شریعت نے بیع میں اجل کا اعتبار کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اور قرض میں اس کا اعتبار کرنے کو منع فرمایا ہے، اور یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ اجل کا اعتبار تبعا للبیع جائز ہے اور اصالۃ ومستقلا جائز نہیں ہے اور بہت ساری چیزیں جو اصلاً ومستقلا جائز نہیں ہوتی مگر تبعا جائز ہو جاتی ہیں، اور یہ صراحت ہے اس بات کی کہ قرض کا تبادل یا بیوع کے تابع ہونا ضروری ہے اور اس کے برعکس نہیں ہوگا اور بیع عینہ کی تمام صورتوں میں غیر مقصود سامان کا تبادلہ ہوتا ہے، ایسے

ہدف کے عوض جس میں اس نقد حاضر کو وصول کرنا ہے جو ذمہ میں واجب زیادہ ثمن کے مقابل ہوتا ہے یعنی نفس نتیجہ قرض کو قدرے زیادتی کے عوض وصول کرنا، پس تبادلہ یعنی بیع اس مقام پر وسیلہ اور ذریعہ بن گئی اور قرض کا حصول غایت اور مقصد بن گیا، اور یہی بات مقصد تشریعی اور اقتصادی منطق کے خلاف ہے"۔

بہرحال بیع میں اجل کا جواز اس وجہ سے ہے کہ بیع کی منفعت کی تلافی ادائیگی ثمن میں اجل کے مقابلہ میں ہے اور اس طرح کی منفعت قرض میں نہیں پائی جاتی، قرض میں زیادتی بلا کسی مقابل وعوض کے پائی جاتی ہے، اور یہ ایک طرح سے مدین پر ظلم ہے تو گویا کہ اس کی اجازت دینا حقیقی ثروت وترقی اموال کے بجائے مدیونیۃ میں اضافہ کرنا ہوگا، اور اس کی وجہ سے اقتصادی ترقی بری طرح متاثر ہوگی۔

بہرحال ادھار ثمن میں زیادتی کی مشروعیت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ زیادتی کی تلافی اجل سے ہوجاتی ہے اس طور پر کہ مشتری کو سامان کی منفعت حاصل ہوتی ہے، اور بلا استثناء عینہ کی تمام صورتوں میں مدین کے لئے کوئی منفعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی تبادل اور بیع کا تحقق ہوتا ہے، بلکہ یہ تو محض حصول قرض کا ایک ذریعہ ہے، جب تبادل اور بیع کی منفعت نہیں پائی جاتی تو نتیجتاً اجل کے مقابلہ میں ثمن کی زیادتی کی مشروعیت کی جو حکمت ہے وہ بھی منتفی ہوگئی، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جیسا کہ ابوداؤد، نسائی شریف میں ہے: "من باع بيعتين في بيعة فله أو كسهما أو الربا" (جس نے ایک سودے میں دو سودے کئے تو اس کے لئے دونوں سودوں کا گھاٹا ہے یا سود ہے)۔

مذکورہ روایت بیع عینہ میں متحقق ہونے والی زیادتی کو باطل قرار دیتی ہے، اور یہی وہ معنی ہے جس سے اسلامی قرض سودی قرض سے ممتاز اور جداگانہ ہوتا ہے، کیونکہ اصل میں قرض کا معاملہ تو تبادل اور بیع کو آسان بنانے کے لئے ہے، لیکن عینہ میں قرض اور بیع کا یہ علاقہ وربط بالکل الٹا ہے، کیونکہ عینہ میں بیع کی حیثیت محض وسیلہ کی ہوتی ہے اور قرض کی حیثیت غایت اور

مقصد کی ہوتی ہے، بیع بجائے متبوع کے تابع ہو کر رہ جاتی ہے، تو ایسے مقام پر اجل کے مقابلہ میں آنے والی زیادتی اور ربا کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

مصالح شریعت:

شریعت نے جن مصالح کا اعتبار و لحاظ کیا ہے وہ تین قسم کی ہے: ۱-ضرورت، ۲-حاجت، ۳-تحسین۔

علامہ شاطبی (الموافقات ۲/۸) میں "في بيان قصد الشارع في وضع الشريعة" کے ماتحت فرماتے ہیں: "تكاليف الشريعة ترجع إلى حفظ مقاصدها في الخلق وهذه المفاسد لا تعدو ثلاثة اقسام(أحدها) أن تكون ضرورية (والثاني) أن يكون حاجية(والثالث) أن تكون تحسينية"۔

(تکالیف شرعیہ کا مرجع مخلوق میں مقاصد شریعت کی حفاظت کرنا ہے، اور یہی مقاصد تین اقسام سے زیادہ نہیں ہے، ان میں سے ایک یہ کہ ضروری ہو، اور دوسرا یہ کہ حاجت سے اس کا تعلق ہو، اور تیسرا یہ کہ اس کا تعلق تحسین سے ہو)۔

عینہ اور تورق میں قدرے مشترک جوامر ہے وہ یہ ہے کہ (مدین) قرض دار چیز کو خریدتا ہے، پھر بیچتا ہے، اس کے لئے تگ ودو کر رہا ہے لیکن اس کی منفعت کچھ نہیں، موجودہ دور میں یا تو دلال اجرت لیتا ہے یا وہ تیسرا فرد یا ادارہ جو قرض دار کے پاس سے خریدتا ہے وہ کچھ مال اور نفع حاصل کرتا ہے لیکن مدین کو خسارہ ہی ہے، شارع حکیم کثیر نفع والی شی کو تو حرام کہہ دے اور قلیل نفع والی شی مباح بنادے، اور کثیر ضرروالی بیع کو مباح قرار دے اور قلیل ضرروالی بیع کو حرام کہہ دے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، اور جب شریعت نے ربا کو حرام کہا تو ایسے معاملات بھی حرام ہوں گے اور ان کی حرمت بھی شدید ہوگی۔

لہذا مدین کی جانب سے عینہ کی اجازت دینا گویا کہ نیچرل اقتصادی ترقی کو عینہ ثنائیہ میں داخل کرنا ہے اور اس واسطہ سے اسے ربا میں داخل کرنا ہے، کیونکہ محض نفع کے دباؤ میں کی

جانے والی تمام کارروائیاں اور معاملات جو معدوم المنفعت ہو، انجام کار سود تک پہنچائیں گے، لہذا سد ذرائع کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بیع ممنوع قرار دی جائے۔

خلاصۃ القول یہ کہ مقاصد شریعت اور نصوص شرعیہ سے موافق قیاس کی روشنی میں بیع عینہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، اگر اس مقام پر بیع عینہ کی ممانعت پر وارد حدیث کی صحت پر کوئی اعتراض ہے تو اس کے بغیر بھی نصوص شریعت اور قواعد شریعت اس کی ممانعت کے لئے کافی ہے۔

تورق مثل تلجیہ یا بیع مضطر ہے:

بیع تلجیہ: ایسی بیع کہ انسان بلا اپنے اختیار کے اس کو کرنے پر مجبور ہو جائے اس طور پر کہ اس کو کسی جاہ ومنصب والے کا خوف ہو تو وہ کسی دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ میں بظاہر تجھ کو اپنا گھر فروخت کرر ہا ہوں، اور حقیقتاً فروخت نہیں کرتا، بلکہ ہزل کی طرح وہ فروخت کرتا ہے، اور یہی معنی بیع مضطر میں بھی پائے جاتے ہیں، اور یہ بھی حرام ہے، عندالاحناف یہ بیع فاسد ہے۔

علامہ ابن القیم جوزی (اعلام الموقعین ۱۷۰/۳) پر تحریر فرماتے ہیں کہ: ”عامۃ بیع عینہ مضطر الی نفقۃ شخص سے واقع ہوتی ہے اور مالدار انسان اس کے ذریعہ قرض دے کر اس مضطر پر قابو پالیتا ہے، اور اپنی چاہت کے موافق فیصد میں نفع کماتا ہے، اور یہ مضطر اگر سامان بائع اول کو لوٹا دیتا ہے تب تو وہ بیع عینہ ہے، اور اگر غیر اول کو فروخت کرتا ہے تو وہ تورق ہے، اور اگر وہ شی دونوں کے درمیان ثالثی کرنے والے کے پاس واپس آتی ہے تو یہ ثالثی محلل الربا کہلائے گا، اور سود خوار اور سود پیشہ لوگ ان تینوں اقسام کا سہارا لیتے ہیں، اور تینوں میں خفیف ترین ”تورق“ کی صورت ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو مکروہ گردانا ہے، اور فرمایا کہ یہ سود کی ہی ایک قسم ہے، اور امام احمد سے اس باب میں دو روایتیں ہیں اور آپ نے ایک روایت میں اس کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، یہاں تک کہ وہ بیع مضطر ہے، اور یہ حکم آپؒ کی فقاہت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ کو مضطر ہی کرتا ہے، اور ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) مسئلہ تورق سے منع فرماتے تھے اور اس بارے میں میری موجودگی میں بار بار پوچھا گیا لیکن اپ نے اجازت نہیں

دی، فرمایا کہ سود کی حرمت کا جو سبب ہے وہ بعینہ تورق میں موجود ہے۔

تورق حیلہ ربا ہے:

علامہ ابن تیمیہ (مجموع الفتاوی ۲۹ر۴۴۵) پر تحریر فرماتے ہیں اور اس کو علامہ ابن القیم الجوزی نے بھی اعلام الموقعین میں نقل فرمایا ہے:

"جن مفاسد کی وجہ سے اللہ نے ربا کو حرام قرار دیا ہے وہ ان معاملات میں بھی موجود ہے (یعنی عینہ، تورق اور اس کے ماسوا جن کا تذکرہ ہو چکا) مزید اس میں مکر و خداع اور پریشانی اور تکلیف ہے اور یہ بیع مقصود بھی نہیں، مقصود تو دراہم ہے، تو ربا پیشہ لوگوں پر مامور بہا راستہ مشکل اور طویل ہوتا ہے، تو ان کو اس طرح سے سود حاصل ہو جاتا ہے، پس یہ ایسے ربا پیشہ لوگ ہیں کہ آخرت سے پہلے دنیا میں ہی معذب ہیں"۔

التورق المصرفی المنظم:

تعریف تو ماقبل میں گذر چکی ہے، بعض اباحت پسندوں نے اس تورق کو چند شرطوں کے ساتھ مباح قرار دیا، جس کا سہارا لے کر اسلامی بینکوں میں یہ معاملہ جاری ہو گیا، لیکن آج کے دور میں نام نہاد اسلامی بینک جہاں حیلہ گری اور حیلہ سازی مغرب اور مغرب زدہ مسلمان تاجروں کے اشارہ پر چل رہی ہو، جہاں تکاثر اموال کی غرض اور اقتصادی ترقی کے عنوان سے ہر ناجائز یا عند الشرع مکروہ عمل کو مباح کے درجہ میں لانے کی کوشش ہو رہی ہو، وہاں ان شرطوں کی رعایت تو کیا بلکہ بتدریج ان شرطوں کو بھی غیر ضروری قرار دینے کی کوشش ہوگی اور آخرکار "تورق مصرفی منظم" کو بالکل بے قید بنا کر پوری اسلامی دنیا کو اس ناجائز و مکروہ عمل میں مغرب کی چاہت کے مطابق مبتلا کر کے لوگوں سے اسلامی شرعی غیر سودی اقتصادیت کو ختم کر دیں گے اور روح شریعت پکار کر رہ جائے گی، اور پھر معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا کہ جہاں سے واپس لوٹنا ناممکن سا ہو جائے گا۔

لہذا بعض اسلامی بینکوں میں فی الحال تورق کا جو رواج چل رہا ہے، وہ ناجائز ہے، رقیق دلائل سے اس کو جواز کے دائرہ میں لانا یہ شریعت محمدی سے ہزل اور بے توجہی ہے، اور

لوگوں کو مہذب طریقے سے لعنتی معاملہ میں مبتلا کر کے آخرت سے قبل دنیاوی خسارہ کے عذاب میں ڈھکیلنا ہے۔

دراصل موجودہ دور کے بعض بینک تورق کی جو صورت اختیار کئے ہوئے ہیں، وہ یہ ہے کہ بینک ایسا طریقہ کار اختیار کرتی ہے کہ مستورق یعنی مدین کے لئے ادھار ثمن کے عوض ملکی یا غیر ملکی منڈی کا سامان فروخت کرنے کا انتظام کرتی ہے، اس طور پر کہ وہ مستورق کی جانب سے دوسرے مشتری کو نقد ثمن کے عوض فروخت کرنے اور مستورق کو نقد ثمن سپرد کرنے کی نیابت کرے گا، اور یہ التزام عقد میں مشروط ہوتا ہے یا عرف وعادت کی وجہ سے اس طرح کا التزام کرنا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تورق مصرفی منظم کی صورت کے ناجائز ہونے کے چند اسباب ہیں:

۱-اول تو یہ معاملہ صحت عقد کے لئے لازم قبضہ کی شرعی شروط میں مخل ہے۔

۲-بائع کا دوسرے مشتری کو سامان فروخت کرنے کے لئے اس عقد تورق میں وکالت کا التزام کرنا یا ایسا شخص جو اس سامان کو خرید لے اس کو تیار کرنے کا التزام کرنا شرعاً ممنوع بیع عینہ کے مشابہ بنا دیتا ہے، چاہے یہ التزام دونوں کے درمیان مشروط ہو یا عرف وعادت کی وجہ سے ہو۔

گویا مذکورہ تورق منظم بینک اور متعامل کے مابین تام ہوتا ہے، نیز دوسرے مشتری کو سامان فروخت کرنے کی وکالت کو یہ عقد متضمن ہوتا ہے۔

اور اس عقد میں شریعت کی مخالفت ہے کہ مستورق خریدے ہوئے سامان پر بھی قبضہ نہیں کرتا ہے اور وہ بینک کو وکیل بنا رہا ہے، بلکہ دیکھا جائے تو یہاں فی الواقع سامان ہی نہیں ہے بلکہ محض بینک کو سامان خریدنے کی پھر اس کو نقد ثمن میں فروخت کر کے مستورق کو موجودہ ثمن عطا کرنے کی توکیل ہے۔

التورق المنظم:

تورق منظم اور مصرفی تورق منظم دونوں ایک ہی چیز ہے، بس اتنی بات ہے کہ تورق

منظم میں بائع فرد ہوتا ہے اور مصرفی تورق منظم میں بائع بینک یا کوئی مالیاتی ادارہ ہوتا ہے، اور ایک ہے تورق فردی، اس کے اور تورق منظم کے مابین تین طرح سے فرق پایا جاتا ہے:

۱-تورق منظم میں متورق کی مصلحت کی غرض سے سامان فروخت کرنے میں بائع کا واسطہ ہوتا ہے، جبکہ سامان کو فروخت کرنے سے تورق فردی میں بائع کا مطلق کوئی تعلق نہیں تھا، اسی طرح آخری مشتری سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲-متورق ثمن آجل کا مدیون بن جانے کے بعد بائع سے ثمن وصول کرنے کا ذمہ دار بنتا ہے، جبکہ تورق فردی میں متورق آخری مشتری سے براہ راست بائع کی کسی بھی طرح کی مداخلت کے بغیر ثمن پر قبضہ کرتا ہے۔

۳-تورق منظم میں جانبین سے اس بات پر مفاہمت اور موافقت ہو جاتی ہے کہ ابتداء ادھار خریدنے کا ہدف اور مقصد دیگر بیع سے حاصل ہونے والے نقد ثمن کا حصول ہے، جبکہ تورق فردی میں ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ کبھی ایسی مفاہمت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی ہے۔

تورق منظم کے باب میں فقہاء امت کے مذاہب اور آراء:

۱-امام محمدؒ نے عینہ ثنائیہ کی ایک صورت ذکر کرنے کے بعد ایک عبارت نقل فرمائی ہے جو کتاب الاصل (۵/ ۱۹۲) پر مرقوم ہے: "ولو باعه لرجل، لم يكن ينبغي له أن يشتريه بأقل من ذلك قبل أن ينقد لنفسه ولا لغيره، ولا ينبغي للذى باعه أن يشتريه أيضا بأقل من ذلك لنفسه ولا لغيره، لأنه هو البائع"

(اگر مبیع کسی آدمی کے لئے فروخت کیا تو بائع کے لئے ادائیگی ثمن سے قبل اس سے کم قیمت پر خریدنا نہ اپنے لئے جائز ہے نہ کسی اور کے لئے، اور اس شخص کے لئے جس کے لئے خریدا ہے جائز نہیں اس سے کم داموں میں اپنے لئے نہ کسی دوسرے کے لئے، کیونکہ وہ ہی بذات خود بائع ہے)۔

امام محمدؒ نے عینہ ثنائیہ کی (یعنی ایک شخص کا سامان ادھار فروخت کرنا پھر نقد ثمن کے

عوض اس کو خریدنا) کی صورت ذکر کرنے کے بعد مذکورہ بالا عبارت کو ذکر فرمایا، گویا کہ یہ واضح کرنا ہے کہ عینہ کی طرح اس کا خرید نا بھی مردود اور باطل ہے۔

(ولو باعہ لرجل) مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے آدمی کی مصلحت کے خاطر بیچا ہو، تو جو بذات خود بیع کو انجام دیتا ہے وہ مبیع کے مالک کی جانب سے نائب اور وکیل ہے۔

پھر آپ کا یہ فرمان کہ ”لم یکن ینبغی له أن یشتریه بأقل من ذلک قبل أن ینقد“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل مالک کے لئے کم داموں میں مبیع خریدنا جائز نہیں ہے۔

اب عبارت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ”اگر سامان کے مالک نے ایسے شخص کو وکیل بنایا جو اس کا نائب بن کر فروخت کرے، تو مالک کے لئے ثمن کو ادا کرنے سے پہلے کم داموں میں سامان خریدنا جائز نہیں ہوگا“۔

اور امام محمدؒ کا قول (لنفسه ولا لغیره) کا مطلب یہ ہے کہ خریدنا جائز نہیں، چاہے خریدنا اپنی ذات کے لئے ہو یا کسی دوسرے کے لئے ہو، اس سے واضح ہوتا ہے کہ سامان کا اصل مالک کے پاس واپس آنا لازم نہیں ہے، اس کے باوجود امام محمدؒ نے اس خرید کے ممنوع ہونے کا حکم فرمایا۔

پھر آپ نے فرمایا: ”ولا ینبغي للذی باعه أن یشتریه أیضا بأقل من ذلک، لنفسه ولا لغیره لأنه هو البائع“ اسی طرح آپ کا قول ”الذی باعه“ آپ کی مراد وہ وکیل ہے جو بذات خود بیع کرتا ہے مالک کا نائب بن کر تو اس صورت میں عبارت کا معنی اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس وکیل کے لئے جس نے بیع کو انجام دیا ہے بیع کو اس سے کم داموں میں خریدنا جائز نہیں ہے جتنے داموں میں وکیل نے فروخت کیا ہے، مشتری کے ثمن ادا کرنے سے پہلے۔

اور آپ کا یہ قول ”لنفسه ولا لغیره“ کا مطلب یہ ہے کہ خریدنا صحیح نہیں ہے، چاہے خریدنا وکیل کا اپنی مصلحت کے لئے ہو یا کسی اور کی مصلحت کی خاطر، اس امر کی دوبارہ وضاحت ہوگئی کہ ممانعت کا تعلق محض اس صورت کے ساتھ نہیں جس میں مبیع اصل مالک کے پاس واپس آجائے بلکہ کبھی تیسرے فرد کو فروخت کی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے یہ معاملہ تورق کی صورت

اختیار کر لیتا ہے اور عینہ ثانیہ نہیں رہتا ہے، اس سے عبارت سابقہ کے مفہوم کی تائید ہو جاتی ہے۔

اور امام محمدؒ کی عبارت کا ہم نے جو نتیجہ نکالا ہے ہمارے دیگر فقہائے حنفیہ کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق (۴ر ۵۴) میں علامہ زیلعی تحریر فرماتے ہیں:

"وكذا لو وكل رجلا ببيع عبده بألف درهم فباعه ثم أراد الوكيل أن يشتري العبد بأقل مما باع لنفسه أو لغيره بأمره قبل نقد الثمن لم يجز"

(آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کو اپنا غلام ایک ہزار درہم کے عوض فروخت کرنے کا وکیل بنایا، پھر اس نے اس کو فروخت کر دیا، اس کے بعد وکیل نے غلام خریدنے کا ارادہ کیا اس سے کم داموں میں جتنے میں اس نے فروخت کیا، ثمن ادا کرنے سے قبل، اپنے لئے یا اپنے علاوہ کے لئے اس کے حکم سے تو یہ جائز نہیں ہے)۔

علامہ زیلعیؒ کی مذکورہ تصریح کی تائید علامہ شامیؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے، جو ردالمحتار (۳ر ۱۱۴) پر مذکور ہے: "فأفاد أنه لو باع شيئا إصالة بنفسه أو وكيله، أو وكالة عن غيره ليس له شراؤه بالأقل، لا لنفسه ولا لغيره" (یعنی اگر کسی نے کوئی چیز اصالۃ بذات خود یا اس کے وکیل نے فروخت کی یا اسنے اپنے علاوہ کی وکالت کرتے ہوئے تو اس کے لئے کم داموں میں خریدنا نہ اپنے لئے جائز ہے اور نہ کسی دوسرے کے لئے)۔

علامہ زیلعی نے "شراء الوكيل لنفسه" کی ممانعت کی علت یوں بیان فرمائی ہے: "أما شراؤه لنفسه فلأن الوكيل بالبيع بائع لنفسه في حق الحقوق، فكان هذا شراء البائع من وجه، والثابت من وجه كالثابت من كل وجه في باب الحرمات" (شراء الوكيل لنفسه تو اس وجہ سے کہ وکیل بالبیع بحق حقوق اپنی ذات کے لئے بائع ہے، تو یہ من وجہ بائع کا خریدنا ہوا، اور جو چیز من وجہ ثابت ہوتی ہے باب حرمات میں وہ من کل وجہ ثابت کے درجہ میں ہے)۔

گویا کہ ممانعت اور حرمت کی علت مبیع کا بائع اول کے پاس واپس آنا نہیں بلکہ شراء ما باع لنفسہ ہے جیسا کہ یہ مذکورہ تصریح سے واضح ہوتا ہے۔

اسی طرح شراء لغیرہ کی ممانعت کی علت ان الفاظ میں بیان فرمائی: "وأما لغيره فلأن شراء المأمور واقع له من حيث الحقوق، فكان هذا شراء ما باع لنفسه من وجه" (یعنی دوسرے کے لئے خریدنا تو اس وجہ سے کہ مامور کا خریدنا من حیث الحقوق اپنے لئے واقع ہوا ہے، تو گویا کہ من وجہ اپنی مصلحت کے لئے خریدنا ہوا اس چیز کو جس کو بیچا ہے)۔

مذکورہ تمام نصوص اس امر کو موکد کرتے ہیں کہ جس شخص نے کوئی سامان ادھار فروخت کیا ہو اس کے لئے یہ سامان اپنے لئے اسی طرح دوسرے کے لئے خریدنا جائز نہیں، چاہے کوئی وکیل بن کر غیر کے فائدے کے لئے کر رہا ہو، چاہے سامان مالک اول کے پاس واپس نہ آ رہا ہو، درحقیقت اس سے تمام انواع ربا کا سدباب کرنا ہے اور تورق منظم کی تمام صورتیں اس میں داخل ہیں۔

ڈاکٹر سامی بن ابراہیم السویلم نے اپنے مقالہ میں الجامع الصغیر (ص ۳۴۷) کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کیا ہے: "رجل كفل عن رجل بأمره، فأمره أن يتعين عليه حريرا، فالشراء للكفيل، والربح الذي ربحه البائع عليه"، موصوف اس عبارت کا تجزیہ شراح کے حوالہ سے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ "یتعین" یعنی کہ عینہ کا معاملہ کرے، اور اس کا لغوی معنی بھی یہی ہے اور ماسبق میں فقہاء حنفیہ کے یہاں عینہ کی جو اصطلاحی تعریف ہے اسکا تذکرہ ہو چکا ہے، اور عینہ تورق کو شامل ہے۔

حضرت سعید بن مسیب کا ایک اثر مصنف عبد الرزاق (۸/ ۲۹۴-۲۹۵) پر مذکور ہے، اس کا ایک ٹکڑا "أريد أن تشتري متاعا عينة" اور جامع الصغیر کی عبارت کا یہ جملہ "فأمره أن يتعين عليه حريرا" یہ دونوں اس بات میں برابر ہے کہ دونوں نے عینہ کا حکم دیا ہے۔

مذکورہ نص کا مضمون یہ ہے کہ آمر کو نقد کی ضرورت ہے، تو وہ مامور سے اپنی مصلحت کی غرض سے ادھار ثمن کے عوض حریر خریدنے کا پھر ادھار ثمن سے کم نقد کے عوض اسی حالت میں حریر

پہنچنے کا مطالبہ کرتا ہے، اور مامور آمر کو نقد حوالہ کرتا ہے یا دین کفیل کو ادا کرتا ہے، اور اصل بات اس حالت میں یہ ہے کہ مامور آمر سے ادھار ثمن کا مطالبہ کرتا ہے کیونکہ آخیر میں اور نتیجہ کے طور پر تو وہی اصلا سامان کا خریدار ہے۔

لیکن امام محمد بن الحسنؒ کی رائے یہ ہے کہ مامور کے لئے آمر سے ادھار ثمن کا مطالبہ کرنے کی اجازت نہیں ہے، اسی لئے تو فرمایا "فالشراء للكفيل، والربح الذی ربحه البائع عليه"، یعنی کہ ادھار ثمن تو بائع کے مقابلہ میں مامور کے ذمہ میں ثابت ہوتا ہے اور مامور کے مقابلہ میں آمر کے ذمہ میں ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ خریدنا کفیل کے لئے ہے، آمر کے لئے نہیں، تو نفع ونقصان بھی اسی پر آئے گا، لہذا مامور آمر سے اتنے ہی نقد کا مطالبہ کرے گا جتنے نقد اس نے اس کو سپرد کئے ہیں، یا اس کی جانب سے ادا کئے ہیں بلا کسی زیادتی کے۔

اور یہ مقتضی ہے اس زیادتی کو حرام قرار دینے کا، لیکن اس معاملہ میں اصلا تو مامور آمر سے مکمل ادھار ثمن کا مطالبہ کرے گا، کیونکہ دراصل خریدنا آمر کے لئے واقع ہوا ہے کیونکہ نقد کی ضرورت آمر کو ہے مامور کو نہیں۔

اور یہ بالکل سعید بن مسیّب کے فتوی کے مطابق ہے جس میں اخت داؤد کے حکم کی وجہ سے داؤد کے خریدنے پر داؤد نے جو زیادتی لی تھی اس کو واپس کرنے کا فتوی دیا تھا، یہ روایت مصنف عبدالرزاق اور دارمی وغیرہ میں مذکور ہے جس کا حوالہ سابق میں گذر چکا ہے۔

جامع الصغیر مذہب حنفی کی معتمد کتابوں میں سے ایک ہے اور اس کتاب میں اس قول کا منقول ہونا فقہاء مذہب کے اتفاق کی دلیل ہے، یعنی کہ یہ صرف امام محمدؒ کی رائے نہیں ہے بلکہ یہ ائمہ مذہب کا متفقہ قول ہے، پس بات اتنی ہے کہ حکم کی تعلیل میں اجتہاد کیا تو علتیں مختلف سامنے آئیں، بعضوں نے یہ علت بیان فرمائی کہ ادھار اور نقد ثمن میں فرق کی وجہ سے مامور کو جو نقصان ہو رہا ہے آمر اس کی ضمانت لیتا ہے، فقہاء نے فرمایا کہ "ضمان الخسران باطل" خسارہ ونقصان کی ضمانت لینا باطل ہے، اور دیگر بعض نے یوں علت بیان فرمائی کہ یہ

مقدار سامان اور ثمن کی جہالت کے ساتھ ''توکیل'' ہے، پس یہ بھی وکالت باطلہ ہے۔

لیکن فقہاء مذہب اس امر پر تو متفق ہیں کہ مأمور بہ تو معاملہ عینہ ہی ہے جو تورق کو شامل ہے، اور یہ عندالشرع مذموم ہے۔

صاحب فتح القدیر (۶/ ۲۲۴)، اسی طرح علامہ شامی نے (۵/ ۳۴۷) پر امام محمدؒ کی اس باب میں مشہور عبارت ذکر فرمائی ہے: "هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال، ذميم اخترعه أكلة الربا" یہ بیع میرے قلب پر مثل پہاڑوں کے ہے اور مذموم ہے، جس کو سود خوروں نے ایجاد کر رکھا ہے۔

مذکورہ عبارت سے امام محمدؒ کے موقف کی تائید ہو رہی ہے، اور یہ مذہب محض عینہ ثنائیہ کو شامل نہیں بلکہ ثلاثیہ اسی طرح تورق کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

خلاصہ:

اس معاملہ کی ممانعت کا دارومدار ایک اصل صحیح پر ہے یعنی بیع عینہ کی ممانعت اور اس کی مذمت، کیونکہ ذمہ میں واجب ثمن سے اکثر کے عوض نقد کو حاصل کرنے کا یہ بیع ذریعہ بنتی ہے، لہذا اس کا مقتضی یہی ہے کہ اس کا سد باب ہو، اور وکالت بالتورق دراصل نقد کے ضرورت مند انسان کو اعانت ہے اور وکالت بالتورق ممنوع ہے، جو دلیل ہے اس بات کی کہ اس طریقہ سے نقد کو حاصل کرنا شرعاً مذموم اور ممنوع بیع عینہ کی قبیل سے ہے۔

لہذا تورق جس کا ماسبق میں تذکرہ ہوا ہے چند امور کی بنیاد پر ناجائز ہے:

۱- عقد تورق بالوکالۃ میں بائع کا دوسرے خریدار کو سامان فروخت کرنے کا التزام کرنا یا خریدار تیار کرنے کا التزام کرنا چاہے یہ التزام عقد میں مشروط ہو یا عرف وعادت کی بنیاد پر ہو، عقد کو بیع عینہ کی مشابہ بنا دیتا ہے۔

۲- یہ عقد بہت سے احوال میں صحت معاملہ کے لئے لازم اور ضروری بہت سے قبضہ شرعی کی شرطوں میں مخل بنتا ہے۔

۳-تورق ثنائیہ اور ثلاثیہ کے مابین تفریق کر کے ثلاثیہ کو خلاف اولی قرار دے کر فی الواقع امت اسلامیہ کو ربا کی مصیبت میں ڈالنا ہے، جبکہ اسلام دشمن عناصر برابر کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلامی معاشیات واقتصادیات کو کسی بھی طرح سے تہس نہس کر کے امت مسلمہ کو مذموم اور لعنتی معاملہ میں داخل اور شامل کر کے روح اسلام کو ختم کرنا ہے، اس کی اجازت دینے سے اباحت پسند طبقہ شریعت غراء کے مزاج اور اس کے تقدس کا لحاظ کئے بغیر دلیری کے ساتھ امت اسلامیہ کو ترقی کے بہانے ختم کر دے گا۔

۴-اللہ تعالی نے بیع بثمن مؤجل، بیع سلم، اجارہ اور تمویل کے دیگر طریقے جو حاجات الناس کو پورا کر سکتے ہیں مشروع کئے ہیں، پھر ایسے طریقوں کی ترغیب دینا ہی امت کے حق میں بہتر ہوگا، تو کیوں ایسے طریقوں کی رہنمائی کی جائے جس میں ربا یا شبہۃ الربا کا تحقق ہو؟

ہماری شریعت نے یقیناً معاونت خصوصاً محتاج اور ضرورت مندوں کی اعانت کا جو حکم دیا ہے، اس میں مفت اور بلا قیمت قرض فراہم کرنا بھی ہے، بلکہ یہ تو اسلامی سماج پر فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے، اگر اس کو بالکلیہ ترک کر دیا جائے اور اس کو چھوڑ کر دیگر طریقے جو جواز کے دائرے سے خارج ہوں کو اختیار کئے جائیں تو پورا اسلامی معاشرہ گنہگار ہوگا، لہذا اسلامی اداروں کو چاہئے کہ بلا قیمت قرض محتاج لوگوں کو دے کر اقتصادیات کو تقویت اور ترقی دیں۔

۵-لوگوں میں، اسلامی اداروں اور تنظیمات میں قرض حسن کا رواج عام ہو، اس کی ترغیب دی جائے، تاکہ معاشرہ سودی حیلوں سے پاک صاف اور بالکلیہ مستغنی ہو کر اپنی ضروریات پوری کر سکے اور ترقی کر سکے، اور جب یہ بات پیدا ہو جائے گی تو ہم دنیا کے سامنے (جو کہ فی الحال شدید اقتصادی بحران کا شکار ہے اور کوئی حل تلاش کر رہی ہے) اسلامی اقتصادیات کو بطور نمونہ پیش کر سکیں اور اپنا اسلامی وانسانی بلکہ آفاقی فریضہ پورا کر سکیں، جس کی دنیا کو ضرورت بھی ہے اور یقیناً متلاشی بھی ہے، اور دنیا سرمایہ دارانہ نظام کی تباہ کاری اور ہلاکتوں سے آزاد ہو۔



تورق کی شرعی حیثیت

مولانا محمد شاہجہاں ندوی ☆

اسلام معاملات کی پاکیزگی پر زور دیتا ہے، اور ایسے تمام طریقوں سے سختی سے منع کرتا ہے جو سود تک قصداً یا بلا قصد پہنچانے والے ہوں، اسی بنا پر شارع نے ان تمام چور دروازوں کو بند کر دیا ہے جو سود تک پہنچاتے ہیں، نیز سود تک لے جانے والے تمام ذرائع پر قدغن لگادی ہے، کیونکہ حرام تک لے جانے والا ہر ذریعہ حرام ہے۔

چونکہ سود انسانوں میں خودغرضی، منفعت پرستی، بخل و کنجوسی، تنگ دلی اور سنگ دلی جیسی صفات کی پرورش کرتا ہے، اس لئے اسلام کا اقتصادی نظام اس کے سایہ سے بھی دور بھاگتا ہے، اور تجارتی معاملات کو سود کے دائرہ میں آنے سے بچانے کے لئے، ان معاملات کو انجام دینے سے پہلے ان کے احکام جاننے کی ضرورت کی تاکید کرتا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: **"لایتجر فی سوقنا إلا من فقه، وإلا أكل الربا"** (مغنی المحتاج، باب الربا، ۲۲/۲ طبع دار إحیاء التراث العربی بیروت، لبنان ۱۳۷۷ھ-۱۹۵۸ء)۔

(ہمارے بازار میں وہی تجارت کرے جو احکام شریعت کا واقف کار ہو، ورنہ سود کھا بیٹھے گا)۔

اور حضرت علیؓ نے فرمایا: **"من اتجر قبل أن يتفقه، ارتطم في الربا، ثم ارتطم ثم ارتطم"** (مرجع سابق ۲۲/۲)۔

☆ استاذ جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، مالاپورم، کیرالا۔

(جو احکام شریعت سے واقف ہونے سے پہلے تجارت کرے گا، وہ سود کے بھنور میں پھنس جائے گا)۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ "لعن رسول الله ﷺ آکل الربا و مؤکله وشاهدیه و کاتبه" (مسلم، کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربا ومؤکلہ، حدیث نمبر ۱۵۹۷، وعن جابر، حدیث نمبر ۱۵۹۸، وسنن ترمذی، کتاب البیوع باب ماجاء فی أکل الربا، حدیث نمبر ۱۲۰۶، وصحیح ابن حبان، باب الربا، حدیث نمبر ۵۰۲۵، وإسنادہ حسن علی شرط مسلم کما قال شعیب الأرناؤط)۔

(رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے والے، اور اس کے دونوں گواہ اور اس کے لکھنے والے پر لعنت فرمائی)۔

اہل علم نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ "وما یشهد علیه ویکتب إلا إذا أظهر في صورة عقد شرعي، ویکون داخله فاسدا، فالاعتبار بمعناه، لا بصورته؛ لأن الاعمال بالنیات" (تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۂ بقرہ ۲۷۵، ۲/۱/۷۲۳ طبع مؤسسۃ الریان، بیروت ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷ء)۔

(جس چیز کی گواہی ہو سکے، اور اسے لکھا جا سکے، یہ اسی صورت میں ہوگا کہ اسے عقد شرعی کی شکل میں ظاہر کیا جائے لیکن اندر سے اس میں فساد ہو، چنانچہ عقد شرعی کی حقیقت کا اعتبار ہے نہ کہ صورت کا، کیونکہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے)۔

سود تک پہنچانے والا ہر حیلہ حرام ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قاتل الله الیهود، حرمت علیهم الشحوم فجملوها فباعوها" (صحیح البخاری عن ابن عباس، کتاب البیوع، باب لا یذاب شحم المیتۃ، ولا یباع ودکہ، ومسلم کتاب المساقاۃ، حدیث نمبر ۱۵۸۲)۔

(اللہ تعالی کی یہود پر لعنت ہو، ان پر چربی حرام کر دی گئی، تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچا)۔

اور ایک روایت میں ہے:"قاتل الله اليهود، حرم الله عليهم الشحوم، فباعوها وأكلوا أثمانها"(صحیح بخاری، کتاب البیوع عن أبی ہریرہ حدیث نمبر ۲۲۲۴، مسلم کتاب المساقاۃ، حدیث نمبر ۱۵۸۳)۔

(یہود پر اللہ تعالی کی لعنت ہو، اللہ تعالی نے ان پر چربی حرام کردی، پھر بھی انہوں نے اسے بیچ کر اس کا دام کھالیا)۔

اس تمہید کے بعد ہم تورق کے معنی ومفہوم، نیز اس کے شرعی احکام اور بینک کے اسے نافذ کرنے کے طریقے پر روشنی ڈالیں گے۔

تورق کے لغوی معنی:

تورق "تورق" کا مصدر ہے، ورق (راء کے کسرہ اور سکون کے ساتھ) سے ماخوذ ہے، ورق کے معنی:"الدراهم المضروبة" یعنی چاندی کے سکے کے ہیں اور تورق کے معنی "ورق" یعنی چاندی کے سکے طلب کرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے:"تورق الحيوان أي أكل الورق"(جانور نے پتے کھائے) اور بولا جاتا ہے:"استورق فلان: أي طلب الورق"(فلاں نے دراہم طلب کئے) (لسان العرب لابن منظور ۱۵/ ۱۹۵ طبع دار صادر، بیروت)۔

اور القاموس میں ہے:"تورقت الناقة: أكلت الورق، ومازلت منك موارق: قريبا مدانيا، والتجارة مورقة للمال، كمجلبة مكثرة"(القاموس المحيط للفیروز آبادی ۳/ ۲۸۹، طبع دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ- ۱۹۸۳ء)۔

(تورق الناقۃ اس وقت بولتے ہیں جبکہ اونٹنی نے پتے کھالیا ہو، او"مازلت منك موارق" کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے برابر قریب رہا، اور "التجارة مورقة للمال، "مجلبة للمال" کی طرح، اس کے معنی ہیں: تجارت مال بڑھانے والی ہے)۔

تورق کی وجہ تسمیہ:

بیع تورق کو تورق اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ادھار سامان خریدنے والا اسے بیچ کر اس

کے بدلہ ورق یعنی نقد دراہم حاصل کرتا ہے۔

تورق کی اصطلاحی تعریف:

تورق یہ ہے کہ رقم حاصل کرنے کے لئے کوئی سامان ادھار خرید کر اسے نقد بائع کے علاوہ کسی اور شخص سے کم قیمت پر بیچ دیا جائے۔ علامہ وہبہ زحیلی تحریر کرتے ہیں:

"بيع التورق: هو أن يشترى الشخص السلعة إلى أجل، ثم يبيعها لغير بائعها الأول نقدا في الحال، ويأخذ ثمنها بقصد الحصول على الدراهم" (الفقہ الإسلامي وأدلتہ، کتاب البیوع ۵/۳۴۵۷ طبع دار الفکر، دمشق، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷ء) (بیع تورق یہ ہے کہ کوئی شخص ادھار سامان خریدے پھر اسے بائع اول کے علاوہ کسی اور سے نقد بیچ دے، اور اس کا ثمن لے لے، دراہم حاصل کرنے کے قصد سے)۔

عثیمن تحریر کرتے ہیں: "شراء سلعة نسيئة ليبيعها نقدا إلى آخر غير بائعها، بأقل مما اشتراها للحصول على النقد" (الشرح الممتع علی زاد المستقنع لمحمد بن صالح بن محمد العثیمن ۱۴۲۱ھ، فصل، ومن باع ربوا بنسیئۃ واعتاض عن...... ۸/۲۱۹، المکتبۃ الشاملۃ) (کسی شخص کا رقم حاصل کرنے کے لئے، سامان ادھار خریدنا، تاکہ اسے نقد بائع کے علاوہ کسی اور شخص سے کم قیمت پر بیچ سکے)۔

مثال: کوئی شخص شادی کرنا چاہتا ہے، اس کے پاس مال نہیں ہے، سولاکھ روپے کی چیز سوالاکھ میں ادھار کسی سے خرید لے، پھر اسے بیچنے والے کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے نقد کم قیمت پر بیچ دے۔

تورق کا شرعی حکم:

۱- جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے، امام علاء الدین ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی دمشقی صالحی حنبلی تحریر کرتے ہیں: "ولو احتاج إلى نقد، فاشترى ما يساوي مائة بمائة وخمسين، فلا بأس، نص عليه، وهو المذهب، وعليه الأصحاب، وهي مسألة

التورق" (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف على مذهب الإمام احمد للمرداوی ۸۸۵ھ، ۴/ ۲۴۳ طبع دار إحیاء التراث العربي، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۹ھ)۔

(اگر کسی کو نقد رقم کی ضرورت ہو اور وہ سو روپئے کی چیز ڈیڑھ سو روپے میں خریدے، تو کوئی حرج نہیں ہے، امام احمد نے اس کی صراحت کی ہے، اور یہی مذہب ہے، اور اسی پر فقہاء حنابلہ ہیں، اور یہ تورق کا مسئلہ ہے)۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ردالمحتار'' میں ہے:''ثم قال في الفتح ما حاصله: إن الذي يقع في قلبي أنه إن فعلت صورةيعود فيها إلى البائع جميع ما أخرجه، أو بعضه، كعود الثوب إليه في الصورة المارة، وكعود الخمسة في صورة إقراض الخمسة عشر، فيكره: يعني تحريما، فإن لم يعد، كما باعه المديون في السوق، فلا كراهة فيه، بل خلاف الأولى، فإن الأجل قابله قسط من الثمن، والقرض غير واجب عليه دائما، بل هو مندوب، ومالم ترجع إليه العين التي خرجت منه، لا يسمى بيع العينة، لأنه من العين المسترجعة، لا العين مطلقا، وإلا فكل بيع بيع العينة اھ، وأقره في البحر والنهر والشرنبلالية، وهو ظاهر، وجعله السيد أبو السعود محمل قول أبي يوسف، وحمل قول محمد والحديث على صورة العود" (ردالمحتار کتاب الکفالة، مطلب: بیع العینة ۷/ ۶۱۳ - ۶۱۴، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۴ء)۔

(پھر ابن ہمام نے فتح القدیر میں جو بات کہی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: میرے دل میں جو بات آئی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر ایسی صورت اختیار کی گئی کہ جس میں بائع کی طرف تمام وہ سامان یا نقد لوٹ آئے، جو اس نے نکالا ہے یا اس کا بعض حصہ لوٹ آئے، جیسے بائع کی طرف کپڑے کا لوٹنا گذشتہ صورت میں (یعنی قرض دینے والا دس روپئے کا کپڑا پندرہ روپئے میں بیچ دے، پھر قرض خواہ سے دس روپئے میں نقد خرید لے) اور جیسے پانچ دراہم کا بائع کی طرف لوٹنا

پندرہ درہم قرض دینے کی صورت میں (جیسے قرض دینے والا پندرہ درہم قرض دے دے اور دس روپئے کا کپڑا مقروض سے پندرہ روپئے میں بیچ دے، اور دیئے ہوئے دراہم کپڑے کے ثمن کے طور پر لے لے، اور مقروض کے ذمہ میں اس کے پندرہ درہم بہ طور قرض رہ جائیں، تو اس صورت میں پانچ درہم حقیقت میں اسے لوٹ گئے، کیونکہ کپڑے کی حقیقی قیمت دس درہم ہے) تو یہ بیع مکروہ تحریمی ہوگی، سو اگر بائع کی طرف مبیع نہ لوٹے، جیسا کہ مقروض سامان بازار میں بیچ دے، تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، بلکہ یہ خلاف اولی ہے، کیونکہ میعاد کے مقابلہ میں ثمن کا ایک حصہ ہے، اور قرض ہمیشہ اس پر واجب نہیں ہے، بلکہ وہ مستحب ہے، اور جب تک وہ سامان یا نقد جو بائع سے نکلا ہے اس کی طرف نہ لوٹے، اسے ''بیع عینہ'' کا نام نہیں دیا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ لوٹائے ہوئے سامان یا نقد سے ماخوذ ہے، مطلق سامان یا نقد سے عبارت نہیں ہے، ورنہ تو ہر بیع بیع عینہ کہلائے گی، فتح القدیر کی عبارت ختم ہوئی، علامہ شامی کہتے ہیں کہ اسی کو ''البحر الرائق''، ''النہر الفائق'' اور الشر نبلالیۃ میں برقرار رکھا ہے، اور یہی ظاہر ہے، اور سید ابوالسعود نے امام ابو یوسف کے قول (کہ بیع عینہ جائز ہے) کا مصداق اسی کو قرار دیا ہے، اور امام محمد کے قول اور حدیث کا مصداق مبیع کے بائع کی طرف پھر لوٹ آنے کو قرار دیا ہے)۔

علامہ شامی نے محقق ابن ہمام سے جس صورت کے جواز کو نقل کیا ہے، وہ بعینہ ''تورق'' ہے، جسے ''عینہ'' کی بحث کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔

جمہور کے دلائل:

۱- پہلی دلیل کتاب اللہ کی یہ آیت ہے: ''وأحل الله البيع'' (البقرہ: ۲۷۵) (اور اللہ تعالی نے بیع کو حلال ٹھہرایا ہے) وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ آیت ہر بیع کی اباحت پر دلالت کرتی ہے، سوائے اس بیع کے جس کی حرمت پر کوئی معتبر دلیل ہو، اور تورق کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عقود وشروط میں اصل اباحت ہے، مگر جس کی حرمت پر کوئی دلیل قائم ہو۔

۲-دوسری دلیل وہ تمام احادیث ہیں جو بیع کی حلت پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً: یہ حدیث کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا:"اي الكسب أطيب؟ فقال: عمل الرجل بيده، و كل بيع مبرور"(مسند احمد، حدیث نمبر ۱۷۲۶۵، اور شعیب ارنؤوط کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے)(کونسی کمائی زیادہ پاکیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا، اور ہر بابرکت بیع)۔

اور تورق بھی بیع ہے، جس کی حرمت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے، اور ایک حدیث میں ہے جو ابو سعید خدری اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے اپنے عامل سے فرمایا:"بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا"(صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب إذا أراد بيع تمر بتمر خير منه، حدیث نمبر ۲۲۰۱، ۲۲۰۲)(ردی کھجور دراہم کے بدلے بیچ لو، پھر دراہم سے عمدہ کھجور خرید لو)، وجہ استدلال یہ ہے کہ تورق میں بھی دراہم حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

۳-تیسری دلیل معقول سے ہے کہ بیع تورق میں بیع کے سارے ارکان اور شرائط موجود ہیں، اور یہ دھوکہ، جہالت اور سود وغیرہ سے خالی ہے، لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ لوگوں کی مصلحت کے پیش نظر یہ بیع جائز ہو۔

تورق کے سلسلہ میں دوسرا مذہب یہ ہے کہ تورق مکروہ ہے، یہ امام احمد کی ایک روایت ہے (الانصاف ۴/ ۳۴۳) اور امام محمد بن الحسن الشیبانی کی طرف بھی کراہت کی نسبت کی گئی ہے (ردالمحتار ۷/ ۶۱۳)۔

اس مسلک کی دلیل یہ ہے کہ اس میں کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا پایا جاتا ہے، لہذا یہ بیع مکروہ ہوگی۔

تورق کے بارے میں تیسرا مذہب یہ ہے کہ تورق حرام ہے، یہ امام احمد کی ایک روایت ہے، اسی کو ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے (مرجع سابق ۴/ ۳۴۳)، اور اسی کو ابن تیمیہ کے شاگرد ابن القیم نے اختیار کیا ہے (تہذیب سنن ابی داؤد لابن القیم ۲/ ۱۵۶، من المکتبۃ الشاملۃ)۔

اور یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے (الشرح الممتع علی زاد المستقنع ۸/۵۸)۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف کراہیت کی بھی نسبت کی گئی ہے (تہذیب سنن ابی داوٗد ۲/۱۵۶)۔

اس مسلک کی دلیل یہ ہے کہ تورق مجبور کی بیع ہے، اور شریعت میں مجبور کی بیع کی ممانعت وارد ہے، ابوداوٗد نے حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ "نهى رسول الله ﷺ عن بيع المضطر، وبيع الغرر، وبيع الثمرة قبل أن تدرك" (أخرجه أبوداوٗد في البيوع والإجارات، باب في بيع المضطر برقم ۳۳۸۲) (نبی کریم ﷺ نے مجبور کی بیع اور دھوکہ کی خرید وفروخت اور پھل پکنے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے)۔

اور بیہقی اور ابوداوٗد نے بنو تمیم کے ایک شیخ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا: "سيأتي على الناس زمان عضوض، يعض الموسر على ما في يديه، ولم يؤمر بذلك، قال الله تعالى: ولا تنسوا الفضل بينكم" (البقرہ: ۲۳۷) "ويبايع المضطرون" (سنن ابی داوٗد، کتاب البیوع، باب فی بیع المضطر، حدیث نمبر ۳۳۸۲، والسنن الصغری للبیہقی، کتاب البیوع، باب کراہیۃ بیع المضطر، حدیث نمبر ۱۹۸۶، السنن الکبری للبیہقی حدیث نمبر ۱۱۴۰۴، ومسند احمد، حدیث نمبر ۹۳۷، شعیب ارنؤوط کا کہنا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے)۔

(عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ مالدار اپنے مال کو مضبوطی سے تھام لے گا، حالانکہ اسے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اور آپس میں لطف واحسان کو نظر انداز نہ کرو)، اور مجبور سے خرید وفروخت ہوگی)۔

لیکن ان احادیث سے تورق کی حرمت پر استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ ان کی اسناد ضعیف ہے، خطابی تحریر کرتے ہیں "وفي إسناد الحديث رجل مجهول، لا ندري من هو" (معالم السنن ۳/۷۵، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶ء)۔

اسی کے ساتھ ساتھ وہ علت جس کی بنا پر مجبور کی بیع سے منع کیا گیا ہے، وہ تورق میں

موجود نہیں ہے، خطابی تحریر کرتے ہیں:"بيع المضطر يكون من وجهين: أحدهما أن يضطر إلى العقد من طريق الإكراه عليه، فهذا فاسد، لا ينعقد، والوجه الآخر أن يضطر إلى البيع لدين يركبه، أو مؤنة مرهقة، فيبيع ما في يده بالوكس من أجل الضرورة، فهذا سبيله في حق الدين والمروءة أن لا يبايع على هذا الوجه، وأن لا يفتات عليه بمثله، ولكن يعان ويقرض، ويستمهل له إلى الميسرة، حتى يكون له في ذلك بلاغ، فإن عقد البيع مع الضرورة على هذا الوجه، جاز في الحكم، ولم يفسخ" (مرجع سابق ۳؍۷۴-۷۵)۔

(مجبور کی بیع دو طرح سے ہوسکتی ہے: ایک یہ کہ کسی کو مجبور و بے اختیار کر کے اس سے عقد کرایا جائے، تو ایسی بیع فاسد اور غیر منعقد ہے، ۲-دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی اس قرض کی وجہ سے جو اس پر چڑھ جائے، یا گرانبار نفقہ کی بنا پر بیع پر مجبور ہو جائے، اس لئے اپنا مال ضرورت کی وجہ سے کم دام پر بیچ دے، چنانچہ دین و مروءت کا تقاضا یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ اس طرح خرید و فروخت نہ کی جائے۔ اور اس معاملہ پر اسے مجبور نہ کیا جائے، لیکن اس کی مدد کی جائے، اور اسے قرض دیا جائے، اور وسعت ہونے تک اسے مہلت دی جائے، یہاں تک کہ اسے اس میں کفایت حاصل ہو جائے، پھر بھی اگر وہ اس طرح ضرورت کی بنا پر عقد بیع کر لے، تو قضاء جائز ہے، اور اسے فسخ نہیں کیا جائے گا)۔

ابن تیمیہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تورق سود کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے، کیونکہ سامان خریدنے والے کا قصد سامان نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کا قصد ثمن ہوتا ہے، چونکہ ظاہر کا اعتبار نہیں، بلکہ اعتبار مقاصد اور نیات کا ہے، اور مقصد چونکہ نقد رقم کا حصول ہے، تو گویا وہ نقد رقم چالیس ہزار لے کر پچاس ہزار میعادی اس کے مقابلہ میں لوٹا تا ہے، تو گویا وہ نقد کا تبادلہ نقد سے زیادتی کے ساتھ کر رہا ہے، اور یہ بعینہ سود ہے (شرح زاد المستقنع للشنقيطي محمد بن محمد المختار، حكم بيع التورق ۱۴؍۱۱ من المكتبة الشاملة)۔

لیکن ابن تیمیہؒ کی یہ عقلی دلیل بھی کمزور ہے، کیونکہ ثمن کی خاطر سامان کا خریدنا جائز ہے، جبکہ بیع اول اور ثانی میں عقد کے فریقین مختلف ہوں، اس لئے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس کی حرمت کی علت یہ ہے کہ وہ مال کی خاطر خریدتا ہے، تو ساری تجارتیں حرام ہو جائیں گی، کیونکہ ہر تاجر سامان مال کی خاطر ہی خریدتا ہے، اس کا مقصد سامان نہیں ہوتا ہے، مثلاً ایک تاجر ایک ہزار چاول کی بوری خریدتا ہے، تو اس کا مقصد چاول نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ ایک لاکھ روپے لگا کر سوا لاکھ روپے کمانا چاہتا ہے، چنانچہ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ نقد رقم کی خاطر سامان خریدنا خواہ کم قیمت والے سامان کو زیادہ میں خریدے، یا زیادہ قیمت والے سامان کو کم میں خریدے، حرمت کا متقاضی ہے، تو ہر طرح کی تجارت حرام ہوگی، لہٰذا ابن تیمیہؒ کا یہ شبہ ضعیف ہے، البتہ یہ اس حالت میں صحیح ہے کہ جس شخص سے خرید رہا ہو اسی کے ہاتھ سے بیچ رہا ہو، لیکن جب عقد کے فریق مختلف ہوں، تو شبہ ربا نہیں پایا جاتا ہے۔

راجح مذہب:

میرے نزدیک تورق اصولی اعتبار سے جائز ہے، لیکن خلاف اولی ہے، جیسا کہ محقق ابن ہمام نے اختیار کیا ہے، کیونکہ اسمیں مجبور کی مجبوری کا فائدہ اٹھانا ہے، بہتر یہ ہے کہ معاشرہ کے کمزور فرد کے ساتھ ہمدردی، غم خواری اور تعاون کیا جائے، اور اسے قرض فراہم کیا جائے۔

تورق کی قسمیں:

تورق کی دو قسمیں ہیں: ۱- تورق حقیقی: وہ یہ ہے کہ کسی شخص کو نقد رقم کی ضرورت ہو، اور وہ بینک سے میعادی (ادھار) ثمن کے بدلہ کوئی سامان خرید کر بینک کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے اسے نقد بیچ دے۔

مثال: کسی شخص کو پانچ لاکھ روپے کی ضرورت ہو، اور اسے قرض حسن دینے والا کوئی نہ ہو، چنانچہ وہ بینک سے گاڑی سات لاکھ میں ادھار خرید لے، جس کی ادائیگی کی مدت چار سال ہو، پھر گاڑی کو بازار میں بینک، اور پہلا شوروم جس سے بینک نے خریدا تھا، اس کے علاوہ کسی

سے پانچ لاکھ میں بیچ دے، تو حسب ذیل شرائط کے ساتھ یہ تورق جائز ہے:

۱- بینک سامان کا واقعتاً مالک ہو، اور گاہک سے بیچنے سے پہلے اس پر قبضہ کرلے۔

۲- قرض نہ پائے، اسی طرح سلم کے ذریعہ بھی نقد حاصل کرنا دشوار ہو، یعنی ثمن پہلے لے لے، اور مبیع بعد میں دیدے، جیسے بینک سے ایک لاکھ روپئے لے لے، اور اس کے بدلہ میں متعین مقدار میں گیہوں یا چاول یا گاڑی، جس کے اوصاف متعین کردیئے جائیں، ایک سال یا جو بھی مدت متعین ہو، اس کے بعد دیدے۔

۳- واقعی اسے اس بیع کی ضرورت ہو۔

۴- گاہک سامان اس وقت بیچے، جبکہ وہ اس کی حقیقی ملکیت میں آجائے، اور بینک سے شرعی طور سے معتبر قبضہ کے ساتھ اس سامان پر قابض ہوجائے، مثال کے طور پر کسی کو ایک لاکھ روپئے کی ضرورت ہو، اور وہ بینک سے غیر مملوک شیئرز سوا لاکھ روپئے میں قسط پر خرید لے، پھر اسے بازار میں ایک لاکھ میں نقد بیچ دے تو اس صورت میں ضروری ہے کہ شیئرز اس گاہک کے پروٹ فولیو میں ریکارڈ کئے جائیں، تاکہ ان کو بازار میں بیچنے سے پہلے شرعی قبضہ متحقق ہوجائے۔

۵- گاہک بینک سے سامان نہ بیچے اور نہ ہی اس شخص سے جس نے پہلی مرتبہ بینک سے بیچا تھا، اور نہ ہی پہلے مالک سے اس طرح کا معاملہ طے ہو، اور نہ ہی اس طرح کا عرف ہو، ورنہ بیع عینہ ہوجائے گی جو کہ حرام ہے، چنانچہ اگر بینک سے قسط پر گاڑی خریدے، تو جائز نہیں کہ بینک سے ہی اسے نقد بیچ دے، اور نہ ہی اسے شوروم سے بیچے، جس نے بینک سے پہلی مرتبہ بیچا تھا، بلکہ ان کے علاوہ کسی دوسرے سے بیچے (الشرح الممتع علی زاد المستقنع للعثیمین ۸/۵۸)۔

۲- تورق کی دوسری قسم:

تورق کی دوسری قسم "تورق منظم" یا "تورق البنوک" کہلاتی ہے، وہ یہ کہ: بینک سے ادھار سامان خریدا جائے، اور قبضہ سے پہلے ہی گاہک اس سامان کو نقد بیچنے کا بینک کو وکیل بنادے، "المسائل الطبیۃ" میں اس کی تعریف اس طرح ہے: "قيام المصرف بترتيب

عملية التورق للمشتري بحيث يبيع سلعة على المتورق بثمن آجل، ثم ينوب عنه ببيع السلعة نقدا لطرف آخر، ويسلم الثمن النقدي للمتورق على أن يسدد للمصرف أكثر من هذا الثمن مؤجلا على أقساط" (المسائل الطبية، والمعاملات المالية المعاصرة ۱/ ۴۴، من المكتبة الشاملة)۔

(بینک کا خریدار کے لئے تورق کا عمل اس طرح انجام دینا کہ ادھار گاہک سے سامان بیچ دے پھر اس کی نیابت میں دوسرے فریق سے سامان نقد بیچ دے اور نقد ثمن گاہک کے حوالہ کر دے بشرطیکہ گاہک بینک کو قسطوں میں نقد ثمن سے زیادہ ادا کرے)۔

مثلاً: کوئی شخص ایک لاکھ نقد رقم کا محتاج ہو، اور وہ بینک سے سوا لاکھ کا لوہا قسط پر خرید لے، اور بینک کو بازار میں ایک لاکھ روپئے میں اسے نقد بیچنے کا وکیل بنا دے، یا بینک سے بیچنے والے پہلے شخص کو اس کے بیچنے کا وکیل بنا دے کہ وہ اسے بیچ کر ثمن پر قبضہ کر کے اس کے حوالہ کر دے۔ واضح رہے کہ عام طور سے "تورق منظم" بین الاقوامی سامان میں ہوتا ہے، جیسے زنک (ایک قسم کی سفید دھات)، نیکل (ایک ٹھوس دھات) صفیح (لوہے کی پلیٹ) نحاس (تانبا) وغیرہ، اور کبھی ملکی سامان میں بھی ہوتا ہے، جیسے لوہا، چاول، ایئر کنڈیشن گاڑی وغیرہ۔

تورق مصرفی کا آغاز:

تورق مصرفی یا تورق منظم کا آغاز ۱۴۲۱ھ میں ہوا، اور بینک خود ہی اس بیع کے تمام امور انجام دینے لگا، یعنی خرید و فروخت کے عمل خود ہی کرنے لگا، اور گاہک کے ذمہ بس یہ رہ گیا کہ وہ چند اوراق پر دستخط کر دے، اس کے بعد ایک یا دو یا تین دن کے اندر وہ اپنے اکاؤنٹ میں طلب کردہ رقم پالے گا، اس شرط پر کہ وہ بینک کو قسط وار طلب کردہ رقم سے زیادہ ادا کر دے گا۔

عام طور سے جو سامان بینک خریدتا ہے، وہ دھات سے ہوتا ہے، اور دھات کا انتخاب اس لئے کیا گیا ہے کہ روزانہ اس کا کاروبار بڑے وسیع پیمانہ پر عالمی بازار میں ہوتا ہے (المسائل الطبية، والمعاملات المالية المعاصرة ۱/ ۴۴-۴۵، من دروس الدورة العلمية لعام ۱۴۲۵ھ، بجامع الراجحي ببريدة، من القاء الشيخ الدكتور: خالد بن علي المشيقح)۔

تورق مصرفی کی تنفیذ کا طریقہ:

ہر ہفتہ بینک اپنے گاہکوں کی ضرورت کے حساب سے سامان خریدتا ہے، اور گاہک بینک سے فلاں صفت کی دھات خریدنے کی پیش کش کرتا ہے، اور وصف کے ذریعہ خریداری اس لئے ہوتی ہے کہ عام طور سے یہ دھات باہر ملک جیسے برطانیہ وغیرہ میں ہوتی ہے، دھات کی مطلوبہ اکائیوں کی خریداری کے بعد گاہک بینک کو دھات پر قبضہ اور فروخت کا وکیل بنا دیتا ہے، گویا کہ گاہک اپنی طرف سے دھات پر قبضہ، پھر اسے تیسرے فریق سے بیچنے کا بینک کو وکیل بنا دیتا ہے، پھر بینک ان اداروں سے سامان بیچ دیتا ہے، جن سے اس کا اتفاق ہوتا ہے۔

تورق منظم اور تورق حقیقی میں فرق:

دونوں تورق کے درمیان فرق یہ ہے کہ گاہک ''تورق منظم'' میں نہ سامان پر قبضہ کرتا ہے، اور نہ ہی خود اسے بیچتا ہے، بس اس کے سامنے ایک ہی اختیار ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ بینک کو اس کے بیچنے کا وکیل بنادے، جبکہ تورق حقیقی میں گاہک کو اختیار ہوتا ہے کہ سامان کو محفوظ رکھے، یا خود بازار میں بیچ دے، اس لئے کہ اس نے اس پر کامل طریقہ پر قبضہ کرلیا ہے، جس کی بنا پر وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے۔

واضح رہے کہ کبھی بعض بینک گاہک کے سامنے تورق منظم میں متعدد اختیارات رکھتے ہیں، جیسے گاہک کو اختیار ہے کہ خود سامان پر قبضہ کرلے، یا بینک کو وکیل بنادے، یا تیسرے فریق کو وکیل بنادے، جس کا بینک سے تعلق ہو، حقیقت میں یہ اختیار حقیقی نہیں ہوتا ہے، کیونکہ تورق منظم ایسے سامان میں ہوتا ہے کہ اس پر قبضہ کرنا گاہک کے لئے دشوار ہوتا ہے یا اسمیں تصرف کرنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے، اسی وجہ سے اگر گاہک سامان پر قبضہ کرنا چاہے، تو وہ اپنے سامنے بہت سی رکاوٹیں پاتا ہے، سب سے ہلکی رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ وہ سامان میں زبردست خسارہ کا شکار ہوجائے گا، یہ ساری صورتیں اسے مجبور کردیتی ہیں کہ وہ لازما یا تو بینک کو وکیل بنادے، یا اسے جیسے بینک اختیار کرے۔

خیال رہے کہ تورق منظم اس بیع عینہ میں داخل نہیں ہے، جس کی امام شافعی نے اجازت دی ہے، کیونکہ ان کے یہاں شرط ہے کہ دونوں بیعوں میں ربط نہ ہو، اور نقد پر حصولیابی کی نیت ظاہر نہ ہو (المجموع شرح المھذب للنووی ۶۷۶ھ، فرع یجوز أن یشتری الدراھم من الصراف...... ۱۵/ ۱۲۲، طبع دار الفکر، بیروت ۱۴۲۵ھ-۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۵ء)۔

حکم شرعی:

تورق منظم حرام ہے، حرمت کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- یہ عقد سود کا حیلہ ہے، کیونکہ گاہک نے بینک سے نقد حاصل کیا اور وہ ایک مدت کے بعد زیادتی کے ساتھ وہ نقد لوٹائے گا، چنانچہ اس عقد کی حقیقت یہ ہوئی کہ گاہک کو بینک سے سود کے ساتھ قرض حاصل ہوا، اور عقد کے اندر جس سامان کا ذکر کیا گیا ہے، اسے بہ طور حیلہ لایا گیا ہے، تا کہ عقد کو جواز کا رنگ دیا جاسکے، اسی وجہ سے گاہک سامان کے بارہ میں دریافت نہیں کرتا ہے، اور نہ ہی ثمن کے سلسلہ میں بھاؤ تاؤ کرتا ہے، بلکہ سامان کی حقیقت بھی نہیں جانتا ہے، کیونکہ وہ بالکل مقصود نہیں ہے، بلکہ معاملہ سے مقصود نقد ہے، گاہک کا کردار بس یہ رہ جاتا ہے کہ چند کاغذات پر دستخط کردے، اور یہ گمان کرلے کہ وہ سامان کا مالک ہوگیا، پھر اس کے مفاد میں اسے بیچ دیا گیا اور اس کا ثمن اس کے اکاؤنٹ میں رکھ دیا گیا۔

اس لئے ہونے والی بیع صورتا ہوئی، لہذا نتیجہ یہ نکلے گا کہ نقد رقم لے کر اس سے زیادہ ادھار رقم کا تبادلہ کیا گیا، چنانچہ اس عقد کی فرضی صورت یہ ہوئی کہ گاہک اس سامان کا ثمن لیتا ہے جو اس کے لئے بیچا گیا، اور یہ حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ تورق منظم کے عقود غیر متعین سامانوں پر جاری ہوتے ہیں، جو نہ اس بینک کی ملکیت میں ہوتے ہیں، جس نے گاہک سے بیچا ہے، اور نہ ہی گاہک کی ملکیت میں ہوتے ہیں، جس نے اس کے بیچنے کا بینک کو وکیل بنایا ہے، بلکہ سپلائر کی ملکیت میں بھی بسا اوقات نہیں ہوتے ہیں، جو بینک سے بیچتا ہے، کیونکہ وہ بینک کے ساتھ اس مقدار سے زیادہ کا عقد کرتا ہے، جو اس کے پاس ہوتی ہے، جو چیز اس بات کو باور کراتی ہے کہ

سامان اور اس کے ثمن کے ساتھ سرمایہ کی مقدار مربوط نہیں ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ بینک اس بات کی پابندی کرتا ہے کہ اس رقم کو جس پر معاملہ طے ہوتا ہے، مختصر مدت میں گاہک کے اکاؤنٹ میں جمع کر دیتا ہے، جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ کسی سامان کا بیچنا خواہ کچھ بھی ہو، خطرہ کا شکار ہونے سے خالی نہیں، یا تو دام کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے، یا مشتری کے عدم وجود کی وجہ سے یا سامان میں عیب کی بنا پر، یا بیع میں تاخیر کی وجہ سے، یا دیگر اسباب کی بنا پر، ان سب کے باوجود بغیر کسی تاخیر کے وہ رقم جس پر معاملہ طے ہوتا ہے، گاہک کے اکاؤنٹ میں آ جاتی ہے۔

۲- یہ عقد بعینہ تین افراد میں گردش کرنے والا بیع عینہ ہے جو کہ حرام ہے، چنانچہ علاقائی سامان جیسے گاڑی وغیرہ میں، بینک شوروم سے گاڑی خریدتا ہے، پھر اسے ادھار گاہک سے بیچ دیتا ہے، پھر گاہک اس کے بیچنے کا وکیل شوروم کو بنا دیتا ہے، پھر شوروم اسے بینک سے بیچ دیتا ہے، پھر بینک دوسرے گاہک سے بیچ دیتا ہے، اور اس طرح گاڑی کے کاغذات سیکڑوں مرتبہ بینک، گاہک اور شوروم کے درمیان گھومتے رہتے ہیں، جبکہ گاڑی اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کرتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ معاملہ محض مال کا مال سے تبادلہ ہے، اور سامان محض بہ طور حیلہ داخل کیا گیا ہے، اور یہ گردش اگرچہ مشروط نہیں ہے لیکن معروف ہے، اور فقہاء کے یہاں قاعدہ ہے: "المعروف عرفاً کالمشروط شرطا" (شرح القواعد الفقهیہ للزرقا القاعدة الثانیة، المادة ۴۳، ار ۲۴، نیز "القاعدہ الثانیہ والأربعون المادہ: ۴۳، ار ۱۳۳)، (جو چیز عرف میں معروف ہو، وہ شرط لگا کر مشروط کرنے کے درجہ میں ہے)

اور یہی حال بین الاقوامی سامان میں ہوتا ہے کہ بینک کسی سپلائر سے دھات خریدتا ہے، اور گاہک سے بیچ دیتا ہے، پھر گاہک کا وکیل بن کر اسے پہلے سپلائر سے بیچ دیتا ہے، یا کسی دوسرے سپلائر سے، جس کا پہلے سپلائر سے اتفاق ہوتا ہے کہ وہ دھات کی ملکیت اس کی طرف منتقل کر دے گا، چنانچہ دھات سے متعلق سند قبضہ کا تبادلہ ان فریقوں کے درمیان دسیوں بار ہوتا رہتا ہے، جبکہ دھات اپنی جگہ ثابت رہتی ہے۔

۴- بینک اور گاہک میں سے ہر ایک قبضہ سے پہلے سامان کو بیچتا ہے، کیونکہ بینک کا بین الاقوامی سامان پر نہ حقیقی قبضہ ہوتا ہے، اور نہ ہی اس گودام کی اصلی رسید پر قبضہ ہوتا ہے، جس میں سامان رکھا جاتا ہے، اور جس کا ایکسچینج میں تبادلہ ہوتا ہے، اور ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتی رہتی ہے، یہاں تک کہ استعمال کرنے والے کے پاس پہنچ جاتی ہے، جس کے ذریعہ وہ خرید کردہ شی پر قبضہ کرسکتا ہے۔

اور گاہک کا تو سامان پر نہ ہی حقیقی قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی حکمی، چنانچہ وہ ایسی چیز کو بیچتا ہے جس پر اس کا قبضہ نہیں ہوتا، بلکہ جو متعین بھی نہیں ہوتی، کیونکہ بینک گاہک سے جو سامان بیچتا ہے، وہ اس کی مملوکہ اشیاء کا جز ہوتا ہے، جس کا تعین کوالٹی نمبر سے ہوتا ہے، اور یہ نمبر چھوٹی اکائیوں کے لئے نہیں ہوتا بلکہ وہ بڑی اکائی کا نمبر ہوتا ہے، جسے بینک تورق کرنے والوں پر بانٹ دیتا ہے۔

جبکہ بیع سے پہلے قبضہ لازم ہے، حکیم بن حزامؓ کی حدیث مرفوع میں ہے: "یا ابن اخي إذا اتبعت شيئا، فلا تبعه حتى تقبضه" (صحیح ابن حبان، باب البیع المنہي عنه حدیث نمبر ۴۹۸۳، شعیب ارنؤوط کا کہنا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے، نیز مسند احمد، حدیث نمبر ۱۵۳۵۱ وشرح معانی الآثار للطحاوی، باب مانہی عن بیعہ حتی یقبض حدیث نمبر ۵۲۱۴) (بھتیجے! جب کوئی چیز خریدو، تو اسے نہ بیچو، یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرلو)۔

دھات کی سند قبضہ کی کاپی یا گاڑی کے کسٹم کارڈ پر قبضہ کرنا، شرعی قبضہ کے وجود کے لئے کافی نہیں ہے، کیونکہ کاپی ملکیت کی دستاویز نہیں سمجھی جاتی ہے، بلکہ مشاہدہ یہ ہے کہ جو شوروم تورق منظم میں بینکوں کے ساتھ تعامل کرتا ہے، وہ ایک ہی وقت میں کئی بینکوں سے ایک ہی گاڑی کو بیچ دیتا ہے، اور ہر ایک کو کسٹم کارڈ کی کاپی حوالہ کردیتا ہے، کیونکہ اسے قطعی طور سے معلوم ہے کہ کوئی گاہک گاڑی حوالہ کرنے کا مطالبہ نہیں کرے گا، اور یہی حال بین الاقوامی تورق میں ہے، چنانچہ سپلائر ایک ہی دھات کو ایک ہی وقت میں کئی بینکوں سے بیچ دیتا ہے، اور اپنے پاس موجود

دھات پر قبضہ کی سند کی نقل ہر ایک کے حوالہ کر دیتا ہے۔

بینک یا سپلائر اول کو قبضہ کا وکیل بنانا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک بائع ہے، چنانچہ اصلا سامان اس کے قبضہ میں ہے، سو اگر اس کو وکیل بنانا صحیح ہو، تو پھر قبضہ کی شرط کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا ہے، الدرالمختار میں ہے:

"وفسد شراء ما باع بنفسه، أو بوكيله من الذي اشتراه، ولو حكما كوارثه، بالأقل من قدر الثمن الأول، قبل أداء كل الثمن الأول" (الدرالمختار بہامش ردالمختار ۷/۲۶۷ کتاب البیوع باب البیع الفاسد طبع دارالکتب العلمیہ، بیروت طبع اول ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۴ء)۔

(اس چیز کا خریدنا فاسد ہے، جو اس نے خود یا وکیل کے ذریعہ بیچا ہے، اس شخص سے جس نے پہلے خریدا ہے، اگرچہ حکمی اعتبار سے ہو جیسے مشتری کے وارث سے، ثمن اول کی مقدار سے کم میں پورا ثمن ادا کرنے سے پہلے خریدنا)۔

اس کی شرح میں علامہ شامی لکھتے ہیں: "قال في البحر: وأطلق فيما باع، فشمل ما باع بنفسه أو وكيله، وماباعه أصالة أو وكالة، كما شمل الشراء لنفسه أو لغيره، إذا كان هو البائع اه، فأفاد أنه لو باع شيئا أصالة بنفسه أو وكيله، أو وكالة عن غيره ليس له شراؤه بالأقل، لا لنفسه ولا لغيره، لأن بيع وكيله بإذنه كبيعه بنفسه، والوكيل بالبيع أصيل في حق الحقوق، فلا يصح شراؤه لنفسه لأنه شراء البائع من وجه، ولا لغيره؛ لأن الشراء واقع له من حيث الحقوق، فكان هذا شراء ما باع لنفسه من وجه" (ردالمختار کتاب البیوع، باب البیع الفاسد ۷/۲۶۷)۔

(البحرالرائق میں لکھا ہے کہ مصنف نے اس کے بیچنے کی صورت کو مطلق رکھا ہے، تو یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ وہ خود بیچے یا اس کا وکیل بیچے، اور اسے بھی شامل ہے، جسے وہ اصالۃ یا وکالۃ بیچے، جس طرح اس صورت کو بھی شامل ہے کہ وہ خود کے لئے خریدے یا دوسرے کے لئے

خریدے، جبکہ وہی بائع ہو (البحر الرائق کی عبارت ختم ہوئی)۔ البحر کے مؤلف کے کلام سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر وہ کوئی چیز اصالۃ خود بیچے یا اس کا وکیل بیچے، یا دوسرے کی طرف سے وکیل بن کر بیچے، کم ثمن میں وہ نہ اپنے لئے خرید سکتا ہے، اور نہ دوسرے کے لئے، کیونکہ اس کے حکم سے وکیل کا بیچنا ایسا ہی ہے، جیسے وہ خود بیچ رہا ہو، اور بیع کا وکیل حقوق کے حق میں اصیل ہوتا ہے، لہذا اس کا اپنی ذات کے لئے خریدنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک پہلو سے بائع کا خریدنا ہے، اور نہ دوسرے کے لئے خرید سکتا ہے، کیونکہ خریداری حقوق کے لحاظ سے اسی کے لئے واقع ہے، تو یہ اس چیز کو جسے اس نے بیچا ہے ایک پہلو سے اپنے لئے خریدنا ہوا)۔

نیز حدیث شریف میں ہے جو عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع......" (سنن ابی داؤد، کتاب البیوع والاجارات، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ حدیث نمبر ۳۵۰۴، سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ مالیس عندک، حدیث نمبر ۱۲۳۲، سنن النسائی، کتاب البیوع باب بیع مالیس عند البائع باسناد صحیح، حدیث نمبر ۴۶۲۸، مسند احمد حدیث نمبر ۶۶۷۱، اور شعیب ارنؤوط کا کہنا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے)۔

(قرض اور بیع کو جمع کرنا درست نہیں، اور نہ دو شرط بیع میں حلال ہیں)۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تورق مصرفی میں کئی شرطیں پائی جاتی ہیں: ۱- بینک کو بیع کا وکیل بنانے کی شرط، ۲- وکالت کے فسخ نہ کرنے کی شرط، ۳- بینک کا مشتری پر یہ شرط لگانا کہ سامان وہ ادھار زیادہ دام میں خریدے گا، ۴- بینک اس سے نقد اس کے ثمن سے کم میں بیچے گا۔

جبکہ ایک شرط بھی بیع کو فاسد کرنے کے لئے کافی ہے، خطاب تحریر کرتے ہیں: "ولا فرق في مثل هذا، بين شرط واحد وبين شرطين، أو شروط ذات عدد في مذاهب أكثر العلماء" (معالم السنن، کتاب البیوع، باب شرط فی بیع ۳/۱۲۱ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۶) (اس طرح کی مشروط بیع میں ایک یا دو یا کئی شرطوں کے درمیان اکثر علماء کے مذاہب میں کوئی فرق نہیں ہے)۔

اسی طرح تورق منظم میں بینک کو وکیل بنانا عقد وکالت کے تقاضے کے بھی منافی ہے، کیونکہ بینک وکیل کی حیثیت سے جو عمل کرتا ہے، وہ تورق طلب کرنے والے کی مصلحت کے منافی ہے، اس لئے کہ وہ سامان کو اس ثمن سے کم میں بیچتا ہے جس کے ساتھ تورق طلب کرنے والے نے خریدا ہے، چونکہ عقد کا مقصود تمام صورتوں میں مطلوب ہے، لہذا اس مقصد کے منافی کی شرط لگانا باطل ہے، اور تورق میں وکالت کا شامل ہونا شرط ہے، اگر چہ اس نے اس کی صراحت نہیں کی ہے، کیونکہ اگر یہ وکالت نہ ہوتی، تو تورق طلب کرنے والا بینک سے خریدنے کو قبول نہیں کرتا، لہذا "المعروف عرفا کالمشروط شرطا" (غمز عیون البصائر للحموی الحنفی ۱۰۹۸ھ، ۲۰۶/۴ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء) (جو چیز عرف میں معروف ہو، وہ شرط کے ذریعہ مشروط کرنے کے درجہ میں ہے)۔ اس قاعدہ کے تحت وکالت مشروط ہوئی۔

ذکر کردہ خلاف ورزیوں کی وجہ سے بیع تورق صحیح نہیں ہے، اور بیچنے سے پہلے سامان پر قبضہ کی شرط اگر چہ اختلافی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: معالم السنن ۱۱۵/۳، الموسوعۃ الفقہیہ، مادہ: بیع مالم یقبض ۱۲۳/۹، طبع پنجم ۱۴۲۵ھ)۔

مگر اس طرح کے عقود میں جن کا مقصد سرمایہ فراہم کرنا ہوتا ہے، اسے اختلافی مسائل میں سے نہ ہونا چاہئے، تاکہ عقد میں صورت پرستی سے بچا جائے، اور سود پر سرمایہ فراہم کرنے کی مشابہت سے دوری ہو۔

۴- گاہک بینک کو سامان بیچنے کا وکیل ملکیت میں آنے سے پہلے ہی بنا دیتا ہے، اور حکیم بن حزامؓ کی حدیث مرفوع میں ہے: "لا تبع ما لیس عندک" (اخرجہ ابوداؤد فی البیوع والاجارات باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ، رقم ۳۵۰۳، الترمذی رقم ۱۲۳۲، النسائی رقم ۴۶۱۳، ابن ماجہ رقم ۲۱۸۷، احمد رقم ۱۵۳۴۶ وقال شعیب ارنؤوط: حدیث صحیح لغیرہ) (اس چیز کو نہ بیچو جو تمہاری ملکیت میں نہ ہو)۔

۵- گاہک نے سامان کی ضمانت کا خطرہ مول نہیں لیا، چنانچہ سامان اس کی ضمانت میں داخل نہیں ہوا، اور عبد اللہ بن عمروؓ کی حدیث مرفوع مین ہے: "نهی عن ربح مالم

یضمن"(اخرجہ ابوداؤد فی البیوع والاجارات، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ، رقم ۳۵۰۴، الترمذی رقم ۱۲۳۴، النسائی رقم ۴۶۳۰، ابن ماجہ رقم ۲۱۸۸، احمد رقم ۶۶۷۱)(اس چیز سے نفع اٹھانے سے منع فرمایا جس کی ضمانت نہ لی ہو)۔

۶-تورق منظم ایک ایسا عقد ہے جس میں خریداری ادھار ہوتی ہے، اور بیع نقد ہوتی ہے، اور سامان کی صفت اور اس کا تعین نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر قبضہ ہوتا ہے، اور بائع سرمایہ فراہم کرنے والا ہوتا ہے، اور وہی دوبارہ بیع کا وکیل ہوتا ہے اور وہی قبضہ کا بھی وکیل ہوتا ہے، اور وہی ثمن وصول کرنے کا بھی وکیل ہوتا ہے اور نقد رقم کی ضمانت ہوتی ہے، اور بازار کی شرح سود کے بقدر میعاد کی وجہ سے زیادہ ہوتی رہتی ہے، پھر اس عقد اور سود پر سرمایہ فراہم کرنے کے درمیان فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟

۷-اس عقد میں آخری مشتری کی طرف سے ضمانت بھی ہوتی ہے کہ خواہ سامان کی قیمت بازار میں کچھ بھی ہو، وہ ایک خاص اور متعین دام میں ہی لے گا، اور اسی طرح بینک کی طرف سے بھی ضمانت ہوتی ہے کہ بازار میں خواہ دام کتنا ہی چڑھ جائے، وہ مشتری ثانی سے ہی بیچے گا اس سے پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت بیع مقصود نہیں ہے، بلکہ رقم کا حصول ہی مطلوب ہے، جسے بیع کی صورت مین جواز کا رنگ دینے کے لئے ظاہر کیا گیا ہے، اور چونکہ بیع میں اعتبار حقیقت کا ہے نہ کہ صورت کا لہذا تورق منظم درست نہیں ہے۔

سوالنامہ میں دریافت کی گئی صورت کا جواب:

پیچھے ذکر کردہ تفصیلات سے ظاہر ہوا کہ سوالنامہ میں دریافت کردہ صورت "تورق منظم" میں داخل ہے، جو شریعت میں حرام ہے، اور وہ تورق نہیں، بلکہ بیع عینہ سے قریب تر صورت ہے، اس لئے کہ جب بینک سے ہی منسلک ادارہ اسے خریدتا ہے، اور اس طرح بالواسطہ اسے ہی نفع حاصل ہوتا ہے، تو گویا بینک ہی بائع اور مشتری ہے، جو بیع عینہ کی شکل سے قریب ہے، اور بیع عینہ حرام ہے، حرمت کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"إذا ضن الناس بالدينار والدرهم، وتبايعوا بالعينة، واتبعوا أذناب البقر، وتركوا الجهاد في سبيل الله، أنزل الله بهم بلاء، فلا يرفعه حتى يراجعوا دينهم"(مسند احمد، حدیث نمبر ۴۸۲۵،اور شعیب ارنؤوط کا کہنا ہے کہ انقطاع کی وجہ سے اس کی اسناد ضعیف ہے، عطاء بن ابی رباح نے ابن عمر سے نہیں سنا، بلکہ صرف ان کو دیکھا، اور ابوبکر بن عیاش کا بڑھاپے میں حافظہ خراب ہو گیا تھا، اور باقی رواۃ ثقہ اور صحیح کے رواۃ ہیں اور ابن القطان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ زیلعی نے نصب الرایہ ۳ر۱۷ طبع المجلس العلمی میں نقل کیا ہے اور ترکمانی نے بھی الجوہر النقی ۵ر۳۱۷ میں ایسا ہی نقل کیا ہے، الجوہر النقی کی جلد اور صفحہ میں مکتبہ شاملہ پر اعتماد کیا گیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام ص۳۴۷ طبع دار إحیاء العلوم بیروت ۱۴۲۱ھ ۱۹۹۱م میں کہا ہے کہ اس کے رواۃ ثقات ہیں اور ابن القطان نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

(جب لوگ درہم و دینار میں بخل کرنے لگیں، اور بیع عینہ شروع کر دیں، اور بیل کی دم کے پیچھے ہولیں (یعنی کاشتکاری میں ایسا انہماک ہو جائے کہ فرائض سے غفلت برتنے لگیں) اور اللہ کی راہ میں جہاد ترک کر دیں، تو اللہ ان پر مصیبت نازل کرے گا، پھر اسے نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ اپنے دین کی طرف رجوع کرلیں)۔

اور ایک روایت میں ہے:"إذا تبايعتم بالعينة، وأخذتم أذناب البقر، ورضيتم بالزرع، وتركتم الجهاد، سلط الله عليكم ذلا، لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم"(سنن ابی داود، کتاب البیوع، باب فی النہی عن العینہ، حدیث نمبر ۳۴۶۲، اور حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام ص۳۴۷ میں کہا ہے کہ اس کی سند میں کلام ہے، میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ اس کی سند حسن ہے کیونکہ عطاء خراسانی ثقہ مشہور ہیں اور اسحاق عبدالرحمٰن شیخ ہیں ان سے مصر کے ائمہ جیسے حیوہ، لیث اور یحیی بن ایوب وغیرہ نے روایت کی ہے)۔

(جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے اور بیل کی دم کے پیچھے ہولو گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا، جسے نہیں اٹھائے گا، یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف رجوع کرو)۔

نیز ابواسحاق سبیعی نے اپنی بیوی سے نقل کیا ہے کہ وہ اور زید بن ارقم کی ام ولد حضرت

عائشہؓ کے پاس گئیں، اس موقع سے زید بن ارقم کی ام ولد نے کہا: "إني بعت غلاما من زيد، بثمانمائة درهم إلى العطاء، ثم اشتريته منه بستمائة درهم نقدا، فقالت لها؛بئس ما اشتريت، وبئس ما شريت، أبلغي زيداً: أن جهاده مع رسول الله ﷺ بطل إلا أن يتوب" (اخرجہ البیہقی فی السنن الکبری ۵/۳۳۵، رقم ۱۰۵۸۰، وابن الجعد فی مسندہ ۱/۸۰ رقم ۴۵۱)۔

(میں نے زید سے غلام بیچا آٹھ سو درہم میں، جس کی ادائیگی کی مدت بیت المال سے وظیفہ ملنے کی مدت رکھی، پھر میں نے ان سے نقد چھ سو درہم میں اسے خرید لیا، اس پر حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا کہ تو نے برے طریقہ سے خریدا، اور برے طریقہ سے بیچا، زید کو خبر پہنچا دو کہ ان کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا جہاد باطل ہو گیا، مگر یہ کہ وہ توبہ کریں)۔

ظاہری بات ہے کہ اس طرح کی بات حضرت عائشہؓ آپ ﷺ سے سن کر ہی کہہ سکتی ہیں۔

اس حدیث کو امام شافعی نے ضعیف قرار دیا ہے، اور علت یہ بیان کی ہے کہ ابواسحاق کی بیوی کا حال معلوم نہیں ہے (عون المعبود ۹/ ۲۶۲، طبع دار الفکر، بیروت ۱۴۲۳ھ- ۲۰۰۳م) لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث حسن درجہ کی ہے، شمس الدین ابن القیم تحریر کرتے ہیں: "قال غيره: هذا الحديث حسن، ويحتج بمثله، لأنه قد رواه عن العالية ثقتان ثبتان: أبو إسحاق زوجها، ويونس ابنها، ولم يعلم فيها جرح، والجهالة ترتفع عن الراوی بمثل ذلک، ثم إن هذا مما ضبطت فيه القصة، ومن دخل معها على عائشة، وقد صدقها زوجها وابنها، وهما من هما، فالحديث محفوظ" (مرجع سابق ۹/ ۲۶۲)۔

(اور امام شافعی کے علاوہ دیگر حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، اور اس جیسی حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اسے عالیہ سے دو ثقہ اور معتبر راوی نے روایت کیا ہے، ابواسحاق جو ان کے شوہر ہیں، اور یونس جو ان کے بیٹے ہیں، اور ان کے بارہ میں کوئی جرح معلوم

نہیں، اوراس طرح راوی سے جہالت دور ہو جاتی ہے، پھراس حدیث میں واقعہ کو پوری طرح سے ضبط کیا گیا ہے، اوران کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس کون گیا، اسے بھی ضبط کیا گیا ہے، اوران کے شوہر اور بیٹے نے ان کی تصدیق کی، اوران دونوں کا مرتبہ مخفی نہیں ہے، چنانچہ حدیث محفوظ ہے)۔

۲- اللہ تعالی نے سود حرام قرار دیا ہے، اور بیع عینہ سود کا ذریعہ ہے، بلکہ وہ اس کے قریب ترین وسیلہ سے ہے، اور حرام کا وسیلہ بھی حرام ہے، ابن مفلح (۸۸۴ھ) تحریر کرتے ہیں: "**ولأنه ذريعة إلى الربا، ليستبيح بيع الف بخمسمائة إلى أجل، والذرائع معتبرة في الشرع، بدليل منع القاتل من الإرث، ولأنه تعالى عتب على بني إسرائيل التحيل في ارتكاب مانهوا عنه**" (المبدع شرح المقنع لإبراہیم بن محمد ابن مفلح، فصل فی تفریق الصفقۃ ۴/۳۸۷ طبع دار عالم الکتب، الریاض ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۳م)۔

(اس لئے کہ وہ سود کا ذریعہ ہے، تا کہ اس کے ذریعہ ہزار کو پانچ سو کے بدلہ ادھار بیچنے کو حلال ٹھہرائے، اور ذرائع کا شریعت میں اعتبار ہے، اس دلیل سے کہ قاتل کو میراث سے محروم کردیا گیا ہے، اور اس لئے کہ اللہ تعالی نے ممنوع کے ارتکاب کے سلسلہ میں حیلہ اختیار کرنے پر بنواسرائیل کی سرزنش کی)۔

اوراس کے حرام کا وسیلہ ہونے کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس نے بیع عینہ کے بارے میں فرمایا: "**دراهم بدراهم متفاضلة، دخلت بينهما حريرة**" (تہذیب سنن ابی داؤد ۲/۱۴۲ طبع من المکتبۃ الشاملہ)۔

(یہ زیادتی کے ساتھ دراہم کا دراہم سے تبادلہ ہے، جس کے درمیان ریشم کا ٹکڑا داخل ہوگیا ہے)، اسی طرح آپ تورق منظم کے بارہ میں کہہ سکتے ہیں: "**نقد بنقد متفاضل دخل بينهما سلعة**" (یہ زیادتی کے ساتھ رقم کا رقم سے تبادلہ ہے جس کے درمیان سامان داخل ہوگیا ہے)۔

اسی طرح حضرت انس سے بیع عینہ کے بارہ میں دریافت کیا گیا، تو فرمایا: "إن الله لا یخدع، هذا مما حرم الله ورسوله" (مرجع سابق ۲/ ۱۴۸) (بے شک اللہ تعالی دھوکہ نہیں دیتا ہے، اسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے)، بلاشبہ اگر صحابی "حرم رسول الله کذا" یا "أمر بکذا" کہیں تو اہل علم کے نزدیک بالاتفاق اسے مرفوع کا حکم ہے (عون المعبود للعظیم آبادی ۹/ ۲۶۴)۔

عرف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عاقدین کا مقصد سامان کا مالک بننا نہیں ہے، بلکہ مثلاً سو کے بدلہ سوا سو حاصل کرنا ہے، اور سامان کو درمیان میں دھوکہ دینے کے لئے داخل کیا گیا ہے۔

نیت اور قصد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ایک اجنبی شخص جو عاقدین کو عقد کرتے ہوئے دیکھ رہا ہو، اس بات کا یقین کر سکتا ہے کہ دونوں کو سامان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ مثال کے طور پر سو کے بدلہ سوا سو حاصل کرنے سے دلچسپی ہے، خود عاقدین بھی یہی نیت کر رہے ہوتے ہیں، چنانچہ بہت سے حضرات عقد سے پہلے اس پر اتفاق کر لیتے ہیں، پھر اس چیز کو حلال کرنے کے لئے، جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے، بیچ میں سامان داخل کرتے ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حرام کا ذریعہ بھی حرام ہے، تو یہ بالکل واضح ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے کہ شریعت مقصد کو حرام ٹھہرائے، اور اس کی طرف جانے والی راہ کو مباح کر دے، کیونکہ یہ دو متضاد کو جمع کرنا ہوگا، لہذا لازم ہوا کہ شریعت دونوں کو حرام ٹھہرائے، چنانچہ جب یہود نے مباح وسیلہ کے ذریعہ حرام شکار کی کوشش کی، تو اللہ تعالی نے انہیں بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیا۔

خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لا ترتکبوا ما ارتکب الیهود، فتستحلوا محارم الله بأدنى الحیل" (رواہ ابن بطہ عن ابی ہریرہ باسناد حسن، کما فی تہذیب سنن ابی داؤد ۲/ ۱۴۶)۔ (اس چیز کا ارتکاب نہ کرو جس کا یہود نے ارتکاب کیا کہ تم ادنی حیلے کے ذریعہ اللہ

تعالی کے حرام کردہ امور کو حلال ٹھہراؤ)۔

نیز سود کی حرمت اس کی حقیقت کی بنا پر ہے، لہذا بیع کی صورت میں نام بدلنے سے اس کی حرمت زائل نہ ہوگی، جیسے یہود کے لئے چربی کی حرمت پگھلانے کی صورت میں نام بدلنے سے زائل نہیں ہوئی۔

اس بات کی دلیل کہ عقد کی صورت کے ساتھ مقصد پر بھی نظر ہونی چاہئے، یہ ہے کہ اللہ تعالی نے یہود پر چربی کو حرام ٹھہرایا تھا، اورانہوں نے اس کے ثمن سے فائدہ اٹھایا، پھر بھی ثمن حلال ٹھہرانے پر اللہ تعالی نے ان پر لعنت کی اگرچہ ثمن کی حرمت کی صراحت نہیں کی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مقصد پر بھی نظر لازم ہے۔

۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ امام اوزاعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "يأتي على الناس زمان، يستحلون الربا بالبيع يعني العينة" (رواہ ابن بطہ، کمافی تہذیب سنن ابی داؤد ۲ / ۱۵۳) (لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ بیع عینہ کے ذریعہ سود کو حلال ٹھہرائیں گے)۔

یہ اگرچہ مرسل ہے لیکن تقویت پہنچانے کی صلاحیت رکھتی ہے، خاص طور سے اس صورت میں کہ ذکر کردہ احادیث مرفوع سے اس کی تقویت ہو رہی ہے۔

۴۔ چوتھی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من باع بيعتين في بيعة، فله أو كسهما أو الربا" (اخرجہ ابوداؤد فی الاجارۃ، باب فیمن باع بیعتین فی بیعۃ رقم ۳۴۵۸) (جو ایک بیع میں دو بیع کرے گا، تو اسے ان دونوں کا کمتر ملے گا، یا سود میں پڑے گا)۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی سے کہے کہ میں تجھے سو روپئے میں یہ سامان ادھار ایک سال کے ختم پر ادائیگی کی شرط پر بیچ رہا ہوں، اس شرط پر کہ میں تجھ سے نقد (۸۰) روپئے میں خرید رہا ہوں، چنانچہ اس میں اس نے ایک مبیع اور ایک عقد میں نقد اور ادھار کے دو عقد جمع کر دیئے، اور مقصد نقد درہم کو زائد ادھار درہم کے بدلہ بیچنا ہے، اور ایسی صورت میں عقد فاسد ہونے کی وجہ

سے، اسے اصل سرمایہ ملے گا، جو کہ دو عقد کا کم تر ہے، اور اگر وہ عقد فسخ نہیں کرتا ہے اور زائد رقم لیتا ہے تو اس نے سود لیا۔

۵- پانچویں دلیل وہ ہے جسے علامہ شامی نے زیلعی سے نقل کیا ہے: "أن الثمن لم يدخل في ضمان البائع قبل قبضه، فإذا عاد إليه عين ماله بالصفة التي خرج عن ملكه، وصار بعض الثمن قصاصا ببعض، بقي له عليه فضل بلا عوض فكان ذلك ربح مالم يضمن، وهو حرام بالنص" (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، قبیل: مطلب: الدراہم والدنانیر جنس واحد في مسائل ۷/۲۶۸) (کہ ثمن بائع کی ضمانت میں اس پر قبضہ کرنے سے پہلے داخل نہیں ہوا، تو جب بائع کی طرف اس کا عین مال اسی صفت کے ساتھ لوٹ گیا، جس کے ساتھ اس کی ملکیت سے نکلا تھا، اور بعض ثمن بعض کے بدلہ میں ہوگیا، تو اس کے لئے اس پر بلا عوض زیادتی باقی رہی، تو یہ اس چیز سے نفع اٹھانا ہوا، جو اس کی ضمانت میں داخل نہیں ہوئی، اور یہ نص سے حرام ہے)۔

تورق منظم میں اور بھی خرابیاں ہیں جو پیچھے گذر چکی ہیں، لہذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں، بلکہ بعض وجوہ سے تورق منظم "بیع عینہ" سے سے بھی قبیح تر ہے، تفصیلات پیچھے گذر چکی ہیں، نیز اس بیع کو اختیار کرنے میں اسلامی بینکوں کے مقاصد پر کئی پہلوؤں سے پانی پھیرنا ہے۔

۱- سرمایہ فراہم کرنے میں سودی بینکوں کے طریقے کی مشابہت ہے۔

۲- سرمایہ کاری کے دوسرے طریقوں سے بے اعتنائی ہے۔

۳- اسلامی اور سودی بینک کے درمیان اشتباہ ہے۔

۴- مشارکت، مضاربت اور سلم وغیرہ کے ذریعہ سرمایہ کاری کر کے سرمایہ فراہم کرنے کی طرف اسلامی بینکوں کو رخ دینے کی جو کوشش ہو رہی ہے ان کو پامال کرنا ہے۔

۵- مسلمانوں کے مال کو دوسروں کے قبضہ میں دینا ہے، کیونکہ عام طور سے ''تورق منظم'' کی تجارت بین الاقوامی بازار میں ہوتی ہے۔

خلاصہ بحث:

۱-تورق حقیقی میرے نزدیک جائز ہے، لیکن خلاف اولی ہے، جیسا کہ محقق ابن ہمام نے اختیار کیا ہے۔

۲-تورق منظم ناجائز ہے۔

۳-سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت ''تورق منظم'' میں داخل ہے، اور ناجائز ہے۔



تورق-صورتیں اور احکام

مفتی محمد شوکت ثناء قاسمی☆

تورق کی تعریف:

عام طور سے تورق کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کسی چیز کو ادھار خرید کر بائع اول کے علاوہ کسی اور سے اس قیمت سے کم میں نقد فروخت کرنا تاکہ جو رقم حاصل ہو اس سے مشتری اپنے ضروریات کی تکمیل کر سکے، مثلاً: زید کو نوسو روپے نقد کی ضرورت ہے اس نے زاہد سے ایک ہزار روپے کا کوئی سامان ادھار خرید کر بکر سے نوسو روپے میں نقد فروخت کرتا ہے تاکہ نقد رقم کی ضرورت پوری ہو سکے۔

تورق سے ملتی جلتی شکل بیع عینہ کی ہے، البتہ بیع عینہ سے مراد کیا ہے اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ بیع عینہ میں خریدار جس شخص سے کوئی سامان زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے، اسی شخص سے کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے، مثلاً: ''الف'' ''ب'' کے ہاتھ ایک سامان ایک ہزار روپے پر ادھار فروخت کرے اور وہی سامان اس سے نوسو روپے میں خرید لے، تو یہ صورت بیع عینہ کی ہوئی کہ ''الف'' کا سامان اس کے پاس واپس آ گیا، نوسو روپے اسے دینے پڑے اور کچھ مہلت کے بعد اسے ایک ہزار روپیہ واپس ملے گا، تو یہ بظاہر خرید و فروخت ہوگی؛ لیکن عملاً نوسو روپے قرض دیکر ایک ہزار روپے کی وصولی ہوگی جس کا سود ہونا ظاہر

☆ مفتی و استاذ شعبہ تربیت افتاء جامعہ عائشہ نسواں، داراب جنگ کالونی، مادنا پیٹ، حیدر آباد۔

ہے (قاموس الفقہ ۴/۴۲۵)۔

علامہ شامیؒ نے عینہ کے سلسلے میں دو اور تعریفیں نقل کی ہیں: ایک یہ کہ کوئی شخص قرض لینے کے لئے آئے اور قرض دہندہ قرض دینے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا؛ کیونکہ اس کو اس سے کوئی مادی نفع حاصل نہیں ہوتا ہے، چنانچہ اس نے ضرورت مند سے کہا کہ میں قرض تو نہیں دوں گا، البتہ فلاں شی تم سے مثلاً: بارہ روپے میں فروخت کرسکتا ہوں، حالانکہ وہ شئی بازار میں دس روپے میں ملتی ہے، چنانچہ ضرورت مند بارہ روپے میں خرید کر اس کو دس روپے میں بیچ دیتا ہے، اس طرح قرض دہندہ کو قرض کی وصولی کے وقت دو روپے کا نفع حاصل ہو جائے گا۔

”تفسيرها: أن يأتي: الرجل المحتاج إلى آخر ليستقرضه عشرة دراهم ولايرغب المقرض في الإقراض طمعاً في فضل لايناله بالقرض فيقول: لاأقرضك ولكن أبيعك هذالثوب إن شئت باثني عشردرهما وقيمته في السوق عشرة ليبيعه في السوق بعشرة فيرضى به المستقرض فيبيعه كذلك، فيحصل لرب الثوب درهمان وللمشترى قرض عشرة“ (حاشیہ ابن عابدین ۷/۴۲۱، مطلب فی بیع العینہ)۔

علامہ شامی نے بیع عینہ کی دوسری صورت یہ ذکر فرمائی ہے کہ جس سے قرض کا مطالبہ کیا جارہا ہے وہ دس روپے کی چیز طالبِ قرض سے بارہ روپے میں بیچ دے اور قرض دہندہ اپنے درمیان ایک شخص کو رکھے جس شخص نے حاجتِ قرض کی وجہ سے دس روپے کی چیز بارہ روپے میں خرید کی تھی وہ درمیانی شخص سے اس کو دس روپے میں بیچ دے، پھر درمیانی شخص پہلے شخص کو دس روپے میں وہی چیز فروخت کردے، اس طرح پہلے شخص کو اپنی چیز بھی واپس مل گئی اور دس روپے دے کر بارہ روپے حاصل ہو گئے۔

”وقال بعضهم: هى أن يدخلا بينهما ثالثاً فيبيع المقرض ثوبه من المستقرض باثنى عشردرهما ويسلمه إليه ثم يبيعه المستقرض من الثالث

بعشرة ويسلمه إليه ثم يبيعه الثالث من صاحبه وهوالمقرض بعشرة ويسلمه إليه ويأخذ منه العشرة ويدفعها للمستقرض فيحصل للمستقرض عشرة ولصاحب الثوب عليه اثنا عشر درهماً" (حاشیہ ابن عابدین ۷/۴۲۱، مطلب فی بیع العینہ)۔

علامہ دردیر مالکی نے بیع عینہ کی شکل یہ لکھی ہے کہ مثلاً: "الف" نے "ب" سے کوئی چیز خریدکرنی چاہی جو "ب" کے پاس موجودنہیں ہے، "ب" "الف" کا آرڈر لے کردوسری جگہ سے کم قیمت میں وہی سامان خرید کر "الف" کے ہاتھ زیادہ قیمت میں فروخت کردے (الشرح الصغیر ۳/۱۲۹)، علامہ دردیر نے مذکورہ صورت کو جائز قرار دیا ہے۔

سیدنا امام ابو یوسف نے بیع عینہ کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ اس کو باعث اجر بتایا ہے: "العينة جائزة مأجور من عمل بها" (حاشیہ ابن عابدین ۷/۴۲۱)، سیدنا امام محمد کا بیان ہے کہ میرے قلب پر یہ معاملہ پہاڑ کی طرح گراں محسوس ہوتا ہے، یہ ایک مذموم صورت ہے جسے سود خوروں نے ایجاد کیا ہے، اور علامہ شامی نے علامہ ابن ہمام سے نقل کیا ہے کہ یہ محض خلاف اولیٰ ہے (حوالہ سابق)۔

بیع تورق کی اصطلاح عام طور سے فقہاء حنابلہ کے یہاں پائی جاتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم اور مرعی بن یوسف نے ذکر کیا ہے (مجموع الفتاوی ۲۹/۴۴۲، اعلام الموقعین ۳/۸۲، غایۃ المنتہی ۲/۲۰-۲۱)۔

حنفیہ اور شافعیہ نے بیع تورق کو بیع عینہ اور فقہاء مالکیہ نے بیع الآجال کے تحت ذکر کیا ہے، بیع تورق کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، ایک جماعت کی رائے ہے کہ بیع تورق جائز ہے تو دوسری جماعت کی رائے ہے کہ بیع تورق جائز نہیں ہے۔

مجوزین حضرات:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، سیدنا امام ابو یوسف، سیدنا امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق سیدنا امام احمد بن حنبل ان حضرات نے بیع تورق کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ امام ابو یوسف "

نے اس کو باعث اجر بتایا ہے، اور مختلف صحابہ کرام سے بھی یہ ثابت ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

جمهور العلماء على إباحته سواء من سماه تورقا وهم الحنابلة أومن لم يسمه بهذ الاسم وهم من عدا الحنابلة "(موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۶)۔

"فتاوی الشبکۃ الاسلامیۃ" میں ہے:

"التورق جائز عند جمهور العلماء" (تورق جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے)

(فتاوی الشبکۃ الاسلامیہ ۱/۴۶۰)۔

علامہ عبدالعزیز بن باز لکھتے ہیں:

(بہرحال بیع تورق تو یہ ربا کے قبیل سے نہیں ہے..........اور یہ جائز ہے) (مجمع الفتاوی لابن باز ۱۹/۲۴۵)۔

مانعین حضرات:

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ، سیدنا امام محمد بن حسن شیبانیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ، فقہاء مالکیہ اور ایک روایت کے مطابق سیدنا امام احمد بن حنبلؒ ان حضرات نے بیع تورق کو درست قرار نہیں دیا (موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۸، مجموع الفتاوی، اعلام الموقعین ۳/۸۲)۔

مجوزین کے دلائل:

مجوزین حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل کی بنیاد پر بیع تورق کو جائز قرار دیا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "أحل الله البيع وحرم الربا" (سورۂ بقرہ:۲۷۵) (اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا)۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیع کی تمام صورتوں کو جائز قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس آیت میں لفظ "البیع" پر الف لام استغراق کے لئے ہے جو بیع کی تمام صورتوں کو شامل ہے، البتہ قرآن اور سنت میں بیوع کے جن اقسام کو ممنوع و ناجائز قرار دیا وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، بیع تورق

بھی ان حلال بیوع کے قسموں میں سے ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے، کیونکہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا تحصیل دار مقرر کیا وہ ایک عمدہ قسم کی کھجور لے کر آیا آپ نے فرمایا: کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ اس نے عرض کیا؟ نہیں، یارسول اللہ! خدا کی قسم ہم اس کھجور کا ایک صاع دو صاع دوسری کھجور دے کر اور دو صاع دوسری کھجور کے تین صاع دے کر لیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، ردی کھجور کو پہلے درھم کے عوض بیچ ڈال پھر درھم سے عمدہ کھجور خرید لے

عن أبی هريرة ﷺ أن رسول الله ﷺ استعمل رجلاً من خيبر فجاء ه بتمر جنيب، فقال رسول الله ﷺ: أ كل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله يا رسول الله! إنا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة، فقال: لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا" (بخاری اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ: ۲۰۵۰)۔

عامل خیبر نے عمدہ کھجور حاصل کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ شریعت کے مطابق نہیں تھا؛ کیوں کہ کھجور کی بیع کھجور کے عوض اس میں برابر سرابر ہونا لازم ہے، کم تر اور بہتر کا کوئی فرق نہیں ہوگا، اس لیے رسول اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور اس سے بچنے کے لیے ایک جائز حیلہ ارشاد فرمایا کہ جو بھی کھجور ہے اس کو پہلے دراہم کے عوض فروخت کردے، پھر اس سے عمدہ اور تازہ کھجور خرید لو، ردی کھجور کو دراہم کے عوض فروخت کرنا یہ بھی درحقیقت عمدہ کھجور حاصل کرنے کے لیے ہے، لیکن ظاہری صورت بدلنے کی وجہ سے حکم تبدیل ہو جاتا ہے، چنانچہ اس صورت میں بیع کے سارے شرائط وارکان کے پائے جانے اور شبہ ربوا کے نہ پائے جانے کی وجہ سے یہ بیع بلا کراہت کے درست ہوگئی، اسی طرح بیع تورق میں بھی بیع کے تمام ارکان وشرائط متحقق ہوں اور فساد وبطلان کی کوئی وجہ نہ پائی جائے تو اس کی اجازت اور گنجائش ہونی چاہئے۔

۳۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں یہ بیع ناپسندیدہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ بہت سارے

صحابہ نے کیا ہے، اور اس کی ستائش کی ہے اور ربا میں شمار نہیں کیا ہے۔

" قال أبو یوسف: لایکره هذا البیع ؛لأنه فعله کثیر من الصحابة وحمد واعلی ذالک ولم یعدوه من الوبا" (حاشیہ ابن عابدین: مطلب بیع العینہ)۔

۴- عقود و معاملات میں اصلاً اس کا جائز و مباح ہونا ہے جب تک کہ اس کی حرمت و ممانعت پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو جائے، چنانچہ علامہ ابن قیم تحریر کرتے ہیں:

"الأصل فی العبادات البطلان حتی یقوم دلیل علی الأمر والأصل فی العقود والمعاملات الصحة حتی یقوم دلیل علی البطلان والتحریم" (اعلام الموقعین عن رب العالمین: القیاس معناہ واقسامہ)۔

بیع تورق بھی ایک عقد و معاملہ ہے جس کی حرمت و ممانعت پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے، اس لیے اس ضابطہ اور اصول کے پیش نظر اس کی بھی اجازت ہونی چاہئے۔

مانعین کے دلائل:

مانعین حضرات نے درج ذیل دلائل کی بنیاد پر بیع تورق کو ناجائز قرار دیا ہے۔

۱- حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم بیع عینہ کرو گے اور گائے بیل کے دم میں تھامو گے اور کھیتی سے خوش رہو گے، اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت ڈالے گا تم سے ذلت کو دور نہیں کرے گا، یہاں تک کہ پھر دین پر قائم ہو جاؤ۔

"سمعت رسول الله ﷺ یقول: إذاتبایعتم بالعینة وأخذتم أذناب البقرورضیتم بالزرع وترکتم الجهادسلط الله علیکم ذلاً لاینزعه حتی ترجعوا إلی دینکم" (ابوداؤد: باب فی النہی عن العینۃ: ۳۰۰۲، مسند احمد: ۴۵۹۳، مسند ابن عمر)۔

۲- حضرت ابواسحاق فرماتے ہیں کہ میری بیوی اور زید بن ارقم انصاری کی ام ولد حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور زید ابن ارقمؓ کی ام ولد نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا: اے

ام المومنین! میں نے زید بن ارقم سے ایک غلام ۸۰۰ درہم میں ادھار بیچا ہے اور انہیں سے میں نے ۶۰۰ درہم میں نقد خرید لیا ہے، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا ہی بدتر خرید وفروخت ہے، زید بن ارقم کو میری جانب سے اطلاع کردو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا جہاد فی سبیل اللہ باطل ہو گیا مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے (سنن دار قطنی: ۳۰۴۶، سنن کبریٰ للبیہقی: ۱۱۱۱۲)۔

مانعین حضرات کے نزدیک بیع تورق بھی بیع عینہ کی ایک شکل ہے اور جس طرح بیع عینہ ممنوع ہے، اسی طرح بیع تورق بھی ممنوع و ناجائز ہوگا، اس لیے کہ مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔

۳- شریعت میں مضطر کی بیع کو پسند نہیں کیا گیا ہے، بیع تورق بھی بیع مضطر کی ہی ایک شکل ہے، اسی لیے اس کی بھی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

علامہ ابن قیمؒ بیع عینہ اور بیع تورق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بیع عینہ اور بیع تورق کے شکار عام طور سے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو نقد کی شدید ضرورت ہو اور کوئی قرض حسنہ دینے والا نہ ہو، اس صورت میں اگر خرید کی گئی چیز براہ راست پھر بائع اول کے ہاتھ پہنچ گئی تو یہی بیع عینہ ہے (جو ممنوع ہے) اور اگر خرید کی گئی چیز کسی دوسرے کے ہاتھ (کم قیمت پر فروخت کی گئی) تو یہ بیع تورق ہے اور اگر کوئی تیسرا شخص بائع اول اور مشتری کے درمیان داخل ہو تو یہ محلل رہا ہے، سود خوروں کے درمیان یہ تینوں ہی صورت رائج ہیں، اس میں سے سب سے کم قباحت بیع تورق میں ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے بیع تورق کو مکروہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ سود کی ہم شکل ہے، امام احمد نے ایک روایت کے مطابق اس کو مکروہ قرار دیا ہے............ ہمارے شیخ (علامہ ابن تیمیہ) بیع تورق سے منع کرتے تھے، آپ سے کئی مرتبہ اس کے بارے میں سوال کیا گیا اور میں وہاں موجود تھا آپ نے اس کی قطعاً اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ جس بنیاد پر سود حرام ہے وہ ساری بنیادیں اس میں موجود ہیں اور اس میں سامان خرید نے اور کم قیمت پر سامان فروخت کر کے نقصان اٹھانے کی کلفت و تکلیف بھی ہے، اور شریعت کبھی کم تر

نقصان اور ضرر کو حرام اور اس سے بڑا نقصان وضرر کو حلال قرار نہیں دیتی (اعلام الموقعین: فصل فی تحریم الحیل)۔

علامہ ابن قیم کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ سود خواروں کے یہاں رائج یہ تینوں طریقے ناجائز ہیں۔

سیدنا امام احمد بن حنبل نے بیع تورق کی کراہت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیع تورق بیع مضطر ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے (تہذیب السنن مع عون المعبود: باب فی النہی عن العینۃ)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع مضطر سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد: باب فی المضطر: ۵: ۲۹۳، سنن صغری للبیہقی باب کراہۃ بیع المضطر)۔

۴- بیع تورق ایک حیلہ اور سود حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے چند دراہم کے عوض اس سے زائد دراہم ایک مدت تک ادھار لینے کو جائز قرار نہیں دیا؛ کیونکہ اس میں محتاج کو ضرر اور اس کے مال کو باطل طریقہ پر استعمال کرنا ہے، اور یہ چیز بیع تورق میں بھی موجود ہے (کیوں کہ بیع تورق کا مقصد بھی دراہم حاصل کرنا ہے) اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس کی نیت کرے، اور اللہ تعالیٰ نے بیع وشراء کو حلال قرار دیا ہے، بشرطیکہ مشتری کا مقصد تجارت ہو، اگر صرف درہم ودنانیر حاصل کرنا مقصود ہو تو اس میں کوئی خیر نہیں۔

"إن التورق أصل الربا، فإن الله حرم أخذ دراهم بدراهم أكثر منها إلى أجل لما فى ذلك ضرر المحتاج وأكل ماله بالباطل وهذا المعنى موجود فى هذه الصورة وإنما الاعمال بالنيات وإنما لكل امرء مانوىٰ، وانما الذى أباحه الله البيع والتجارة وهوأن يكون المشترى غرضه أن يتجر فيها، فاما اذا كان

قصده مجرد الدراهم بدراهم أكثر منها، فهذا لاخير فيه" (مجموع الفتاوی: سئل عمن تداین دینا فدخل بہ السوق ۲۹ر ۴۳۳)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک نیت عقود ومعاملات میں موثر ہوتی ہے، اور عقود ومعاملات میں معانی ومقاصد کا اعتبار ہے نہ کہ الفاظ وتعبیر کا، چونکہ متورق کا مقصد نقد دراہم ودنانیر کو اس سے زائد ادھار قرض کے ذریعہ حاصل کرنا ہے، اور یہ ربا نسیئہ ہے جو کہ جائز نہیں ہے، گویا کہ تورق ایک حرام کو حلال کرنے کا حیلہ ووسیلہ ہے۔

۵- بیع تورق کی ممانعت مختلف سلف وصالحین سے بھی ثابت ہے، مثلاً: سعید بن المسیبؒ، حسن بن یسار بصریؒ اور امام مالک وغیرہ (مصنف عبدالرزاق: ۵۲۷۴، المدونہ ۹ر ۱۷۹)۔

مانعین کے دلائل پر ایک نظر:

مانعین حضرات نے جن نصوص کو بیع تورق کی حرمت کے سلسلے میں پیش کیا ہے وہ یا تو صریح نہیں یا صحیح نہیں۔

پہلی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس کو امام ابوداؤد نے ذکر کیا ہے، اس میں ایک راوی اسحاق بن اسید ابو عبدالرحمان خراسانی ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں: شیخ لیس بالمشهور، امام ابو احمد بن عدی فرماتے ہیں: مجہول ہے، امام منذری فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند میں اسحاق بن اسید راوی ہے جس کی حدیث قابل استدلال نہیں، نیز اس میں عطاء خراسانی بھی ہے جس کے بارے میں محدثین کو کلام ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب ۱ر ۱۹۸، عون المعبود ۷ر ۴۵۳، تلخیص الحبیر ۳ر ۴۸)۔

اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے بیع تورق کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے، بلکہ بیع عینہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالمحسن العباد لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور یہ حدیث بیع عینہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، اور آج کل بہت سارے لوگ بیع عینہ کرتے ہیں اور بعض حضرات اس کی حرمت کے باوجود ان سے باز

نہیں آتے ، اور اگر کوئی شخص کوئی سامان ایک ہزار ریال میں ادھار خرید کر کسی دوسرے شخص سے نو سو ریال میں نقد فروخت کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ، اور یہ بیع تورق ہے ، بیع عینہ یہ ہے کہ سامان تجارت کو اس شخص سے بیچا جائے جس سے خریدا گیا ہے ۔ **هذا الحديث اسناده صحيح، وهذا يدل على تحريم بيع العينة، وكثير من الناس اليوم يتعاملون بها، وبعضهم يعلم بحرمتها ولايترك التعامل بها! ولو ان شخصاً اشترى سلعة بألف ريال مؤجلة ثم باعها إلى بائع آخر بتسع مائة ريال معجلة ، هذه المعاملة لاباس بها، وتسمى مسالة التورق، فبيع العينة أن يبيعها على من اشتراها منه، وأما التورق فهو أن يبيعها على شخص آخر"** (شرح سنن ابی داؤد: عبدالمحسن للعباد)۔

دوسری دلیل: ابو اسحاق سبیعی کی روایت ہے: علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس کی سند کمزور ہے ، امام شافعی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے ابو اسحاق سبیعی کی بیوی عالیہ مجہول ہے (الدرایہ ۲/۱۵۱، المدونۃ الکبری شرح وتخریج السنن ۱/۲۰۶، موسوعۃ التخریج ۱/۲۲۰۸۴)۔

اگر اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا جائے تو بھی بیع تورق کا عدم جواز ثابت نہیں ہوسکتا ہے ، بلکہ اس کا تعلق بیع عینہ سے ہوگا جیسا کہ علامہ عبدالمحسن العباد کی عبارت گذر چکی ہے۔

تیسری دلیل: بیع تورق بھی بیع مضطر کی ایک شکل ہے: یہ دلیل بھی قابل غور ہے ، علاوہ ازیں اس روایت کی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ علامہ منذری فرماتے ہیں اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہے ، علامہ عبدالحق فرماتے ہیں: یہ حدیث ضعیف ہے ، علامہ ابن القطان فرماتے ہیں: صالح بن عامر اور تیمی دونوں مجہول ہیں ، علامہ خطابی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے (عون المعبود ۷/۳۶۶، باب النہی فی بیع المضطر ، فیض القدیر ۶/۳۰۶، معالم السنن ۳/۸۷)۔

چوتھی دلیل: بیع تورق ایک حیلہ اور سود حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ یہ دلیل بھی قابل غور ہے ، ممکن ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کے زمانہ میں بیع تورق سود حاصل کرنے کا وسیلہ اور

حیلہ رہا ہو، لیکن موجودہ دور میں تو حرام سے بچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس لئے کہ متورق کی نیت کسی حرام کے ارتکاب کی نہیں ہوتی ہے، بلکہ حرام سے بچنے کی ہوتی ہے، کیونکہ اس زمانہ میں حرام طریقہ سے نقد رقم حاصل کرنا مشکل نہیں۔ اور نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إنما الأعمال بالنیات وإنما لکل امرئ ما نوی''، اگر متورق کی نیت بیع تورق سے حلال طریقہ سے رقم حاصل کرنا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

خلاصہ بحث:

مانعین کے دلائل کا ایک تنقیدی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلائل یا تو صریح نہیں یا صحیح نہیں؛ اس لیے بیع تورق کو مطلقاً ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، لیکن مجوزین کے دلائل بھی قابل غور اور کلام سے خالی نہیں، اس لیے میری ناقص رائے کے مطابق عام حالات میں منظم شکل میں بیع تورق کو جائز قرار دینا بھی مناسب نہیں؛ کیوں کہ اس سے مفاسد کا دروازہ کھلے گا، البتہ حقیقی بیع تورق کی مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ اجازت دی جاسکتی ہے:

۱- مستورق کو واقعی نقد کی ضرورت ہو۔

۲- نقدی کا محتاج شخص کے لیے دوسرے مباح طریقے مثلاً: قرض حسنہ وغیرہ کے ذریعہ رقم حاصل کرنا ممکن نہ ہو۔

۳- عقد بیع میں منافی بیع کوئی شرط نہ ہو اور نہ ہی اس عقد میں شبہ ربا کوئی چیز ہو۔

۴- بائع جس چیز کو فروخت کر رہا ہو وہ چیز فروخت کرتے وقت اس کے قبضہ وملکیت میں ہو، کیونکہ ''بیع مالیس عندک'' جائز نہیں ہے۔

۵- مشتری سامان تجارت کو بائع سے قبضہ کرنے اور اس کے شرعی مالک ہونے سے پہلے فروخت نہ کرے۔

۶- مشتری سامان تجارت کو بائع اول سے فروخت نہ کرے۔

اسی طرح اگر بائع اول کوئی بینک یا ادارہ ہو تو مشتری سامان تجارت کو نہ اس بینک یا

ادارہ سے فروخت کرے اور نہ ہی اس کے وکیل یا اس سے منسلک کسی ادارہ سے؛ اس لیے کہ بینک سے منسلک ادارہ درحقیقت وہ بینک کا اجیر ہوتا ہے۔

آج کل بیع تورق کی جو مختلف شکلیں رائج ہیں ان میں اگر یہ شرطیں پائی جاتی ہوں تو وہ بیع تورق درست ہوگی، ورنہ درست نہیں ہوگی۔

☆☆☆

تورق-تعارف واحکام

مولانا محمد اعظم ندوی☆

تورق لغت میں:

عربی زبان میں کہا جاتا ہے: "أورق الرجل" (آدمی چاندی والا یعنی مالدار ہوگیا) "ورِق" راء کے کسرہ کے ساتھ ڈھلی ہوئی چاندی کو کہتے ہیں، (الصحاح في اللغة للجوهری: ۲/۲۷۵) کہا جاتا ہے: "اتجر فإن التجارة مورقة للمال" (تجارت کرو، چونکہ تجارت مال کو بڑھانے والی چیز ہے) (تاج العروس ۱/۶۶۱۴)، میری نظر سے اس سے قریب ترین معنی کے لیے لغت میں 'تورق' کا لفظ نہیں گذرا، ہاں "استیراق" اور "إیراق" وغیرہ الفاظ موجود ہیں، ہاں "تورّق" سے علامہ فیروز آبادی نے صرف ایک مثال ذکر کی ہے: "تورقت الناقة" (اونٹنی نے پتے کھائے) غالباً "تفعل" کے معنی جو تکلف اور مشقت کے معنی پائی جاتے ہیں اس غرض سے یہ لفظ فقہاء نے اختیار کیا، گویا ایک شخص کا بڑی کلفت ومشقت کے بعد نقد حاصل کرنا، جبکہ اس کے اندر اس درجہ اہلیت نہ تھی، جیسے "تحلم، تشجع، تکلف، تصبر" وغیرہ، اسی لیے عام تاجر کو عربی میں "متورق" نہیں کہتے، اگرچہ اس کے مال میں بھی اضافہ ہوتا ہے، چونکہ عام طور سے اس کے اندر حد درجہ کلفت کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔

تورق اصطلاح میں:

فقہاء کی اصطلاح میں تورق کہتے ہیں:

☆ المعہد العالی الاسلامی، حیدر آباد۔

”أن يشترى المرء سلعة بثمن مؤجل، ثم يبيعها بنقد لغير البائع بأقل مما اشتراها به ليحصل بذلك على النقد “(الموسوعۃ الفقہیہ، مادۃ ”ورق“)۔

(سامان کو ادھار قیمت پر خریدے، پھر بائع (دوکاندار) کے علاوہ کسی اور سے نقد پیسہ لیکر بیچ دے، لیکن یہ نقد پیسے اس سے کم ہوں، جو اس پر ادھار خریدنے کی وجہ سے آئے ہیں، در اصل اس کا مقصد اس (گھاٹے کے سودے) سے فوری طور سے نقد رقم حاصل کرنا ہوتا ہے)۔

لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ ”تورق“ کا لفظ فقہاء حنابلہ کے یہاں ہی ملتا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”وإن كان المشتري يأخذ السلعة فيبيعها في موضع آخر فيشتر يها بمائة، ويبيعهابسبعين لأجل الحاجة إلى الدراهم، فهذه تسمى مسألة التورق“ (فتاوی ابن تیمیہ ۷/ ۱۲۳)۔

(مشتری اگر سامان لیتا ہے، اور اسکو دوسری جگہ بیچتا ہے، اس طرح کہ سو میں خرید کر دراہم کی ضرورت کی وجہ سے ستر میں بیچتا ہے، تو اسی کو مسئلہ ”تورق“ کہتے ہیں)۔

خرید وفروخت کے اس طریقہ کو ”تورق“ کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہیکہ سامان خریدنے والے کا مقصد چونکہ سامان نہیں، بلکہ اس کے ذریعہ سے نقد ”ورق“ (چاندی) حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لیے اس کو تورق کہا جانے لگا، پھر اس لفظ نے توسع اختیار کرلیا، اور اب اس طریقہ سے نقد رقم حاصل کرنے کو بھی ”تورق“ کہا جانے لگا۔

بعض فقہاء شوافع کے یہاں یہ مسئلہ ”زرنقہ“ کے نام سے ذکر کیا گیا ہے، ابو منصور ازہری شافعی اپنی کتاب ”الزاہر“ میں لکھتے ہیں:

”وأما ”الزرنقة“: فهو أن يشترى الرجل سلعة بثمن إلى أجل، ثم يبيعها من غير بائعها بالنقد، ثم قال: وهى العينة الجائزة“(الزاہر: مادہ: ز)۔

(”زرنقہ“ یہ ہے کہ ایک شخص کوئی سامان ادھار خریدے، پھر اسے بائع کے علاوہ

دوسرے سے نقد بیچے، پھر فرمایا کہ یہ جائز عینہ کی شکل ہے)۔

ابن اثیر زرنقہ کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"كأنه معرب "زرنه" أي ليس الذهب معي" (النہایۃ في غریب الأثر ۳۶/۴۷، المکتبۃ العلمیہ، بیروت، ۱۳۰۰ھ ۱۹۷۰م)۔

(گویا کہ یہ "زرنہ" کا معرّب ہے یعنی میرے پاس سونا نہیں ہے)۔

دوسرے فقہاء کے نزدیک تورق کا ذکر آتا ہے، لیکن اس نام سے نہیں، بلکہ عینہ کے ضمن میں۔

تورق اور عینہ میں فرق:

تورق اور عینہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ تورق میں جس شخص سے ادھار سامان خریدا گیا ہے، اس سے نہیں بیچا جاتا ہے بلکہ کسی تیسرے شخص سے بیچا جاتا ہے، اور عینہ میں اسی بائع سے بیچا جاتا ہے، گویا عینہ میں چیز اصل بائع ہی کے پاس لوٹ جاتی ہے، جبکہ تورق میں ایسا نہیں ہوتا۔

تورق کا حکم مسالک اربعہ میں ــــ حنابلہ کا مسلک:

فقہاء حنابلہ کے یہاں اس سلسلہ میں تین اقوال ملتے ہیں: ایک قول مطلق جواز کا ہے، دوسرا قول کراہت کے ساتھ جواز کا ہے، تیسرا قول حرمت کا ہے، چنانچہ شمس الدین محمد بن مفلح مقدسی (۷۶۳ھ) لکھتے ہیں:

"ولو احتاج إلى نقد فاشترى ما يساوي مائة بمأتين فلا بأس، نص عليه، وهي التورق، وعنه: يكره، وحرمه شيخنا" (الفروع لابن المفلح ۲۶۷/۶، باب مسألۃ العینہ)۔

(اگر نقد کی ضرورت ہو اور سو کی چیز دوسو میں بیچ دے تو کوئی حرج نہیں، اسی کی وضاحت کی گئی ہے، اور یہی تورق ہے، ان سے ایک قول کراہت کا بھی ہے، ہمارے شیخ نے اس کو حرام قرار دیا ہے)۔

اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ امام مرداوی حنبلی نے لکھا ہے:

"فائد ة: لو احتاج إلى نقد، فاشترى ما يساوي مائة بمائة وخمسين، فلا بأس ، نص عليه وهو المذهب، وعليه الأصحاب، وهي مسألة التورق، وعنه يكره، وعنه يحرم، اختاره الشيخ تقي الدين، فإن باعه لمن اشترى منه: لم يجز، وهي العينة، نص عليه" (الانصاف ۷/۳۳۲)۔

(فائدہ: اگر نقد کی ضرورت ہو، اور ایسی چیز جو سو کی تھی ڈیڑھ سو میں خریدی، تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی صراحت کی گئی ہے، اور یہی اصل مسلک ہے، اور اسی پر اصحاب کا عمل ہے، یہ مسئلہ تورق ہے، امام احمدؒ سے ایک روایت میں مکروہ اور ایک دوسری روایت میں اس کے حرام ہونے کا بھی ذکر ہے، شیخ تقی الدین نے اسی کو اختیار کیا ہے، ہاں اگر اسی شخص سے بیچے جس سے خریدا تھا تو جائز نہیں، یہی عینہ ہے، اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ایک قول حرام کا بھی ہے، اور عینہ متفقہ طور پر جائز نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ حنابلہ کے یہاں جس قول پر عمل ہے وہ تورق کے جواز کا ہے۔

اسی لیے علامہ بہوتیؒ نے بغیر کسی اختلاف کے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

"ولو احتاج إنسا ن إلى نقد فاشترى ما يساوي مائة بمائة وخمسين، فلا بأس نص عليه، وهي أي هذه المسألة تسمى مسألة التورق" (کشاف القناع عن متن الاقناع ۹/۲۱)۔

(اگر انسان کو نقد کی ضرورت ہو، اور وہ سو کی چیز ڈیڑھ سو میں خریدے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی وضاحت کی گئی ہے، اور اس مسئلہ کو مسئلۂ تورق کہتے ہیں)۔

ابن تیمیہؒ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے جو کہ خود امام احمد کی ایک روایت ہے (دیکھئے: فتاوی ابن تیمیہ، کتاب الفقہ ۶/۴۵۶، ری ایڈیشن)۔

امام ابن القیمؒ نے بھی اس معاملہ کی کراہت میں اپنے استاذ ابن تیمیہ کی رائے پسند کی

ہے (دیکھئے: مجلة مجمع البحوث الفقهية المعاصرة، مقالہ: ڈاکٹر نزیہ حماد ۱؍ ۳؍ ۲۰۰۷ء)۔

مالکیہ کا مسلک:

مالکیہ کے نزدیک عینہ کا مطلب تو یہی ہے کہ ایک قرض مانگنے والے شخص سے کوئی چیز زیادہ قیمت میں ادھار بیچی جائے، پھر کم قیمت پر نقد رقم دیکر اس سے خود ہی خرید لی جائے تا کہ اس کا فوری کام بن جائے، اور جب ادائیگی کا وقت آئے تو مشتری سے پوری قیمت وصول کی جائے، یہ صورت مالکیہ کے یہاں بھی جائز نہیں (دیکھئے: تہذیب المدونۃ، مسئلہ نمبر: ۲۴۵۷-۲۴۵۸)۔

علامہ ابن رشد نے اس کو "باب في بيوع الذرائع الربوية" مین ذکر کیا ہے، گویا ان کے نزدیک "سداً للذريعة" اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے، لیکن تورق کا مسئلہ وضاحت کے ساتھ ان کی کتابوں میں مذکور نہیں، لیکن ضمناً مثالوں میں اس کا ذکر ملتا ہے، شیخ خرشی کی عبارت دیکھئے:

"مثلا بأن يبيعها بعشرة للمحرم، ثم يشتريها بخمسة نقدا فتكرر البيع من الرجلين المذكورين يقال له بيوع الآجال" (شرح مختصر خلیل للخرشی: ۱۵؍ ۱۳۳)۔

(مثال کے طور پر کسی چیز کو ماہ محرم تک کے لیے دس میں ادھار بیچے، پھر اسے پانچ میں نقد خرید لے، تو انہیں دو مذکورہ اشخاص سے بیع کا دوسری بار ہونا "بيوع الآجال" (ادھار بیع) کہلاتا ہے)۔

آگے لکھتے ہیں:

"كما لو باعها أولا بعشرة لأجل، ثم جاء إنسان آخر واشتراها بخمسة نقدا، أو لدون الأجل فلا يكون ذلک من بيوع الآجال بالمعنى اللقبي" (شرح مختصر خلیل للخرشی ۱۵؍ ۱۴۴)۔

(جیسے کہ پہلے اسے دس میں ادھار بیچے، پھر ایک دوسرا شخص آئے اور پانچ میں نقد اسے خرید لے، یا پہلی مدت سے کم میں، تو لقبی معنی میں یہ بیوع آجال کی قبیل سے نہ ہوگا)۔

علامہ صاوی نے اس کے خرید وفروخت کی ممانعت کے لیے پانچ شرطیں ذکر کی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ:

"والمشتري ثانيا هو البائع أولا أو وكيله"(حاشية الصاوي على الشرح الصغير ۶/ ۸۳۲) (دوبار خریدنے والا وہی ہو جس نے پہلے بیچا تھا یا اس کا وکیل)۔

الغرض ان کے نزدیک بھی اگر دوبارہ خریدنے والا بائع اول نہ ہو تو یہ بیع جائز ہے، اور یہی تورق کی حقیقت ہے۔

شافعیہ کا مسلک:

امام شافعیؒ کے نزدیک "بیع عینہ" ممنوع نہیں ہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں:

"ليس من المناهي بيع العينة" (روضة الطالبين وعمدة المفتين ۱/ ۴۲۹) (بیع عینہ ممنوع معاملات میں نہیں ہے)۔

ہاں بعض فقہاء شوافع نے اس قسم کی خرید وفروخت کو معمول بنا لینے سے منع فرمایا ہے اور اس صورت میں بیع عینہ میں ہونے والے دونوں عقدوں کو باطل قرار دیا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"وقد حكى الرافعي أن بالمنع أفتى الأستاذ أبو إسحاق و الشيخ أبو محمد إذا صار ذلک عادة فيبطل العقدان جميعا" (المجموع ۱۰/ ۱۵۷)۔

(رافعی نے نقل کیا ہے کہ استاذ ابو اسحٰق اور شیخ ابو محمد نے فتوی دیا ہے کہ جب عادت بن جائے تو دونوں عقد باطل ہو جائیں گے)۔

شمس الدین رملی (۱۰۰۴ھ) نے اسے مطلق مکروہ لکھا ہے:

"قد يكره كبيع العينة و كل بيع اختلف في حله كالحيل المخرجة من الربا" (نهاية المحتاج ۱۲/ ۱۲، نیز دیکھئے: حاشية الجمل باب فيما نهي عنه من البيوع وغيرها ۱۰/ ۳۵۲)۔

(اور کبھی بیع مکروہ ہوتی ہے جیسے کہ بیع عینہ اور اسی طرح ہر وہ بیع جسکے حلال ہونے میں

اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً سود سے نکلنے والے حیلے)۔

اگر چہ امام نوویؒ نے حتمی رائے جواز ہی کی قائم کی ہے، اور اس قسم کی آراء کے سلسلہ میں لکھا ہے:

"فإنه مخالف صريح كلام الشافعي، فإنه قال: وعادة وغير عادة سواء" (المجموع ۱۰/۱۵۵)۔

(یہ امام شافعی کے فرمان کے بالکل مخالف ہے، چونکہ انہوں نے فرمایا: عادت اور غیر عادت دونوں کا حکم برابر ہے)۔

امام ابن حزم ظاہری کی بھی یہی رائے ہے (المحلی ۹/۴۸ مسئلہ نمبر: ۱۵۵۸)۔

جب شوافع کے نزدیک عینہ جائز ہے جس کے حرام ہونے پر ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے، تو تورق بدرجۂ اولی جائز ہونا چاہیے، چونکہ اس عقد کو عقد جدید قرار دینا زیادہ واضح اور قابل فہم ہے۔

حنفیہ کا مسلک:

احناف کا مسلک بھی بیع عینہ کے سلسلہ میں یہی ہے کہ وہ جائز نہیں ہے، علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

"ومن اشترى جارية بألف درهم حالة أو نسيئة فقبضها ثم باعها من البائع بخمس مائة قبل أن ينقد الثمن الأول لا يجوز البيع الثاني" (ہدایہ مع الفتح ۶/۳۹۷-۹۸)۔

(جس شخص نے کوئی باندی ایک ہزار درہم میں نقد یا ادھار خریدی اور اس پر قبضہ کرلیا، پھر بائع سے ہی پانچ سو درہم میں پہلا ثمن ادا کرنے سے پہلے بیچ دیا تو دوسری بیع جائز نہیں ہوگی)۔

علامہ ابن ہمام اس کے دلائل فراہم کرنے کے بعد مذکورہ بیع میں جواز کی چند شکلیں

ذکر کرتے ہیں، جن میں ایک یہ بھی ہے کہ:

"بخلاف ما لو باعه المشتري من غير البائع فاشتراه البائع منه؛ لأن اختلاف الأسباب يوجب اختلاف الأعيان حكما" (فتح القدیر ۶/ ۹۹۳)۔

(ہاں اگر مشتری بائع کے علاوہ کسی اور سے بیچے، پھر بائع اس سے خرید لے (تو جائز ہے) چونکہ اسباب کے بدلنے سے اشیاء کے حکم میں بھی تبدیلی آتی ہے)۔

علامہ شامیؒ نے بیع عینہ کی کئی تعریفیں کی ہیں، وہ تعریف جس میں پہلے بیچنے والے کے پاس سامان نہ لوٹتا ہو اسے جائز لیکن افضلیت کے خلاف قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

"فإن لم يعد كما إذا باعه المديون في السوق فلا كراهة فيه، بل خلاف الأولى" (ردالمحتار ۷/ ۳۱۶)۔

(اگر بائع کے پاس نہ لوٹے، جیسے کہ مقروض (وہی شخص جس نے مجبوری میں صرف اس لیے سامان خریدا تھا کہ اس کو کہیں دوسری جگہ بیچ کر نقد رقم حاصل کرے) بازار میں بیچ دے تو کوئی کراہت نہیں ہے، بلکہ خلاف اولی ہے)۔

یہ فیصلہ دراصل علامہ ابن ہمامؒ نے ایک طویل مناقشہ کے بعد کیا ہے، علامہ شامی نے انہیں کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

اگرچہ امام محمدؒ نے بیع عینہ کی سخت مذمت کی ہے، فرماتے ہیں:

"هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه أكلة الربا" (ردالمحتار ۷/ ۵۴۲)۔

(اس بیع کی قباحت میرے دل میں پہاڑ کی طرح ہے، سود خوروں نے اس کو جنم دیا ہے)۔

اور ظاہر ہے کہ امام محمدؒ کی مذمت عام ہے، لیکن احناف کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس شکل کے ساتھ خاص ہے جس میں چیز اصل بائع کے پاس براہ راست لوٹ کر

آتی ہو، اگر ایسا نہ ہو تو پھر جائز ہونا چاہیے، اور اسی کو تورق کہتے ہیں، افضلیت کے خلاف اس لیے ہے کہ ایک ضرورت مند کو قرض حسن دینا اجر وثواب کا کام ہے، لیکن کسی پر بھی اضطراری حالت کے سوا کسی کو عام حالات میں قرض دینا افضل ضرور ہے، واجب نہیں ہے۔

تورق اسلامی مالیاتی اداروں میں:

اسلامک فقہ اکیڈمی (سعودی عرب) نے اپنے سترہویں فقہی سمینار (۱۳-۱۷/۱۲/ ۲۰۰۳ء) میں اسلامی مالیاتی اداروں (islamic finace institutions) میں جاری تورق کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

"قيام المصرف بعمل نمطي يتم فيه ترتيب بيع سلعة "ليست من الذهب أوالفضة" من أسواق السلع العالمية أو غيرها، على المستورق بثمن آجل، على أن يلتزم المصرف -إما بشرط في العقد أو بحكم العرف والعادة -بأن ينوب عنه في بيعها على مشتر آخر بثمن حاضر، وتسليم ثمنها للمستورق" (بحوالہ: التمويل بالتورق للدكتور علي أحمد السالوس، ص/ ۱۰۸، دار الثقافة -قطر)۔

(بینک کا حسب دستور اس انداز کی کوشش کرنا کہ وہ سونے اور چاندی کے علاوہ کوئی اور سامانِ تجارت عالمی منڈیوں یا کہیں اور سے خرید کر ادھار قیمت پر مستورق (تورق کا معاملہ کرنے والے) سے بیچ دے، نیز -عقد میں شرط لگائی گئی ہو یا عرف وعادت کی بنیاد پر- بینک پر یہ لازم ہو کہ وہ مستورق کی طرف سے کسی اور مشتری کو وہ سامان نقد رقم پر بیچ کر قیمت مستورق کے حوالہ کرے)۔

عام طور سے اسلامی مالیاتی اداروں (IFA) میں تورق کا یہی نظام جاری ہے، ہاں اس کے علاوہ بھی ان میں "تورق" کے کئی طریقے رائج ہیں، ان سب کی تفصیلات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

۱- پہلی شکل تورق حقیقی کی ہے جس کا ذکر تفصیل سے اوپر آیا، اور بینک میں اس کی عملی

صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص بینک سے ادھار کوئی سامان خریدتا ہے، پھر کہیں تیسرے فریق (Third party) سے اسے نقد فروخت کرتا ہے تاکہ اس کو اس کی ضرورت کی رقم حاصل ہو سکے۔

اس تورق کا حکم:

اگر درج ذیل شرطیں پائی جائیں تو یہ شکل بالکل جائز ہے:

۱- بینک جو سامان اپنے متورق (Cleint) کو فروخت کرے وہ پہلے شرعاً اس کے قبضہ میں آ گیا ہو۔

۲- خود سامان خریدنے والے شخص نے بھی شرعی قبضہ کے بعد ہی وہ سامان فروخت کیا ہو۔

۳- خریدار نے وہ سامان ایسے شخص (یا کمپنی) کو فروخت کیا ہو، جو سامان کے اس تک پہنچنے میں فریق نہ رہا ہو، تاکہ بیع عینہ میں نہ پڑ جائے جو کہ شرعاً ممنوع ہے، چنانچہ بینک نے وہ سامان اگر کسی مالیاتی ادارہ سے فائنانس کرا کے اسے بیچا ہو تو گاہک کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ بینک سے یا اسی سابقہ مالیاتی ادارہ سے بیچے۔

۴- اگر گاہک خود اس سامان کو صحیح قیمت پر نکالنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور بینک کو سامان بیچنے کے لیے وکیل بناتا ہے، تو ان شرطوں کے ساتھ درست ہے کہ بینک ایسے شخص یا ادارہ سے بیچے جس کا تورق والے عقد سے کوئی تعلق نہ ہو، اور بینک نے پہلی مرتبہ سامان بیچتے وقت یہ شرط نہ رکھی ہو کہ بینک کو سامان بیچنے کا وکیل بنانا ضروری ہے، بلکہ وکالت کا عقد پہلے والے عقد کے بعد بالکل جداگانہ طریقہ پر ہوا ہو، یہی رائے رابطۂ عالم اسلامی کے ماتحت کام کرنے والی اکیڈمی "مجمع الفقه الاسلامی" نے بھی قائم کی ہے (قرارات المجمع الفقهی الاسلامی، ص:۳۲۱-۳۲۲-۳۲۱-۱۴۲۱ھ)۔

سعودی عرب کی فتوی کمیٹی "اللجنة العلمية للبحوث والإفتاء" نے بھی اس

کے جواز فتوی دیا ہے (دیکھئے: اللجنة العلمية للبحوث العلمية والإفتاء: ۱۵/ ۲۳۳، سوال: ما الفرق بین بیع التقسیط ومسألة التورق)۔

گویا یہ ایک سادہ سا معاملہ ہے کہ بینک سودا ادھار خرید کردے، اور خریدار کہیں دوسری جگہ اس کو بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرے، اور ایک متعینہ مدت پوری ہونے پر بینک کی ادھار قیمت اسے ادا کردے۔

لیکن موجودہ بینکوں میں عقد تورق کے ساتھ توکیل (وکیل بنانے) کی چند ایسی قسمیں پائی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے عقد خالصۃً حلال اور جائز نہیں رہ پاتا، مثلاً جب خریدار تورق کی بنیاد پر بینک سے ادھار کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے تو بجائے اسکے کہ بینک اپنے کسی کارکن کے ذریعہ اسے خرید کر کے اس شخص کو دے، خود تورق کرنے والے شخص کو ہی بینک رقم فراہم کردیتا ہے کہ تم بازار سے خرید لو، اور پھر اسے کسی سے بیچ لو، گویا بینک اسے مستورق ہونے کے ساتھ ساتھ "وکیل بالشراء" (خریدنے کا وکیل) بھی بنالیتا ہے، تورق کے ساتھ اس توکیل کا پیوند لگانا آم کے درخت میں نیم کی بیل لگانے کے مترادف ہے، چونکہ تورق کرنے والا بینک سے کم رقم لیتا ہے، اور مدت پوری ہونے پر زیادہ رقم واپس کرتا ہے، اگرچہ وہ قرضدار کی حیثیت سے نہیں بلکہ "وکیل بالشراء" کی حیثیت سے لیتا ہے، اس طرح گویا یہ معاملہ ایک سودی معاملہ (Usurious dealing) سے قریب ہو جاتا ہے، چونکہ اگر وہ شخص سامان بینک کی وکالت میں خرید کر پھر خود ہی اپنے لیے اسے خرید لیتا ہے، اور بینک کے پاس جا کر الگ سے کوئی عقد بیع نہیں کرتا ہے تو یہ طریقہ بالکل نادرست ہے، چونکہ خریدنے کا وکیل خریدنے اور بیچنے دونوں عمل کا حق نہیں رکھتا۔

علامہ زیلعی لکھتے ہیں:

"بخلاف البيع فإنه لا يتولى فيه الواحد طرفي العقد" (برخلاف بیع کہ ایک آدمی عقد میں طرفین کا کام نہیں سنبھال سکتا)۔

اس کی وجہ یہ بیان کی ہے:

"إن الحقوق في البيع تتعلق بالوكيل فلو تولى الواحد طرفي البيع أفضى إلى التنافي" (تبیین الحقائق ۵/۱۹۹، باب شروط النکاح وارکانہ)۔

(چونکہ بیع میں حقوق کا تعلق وکیل سے ہوتا ہے، تو اگر ایک آدمی بیع میں طرفین کی ذمہ داری سنبھال لے تو تضاد پیدا ہوگا)۔

ہاں اگر متورق سامان خریدنے کے بعد بینک سے رجوع کرتا ہے، اور از سر نو اسی سامان کو بینک سے خریدنے کے لیے دوبارہ ایجاب وقبول کرتا ہے، تو بھی جائز ہونے کے باوجود یک گونہ کراہت سے خالی نہیں، چونکہ بینک نے متورق کو اسی کی ضرورت کے لئے "وکیل بالشراء" بنایا تھا، مال کو بینک کے حوالہ تو برائے نام کیا گیا، شریعہ ایڈوائزری بورڈ کو ایسے تعامل سے روکنا ضروری ہے۔

بینکوں میں توکیل کی ایک دوسری شکل بھی پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص بینک سے ادھار کوئی چیز خریدتا ہے، پھر بینک کو ہی اسے بازار میں بیچنے کا وکیل بنا دیتا ہے، یا تو اس لیے کہ اس کو بڑے بازاروں میں خرید وفروخت کا زیادہ تجربہ نہیں ہوتا یا اس لیے کہ بینکوں کا یہی طریقۂ کار ہے، پھر بینک اسے بازار میں بیچ کر قیمت پہلے خریدار کے حوالہ کرتا ہے، پہلی مرتبہ بینک نے سامان اسے بائع کی حیثیت سے دیا تھا، اور اس وقت قیمت وکیل بالبیع (بیچنے کے وکیل) کی حیثیت سے دے رہا ہے، اگر توکیل پہلی بیع کے وقت ہی شرط ہو تو یہ درست نہیں چونکہ بیع میں وکالت کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، اور اگر شرط نہ ہو تب بھی کراہت سے محفوظ نہیں چونکہ بینک اور متورق کے درمیان معاملہ کا بالآخر یہی نقشہ بنے گا کہ بینک نے اس کو مثلاً دس ہزار روپے سامان بیچ کر حوالہ کئے، اور اس سے پہلی مرتبہ بیچنے کی ادھار قیمت بارہ ہزار وصول کئے، ہاں صرف فرق یہ ہو رہا ہے کہ دوسری مرتبہ وہ مشتری (متورق) کا وکیل تھا، لیکن اس دقیق فرق سے یہ معاملہ سود کے شبہہ سے باہر نہیں نکل سکتا، اور جس طرح سودی کاروبار منع ہے، اسی

طرح کاروبار میں سود کا شبہ بھی بچنے کی چیز ہے۔

۲- بینکوں میں تورق کی دوسری قسم "تورق منظم" کہلاتی ہے جسکا اجمالی تذکرہ توکیل کے ضمن میں ابھی ابھی گذرا، اور اس کی عملی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کسی اسلامی بینک سے ادھار کوئی سامان خریدتا ہے، اور قبضہ سے پہلے ہی بینک کو سامان بیچنے کا وکیل بنا دیتا ہے، اور کبھی تو بینک اتنی زحمت بھی نہیں اٹھاتے بلکہ جس سے خریدار Client کے لیے سامان خریدنا ہوتا ہے اسی سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے خریدار کے لیے فلاں سامان بیچ دو، عام طور سے یہ معاملہ ایسے بڑے سامانوں میں ہوتا ہے کہ اس مارکیٹ میں قدم رکھنا بھی خریدار کے بس کا نہیں اور اگر ہمت کرتا بھی ہے تو سخت ترین خسارہ سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، مثلا بڑی بڑی گاڑیاں اور کمپنیوں کی مشنریاں وغیرہ، اس لیے متورق بینک کے اختیار دینے کے باوجود وہ ہر حال میں بینک ہی کے ذریعہ اسے فروخت کروانا چاہتا ہے، اور بینک کبھی تو خود، کبھی اپنے ڈیلر کو سامان کہیں اور بیچ کر رقم دینے کا ذمہ دار بناتا ہے، اور یہ رقم پھر وہ خریدار کے حوالے کرتا ہے، اور ایک مدت کے بعد اسی پر بڑھا کر لیتا ہے، اکثر فقہی اداروں نے اس طریقۂ تورق کو ناجائز قرار دیا ہے۔

یہ عقد صراحۃً ربا (سود) پر مبنی ہے، چونکہ متورق نے سامان پر قبضہ تو کجا سامان کو دیکھا تک نہیں، اس کو تو صرف نقد رقم حاصل ہوئی اور اسی کو ایک مدت کے بعد اضافہ کے ساتھ اسے ادا کرنا ہے، متورق کا کردار صرف چند دستاویزات پر دستخط کے علاوہ اس معاملہ میں کچھ بھی نہیں ہوتا، جس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ وہ سامان کا مالک ہو گیا، اور اسی کے فائدہ کے لیے بیچا گیا، اس طرح زر نقد (Cash) اس کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جاتا ہے، جبکہ قبضہ سے پہلے سامان بیچنا جائز نہیں، حضرت حکیم بن حزامؓ کی روایت ہے کہ فرماتے ہیں:

"قلت: يا رسول الله! إني أشتري بيوعا، فما يحل لي منها وما يحرم علي، قال: فإذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه" (مسند احمد/۱۴۷۷۲)۔

(میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں خرید و فروخت کرتا ہوں، ان میں میرے لیے

حلال کیا ہے، حرام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب بھی تم کوئی چیز خرید وتو اس پر جب تک قبضہ نہ کرلو اسے نہ بیچو)۔

تورق عکسی:

اسلامی بینکوں میں تورق کی ایک شکل ''تورق عکسی'' کے نام سے بھی مشہور ہے، بعض حضرات اس کو ''مرابحہ عکسیہ'' یا ''مقلوب التورق'' وغیرہ بھی کہتے ہیں، عموما اس کے طریقۂ کار کے دو مرحلے ہیں:

۱- متورق کسی متعین سامان کے خریدنے کے لیے بینک کو اپنا وکیل بنا دیتا ہے اور بینک کو فوری قیمت ادا کر دیتا ہے۔

۲- اس کے بعد بینک سامان کو ادھار قیمت اور اس پر مزید کچھ فائدہ بڑھا کر جو بھی اس کے اور متورق کے درمیان طئے ہو جائے، متورق سے ہی بیچ دیتا ہے۔

سچ پوچھئے تو اس میں اور تورق منظم میں کوئی فرق نہیں، رابطۂ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی نے اس کی درجہ ذیل وجوہات بیان کی ہیں:

۱- یہ مسئلہ ناجائز عینہ سے مشابہ ہے، چونکہ فروخت کردہ سامان مقصود اصلی نہیں کہ اس کو سامان کا حکم دیا جائے، بالخصوص اس لیے بھی کہ بینک پیشگی ہی متورق سے یہ طے کر لیتا ہے کہ وہ سامان اسی کو بیچے۔

۲- یہ معاملہ اسلامی سرمایہ کاری کے مقصد کے خلاف ہے، چونکہ اسلامک فائنانس کا مقصد فائنانس کو حقیقی سرگرمیوں سے مربوط کرنا ہے، اور اسی سے حقیقی اقتصادی خوشحالی کی راہیں ہموار ہو سکتی ہیں، اس طرح کے پرپیچ معاملات سے نہیں جن کا مقصد کسی طرح فائدہ اچک لینا ہو، اور اس طرح یہ دعوی ہو کہ ہم نے اپنے ادارہ کو اس طریقۂ کار سے الگ کر دکھایا جو رسمی بینکوں (Conventional Banks) نے اپنا رکھا ہے (بحوالہ مقالہ-عنوان: التورق حقیقتہ وأنواعہ للدکتور ابراہیم فاضل الدبو)۔

سوالنامہ میں مذکورہ صورت یعنی ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپے کا لوہا ادھا خرید کرتا ہے، اور اسے ''ب'' سے ایک لاکھ روپئے میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی رقم حاصل ہو جاتی ہے، اور ''ب'' کو دس ہزار روپیہ نفع مل جاتا ہے، اور عام طور پر ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے ہی دس ہزار روپے نفع حاصل ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر ''ب'' بینک سے منسلک ادارہ نہ ہوتا تو وہ تورق کی جائز شکل ہے، جس کا ذکر تفصیل سے اوپر آچکا ہے، اور اگر ''ب'' بینک ہی کا وکیل ہے، تو گویا بینک ہی سے دوبارہ کم قیمت پر لوہا فروخت کیا گیا، چونکہ وکیل کا خریدنا مؤکل ہی کی طرف منسوب ہوگا، احد بن غنیم نزادی مالکی نے بیوع آجال (ادھار بیع وشراء) کے تحت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے:

''لأن كلا إنما يشترى بطريق الوكالة فهو كشراء البائع لنفسه''

(الفواكه الدواني على رسالة أبي زيد فيرواني ۶/۶۸)۔

(چونکہ (وکیل، عبد ماذون وغیرہ) ہر ایک وکالت ہی کے طریقہ سے خرید رہا ہے، ان کا خریدنا گویا بائع کا خود اپنے لیے خرید کرنا ہے)۔

اور یہ وہی عینہ ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد فى سبيل الله سلط الله عليكم ذلالا ينزعه حتى ترجعوا إلي دينكم''

(أبو داود: ۳۰۰۳)۔

(جب تم عینہ کرنے لگو گے اور گائے کی دم کے پیچھے چلو گے (جبکہ تم کبھی گھوڑ سواری کرتے تھے) اور کاشت کاری پر بس کر لو گے، اور جہاد چھوڑ دو گے، (یعنی جس زمانہ میں جہاد فرض ہو) تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت ونکبت مسلط فرما دے گا، کہ جب تک تم اپنے دین کی طرف

لوٹ نہ جاؤ، ختم نہ فرمائے گا)۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی ایک روایت ہے:

"أن رجلا باع من رجل حريرة بمائة، ثم اشتراها بخمسين، فسئل ابن عباس عن ذلك فقال: دراهم بدراهم متفاضلة دخلت بينهما حريرة" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/۲۵۵)۔

(کہ ایک شخص نے کسی سے سو روپے میں حریرہ بیچا، پھر اس کو پچاس روپے میں خرید لیا، حضرت ابن عباسؓ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، دراہم کو دراہم سے اضافہ کے ساتھ بیچا گیا، اوران دونوں کے بیچ حریرہ داخل ہوگیا)۔

یہی صورت یہاں بھی پائی جاتی ہے، کہ قرض پر فائدہ وصول کیا گیا، بیچ میں لوہے کو واسطہ بنالیا گیا۔

سادہ تورق کی شکل بھی جائز ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی بہتر اور نتیجہ خیز طریقہ نہیں ہے، اور قرض حسن دینا ہی اصل اسلامی اصول ہے، لیکن تورق کے یہ پر پیچ معاملات تو کسی صورت جائز نہیں بینکوں کے تورق کے سلسلہ میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے شیخ صالح کامل چیر مین آف اسلامک بینکنگ بورڈ کا یہ ریمارک نقل کیا ہے، جو حرف بہ حرف سچ ہے اور اس کو ہم "وشهد شاهد من أهلها" (گھر کا گواہ گھر کے خلاف) کہہ سکتے ہیں، کہتے ہیں:

"عمليات التورق المصرفي أقدر بوضوح أنها من الناحية الإجرائية والشكلية وآثارها الكلية على الاقتصاد المحلي لا تفترق عن التعامل بالفائدة قيد أنملة" (قضایا الفقہ والفکر المعاصر، ص: ۲۶۷، دار الفکر، دمشق)۔

میرا اندازہ ہے کہ بینکوں میں جاری تورق کے معاملات اپنی ظاہری شکل وصورت، کاروائیوں (transaction) اور مقامی معاشیات پر اپنے مجموعی اثرات کے اعتبار سے سودی معاملات سے انگلی کے پور برابر بھی الگ نہیں۔

حقیقی اور مروج تورق کی حقیقت اور حکم

مفتی محمد عارف باللہ القاسمی☆

اسلام نے ربا اور ربا سے جڑے ہوئے تمام معاملات کو حرام قرار دیا ہے، جبکہ مال والے اپنے مالوں میں اضافہ چاہتے ہیں، اس لئے قرض کو نفع بخش بنانے کے لئے مختلف تدبیریں اور حیلے اختیار کئے گئے، تاکہ اسلامی اصول کے مطابق قرض خواہ کی ضرورت بھی پوری ہو اور قرض دہندہ کو نفع بھی حاصل ہو، تاکہ قرض دینے میں اس کی دلچسپی باقی رہے۔ اس سلسلے میں جو تدبیریں اختیار کی گئیں ان میں سے بہت سی تدبیریں بظاہر ربا تو نہ رہیں لیکن ربا سے پاک بھی نہ رہیں، اور ربا سے بچنے کا اہتمام کرنے والے لوگوں نے بھی اسے ربا سے پاک سمجھ کر اختیار کرلیا، اس طرح رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ بہت سے لوگ ربا سے تو بچیں گے لیکن ربا کے غبار سے نہیں بچیں گے (سنن ابوداؤد: ۲۸۹۳)۔

زیر بحث مسئلہ ''تورق'' بھی ربا سے بچنے والی تدبیروں میں سے ایک ہے، اور اس کی صورتوں میں بھی کچھ ایسی تبدیلیاں کی گئیں اور تورق کے نام پر ایسے طریقوں کو اختیار کیا گیا کہ اس میں بھی جائز اور ناجائز صورتیں پیدا ہوگئیں۔

تورق کی تعریف:

تورق کی تعریف فقہاء بالخصوص فقہاء حنابلہ کے کلام میں اس طرح کی گئی ہے:

''أن يشتري سلعة نسيئة ثم يبيعها نقدا لغير البائع بأقل مما اشتراها به

☆ مدرسہ اسلامیہ دار العلوم الربانیہ، حیدرآباد۔

لیحصل علی النقد" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۴/ ۱۴۷، کشاف القناع ۳/ ۱۸۶، الفروع ۴/ ۱۷۱، شرح ابن القیم علی ابی داؤد ۵/ ۱۰۸)۔

(کوئی شخص کوئی سامان کسی سے ادھار خرید ے، پھر اسے بائع کے علاوہ کسی اور سے اس رقم سے کم میں جتنے میں اس نے اس سے خریدا ہے بیچ دے، تا کہ اسے نقد رقم حاصل ہو جائے)۔

شیخ وہبہ زحیلی نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"بیع التورق : هو أن یشتری الشخص السلعة إلی أجل ثم یبیعها لغیر بائعها الأول نقدا فی الحال ویاخذ ثمنها بقصد الحصول علی الدراهم" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/ ۱۴۳)۔

(بیع تورق یہ ہے کہ انسان کسی متعینہ مدت کے لئے سامان ادھار خریدے، پھر اسی وقت دراہم حاصل کرنے کی خاطر اس سامان کو بائع اول کے علاوہ کسی اور سے نقد فروخت کر دے اور اس کی قیمت لے لے)۔

ان تعریفوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بیع عینہ اور تورق میں فرق ہے، وہ یہ کہ بیع عینہ میں مشتری ثانی بائع اول ہی ہوتا ہے، جبکہ اس میں بائع اول کے علاوہ کسی اور سے مال کو فروخت کیا جاتا ہے۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں مذکور ہے:

"ولا صلة بین التورق وبین العینة الا فی تحصیل النقد فیهما ، لأن العینة لا بد فیها من رجوع السلعة الی البائع الأول بخلاف التورق ؛ فإنه لیس فیه رجوع العین إلی البائع ، انما هو تصرف المشتری فیما ملکه کیف شاء" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۴/ ۱۴۷)۔

(تورق اور عینہ کے مابین بجز (مقصد) حصول نقد کے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اس لئے کہ عینہ میں بائع تک سامان کی واپسی ضروری ہے، برخلاف تورق کے؛ اس لئے کہ اس میں بائع تک سامان کی واپسی نہیں ہوتی، وہ تو صرف مشتری کا اپنی ملکیت میں اپنی مرضی کے موافق تصرف ہے)۔

تورق کا حکم:

اور جب تعریف کے اعتبار سے دونوں کی حقیقت میں فرق ہے تو حکم میں فرق کا ہونا واضح ہے، چنانچہ جہاں فقہاء نے بیع عینہ کو ناجائز قرار دیا ہے وہیں تورق کی شکل کو تورق کے نام سے موسوم کر کے یا اس نام سے موسوم کیے بغیر اکثر فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے، البتہ بعض فقہاء مثلاً امام محمد بن حسن شیبانی، علامہ ابن تیمیہ رحمہم اللہ وغیرہ نے "الأمور بمقاصدها" پر نظر کرتے ہوئے اسے ناجائز یا مکروہ قرار دیا ہے (علامہ ابن تیمیہؒ کی طرف اس کی کراہت کی نسبت ان سے منقول عام روایت کے مطابق ہے، البتہ الفتاوی الکبری کی تفصیلی عبارت جو اگلی سطروں میں مذکور ہے، اس سے ان کے نزدیک بھی اس کے جواز کا اشارہ ملتا ہے)، کیونکہ اس میں مقصود اس سامان کو خریدنا نہیں ہوتا ہے بلکہ مقصود رقم کو حاصل کرنا ہوتا ہے، لیکن اس معاملہ کی حقیقت پر غور کرنے سے اس میں جواز کا پہلو ہی راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ اس میں الگ الگ دو معاملے ہوتے ہیں، پہلا معاملہ ایک شخص سے عام قیمت سے زائد قیمت پر ادھار خریدنے کا ہوتا ہے اور یہ جائز ہے گرچہ کہ اس میں عام قیمت سے زیادہ قیمت متعین ہوتی ہے، کیونکہ ادھار کی شکل میں نقد کے بالمقابل قیمت کا زیادہ ہونا بھی جائز ہے (لا مساواة بين النقد والنسيئة ؛ لأن العين خير من الدين ، والمعجل أكثر قيمة من المؤجل (بدائع ۵/۱۸۷))، اور دوسرا معاملہ دوسرے شخص سے نقد بیچنے کا ہوتا ہے، یہ دونوں معاملے چونکہ ایک ہی شخص سے نہیں ہوتے؛ اس لئے اس پر نہ تو ربا کا اطلاق ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس وعید کا اطلاق ہوسکتا ہے جس کی اطلاع ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے حضرت زید بن ارقم کو دی، ایک خاتون نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میں نے زید بن ارقم کے ہاتھ ایک غلام آٹھ سو درہم میں ادھار بیچا پھر ان سے ہی اس کو چھ سو درہم میں نقد خرید لیا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: زید بن ارقم کو بتادو کہ اگر انہوں نے اس معاملہ سے توبہ نہ کیا تو انہوں نے اس جہاد کا ثواب ضائع کردیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کیا تھا، آپ نے بہت ہی بری چیز خریدی اور بہت ہی بری چیز فروخت کی (مسند ابن جعد، حدیث نمبر ۳۹۱، حدیث صحیح)۔

چونکہ حقیقی تورق کے دو مختلف شخص سے خرید و فروخت کے دونوں معاملے مستقلاً درست ہیں؛ اس لئے اس کو بھی درست سمجھا جانا راجح معلوم ہوتا ہے، اور بیع عینہ کی طرح اس میں بھی حصول نقد کے مقصود ہونے کی وجہ سے اس کو ناجائز یا مکروہ کہنا بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ بہت سے متفقہ طور پر جائز معاملات میں بھی حصول نقد مقصود ہوتا ہے۔

نیز سود سے بچنے کی اس طرح کی تدبیر کے جواز کی نص سے بھی تائید ہوتی ہے، مثلاً ایک صحابی کو رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت عامل خیبر بھیجا، وہ وہاں سے اپنے ساتھ عمدہ قسم کے کھجور لے کر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا خیبر کے سارے کھجور ایسے ہی ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ میں نے ایک صاع اچھا کھجور دو صاع کے بدلے اور دو صاع تین صاع کے بدلے میں لیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ مکمل کھجور کو دراہم کے عوض فروخت کردو، پھر دراہم کے ذریعہ اچھے کھجور خریدو (صحیح بخاری: ۲۰۵۰)۔

براہ راست دو صاع کھجور کے بدلے ایک صاع اچھا کھجور لینا چونکہ ربا تھا؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس سے اجتناب کا حکم دیا، اور اچھے کھجور کے حاصل کرنے کی ترکیب یہ بتائی کہ عام کھجور کو پہلے دراہم کے ذریعہ بیچا جائے اور پھر ان دراہم کے ذریعہ اچھے کھجور خریدے جائیں، گرچہ عام کھجور کو دراہم کے ذریعہ بیچنے کا مقصد اچھے کھجور کا حاصل کرنا ہی ہے، مگر مقصد پر نظر کرتے ہوئے اسے ناجائز کہنے کے بجائے معاملہ کی صورت پر نظر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اسے جائز قرار دیا، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تورق میں گرچہ مقصد حصول نقد ہی ہے، لیکن مقصد کا اعتبار کرنے کے بجائے صورت معاملہ پر نظر کرتے ہوئے اسے جائز کہنا چاہئے۔ فقہاء احناف میں سے امام ابو یوسف بھی اس کے جواز کے قائل ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وقال أبو يوسف: لا يكره هذا البيع لأنه فعله كثير من الصحابة وحمدوا على ذلك ولم يعدوه من الرباء (ردالمحتار ۳۲۵/۵)۔

(امام ابو یوسف نے فرمایا: یہ بیع مکروہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ بہت سے صحابہ نے یہ معاملہ کیا ہے، اور اس کو (سود سے بچنے کی تدبیر ہونے کی وجہ سے) پسند بھی کیا ہے)۔

رہی بات فقہاء احناف میں سے علامہ ابن ہمام اور ان دیگر حضرات کی جن سے اس معاملہ کی مذمت منقول ہے، تو اس سلسلہ میں ان کی تحریروں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان حضرات نے علی الاطلاق تورق کو ممنوع نہیں کہا ہے، بلکہ ان کی مذمت ان صورتوں سے متعلق ہے جن کو بیان کر کے ان حضرات نے حکم بیان کیا ہے، اور ان مثالوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام صورتیں وہ ہیں جن میں تدبیری طور پر مال اس کے بائع اول کے پاس ہی پہنچ جاتا ہے، اور ساتھ ہی اس کو قرض پر نفع بھی مل جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اسے ربا کو حلال کرنے کی تدبیر ہی کہا جا سکتا ہے اور اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

لیکن اگر کل مال یا جزء مال بائع اول کے پاس نہ پہنچے، اور بائع اول اور مشتری ثانی حقیقتاً مختلف ہوں (جیسا کہ اس کی تفصیل اگلی سطروں میں ہے) تو پھر ان حضرات کے نزدیک بھی اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

"ثم الذی یقع فی قلبی ان ما یخرجه الدافع إن فعلت صورة یعود فیها الیه هو أو بعضه ...... فمکروه، وإلا فلا کراهة إلا خلاف الأولی علی بعض الاحتمالات، کأن یحتاج المدیون فیابی المسئول أن یقرض بل ان یبیع ما یساوی عشرة بخمسة عشر إلی أجل، فیشتریه المدیون ویبیعه فی السوق بعشرة حالة، ولا بأس فی هذا؛ فإن الأجل قابله قسط من الثمن، والقرض غیر واجب علیه دائما، بل هو مندوب، فإن ترکه بمجرد رغبة عنه إلی زیادة الدنیا فمکروه، او لعارض یعذر به فلا، وما لم ترجع إلیه العین التی خرجت منه لا یسمی بیع العینة" (فتح القدیر ۷/۲۱۴)۔

(میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ قرض دینے والا جو مال نکال رہا ہے اگر ایسی

صورت اختیار کی جائے کہ اس میں وہ کل مال یا اس کا بعض حصہ اس کے پاس واپس آجائے تو یہ مکروہ ہے، ورنہ (اگر مال اس کے پاس واپس نہ آئے) تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ بعض احتمالات کی صورت میں یہ خلاف اولی ہوگا۔ مثلا مدیون کو قرض کی ضرورت پڑے اور جس سے قرض مانگا جائے وہ دینے کے لئے تیار نہ ہو، بلکہ وہ یہ کرے کہ دس درہم کی کوئی چیز ادھار اس کے ہاتھ پندرہ درہم میں بیچ دے، اور مدیون اس سے اس چیز کو خرید کر بازار میں نقد دس درہم میں بیچ دے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ ادھار کی مدت ثمن کے ایک حصہ کے بالمقابل ہوگئی، اور قرض دینا ہمیشہ اس پر واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے، پس اگر قرض دینے سے انکار محض دنیا کی زیادتی کی خاطر ہے تو مکروہ ہے اور اگر کسی واقعی عذر کی وجہ سے ہے تو مکروہ نہیں ہے، اور جس صورت میں اس کے پاس سے نکلی ہوئی چیز اس تک واپس نہ آتی ہو، اسے بیع عینہ نہیں کہا جائے گا)۔

علامہ ابن ہمامؒ کی اس عبارت سے تورق کا جواز واضح ہو جاتا ہے اور بیع عینہ اور تورق میں عدم یکسانیت بھی واضح ہوتی ہے۔ اسی طرح علامہ ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ جن کا نام عموما ناجائز قرار دینے والوں میں ذکر کیا جاتا ہے، ان کی الفتاوی الکبری کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اسی صورت کو ناجائز کہا ہے جسے علامہ ابن ہمام وغیرہ نے ناجائز کہا ہے، جس میں مال کسی طرح بائع اول کے پاس واپس پہونچ جاتا ہے، مگر حقیقی تورق جس میں مشتری ثانی بائع اول نہ ہو اور وہ مال بائع اول تک واپس نہ پہنچتا ہو اس کو وہ بھی جائز مانتے ہیں، ان کی عبارت کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"تحصيل المقاصد بالطرق المشروعة إليها ليس من جنس الحيل سواء سمي حيلة أو لم يسم" (الفتاوی الکبری ۶/ ۱۳۴)۔

(مشروع طریقوں پر مقاصد کا حصول حیلہ کے جنس سے نہیں ہے چاہے اس کا نام حیلہ ہو یا نہ ہو)۔

اس کے بعد تفصیل ذکر کرتے ہوئے فیصلہ لکھتے ہیں:

"فإذا كان مقصود الرجل نفع الملك المباح بالبيع وما هو من توابعه وحصله بالبيع فقد قصد بالسبب ما شرعه الله سبحانه له وأتى بالسبب حقيقة، وسواء كان مقصوده يحصل بعقد أو عقود، مثل أن يكون بيده سلعة وهو يريد أن يبتاع سلعة أخرى لا تباع بسلعته لمانع شرعي أو عرفي أو غير ذلك فيبيع سلعته ليملك ثمنها، والبيع لملك الثمن مقصود، ثم يبتاع بالثمن سلعة أخرى وابتياع السلع بالثمن مقصود مشروع .... فلما كان بائعا قصد ملك الثمن حقيقة، ولما كان مبتاعا قصد ملك السلعة حقيقة، فان ابتاع من غير المشتري منه فهذا لا محذور فيه؛ إذكل واحد من العقدين مقصود مشروع.......... واما أن ابتاع بالثمن ممن ابتاعه من جنس ما باعه فيخاف أن لا يكون العقد الأول مقصودا منهما بل قصدهما بيع السلعة الاولى بالثانية فيكون ربا" (الفتاوی الکبری ۱۳۵/۶)۔

(پس جب بیع اور بیع کے توابع کے ذریعہ ملک مباح کا نفع انسان کا مقصود ہو اور وہ نفع اس کو بیع کے ذریعہ حاصل ہو جائے، تو اس نے سبب کے ذریعہ اس چیز کا قصد کیا جو اللہ نے اس کے لئے مشروع کر رکھا ہے، اور اس نے حقیقتاً سبب کو اختیار بھی کر لیا، چاہے اس کا مقصود ایک عقد میں حاصل ہو یا چند عقود میں، جیسے کہ اس کے پاس کوئی سامان ہو، اور وہ دوسرا ایسا سامان خریدنا چاہتا ہو جو کسی شرعی یا عرفی مانع وغیرہ کی وجہ سے اس کے پاس موجود سامان کے بدلے خریدا نہ جا سکتا ہو، اس لئے وہ اپنا سامان ثمن حاصل کرنے کی خاطر بیچتا ہے، اور ثمن حاصل کرنے کی خاطر بیع مقصود و مشروع ہے، پھر ثمن کے بدلے دوسرا سامان خریدتا ہے، اور ثمن سے سامان خریدنا بھی مقصود و مشروع ہے.......... پس جب وہ بائع تھا تو اس نے حقیقتاً ثمن کی ملکیت کا قصد کیا، اور جب وہ خریدار تھا تو اس نے حقیقتاً سامان کی ملکیت کا قصد کیا، پس اگر خریدا اس شخص کے علاوہ

سے جس نے اس سے خریدا ہے، تو اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے؛ کیونکہ دونوں عقد میں سے ہر ایک مقصود اور مشروع ہے،........... اور جب خریدا قیمت کے بدلے اس شخص سے جس نے اس سے خریدا ہے اسی جنس کو جو اس نے بیچا ہے تو اس میں یہ اندیشہ ہے کہ عقد اول ان دونوں کا مقصود نہ ہو بلکہ ان دونوں کا قصد پہلے سامان کو دوسرے سامان کے ساتھ بیچنا ہو، تو یہ ربا ہے)۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی اس پوری عبارت سے ان کے نزدیک تورق کے جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے تورق کو بیع عینہ کے مشابہ یا ربا کو حلال کرنے کی تدبیر قرار دے کر علی الاطلاق ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بیع عینہ سے مکمل مختلف حقیقی تورق کو اکثر فقہاء نے جائز کہا ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"جمهور العلماء على إباحته سواء ممن سماه تورقا وهم الحنابلة أو من لم يسمه بهذا الاسم وهم من عدا الحنابلة لعموم قوله تعالى : أحل الله البيع"، ولقوله عليه السلام لعامله على خيبر :"بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا"، ولأنه لم يظهر فيه قصد الرباء ولا صورته " (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۴/۱۴۸)۔

(جمہور علماء اس کے مباح ہونے کے قائل ہیں، چاہے انہوں نے اس کو تورق کا نام دیا ہو، اور یہ نام دینے والے حنابلہ ہیں، یا تورق کا نام نہ دیا ہو، اور وہ حنابلہ کے علاوہ دوسرے فقہاء ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس قول: "اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے" کے عموم کی وجہ سے، اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے جو آپ نے اپنے خیبر کے عامل سے فرمایا کہ پورے کھجور کو دراہم کے عوض بیچ دو پھر دراہم کے ذریعہ عمدہ کھجور خرید و، اور اس لئے کہ اس میں نہ تو ربا کا قصد ظاہر ہے اور نہ ہی ربا کی صورت)۔

یہ بات تو حقیقی تورق کی ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں تورق کے نام پر کئی شکلیں بینکوں اور قرض دینے والے اداروں میں معمول بن چکی ہیں، جن پر حقیقی تورق کی صورت منطبق نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے تورق کے نام سے مروج صورتوں پر تورق کا حکم جاری کرنا ان کی حقیقت کی

تورق کی حقیقت سے یکسانیت پر موقوف ہے۔

عقد تورق کے ارکان:

تورق کے معاملہ میں درحقیقت چار ارکان ہوتے ہیں:

(۱) نقد کا حاجت مند (مشتری اول) جو کہ بینک یا کسی ادارہ سے قسط وار قیمت کی ادائیگی کرنے کا معاملہ کر کے سامان خریدتا ہے۔

(۲) بینک یا ادارہ (بائع اول) جو کہ قسط پر قیمت وصول کرنے کو منظور کر کے عام قیمت سے زائد قیمت پر کوئی سامان فروخت کرتا ہے۔

(۳) مشتری ثانی، جو کہ رقم کے حاجت مند شخص سے اس کا ادھار خریدا ہوا سامان نقد خرید لیتا ہے۔

(۴) مبیع (جو بائع اول مشتری اوّل سے اور پھر مشتری اول مشتری ثانی سے بیچتا ہے)۔

عقد تورق کے جواز کی شرطیں:

(۱) اس معاملے کے جائز ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بائع اول اور مشتری ثانی دونوں حقیقتاً یا حکماً ایک ہی شخص یا ادارہ نہ ہو، کیونکہ دونوں کے ایک ہونے کی وجہ سے بیع عینہ کی شکل ہوگی جسے فقہاء نے ناجائز لکھا ہے، اس لئے اس عقد کے جائز ہونے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ دونوں حقیقتاً اور حکماً الگ ہوں، تاکہ بیع عینہ کا تحقق نہ ہو۔ دونوں کے الگ ہونے کی بنیاد فقہاء کے کلام سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ دونوں کی ملکیت جدا ہو، چناں چہ ملکیت کے جدا ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد پر بائع کی ادھار فروخت کی ہوئی چیز کو نقد کم قیمت پر اس کے والدین یا اس کی اولاد وغیرہ کے خریدنے کے مسئلہ میں صاحبین اور امام ابوحنیفہ کے مابین اختلاف ہے، چونکہ حضرات صاحبین کے نزدیک والدین کی ملکیت اولاد کی ملکیت سے اور اولاد کی ملکیت والدین کی ملکیت سے جدا ہے اور وہ ملکیت کے مسئلہ میں مانند اجنبی ہیں، اس لئے ان کے نزدیک کسی بائع کی اولاد

یا اس کے والدین کے لئے یہ جائز ہے کہ اس کی ادھار فروخت کردہ چیز کو ثمن کی ادائیگی سے قبل مشتری سے کم قیمت پر خرید لیں، جبکہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک ان کی ملکیت جدا نہیں ہے بلکہ متحد ہے، اس لئے ان کے نزدیک بائع کے والدین یا اولاد کے لئے اس کی ادھار فروخت کردہ چیز کو ثمن کی ادائیگی سے قبل مشتری سے کم قیمت پر خریدنا جائز نہیں ہے (بدائع الصنائع ۵/۲۰۰)۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تورق کے معاملہ میں مشتری ثانی بننے والا فرد یا ادارہ ایسا ہو جو کہ بائع اول سے اس طرح منسلک اور متصل ہو کہ وہ اسی کے تابع ہو، اور اس کی شاخ ہو، مستقلا اس کی ملکیت بائع کی ملکیت سے منفصل نہ ہو، اور اس کا مالیہ، اس کا نفع ونقصان اور دیگر انتظامی امور اسی سے مربوط ہوں، تو اس فرد یا ادارہ کی خریداری انفصال ملکیت کے نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگی۔ جیسا کہ والدین اور اولاد وغیرہ کی خریداری کو امام ابوحنیفہ نے اتصال ملکیت کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔ علامہ کاسانیؒ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی دلیل کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إن کل واحد منهما یبیع بمال صاحبه عادة .... فکان معنی ملک کل واحد منهما ثابتا لصاحبه ، فکان عقده واقعا لصاحبه فیؤثر فی فساد العقد احتیاطا فی باب الربا" (بخاری:۱۹۹۱)۔

(بیشک ان میں سے ہر ایک عام طور پر اپنے ساتھی کے لئے خریدتا ہے، اس لئے اس صورت میں ان دونوں میں سے ہر ایک کی ملکیت میں دوسرے کی ملکیت ہونے کا مفہوم موجود ہے؛ اس لئے اس کا عقد من وجہ اس کے ساتھی کے لئے بھی ہوگا، اور (یہی پہلو) باب ربا میں احتیاط کے پیش نظر عقد کے فاسد ہونے میں مؤثر ہوگا)۔

ہاں اگر وہ فرد یا ادارہ بائع سے وابستہ تو ہو مگر اس کی ملکیت اور نفع ونقصان وغیرہ اس سے جدا ہو تو اس کے لئے اس معاملہ میں مشتری ثانی بننا درست ہوگا، اور اس کے لئے یہ جائز ہوگا

کہ وہ نقد کم قیمت پر اس چیز کو خرید لے۔ جیسا کہ حضرات صاحبین نے والدین اور اولاد کو انفصال ملکیت کے پیش نظر اس کی اجازت دی ہے۔

"إن كل واحد منهما أجنبي عن ملك صاحبه لانفصال ملكه عن ملك صاحبه فيقع عقد كل واحد منهما له لا لصاحبه كسائر الاجانب ، ثم شراء الأجنبي لنفسه جائز" (فتح القدیر ۷/۲۱۴، الفتاوی ۶/۵۰)۔

(ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی ملکیت کے حوالے سے اجنبی ہے، اس کی ملکیت کے اس کے ساتھی کی ملکیت سے جدا ہونے کی وجہ سے۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کا عقد اسی کے لئے ہوگا، اپنے ساتھی کے لئے نہ ہوگا، اور اجنبی کا اپنے لئے خریدنا جائز ہے)۔

(۲) نیز معاملہ تورق کی درستگی کے لئے یہ بھی شرط ہوگی کہ بائع اول "حقیقی خریداری" اور "شرعی قبضہ" کے بعد مشتری اول سے اس چیز کو فروخت کرے اور مشتری اول کا بھی بائع اول سے خریدی ہوئی چیز پر شریعت میں معتبر حقیقی یا حکمی قبضہ ہو جائے اور اس کے بعد وہ اسے مشتری ثانی سے فروخت کرے۔ کیونکہ قبل القبض کسی سامان کو فروخت کرنا شرعاً ممنوع ہے، چنانچہ اگر بینک یا ادارہ نے قرض خواہ سے کوئی چیز رسمی طور پر بیچ دی جب کہ بینک یا ادارہ نے پہلے اس چیز کو اس کی کمپنی سے خریدی نہیں ہے، یا خرید کر شرعی طور پر اس پر قابض نہیں ہوا ہے، تو یہ معاملہ درست نہیں ہوگا، اسی طرح بینک سے رسمی طور پر قرض خواہ نے خریداری کا معاملہ کر لیا اور اس چیز پر اس کا شرعی قبضہ ثابت ہونے سے قبل اس کے خریدار ادارہ سے اس کی فروختگی کا معاملہ کر لیا تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ کسی انسان کا ایسی چیز بیچنا درست نہیں ہے جو اس کے پاس نہ ہو یا جس کا وہ مالک نہ ہو۔

حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں:

" سألت النبي ﷺ ، فقلت : يا رسول الله يأتيني الرجل فيسألني البيع ليس عندي ، أبيعه منه ثم ابتاعه له من السوق ؟ قال : لا تبع ما ليس عندك"۔

(میں نے نبی ﷺ سے پوچھا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک شخص آ کر مجھ سے اس چیز کے بیچنے کا مطالبہ کرتا ہے جو میرے پاس ہے نہیں، تو کیا میں اس سے اس چیز کے بیچنے کا معاملہ کرلوں اور پھر بازار سے خرید کر اسے دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو چیز تیرے پاس نہیں اسے مت بیچو)۔

نیز حضرت طاؤس فرماتے ہیں:

”سمعت ابن عباس رضی الله عنهما يقول: أما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام أن يباع حتی يقبض، قال ابن عباس : ولا أحسب كل شیء إلا مثله“۔

(میں نے حضرت ابن عباسؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس چیز سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ قبضہ سے قبل غلہ کو بیچنا ہے، ابن عباس فرماتے ہیں: میں سمجھتا ہوں کہ ہر چیز غلہ ہی کی طرح ہے)۔

(۳) عقد تورق کے جواز اور بیع عینہ سے اس کی کلی طور پر عدم مشابہت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں معاملہ کی ایسی صورت ہو کہ عقد تورق کا مال بائع اول (بینک، یا وہ ادارہ جس سے قرض کا حاجت مند مال خریدتا ہے) تک کسی تیسرے وغیرہ کے توسط سے نہ پہنچے۔ کیونکہ فقہاء مثلاً ابن ہمام اور ابن تیمیہ علیہما الرحمۃ نے تورق کی جس صورت کی مذمت کی ہے، ان میں مال مالک (بائع اول) تک پہنچ جاتا ہے، اور اس صورت میں تورق کو ربا کی حلت کا حیلہ بنانا ظاہر اور غالب ہے۔(۱) کیونکہ اس صورت میں وہ ایک ہی چیز کو روٹیشن میں رکھتے ہوئے قرض جاری کرے گا اور نفع اندوزی کرتا رہے گا۔

(۴) نیز اس معاملہ میں مشتری ثانی سے اس چیز کو بیچنے کی ذمہ داری بائع اول (بینک، یا وہ ادارہ جس سے قرض کا حاجت مند مال خریدتا ہے) پر ہونے کی شرط نہ ہو، نہ صراحتاً ہو اور نہ ہی عرف عام کے اعتبار سے ہو؛ کیونکہ اس سے یہ معاملہ بیع عینہ کے مشابہ ہو جاتی ہے جو کہ ممنوع ہے۔

المجمع الفقہی الاسلامی کے سترہویں سمینار (منعقدہ : ۱۳۔۱۷ ار دسمبر ۲۰۰۳ء بمقام مکہ مکرمہ) میں منظور کردہ قرارداد میں یہ بات کہی گئی ہے:

"ان التزام البائع فی عقد التورق بالوکالة فی بیع السلعة لمشتر آخر أو ترتیب من یشتریها یجعلها شبیهة بالعینة الممنوعة شرعا، سواء أکان الالتزام مشروطا صراحة أم بحکم العرف والعادة المتبعة"۔

(عقد تورق میں سامان کو دوسرے خریدار سے بیچنے کی وکالت کی یا اس کے خریدار کا انتظام کرنے کی ذمہ داری بائع کے ذمہ ہونے کی شرط اسے بیع عینہ کے مشابہ بنا دیتی ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے، چاہے یہ شرط صراحتاً ہو یا عرف اور جاری عادت کے تحت ہو)۔

یہ چند شرطیں ہیں جن کی رعایت عقد تورق کے جواز کے لئے لازم ہے، تاکہ یہ ربا جیسے حد درجہ حرام چیز کو حلال کرنے کی تدبیر محض اور بیع عینہ کے مشابہ نہ ہو۔

بینکوں میں مروجہ تورق کی چند شکلیں اور ان کا حکم:

تورق کے نام پر بینکوں میں چند شکلیں مروج ہیں:

(۱) رقم کا حاجت مند شخص بینک سے رقم چاہتا ہے تو بینک والے کاغذی طور پر اس سے خرید و فروخت کا معاہدہ کرتے ہیں جس میں حاجت مند شخص خود کو خریدار قرار دیتے ہوئے بینک کی جانب سے متعینہ شئی کی خریداری اور اس ملکیت کو حاصل کرنے کی تحریر پر دستخط کرتا ہے، اور پھر وہ بینک کو اپنی جانب سے اس چیز کو کسی دوسرے سے بیچ دینے کا وکیل بنانے کی تحریر پر دستخط کرتا ہے۔ اور یہ سارا معاملہ تحریری طور پر ہوتا ہے جس سے قبل حاجت مند کی اس کی خریدی ہوئی شئی پر اس وقت شرعی ملکیت نہیں ہوتی جس کے بیچنے کا وہ بائع (بینک) کو وکیل بناتا ہے، بلکہ معاملہ میں یہ بات طے شدہ ہوتی ہے کہ خریدار کا انتظام کرنا بائع ہی کے ذمہ ہے، اور پھر اس تحریری خرید و فروخت اور توکیل کے بعد بینک کی جانب سے اس کو رقم حوالے کی جاتی ہے۔

اس مروجہ صورت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز تورق سے اس کی کوئی

مناسبت نہیں ہے، بلکہ اس کی صورت حقیقی تورق کی صورت سے مختلف ہے، اور اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اس میں عموماً جس سامان کی خرید و فروخت ہوتی ہے وہ خود بینک کے قبضہ اور ملکیت میں نہیں ہوتی اور مشتری جس چیز کو خریدتا ہے اس پر اس کا بھی شرعی قبضہ ہونے سے پہلے وہ اس کے بیچنے کا وکیل بناتا ہے اور قبل القبض جب وہ خود نہیں بیچ سکتا تو وکیل کیسے بنا سکتا ہے۔ اس لئے یہ صورت ربا کو حلال کرنے کی تدبیر کے سوا کچھ اور نہیں۔ اسی جیسی صورت کے بارے میں علامہ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"وهذا فيه مخالفة شرعية حيث لا يقبض المتعامل السلعة المشتراة ثم يؤكل المصرف ببيعها بثمن آجل، بل ليس هناك سلعة في الواقع، وانما مجرد توكيل المصرف بشراء السلعة ثم يبيعها بثمن حاضر ويعطى ثمنها للمتعامل، وتكون الحقيقة هي مجرد حيلة للاقراض بفائدة حيث يعطى المصرف مبلغا من المال في الحال، ثم يسترد منه مبلغا أكبر مقابل الزمن"۔

(یہ وہ تورق ہے جس میں شریعت کی مخالفت ہے اس لئے کہ قرض خواہ خریدی ہوئی چیز کا مالک ہوتا نہیں اور وہ بینک کو ثمن آجل کے ساتھ بیچنے کا وکیل بناتا ہے، بلکہ اس میں فی الواقع کوئی سامان ہی نہیں ہوتا، صرف بینک کو سامان کے خریدنے کا وکیل بنایا جاتا ہے، پھر وہ اس کو نقد قیمت سے بیچ دیتا ہے، اور اس کی قیمت قرض خواہ کو دے دیتا ہے، جس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ یہ قرض بالفائدہ کے لئے ایک حیلہ ہے، کیونکہ بینک فی الحال ایک متعینہ رقم دیتا ہے اور مدت کے بالمقابل اس سے زیادہ رقم اس سے واپس لیتا ہے)۔

(۲) تورق کے نام پر ایک صورت یہ مروج ہے کہ ایک شخص جس نے بینک سے ایک مدت کے لئے قرض لے رکھا ہے، اس مدت کے آنے پر اگر وہ اس قرض کو ادا کرنے سے قاصر ہو گیا، تو بینک کی جانب سے مدت میں اضافہ کے لئے ایک تدبیر اور حیلہ کیا جاتا ہے کہ بینک اور قرض دار کے مابین مروجہ طریقوں پر عقد تورق کیا جاتا ہے اور پھر اس طرح مقروض تورق کے

معاملہ میں زائد رقم کو قبول کر کے اور اپنے پچھلے والے قرض سے نکل کر ایک نئے قرض میں داخل ہو جاتا ہے، جو پچھلے قرض سے زائد ہوتا ہے، اور پھر اس کو ایک نئی مدت مل جاتی ہے، حقیقت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "ربا الجاہلیۃ" جو کہ فقہاء کے کلام میں ربا النسیئہ کہا جاتا ہے اس کے سوا کچھ اور نہیں، جس کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی حرمت بیان کی گئی ہے، ربا الجاہلیۃ کی حقیقت کے بارے میں حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں:

كان ربا الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل الحق إلى أجل ، فإذا حل الأجل قال له غريمه : أتقضي أو تربي ، فان قضاه أخذ وإلا زاده في حقه وأخر عنه الأجل"۔

(جاہلیت کا ربا یہ تھا کہ کسی شخص کا کسی پر متعینہ مدت کے لئے حق ہوتا، جب ادائیگی کا وقت ہو جاتا تو قرض دہندہ کہتا: یا تو ادا کر دو یا اضافہ کر دو، اگر وہ اس کو ادا کر دیتا تو وہ لے لیتا، بصورت دیگر حق میں زیادتی کر کے ادائیگی کی مدت بڑھا دیتا)۔

عقد تورق کے توسط سے موجودہ زمانے میں بھی یہی ہوتا ہے، اس میں بھی مقروض قرض کے بدلے ایک نئے زائد قرض کو قبول کرتا ہے جو حقیقتاً ربا الجاہلیۃ ہی ہے، اس لئے اس طرح کے تورق کی ہرگز اجازت نہیں ہو سکتی، جبکہ ایسے حالات میں قرآن میں اللہ کا حکم ہے:

"وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسره وأن تصدقوا خير لكم ان كنتم تعلمون"۔

(اگر (قرض دار) تنگ دست ہو تو وسعت وگنجائش کے آنے تک مہلت دینا ہے، اور تم صدقہ کر دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)۔

(۳) تورق کی ایک شکل یہ مروج ہے کہ جب قرض لینے والا کسی بینک سے قرض کا مطالبہ کرتا ہے تو قرض حاصل کرنے کے لئے بینک میں تورق کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ

لائف انشورنس کی پالیسی لینا بھی ضروری ہوتا ہے، تاکہ اگر قرض لینے والا شخص ادائیگی سے قبل وفات پاجائے تو انشورنس کمپنی اس قرض کو ادا کرے۔

یہ صورت تو ایسی صورت ہے کہ اگر اس میں تورق کی حقیقی جائز صورت کو بھی اختیار کیا جائے تو بھی لائف انشورنس کے لازمی شرط کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز ہوجائے گا، کیونکہ لائف انشورنس جائز نہیں ہے، انشورنس کے سلسلہ میں فقیہ وقت حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

جان و مال کا انشورنس اصل میں جائز نہیں ہے کیوں کہ اگر پالیسی مکمل ہوتی ہے تو پالیسی لینے والا جتنی رقم ادا کرتا ہے کمپنی اس سے زیادہ قیمت واپس کرتی ہے، اور یہ سود ہے، اور اگر پالیسی مکمل ہونے سے پہلے حادثہ پیش آگیا تو رقم پوری مل جاتی ہے، حالانکہ اس نے چند قسطیں ہی جمع کی ہیں، گویا پالیسی لینے والے کو اپنی پالیسی کا انجام معلوم نہیں، کسی کو دو تین قسطوں کی ادائیگی پر پوری رقم مل جائے گی اور کسی کو تمام قسطیں ادا کرنی ہوں گی، ظاہر ہے کہ یہ صورت قمار میں داخل ہے، پس انشورنس سود اور قمار سے مرکب صورت ہے، اور شریعت میں ان دونوں کی ممانعت ہے اس لئے اصلاً یہ صورت جائز نہیں۔

گویا اس معاملہ میں انشورنس کی شمولیت ہی اس عقد کو فاسد کردے گی کیونکہ عقد میں کوئی شرط ناجائز لگی ہو تو شرط ناجائز نفس عقد پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کو فاسد کردیتی ہے۔

(۴) تورق کی ایک شکل یہ اختیار کی جاتی ہے کہ بینک مختلف کمپنیوں میں شیئرز خرید تا ہے، متورق جب بینک سے رقم کا مطالبہ کرتا ہے تو بینک کی جانب سے رقم کے بجائے جتنی رقم اس کو مطلوب ہے اتنی رقم کے بقدر شیئرز اس کے حوالے کی جاتی ہے، مثلاً ایک شخص کو ایک لاکھ روپئے کی ضرورت ہے تو بینک اس سے ایک لاکھ سے زائد قیمت میں اتنے شیئرز ادھار فروخت کرتا ہے جسے کسی دوسری جگہ بیچنے سے اس کو ایک لاکھ روپۓ حاصل ہوسکتے ہیں، پھر اس کی رہنمائی اس ادارہ کی طرف کردیتا ہے جس ادارہ میں وہ خود جاکر ان خریدے ہوئے شیئرز کو

فروخت کرسکتا ہے۔ متورق کو شیئرز پر ایسی ملکیت دی جاتی ہے کہ وہ اگر کسی وجہ سے اس کو بیچنے کے بجائے خود رکھنا چاہے تو بھی اسے اختیار ہوتا ہے۔

تورق کی یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے؛ اس لئے کہ اس میں ہر ایک معاملہ مستقلاً درست ہے، بینک کا متورق سے اپنی مملوکہ شیئرز کو اس طور پر بیچنا کہ وہ اس کا مالک ہو جائے جائز ہے، کیونکہ شیئرز کی خرید وفروخت کو فقہاء ومفتیان نے جائز قرار دیا ہے۔ اور پھر اس شخص کا ان شیئرز پر مالکانہ قبضہ کے بعد اس کی خریدار کمپنی سے بذات خود بیچنا بھی جائز ہے، اس لئے انفرادی طور پر درست ان دونوں عقدوں کے مجموعے سے وجود میں آنے والی تورق کی صورت بھی جائز ہوگی۔

ہاں اگر یہی شیئرز کی خرید وفروخت اس طور پر ہو کہ بینک شیئرز کی ملکیت نہ رکھتا ہو، پھر بھی اس سے شیئرز بیچنے کا معاملہ کرے، یا شیئرز کی ملکیت تو اس کے پاس ہو لیکن اس کی ملکیت میں شیئرز کو منتقل نہ کرے تو یہ صورت درست نہ ہوگی، کیونکہ یہ بات تحریر کی جاچکی ہے کہ عقد کی درستگی کے لئے مبیع پر بائع کی ملکیت ضروری ہے، اور بعد العقد مشتری کی ملکیت میں اس کی منتقلی ضروری ہے۔

(۵) بعض بینکوں میں تورق کو اس طرح انجام دیا جاتا ہے کہ بینک معدنی اشیاء تیار کرنے والی کسی کمپنی سے یا گاڑیاں بنانے والی کسی کمپنی سے اس کی تیار کردہ چیزیں خرید لیتا ہے، مثلاً بینک گاڑی یا المونیم وغیرہ خریدتا ہے، اور وہ چیز بینک کی ملکیت میں ہوتی ہے، جب متورق بینک جاتا ہے تو بینک متورق سے اس مملوکہ چیز کی ادھار فروختگی کا معاملہ کر کے اس کی اس ادارہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو یہ چیز خرید لیتا ہے، اور متورق کو رقم حوالے کر دیتا ہے، تورق کی یہ صورت شرعی اصول کے مطابق درست ہے، اس لئے کہ بینک کا متورق سے معاملہ اور متورق کا کسی دوسرے خریدار ادارہ سے معاملہ دونوں مستقلاً درست ہیں۔ واضح رہے کہ اس صورت پر درستگی کا حکم تورق کی درستگی کے لئے بیان کردہ شرطوں کی رعایت پر موقوف ہے۔

البتہ بہت سے بینکوں میں یہ کیا جاتا ہے کہ بینک جہاں اپنی مملوکہ چیز متورق سے ادھار بیچتا ہے وہیں خود کو متورق کا وکیل بناتا ہے اور اس کے لئے متورق سے وکالت کی تحریر پر دستخط لے کر پھر خود ہی اس چیز کو اس کی خریدار کمپنی سے بیچتا ہے، وہ خریدار کمپنی بینک کے تابع یا بینک کا شعبہ نہیں ہوتی، البتہ دونوں میں معاملاتی رشتہ ہوتا ہے۔

اس صورت میں اصل قابل توجہ پہلو متورق کی طرف سے بینک کی وکالت ہے، اس معاملہ میں بینک کی حیثیت بائع (اول) کی ہے اور متورق کی حیثیت مشتری کی ہے، قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ کیا بائع اپنی فروخت کردہ چیز کو اس کے نئے مالک مشتری کی جانب سے فروخت کرنے کے لئے مشتری کا وکیل بن سکتا ہے یا نہیں؟

فقہاء احناف کی تحریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں بائع کا اپنی ہی فروخت کردہ چیز کو مشتری کی جانب سے فروخت کرنے کے لئے وکیل بننا درست نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ شفعہ کے مسئلہ میں بائع کو شفعہ کے لینے کا وکیل بنانا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ اسی معاملہ میں اسے وکیل بنانا ہے جو خود اس سے بھی مربوط ہے۔

"لا یصح توکیل البائع بذلک"۔

(بائع کو اس (شفعہ کے لینے) کا وکیل بنانا درست نہیں)۔

ابوکعب علیہ الرحمۃ کہتے ہیں:

"قلت للحسن: إنی أبیع الحریر فتبتاع منی المرأة والأعرابی، یقولون: بعه لنا فأنت أعلم بالسوق، فقال الحسن: لا تبعه ولا تشتره ولا ترشده إلا أن ترشده إلی السوق"۔

(میں نے حضرت حسن بصری سے کہا: میں ریشم بیچتا ہوں، مجھ سے عورت اور دیہاتی ریشم خریدتے ہیں اور وہ لوگ مجھ سے کہتے ہیں: کہ آپ ہی ہمارے طرف سے اسے بیچ دیجئے؛ کیونکہ آپ بازار سے واقف ہیں، تو حضرت حسن بصری نے فرمایا: نہ فروخت کرو اور نہ ہی

خریدو، اور نہ ہی رہنمائی کرو، ہاں بازار کی جانب رہنمائی کرسکتے ہو)۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بائع کا مشتری کی جانب سے وکیل بننا درست نہیں ہے، البتہ وہ اتنا کرسکتا ہے کہ اس کی خریدار کی طرف رہنمائی کردے، جیسا کہ بیان کردہ تورق کی صورتوں میں سے چوتھی صورت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

☆☆☆

تورق کا حکم

مولانا محمد حذیفہ محمود☆

ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کے لئے مذکورہ طریقہ کار ''تورق'' کا استعمال جائز نہیں ہے، کیونکہ:

(الف) یہ شراء ماباع بأقل مما باع قبل نقد الثمن الاول کو شامل ہے، جو ممنوع ہے، مذکورہ طریقہ کار میں اگرچہ بظاہر مشتری بائع یعنی بینک کو وہ سامان نہیں بیچتا، مگر چونکہ وہ دوسرے ایسے ادارہ کو بیچتا ہے جو بینک ہی سے منسلک ہے، اس لئے فی الحقیقۃ یہ بائع یعنی بینک ہی کو بیچنا ہوا، لہذا یہ ممنوع ہوگا، فقہاء نے جس طرح بائع اول کو بیچنا ممنوع قرار دیا ہے، اسی طرح ایسے شخص کو بھی بیچنا ممنوع قرار دیا ہے جس کی منفعت بائع کی طرف لوٹتی ہے، روایات وعبارات مندرجہ ذیل ہیں:

اعلاء السنن میں ہے:

"عن أبی إسحق السبیعی عن امرأته أنها دخلت علی عائشة في نسوة فسألتها امرأة فقالت: یا أم المؤمنین! کانت لی جاریة فبعتها من زید بن أرقم بثمان مأة إلی العطاء، ثم ابتعتها منه بست مأة فنقدته ست مأة و کتبت علیه ثمان مأة، فقالت عائشة: بئس ما اشتریت وبئس ما اشتری، أخبری زید بن أرقم أنه قد أبطل جهاده مع رسول الله ﷺ إلا أن یتوب، فقالت المرأة لعائشة: أرأیت إن

☆ دار العلوم لوناواڑہ، گجرات۔

أخذت رأس مالي ورددت عليه الفضل؟ فقالت: "فمن جاء ت موعظة من ربه فانتهى فله ماسلف" رواه عبد الرزاق فى مصنفه وأخرجه أحمد فى مسنده وقال فى التنقيح: هذا اسناد جيد"(زیلعی ۲/۱۷۷)۔

"أقول: دل هذا الحديث على أنه لا يجوز الشراء بأقل مما باعه قبل أخذ الثمن الأول،سواء قبض المشترى الأول المبيع أم لا"(اعلاء السنن ۱۴/۱۶۱-۱۶۲ مطبوع دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

"وفسد شراء ما باع بنفسه أو بوكيله من الذى اشتراه ولو حكما كوارثه بالأقل من قدر الثمن الأول قبل نقد كل الثمن الأول، صورته: باع شيئا بعشرة ولم يقبض الثمن ثم شراه بخمسة لم يجز......للربا و شراء من لايجوز شهادته له كابنه وأبيه كشراءه بنفسه"۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:"(قوله: وفسد شراء ما باع)أى لو باع شيئا وقبضه المشترى ولم يقبض البائع الثمن فاشتراه بأقل من الثمن الأول لايجوز......(قوله: كابنه وأبيه) وكعبده ومكاتبه، لأن شراء هؤلاء كشراء البائع بنفسه لاتصال منافع المال بينهم......ثم لا يخفى أن المراد شراء هؤلاء بالأقل لأنفسهم، أما لو اشتروا بالوكالة عن البائع لايجوز ولوكانوا أجانب عنه"(درورد ۷/۲۶۷-۲۶۸،مطبوعہ زکریا، دیوبند، وکذافی الہندیہ ۳/۱۳۲-۱۳۳)۔

ہدایہ میں ہے:

"ومن اشترى جارية بألف درهم حالة أو نسيئة فقبضها ثم باعها من البائع بخمسماة قبل أن ينقد الثمن الأول لايجوز البيع الثانى"(مع فتح القدیر ۶/۶۸ مطبوعہ احیاء التراث العربی)۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"أما إذا باع السلعة إلى أجل واشتراها من المشترى بأقل من ذلک حالا فهذه تسمى مسألة العينة وهى غير جائزة عند أكثر العلماء كأبى حنيفة ومالک وأحمد وغيرهم وهو المأثور عن الصحابة كعائشة وابن عباس وأنس بن مالک فإن ابن عباس سئل عن حريرة بيعت إلى أجل ثم اشتريت بأقل، فقال: دراهم بدراهم،دخلت بينهما حريرة"(فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/ ۴۴۵ مطبوعہ دار الجیل)۔

ابن قدامہ رقم طراز ہیں:

"من باع سلعة بثمن مؤجل ثم اشتراها بأقل منه نقدا لم يجز فى قول أكثر أهل العلم، روى ذلک عن ابن عباس وعائشة والحسن وابن سيرين والشعبى والنخعى وبه قال ابو الزناد وربيعة وعبد العزيز بن أبى سلمة والثورى والأوزاعى ومالک وإسحق وأصحاب الرأى وأجازه الشافعى......ولنا ماروى"(پھر مذکورہ بالا حضرت عائشہؓ کا واقعہ ذکر کیا ہے، اس کے بعد حضرت عائشہ کی تنبیہ کے متعلق لکھتے ہیں):"والظاهر أنها لا تقول مثل هذا التغليظ وتقدم عليه إلا بتوقيف سمعته من رسول الله ﷺ فجرى مجرى روايتها ذلک عنه"(المغنی لابن قدامہ ۴/ ۲۵۶-۲۵۷)۔

علامہ زیلعی تحریر فرماتے ہیں:

"لو باع شيئا وقبضه المشترى ولم يقبض البائع الثمن فاشتراه بأقل من الثمن الأول لا يجوز وقال الشافعى يجوز......ولنا ماروى"(پھر مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے):"فهذا الوعيد دليل على أن هذا العقد فاسد وهو لا يدرک بالرأى فدل على أنها قالته سماعا......ولواشتراه من لا تجوز شهادته له كولده ووالده وعبده ومكاتبه فهو بمنزلة شراء البائع بنفسه......لاتصال

منافع المال بینهم" (تبیین الحقائق ۴/۵۳-۵۴)۔

(ب) تورق کا مذکورہ بالا طریقہ "بیع عینہ" کی ممنوع صورت ہے، احادیث وآثار سے اس کی ممانعت بھی ثابت ہے، فقہاء نے بھی اس کو مکروہ لکھا ہے، اوپر وضاحت کی جاچکی ہے کہ صورت مذکورہ میں مشتری اگرچہ بظاہر بائع کو نہیں بیچتا مگر چونکہ ایسے ادارہ کو بیچتا ہے جو بائع یعنی بینک کا وکیل اور اس سے منسلک ادارہ ہے، اس لئے اس ادارہ کو بیچنا بھی درحقیقت بائع یعنی بینک ہی کو بیچنا ہے، لہذا تورق کا یہ طریقہ درست نہیں ہے۔

ابوداؤد میں ہے:

"عن ابن عمر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقرورضيم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلالاينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم" (اخرجہ ابوداؤد کتاب البیوع، باب فی النہی عن العینہ برقم ۳۴۶۲ مع بذل المجہود ۱۱/۱۷۹)۔

"عینہ" کی تشریح کرتے ہوئے مجمع بحار الانوار کے حوالہ سے صاحب بذل لکھتے ہیں: "هو أن يبيع من رجل سلعة بثمن معلوم إلى أجل مسمى ثم يشتريها منه باقل من الثمن الأول وهو مكروه" (۱۱/۱۷۹)، آگے لکھتے ہیں: "قال فى الدرالمختار (۷/۶۱۳): "بيع العينة مكروه مذموم شرعا لما فيه من الإعراض عن مبرة الاقراض" وقال الشامي (۷/۵۴۲): "قال محمد: هذا البيع فى قلبى كأمثال الجبال ذميم اخترعه أكلة الربا" (بذل ۱۱/۱۸۰)۔

اعلاء السنن میں اختلاف لفظ کے ساتھ مذکورہ روایت کو نقل کر کے لکھا ہے:

"قلت: فى هذه الأحاديث دلالة على كراهة العينة ولكن لم يقع تفسيرها فى الحديث وقد فسر فى اثر ابن عباس بأن يبيع الرجل حريرة بماة ثم يشتريها بخمسين......والوجه فيه أن فيه بخلامذموما وتركا للمبرة

والاحسان الذين هما من مكارم الأخلاق وقدروي عن أنس أنه سئل عن العينة فقال: "إن الله لا يخدع هذا مما حرم الله ورسوله" وروى ايضا عن ابن عباس أنه قال: "اتقوا هذه العينة، لا تبع دراهم بدراهم بينهما حريرة" وسئل ابن عباس عن العينة بمعنى بيع الحريرة، فقال: "إن الله لا يخدع هذا مما حرم الله ورسوله" وروى ابن بطة باسناده إلى الأوزاعي قال: قال رسول الله ﷺ: "يأتي على الناس زمان يستحلون الربا بالبيع يعنى بالعينة"(اخرجها ابن القیم فی اعلام الموقعین، اعلاء السنن ۱۴/ ۲۰۲)۔

علامہ زیلعی رقم طراز ہیں:

"وصورته أن يأتى هو إلى تاجر فيطلب منه القرض ويطلب التاجر الربح ويخاف من الربا فيبيعه التاجر ثوبا يساوى عشرة مثلا بخمسة عشرة نسيئة ليبيعه هو فى السوق بعشرة فيصل إلى العشرة ويجب عليه للبائع خمسة عشر إلى أجل ...... وسمى هذا النوع من البيع عينة......وهو مكروه لما فيه من الإعراض عن مبرة الاقراض مطاوعة لشح النفس وهذا النوع مذموم شرعا اخترعه أكلة الربا وقال عليه الصلوة والسلام: إذا تبايعتم بالعين واتبعتم أذناب البقر ذللتم وظهرعليكم عدوكم"(تبیین الحقائق ۴/ ۱۶۳ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان)۔

ہدایہ میں ہے:

"ليستقرض من تاجر عشرة فيتأبى عليه ويبيع منه ثوبا يساوى عشرة بخمسة عشرة مثلا رغبة فى نيل الزيادة ليبيعه المستقرض بعشرة ويتحمل عليه خمسة سمى به لما فيه من الإعراض عن الدين إلى العين وهو مكروه لما فيه من الإعراض عن مبرة الإقراض مطاوعة لمذموم البخل"(ہدایہ مع الفتح و الکفایہ ۶/ ۳۲۳ داراحیاء التراث العربی)۔

کفایہ میں ہے:

"(قوله : يستقرض من تاجر عشرة) هذه صورة بيع العينة، فيقول له: أبيعک هذا الثوب وقيمته عشرة باثنى عشرة لتبيعه فى السوق بعشرة فيحصل لى ربح درهمين وفيه صورة أخرى وهو أن يجعل المستقرض والمقرض بينهما ثالثا فى هذه الصورة.....وانما خللا بينهما ثالثا تحرزا عن شراء ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن وبيع العينة مكروه ذميم اخترعه أكلة الربوا وقد ذمهم رسول الله ﷺ بذلک فقال: اذا تبايعتم بالعين واتبعتم أذناب البقر ذللتم وظهرعليكم عدوكم وقيل إياک والعينة فانها لعينة" (کفایہ مع الفتح۶/ ۳۲۳)۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس پر مفصل کلام کیا ہے، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"أما إذا كان قصد الطالب أخذ دراهم بأكثر منها إلى أجل والمعطى يقصد إعطاء ذلک فهذا ربا لاريب فى تحريمه وإن تحيلا على ذلک بأى طريق كان" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/ ۴۴۱)۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"إذا باع السلعة إلى أجل واشتراها من المشترى بأقل من ذلک حالا فهذه تسمى مسألة العينة وهى غير جائزة عند أكثر العلماء كأبى حنيفة ومالک وأحمد وغيرهم وهو المأثور عن الصحابة كعائشة وابن عباس وانس بن مالک فان ابن عباس سئل عن حريرة بيعت إلى أجل ثم اشتريت بأقل فقال: دراهم بدراهم دخلت بينهما حريرة وأبلغ من ذلک أن ابن عباس قال: إذا استقمت بنقدثم بعت بنسيئة فتلک دراهم بدراهم فبين أنه إذا قوم السلعة بدراهم ثم باعها إلى أجل فيكون مقصوده دراهم بدراهم والاعمال بالنيات

وهذه تسمى التورق"(۲۹/۲۴۵)۔

(د)مذکورہ طریقہ سود کا ذریعہ اور وسیلہ بلکہ عین سود ہے،سو اس طریقہ کی بیع کا مقصود خرید وفروخت نہیں ہوتا، بلکہ سودی لین دین مقصود ہوتا ہے،سود کی حرمت وممانعت منصوص علیہ ہے،لہذا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

حضرت انسؓ سے"بیع عینہ" سے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:"إن الله لا يخدع هذا مما حرم الله ورسوله"،حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے(اعلاء السنن ۱۴/ ۲۰۲)۔

امام اوزاعی سے روایت ہے :"قال رسول الله ﷺ: "يأتي على الناس زمان يستحلون الربا بالبيع يعني بالعينة" أخرجها ابن القيم في الموقعين"(اعلاء السنن ۱۴/ ۲۰۲)۔

علامہ سرخسی نے لکھا ہے:"وهذا في معنى قرض منفعة"(مبسوط ۱۴/ ۳۶)۔

علامہ زیلعی لکھتے ہیں:

"اخترعه أكلة الربا"(تبیین الحقائق ۴/ ۱۶۳،کذا فی الشامی ۷/ ۵۴۲،الکفایۃ مع الفتح ۶/ ۳۲۶،الدر المختار ۷/ ۶۱۳)۔

علامہ حصکفی رقم طراز ہیں:

"باع شيئا بعشرة ولم يقبض الثمن ثم شراه بخمسة لم يجز......للربا"(درمختار مع رد المحتار ۱۴/ ۲۶۷-۲۶۸)۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"لأن ذلک ذريعة إلى الربا فانه يدخل السلعة ليستبيح بيع ألف بخمس مأة إلى أجل معلوم"(۴/ ۲۵۷)۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"قال عمر بن عبد العزيز: التورق أخية الربا، أي أصل الربا وهذا

القول أقول" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/۲۳۶)۔

آگے اس طرح کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"لا يحل له ذلك بل هو ربا باتفاق الصحابة وجمهور العلماء كما دلت على ذلك سنة رسول الله ﷺ"، پھر روایات وآثار نقل کر کے لکھتے ہیں: "وهذه الأحاديث وغيرها تبين أن ما تواطأ عليه الرجلان بما يقصد ان به دراهم بدراهم أكثر منها إلى أجل فإنه ربا سواء كان يبيع ثم يبتاع أو يبيع ويقرض وما أشبه ذلك" (۲۶/۲۳۷)۔

علامہ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"وقد تسمى هذه البيوع عند بعض العلماء "بيوع العينة" وهي في الحقيقة نوع من بيوع الآجال التي يقصد منها التحيل على الربا والوصول إلى ما هو ممنوع شرعا" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۶۶)۔

آگے لکھتے ہیں:

"والخلاصة أن جمهور الفقهاء غير الشافعية قالوا بفساد هذا البيع وعدم صحته، لأنه ذريعة إلى الربا وبه يتوصل إلى إباحة مانهى الله عنه، فلا يصح" (۴/۴۶۹)۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایات وآثار اور عبارات وتصریحات کے پیش نظر بیع تورق کا طریقہ کار استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔



تورق کا مسئلہ

مفتی اشرف قاسمی☆

سوال میں مذکور تورق کی شکل فقہا کی ذکر کردہ بیع عینہ سے قریب تر ہے، اس لیے پہلے بیع عینہ پر نظر ڈال لیں، پھر مسئلہ تورق کی طرف لوٹیں گے۔

الشرح الکبیر میں ہے:

"من باع سلعة بثمن مؤجل، ثم اشتراها بأقل منه نقدًا لم يجز روي ذلک عن ابن عباس وعائشة والحسن وابن سيرين والشعبي والنخعي، وبه قال الثوري والأوزاعي، ومالک وإسحاق وأصحاب الرأی، وأجازه الشافعي۔

(الدردیر: الشرح الکبیر ۴/ ۲۵۶- أوجز المسالک ۲/ ۳۰۶)۔

(جو شخص ادھار سامان بیچے، پھر اس کو مشتری سے کم قیمت میں نقد خرید لے، یہ جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حسن بصری، محمد بن سیرین، شعبی، اور نخعی سے عدم جواز ہی منقول ہے، سفیان ثوری، عبد الرحمٰن اوزاعی، امام مالک، اسحاق بن راہویہ اور اصحاب رائے بھی اسی کے قائل ہیں، البتہ امام شافعیؒ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے)۔

گویا اکثر حضرات فقہاء عدم جواز کے قائل ہیں، امام محمدؒ فرماتے ہیں:

"هذاالبيع في قلبي کأمثال الجبال ذميم اخترعه آکلة الربوا"

علامہ علاؤ الدین حصکفی کہتے ہیں: **"اخترعه آکلة الربوا، وهو مکروه مذموم شرعًا لما فيه من الإعراض عن مبرة الإقراض"** (ابن عابدین: رد المحتار ۷/ ۶۱۴- ۶۱۳-

☆ استاذ، جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات۔

وقال في الفتح: لا كراهة فيه الا خلاف الاولی ردالمحتار ۷/ ۵۴۲)۔

البتہ اگر ایک نقد مثلاً چاندی سے بیچا تھا اور دوسرے نقد سونے کے عوض کم قیمت پر خریدلیا تو اگرچہ اکثر حضرات جواز کے قائل ہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ اس کو بھی ناجائز مانتے ہیں۔اس لیے کہ معنی ثمنیت میں دونوں برابر ہیں، اور یہ درحقیقت ربا کا ذریعہ ہے۔

"فإن باعها بنقد ،ثم اشتراها بنقد آخر –قال أصحابنا :يجوز ،لأنهما جنسان ،لا يحرم التفاضل بينهما أشبه ما لو اشتراها بعرض ،وقال ابو حنيفة: لا يجوز استحساناً ،لأنهما كالشيء الواحد في معنى الثمنية،ولأن ذالک يتخذ وسيلة إلى الرباء" (الكاندهلوي: أوجز ۲/ ۳۰۷)۔

عدم جواز کے دلائل: بیع عینہ کے عدم جواز کے سلسلہ میں حدیث مرفوع بھی موجود ہے:

"فقد روى أبو داؤد باسناده عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا تبايعتمْ بالعينة، وأخذ تم أذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلاّ لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم" (سنن ابی داؤد: ۳۴۶۲)۔

(جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے اور گائے بیل وغیرہ کی دم پکڑ کر بیٹھ جاؤ گے اور کھیتی باڑی کے ہی ہو کر رہ جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ پاک تمہارے اوپر ایسی ذلت مسلط فرمائیں گے جو اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک تم راہ راست پر نہ آجاؤ)۔

حضرت زید بن ارقمؓ کی ام ولد نے حضرت عائشہؓ کو بتایا کہ میں نے زید بن ارقم کا ایک غلام عطا کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں فروخت کیا، پھر اس کو عطا سے چھ سو درہم کے عوض خریدلیا ،تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تیرا اس طرح خرید وفروخت کرنا انتہائی برا ہے۔زید بن ارقم سے جا کر بتلا دو کہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جو جہاد کیا تھا اللہ پاک اس کا اجر ختم فرما دیں گے اگر انہوں نے توبہ نہیں کی (رواہ احمد وسعید بن منصور، انظر اوجز ۱۲/ ۳۰۷)۔

بیع عینہ کی ممانعت کی ایک بڑی وجہ وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ بھی درحقیقت ربا کی ہی ایک شکل ہے۔اور اصل مقصد سود حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ بیع کرنا،جیسا کہ علامہ حصکفیؒ کی رائے کے ذیل میں گذرا کہ انہوں نے اسے سود خوروں کی ایجاد قرار دیا ہے۔اور امام ابوحنیفہؒ نے اس سے ملتی جلتی شکل کو بھی استحساناً ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ بھی سود کا محض ایک ذریعہ ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے مقالے میں ہے:

"إن العينة بيع صوري متخذ وسيلة -للربا(أى الفائدة المصرفية)فلا يقصد منه البيع حقيقة-وهو في الواقع قرض ربوي ،مع البائع الأصلي ذاته" (وھبۃ الزحیلی: التورق: حقیقتہ وانواعہ، ص ۲)۔

یعنی عینہ محض صورۃً بیع ہے اسے ربا یعنی بینک انٹرسٹ کے ذریعہ کے طور پر اپنایا جاتا ہے،اس سے حقیقۃً بیع کا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ حقیقت میں یہ خود بائع اصلی کو حاصل ہونے والا سودی قرضہ ہے۔

بیع عینہ کی وضاحت کے بعد،تورق کی حقیقت اور اس کے احکام کی معرفت میں آسانی ہوگی۔

تورق کی حقیقت:

"أن يشترى شخص سلعة نسيئة (لأجل)ثم يبيعها نقدًا (في الحال)-لغير البائع -بأقل مما اشتراها به ليحصل بذالك على النقود "(أیضاً)۔

گویا بیع عینہ اور تورق میں کافی حد تک مماثلت ہے،فرق صرف اتنا ہے کہ بیع عینہ میں شی، بائع کو ہی کم ثمن میں مل جاتی ہے،جب کہ تورق میں کسی تیسرے شخص سے شی فروخت کی جاتی ہے۔

حکم: تورق کی جو صورت سوالنامے میں مذکور ہے،یا اکیڈمی کی طرف سے ارسال کردہ

ڈاکٹر وھبہ زحیلی کا جو قیمتی مقالہ ہمیں موصول ہوا ہے، اس میں درج تفصیلات کا بہ غور مطالعہ کرنے سے تورق کی موجودہ شکل ناجائز اور غیر شرعی معلوم ہوتی ہے۔ عدم جواز کی چند وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) بیع عینہ کے عدم جواز کا قول تحریر کیا جا چکا ہے، اور تورق کی صورت بیع عینہ سے قریب تر ہے، بلکہ اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ تورق بھی بیع عینہ کی ہی ایک شکل ہے، کیوں کہ علامہ شامیؒ نے بیع عینہ کی جو تین شکلیں تحریر کی ہیں، ان میں سے ایک شکل بعینہ تورق کی موجودہ شکل معلوم ہوتی ہے، انہوں نے یہ صورت ذکر کی ہے کہ قرض لینے اور دینے والے کے درمیان ایک تیسرا شخص بھی ہو، پھر مقرض اپنا کپڑا مستقرض کے ہاتھ ۱۲/ دراہم میں فروخت کرے۔ اور مستقرض کو مبیع سونپ دے، پھر تیسرا شخص اسے خرید کر مقرض کو دس دراہم میں فروخت کرے اور مقرض سے دس دراہم لے کر مستقرض کو دیدے، اس طرح مستقرض کو دس مل جائیں گے، اور مقرض کے دو درہم مستقرض پر باقی رہیں گے، شامیؒ کہتے ہیں:

"وقال بعضهم هي أن يدخلا بينهما ثالثاً فيبيع المقرض ثوبه من المستقرض باثني عشر درهماً ويسلم إليه ثم يبيعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ويسلم إليه ويأخذمنه العشرة، ويدفعها للمستقرض فيحصل للمستقرض عشرة ولصاحب الثوب عليه اثنا عشر درهماً - كذا في المحيط" (ابن عابدین- ردالمحتار ۷/ ۵۴۲)۔

نیز بیع عینہ کے سلسلہ میں مرفوع روایت موجود ہے، تورق بھی بیع عینہ کی ایک شکل ہے، لہذا اسے بھی ممنوع ہونا چاہیے۔

(۲) تورق بھی درحقیقت سود کمانے کا ہی ایک طریقہ ہے، تورق میں بیع مقصود نہیں ہوتی بلکہ فقط قرض پر انٹرسٹ لینا مقصود ہوتا ہے، اس طرح بیع عینہ کی ممانعت کی جو وجہ فقہاء نے تحریر کی ہے، وہ تورق میں بھی موجود ہے:

"قال الكاساني :لأن في هٰذا البيع شبهة الربا، لأن الثمن الثاني يصير قصاصًا بالثمن الأول،فبقي من الثمن الأول زيادة لا يقابلها عوض في عقد المعاوضة وهو تفسير الرباء" (الکاسانی بدائع ۹۵/۷)۔

(اس لئے کہ اس بیع میں شبہ ربا ہے کیونکہ ثمن ثانی ثمن اول کے بالکل برابر ہو جائے گا اور ثمن اول میں سے بائع کے پاس وہ زیادتی رہ جائے گی جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں، اور یہی ربا کا مطلب ہے)۔

ظاہر ہے تورق میں بعینہ یہ وجہ موجود ہے، اور ربا کی تفسیر اس پر صادق آ رہی ہے اور ربا ہی درحقیقت مقصود بھی ہے تو اس کے جواز کا فیصلہ کیونکر ہو سکے گا، جبکہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: "الأمور بمقاصدها "اس کے ذیل میں فقہا نے مسئلہ تحریر کیا ہے کہ انگور کا شیرہ کسی شراب ساز کے ہاتھ فروخت کرنا تجارت کے مقصد سے جائز ہے، اور شراب بنانے کے مقصد سے جائز نہیں ہے۔

"وذكر قاضي خان في فتاواه :أن بيع العصير ممن يتخذ خمرًا إن قصد به التجارة فلا يحرم ،وإن قصد به لأجل التخمير حرم" (ابن نجیم: الاشباہ/ص ۱۱۱)۔

اور یہاں بظاہر ربا ہی مقصود ہے اس لیے جائز نہیں، اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ کبھی اگر اتفاقیہ ایسی صورت حال سے مشتری دوچار ہو جائے کہ اسے کم قیمت پر بائع کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہونا پڑے اور پہلے سے اس طرح کا کوئی ارادہ نہیں تھا تو اس کا جواز ہونا چاہیے۔

(۳) تورق کی صورت میں بسا اوقات قبل القبض مبیع کی فروختگی لازم آتی ہے، اسی طرح ایک ہی عقد میں دو عقد کی بھی خرابی موجود ہے اور نص صریح سے دونوں کی ممانعت ثابت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تورق بھی درحقیقت سود کمانے کی ہی ایک شکل ہے، اور سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، لہٰذا تجارت یا بینکنگ کی کوئی بھی شکل ہو، لیکن اس کا تانا بانا سود سے بُنا گیا ہو تو اس کی اجازت کبھی نہیں دی جا سکتی ہے۔



مسئلہ تورق اور اسلامی بینکوں میں تورق کا نظام

مولانا محمد ممتاز خاں ندوی☆

أورق الرجل (آدمی درہم والا ہوگا)، استورق أی طلب الورق (آدمی نے درہم طلب کیا)، فیروز آبادی نے کہا: "أورق کثر ماله ودراهمه" (اس کے مال اور درہم بڑھ گئے) (القاموس المحیط رص ۱۱۸۹)۔

تورق کے باب تفعل سے ہونے کی حکمت یہ ہے کہ چونکہ آدمی درہم کو حاصل کرنے میں انتھک کوشش کرتا ہے جبکہ یہ چیز اس کے بس میں نہیں ہوتی ہے۔

تورق کی اصطلاحی تعریف:

تورق کی اصطلاح صرف فقہ حنبلی کی کتابوں میں ملتی ہے، بقیہ ائمہ کی کتابوں میں تورق کے بجائے دوسری اصطلاحیں قائم ہیں، امام شافعیؒ کی کتابوں میں زرنقہ کی اصطلاح ہے، اور امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں میں بیع عینہ یا بیوع الآجال کی اصطلاح ہے۔

۱- حنابلہ کے یہاں تورق کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

"أن یشتری المرء سلعة نسیئة ثم یبیعها نقدا لغیر البائع بأقل مما اشتراها به لیحصل بذلک علی النقد" (الانصاف ۱۱/۲۱۶) (آدمی ادھار کوئی سامان خریدے، پھر وہ اس کو بائع کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ اس سے کم قیمت میں جس میں کہ اس نے خرید افروخت کردے تا کہ اس کو رقم حاصل ہو جائے)۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، تکیہ کلاں رائے بریلی۔

۲-شافعیہ کے یہاں تورق کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے:

"أما الزرنقة: فهو أن يشترى الرجل سلعة بثمن إلى أجل، ثم يبيعها من غير بائعها بالنقد ثم قال: وهى العينة الجائزة" (الزاہر ص۲۱۶) (جہاں تک زرنقہ کا تعلق ہے تو یہ وہ ہے کہ آدمی ادھار کوئی سامان خریدے، پھر اس کو بائع کے علاوہ نقد قیمت میں بیچ دے، پھر فرمایا: یہی جائز عینہ ہے)۔

۳-مالکیہ کے یہاں تورق کی اصطلاحی تعریف یوں ہے:

"أن من باع سلعة بثمن مؤجل فلا يجوز له أن يشتريها المباح بثمن معجل أقل مما باعها به" (البحوث الفقہیہ عدد ۷۴، ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء) (جس نے کوئی سامان ادھار بیچا، تو اس کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ اس کو اس سے کم قیمت میں نقد قیمت میں خریدے)۔

۴-حنفیہ کی کتابوں میں احقر کو تورق کی اصطلاحی تعریف تو نہیں مل سکی، البتہ اس کے جواز پر عنایہ کی یہ عبارت ضرور ملی ہے، "بخلاف ما إذا باعه من غيره لأن الربح لا يحصل البائع" (برخلاف اس کے کہ جب اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا، اس وجہ سے کہ فائدہ بائع کو حاصل نہیں ہو رہا ہے)۔

تورق کا حکم جمہور کے نزدیک:

جمہور بشمول امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک تورق جائز ہے۔

"ذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والمالكية والحنابلة فى المذهب إلى جواز التورق" (البحوث الفقہی عدد ۷۴)۔

عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: "لا بأس بالزرنقه" (النہایہ لابن الاثیر ۲/۳۰۱) (تورق میں کوئی حرج نہیں ہے)، ایاس بن معاویہ نے تورق میں رخصت دی ہے: "ونقل عن اياس بن معاوية أنه رخص فى التورق" (تہذیب مختصر سنن ابی داؤد لابن القیم ۵/۱۰۸)۔

اصحاب ظواہر بھی تورق کے سلسلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں: "و کذا الظاهرية قالوا بالجواز مالم يكن ذلک عن شرط مذكور في نفس العقد" (المحلی لابن حزم ۶۸۶/۹)۔

ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک تورق:

امام ابن تیمیہؒ تورق کی کراہت کے قائل ہیں، اور یہی ایک روایت امام احمد بن حنبل کی بھی ہے، جبکہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت تورق کی حرمت کی بھی ہے، "وخالف في ذلک ابن تيمية و ذهب إلى كراهة التورق" (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۴۴۲/۲۹)، امام ابن القیم الجوزیؒ نے اپنے شیخ امام ابن تیمیہ کے مسلک کو پسند کیا: "وقد ارتضى مذهب شيخه بحظر التورق و أنه منهي عنه مذموم" (اعلام الموقعین ۱۸۲/۳-۲۱۲)، عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: "التورق اخية الربا" (اعلام الموقعین ۱۸۲/۳) (تورق ربا ہی کے مثل ہے)۔

مجوزین کے دلائل:

مجوزین حضرات ان آیات کے عموم سے استدلال کرتے ہیں:

۱- "أحل الله البيع" (بقرہ:۲۷۵) (حالانکہ اللہ تعالی نے حلال کیا ہے سوداگری کو)۔

۲- "وقد فصل لكم ماحرم عليكم" (انعام:۱۱۹) (اور وہ واضح کر چکا ہے جو کچھ کہ اس نے تم پر حرام کیا ہے)۔

۳- "يا أيها الذين آمنوا لا تاكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم" (نساء/۲۹) (اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے)۔

ان حضرات کی ایک دلیل درج ذیل حدیث ہے:

"عن أبي سعيد الخدري و أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر فجاءه بتمر جنيب، فقال رسول الله ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؛ قال: لا والله يا رسول الله! إنا لنا خذ الصاع من هذا بالصاعين،

والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا" (بخاری کتاب البیوع باب اذا أراد بیع تمر بتمر خیر منہ)۔

(حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کو خیبر کا عامل مقرر کیا، چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں عمدہ کھجوریں لے کر آئے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی عمدہ ہوتی ہیں، انہوں نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول، بلکہ ہم اس کا ایک صاع دو صاع کے بدلے اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ تمام کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچ دیا کرو اور پھر دراہم سے اچھی کھجوریں خرید لیا کرو)۔

ان حضرات کی ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حرمت پر کوئی دلیل نہ ہو تو اصل الشی الاباحۃ کے تحت وہ چیز جائز ہوتی ہے، چونکہ بیع تورق کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں ہے، لہذا یہ اصل حکم اباحت پر باقی رہے گی۔

"**أن الأصل في العقود والشروط الإباحة وبيع التورق عقد من العقود ولم يدل دليل على تحريمه فيبقى على حكم الأصل وهو الإباحة**" (البحوث الفقہیہ المعاصرۃ عدد ۶۷-۲۰۰۷)۔

مانعین کے دلائل:

مانعین کی دلیل یہ ہے کہ تورق کا تعلق بیع مضطر سے ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ نے بیع مضطر سے منع فرمایا ہے، سنن ابی داؤد میں ہے: "**عن علي رضي الله عنه: أن النبي ﷺ: نهى عن بيع المضطر**" (مختصر سنن ابی داؤد للمنذری ۵/۴۷) (حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع مضطر سے منع فرمایا)۔

حدیث کی حیثیت:

مانعین جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، محدثین کرام کے یہاں اس میں کلام ہے،

کیونکہ اس حدیث کے رواۃ میں ایک راوی صالح بن عامر ہیں، ابن قطان نے ان کے بارے میں فرمایا: صالح غیر معروف شخص ہے، امام ذہبی نے فرمایا: صالح بن عامر مجہول شخص ہے، اس کا کوئی پتہ نہیں ہے، شیخ عبدالحق نے فرمایا: یہ حدیث ضعیف ہے، امام بیہقی نے فرمایا: یہ حدیث حضرت علی اور ابن عمرؓ سے بہت سارے طرق سے مروی ہے، لیکن سب کے سب طریق ضعیف ہیں، علامہ ابن حزم نے اس حدیث کو محلی میں ضعیف قرار دیا ہے، اور امام نووی نے مجموع میں فرمایا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے (سنن بیہقی ۶/ ۱۷، المجموع للنووی ۹/ ۱۶۱، معالم السنن للخطابی ۵/ ۴۷، المحلی ۹/ ۲۲)۔

لہذا مانعین کا اس حدیث سے تورق کے عدم جواز پر استدلال محل نظر ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ تورق کو جائز قرار دینے میں، ربا کے دروازہ کو کھولنا ہے، کیونکہ شروع میں معاملہ تورق کا ہوگا، رفتہ رفتہ یہی معاملہ سود تک پہنچ جائے گا، لہذا تورق سد ذرائع کے طور پر جائز نہیں ہوگا، تاکہ معاملہ سود تک نہ پہنچ سکے۔

"سد الذريعة إلى الربا قياسا على العينة وقالوا بجواز التورق وهي شقيقة مسألة العينة" (البحوث الفقہیہ عدد ۷۶-۲۰۰۷ء)۔

طرفین کے دلائل کا ایک مختصر جائزہ:

اگر طرفین کے دلائل کا جائزہ لیا جائے تو اس باب میں جمہور کے دلائل قوی معلوم ہوتے ہیں، اور عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے، اور مانعین کے دلائل کمزور معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ بیع مضطر والی روایت کمزور ہے جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا، لہذا اس حدیث سے استدلال محل نظر ہے، اور رہی مانعین کی دوسری دلیل تو یہ کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے، کیونکہ تورق کے جائز قرار دینے میں ضروری نہیں ہے کہ اس سے ربا کا دروازہ کھل جائے یہ محض خیال ہے، شیخ ڈاکٹر نزیہ حماد نے دونوں فریق کے دلائل کا جو جائزہ لیا ہے، اس میں انہوں نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ اس باب میں جمہور کے دلائل نہایت قوی ہیں، اور مانعین کے دلائل کمزور ہیں، موصوف فرماتے ہیں:

"والثواب أن حجج جمهور الفقهاء المجيزين للتورق صحيح قوية

دامغة سالمة من الإيراد عليها، بخلاف أدلة المانعين فإنها ضعيفة واهية لا تصمد أمام النقد العلمي النزيه البعيد عن التقليد والتعصب ولا يصح الركون إليها أو الاعتماد عليها" (البحوث الفقہیہ عدد ۷۴-۷-۲۰۰۷ء ایضا)۔

تورق اور بیع عینہ میں فرق:

تورق اور بیع عینہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ بیع عینہ میں خریدار جس شخص سے سامان ادھار خریدتا ہے، اسی شخص سے کم قیمت میں فروخت کر دیتا ہے، اور تورق میں جس سے سامان ادھار خریدتا ہے اس سے بیچنے کے بجائے دوسرے سے کم قیمت میں فروخت کر دیتا ہے، دونوں کو ایک مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے، الف نے ب سے دس ہزار کا ادھار کوئی سامان خریدا، پھر الف نے ب ہی کے ہاتھ ۹ ہزار میں فروخت کر دیا تو یہ بیع عینہ کی شکل ہے اور الف، ب کے بجائے کسی اور کے ہاتھ فروخت کرے جس کا ب سے کوئی تعلق نہ ہو، تو یہ تورق کی شکل ہے، بیع عینہ میں چونکہ سود پایا جاتا ہے، لہذا یہ بالاتفاق حرام ہے، جبکہ تورق میں سود نہیں ہوتا ہے، لہذا یہ جمہور کے نزدیک جائز ہے، ڈاکٹر شیخ نزیہ حماد تحریر فرماتے ہیں:

"فيضطر إلى أن يشتري منه سلعة، ثم يبيعها فإن اشتراها منه بائعها كانت عينة، وإن باعها من غيره فهي التورق"۔

ڈاکٹر عبدالعزیز بن علی بن عزیز الغامدی تحریر فرماتے ہیں:

"فهنا عادت السلعة إلى بائعها بثمن حال أقل مما باعها به مؤجلا فتأكدت شبهة الربا بينما في التورق لم تعد السلعة إلى بائعها وإنما المشتري باعها لغيره من الناس فانتفت شبهة الربا، لذا قال الجمهور من الفقهاء بتحريم العينة" (البحوث الفقہیہ ۷۶-۷-۲۰۰۷ء)۔

اسلامی بینکوں میں تورق کا نظام:

اسلامی بینکوں نے تورق کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، جس کی صورت سوالنامہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے، مثلاً "الف" کو ایک لاکھ روپئے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے

ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے، اور اسے ''ب'' سے ایک لاکھ روپئے نقد میں فروخت کردیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ کی رقم حاصل ہوجاتی ہے، اور ''ب'' کو دس ہزار روپئے نفع مل جاتا ہے اور عام طور پر ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے (بینک کو) ہی دس ہزار روپئے نفع حاصل ہوتا ہے۔

جب ہم اسلامی بینکوں کے اس عملی طریقہ پر غور کرتے ہیں، تو بینکوں کا یہ نظام شریعت کی روح سے ہم آہنگ نظر نہیں آتا ہے، گو یہ نظام صورۃ تورق کی شکل لئے ہوئے ہے، لیکن حقیقت میں اس میں بیع عینہ کی روح کارفرما ہے، کیونکہ تیسرا شخص جو مال کم قیمت پر خرید کررہا ہے وہ بینک ہی سے منسلک ہے، اور یہ شخص اس رقم کو بینک لے جانے پر مامور ہوتا ہے تو اصلاً اضافہ بینک ہی کو حاصل ہوا، لہذا یہ سودی معاملہ ہے، احقر کے نزدیک اسلامی بینکوں میں تورق کی جو صورت سوالنامہ میں ذکر کی گئی ہے، سودی معاملہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

شیخ نزیہ حماد کی درج ذیل عبارت اسلامی بینکوں کے اس نظام کے عدم جواز کے سلسلہ میں بڑی دوٹوک ہے:

"أما إذا كان الشخص الثالث: مشترى السلعة من العميل المتورق- وكيل عن البائع (المصرف) في شرائها أو مشتر بالحساب بمواطاة لفظية أو عرفية أو نحوذلک، فلا يجوز عند ئذ هذه المعاملة لأنها تكون (عينة) في الحقيقة، وإن كانت تورقا صورة، والأصل الشرعي كما قال ابن القيم: أن الاعتبار في العقود والأفعال بحقا ئقها ومقاصدها دون ظواهر ألفاظها وافعالها" (البحوث الفقهیہ ۷۴-۱۴۲۸ھ)۔

نیز مذکورہ بینکوں کے نظام میں سود کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ بینک سے ادھار مال خرید کرنے والا بینک سے منسلک ادارہ ہی سے وہ چیز کم قیمت میں فروخت کرے گا، ظاہر ہے کہ یہ شرط تقاضائے عقد کے منافی ہے، کیونکہ جب مال کسی کی ملکیت ہوجائے تو وہ

جہاں چاہے فروخت کرے، رسول اللہ ﷺ نے ایسی شرط سے جو تقاضاء عقد کے منافی ہو منع فرمایا ہے: "نھی النبی ﷺ عن بیع و شرط" (الطبرانی فی الاوسط عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی ﷺ) (رسول اللہ ﷺ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا)۔

صاحب جوہرۃ النیرۃ شیخ الاسلام ابوبکر بن علی الیمنیؒ ایسی شرط جو تقاضاء عقد کے منافی ہو، شرط اور بیع دونوں کو فاسد قرار دیتے ہیں: "وأما الوجه الذی كلاهما فاسدان فهو أن یكون الشرط مما لا یقتضیه العقد" (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۲۴۰)۔

البتہ اسلامی بینک اپنے نظام میں تھوڑی تبدیلی کرلیں تو اسلامی بینکوں کا نظام شریعت کی روح سے ہم آہنگ ہوسکتا ہے، وہ تبدیلی یہ ہے کہ بینک ادھار سامان دینے والے سے یہ کہہ دے کہ تم جہاں چاہو فروخت کرو، ہم صرف اصل رقم چاہتے ہیں، تو یہ نظام جائز ہوگا۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اسلامی بینکوں نے تورق کے جس طریقہ کو اختیار کیا ہے اس میں دو قباحتیں ہیں:

۱- سودی معاملہ، ۲- شرط۔

۱- سود اس وجہ سے پایا جارہا ہے کہ اصل اضافہ بینک ہی کو حاصل ہورہا ہے، تیسرے شخص کی حیثیت وکیل کی ہے۔

۲- اور شرط بھی ہوتی ہے کہ بینک سے ادھار مال خرید کرنے والا بینک سے منسلک ادارہ ہی سے فروخت کرے گا، ظاہر ہے کہ یہ شرط تقاضاء عقد کے منافی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایسی شرط سے منع فرمایا ہے، البتہ اگر بینک سے منسلک جو ادارہ ہے وہ سامان کو نہ خریدے، بلکہ بینک خریدنے والے کو اختیار دے دے کہ تم جہاں چاہو فروخت کرو، ہمیں اصل رقم سے مطلب ہے تو یہ شکل جائز بلکہ مستحسن ہوگی۔

☆☆☆

مسئلہ تورق اور بینکنگ نظام

مولانا محمد توقیر بدر قاسمی☆

انسانی ضرورتوں کی تکمیل کی جو صورتیں آج کی موجودہ دنیا میں مروج ہیں، ان میں بینکنگ نظام کا خاصا دخل ہے، جہاں سے انسان اپنی ضرورت و حاجت کی تکمیل گذشتہ دنوں کی نسبت آج زیادہ کرنے لگا ہے۔

مذکورہ پس منظر میں انسانیت کے لئے کیا فائدہ مند ہے اور کیا نقصان دہ اس پر غور کرنا ہر زمانے کے عقلاء و حکماء کی ذمہ داری رہی ہے، بلکہ پابند شرع علماء وفقہاء اپنی شب و روز کی محنت سے شرعی احکام اور انسانی مفاد کے حوالے سے دفاتر ترتیب دیئے ہیں۔

آج کل بینک کا نظام سود پر قائم ہے جو اسلام کی نظر میں سراسر حرام اور ناجائز ہے (سورہ بقرہ ۲۷۵)، تاہم انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے راستے کیا ہوں؟ اس سلسلے میں اس دور میں اسلامی بینکوں نے ایک طریقہ تورق (فراہمی سرمایہ) کا اختیار کر رکھا ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ بینک طالب سرمایہ کو خریدار بننے کو کہتا ہے اور پھر اس طالب خریدار سے کوئی ایسی شی فروخت کرتا ہے جس کو بیچ کر یہ ضرورت مند مطلوبہ سرمایہ حاصل کر سکتا ہے، عملاً اس میں ہوتا یہ ہے کہ خریدار بن کر طالب سرمایہ جو کچھ بینک سے خرید کرتا ہے اس شی کو کم قیمت پر بینک ہی کو کسی نہ کسی شکل میں واپس فروخت کرتا ہے، جو بعینہ ”عینہ“ نہ سہی مگر ”عینہ“ سے قریب ضرور ہے، کیونکہ بیع عینہ میں براہ راست بائع ہی کو لوٹ جاتا ہے جبکہ اس میں بواسطہ لوٹتا ہے۔

☆ المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ۔

تورق اور عینہ کی حقیقت اور فقہاء کا فیصلہ:

موسوعہ فقہیہ میں جمہور امت کی ترجمانی کرتے ہوئے تورق کی حقیقت اور اس کا حکم نقل کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے:

"التورق فی الاصطلاح: أن یشتری سلعة نسیئة ثم یبیعها نقدا لغیر البائع بأقل مما اشتراها به لیحصل بذلک علی النقد" (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۷)۔

(تورق اصطلاح میں حصول نقد کی خاطر کسی سے سامان ادھار خرید کر بازار میں جتنے میں خریدا ہے اس سے کم قیمت پر بائع کے علاوہ کسی سے فروخت کر دینا ہے)۔

مذکورہ شکل تمام فقہاء کے نزدیک سرمایہ فراہم کرنے کے لئے جائز ہے، خواہ اسے تورق کا نام دیا جائے یا کچھ اور کہا جائے، چنانچہ الموسوعہ میں ہی کشاف القناع کے حوالہ سے حکم جواز کا نقل کیا گیا ہے:

"جمهور العلماء علی إباحته سواء من سماه تورقا وهم الحنابلة أو من لم یسمه بهذا الاسم وهم من عدا الحنابلة لعموم قوله تعالی: وأحل الله البیع" (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۷) (خواہ حنابلہ ہوں یا غیر حنابلہ تمام حضرات آیت حلت بیع کے عموم کے پیش نظر مذکورہ تورق کے جواز کے قائل ہیں)۔

عینہ کی حقیقت اور اس کا حکم:

"العینة لغة السلف: واصطلاحا أن یبیع سلعة نسیئة ثم یشتریها البائع نفسه بثمن حال أقل منه" (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۷) (عینہ کے معنی لغت میں مطلق سودا کرنا کہلاتا ہے، اصطلاح میں خریدار بائع سے کوئی سامان ادھار خرید کر زائد قیمت میں پھر بائع سے ہی نقد کم قیمت میں فروخت کر دے)۔

شیخ سہارنپوری بذل المجہود میں رقم فرماتے ہیں:

"هو أن یبیع الرجل سلعة بثمن معلوم إلی أجل مسمی ثم یشتریها منه

بأقل من الثمن الأول "(بذل المجهود ۲۷۶/۴)(عینہ یہ ہے کہ کوئی شخص متعینہ مدت تک معلوم ثمن کے بدلہ کوئی سامان فروخت کردے پھر کم قیمت پر مشتری سے خرید لے)۔

جہاں تک عینہ کے جواز کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرات شافعیہ کے علاوہ کوئی بھی فقیہ اس کا قائل نہیں ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

"الخلاصة: أن جمهور الفقهاء غير الشافعية قالوا بفساد هذا البيع وعدم صحته"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۶۹/۴)(خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء نے اس بیع کو فاسد اور غیر صحیح قرار دیا ہے)۔

علامہ ابن ہمام تورق اور عینہ کے متعلق علماء حنفیہ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إن الذى يقع فى قلبى أن ما يخرجه الدافع إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع جميع ما أخرجه أو بعضه.....فمكروه يعنى تحريما فإن لم يعد كما إذا باعه المديون فى السوق فلا كراهة فيه"(فتح القدیر باب الکفالۃ ۱۹۹/۷)(میرے دل میں جو بات کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ بائع نے جو کچھ دیا ہے اس کی شکل یہ ہو کہ وہ بائع کے پاس اس کا تمام حصہ یا بعض حصہ لوٹ کر آجائے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر لوٹ کر نہ آئے جیسا کہ مدیون نے اس کو بازار میں فروخت کردیا تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے)۔

صاحب فروع رقم کرتے ہیں:

"ولو احتاج إلى نقد فاشترى ما يساوى مائة بمائتين فلا بأس نص عليه وهى التورق"(الفروع ۱۷۱/۴)(کوئی سو روپے کا ضرورت مند کسی سو کی چیز دو سو میں خرید لے اور پھر کہیں اور اس کو بیچ کر سو میں اپنا کام چلالے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس کی صراحت کی ہے اور اسی کو تورق کہا جاتا ہے)۔

علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں تفصیل سے رقم کرتے ہیں:

"لم يجز فى قول أكثر أهل العلم روى ذلك عن ابن عباس وعائشة

والحسن وابن سيرين والشعبى والنخعى وبه قال الزناد وربيعة وعبد العزيز بن سلمة والثورى والأوزاعى و مالك وأصحاب الراى وأجازه الشافعى"(المغنی ۱۹۴/۴)۔

(اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے یہی روایت ابن عباس، عائشہ، حسن، ابن سیرین، شعبی، نخعی سے مروی ہے، اور اسی کے قائل زناد، ربیعہ، عبدالعزیز بن سلمہ، ثوری، اوزاعی، مالک اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ ہیں، اور امام شافعیؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے)۔

مذکورہ تمام عبارتوں سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

۱-تورق نام ہے مطلق بائع سے ادھار خرید کر کے کہیں اور بیچ دینے کا، جبکہ عینہ میں بائع ہی سے بیچا جاتا ہے، اور دونوں سے مقصد خریدار کا نقد روپے کا حصول ہوتا ہے۔

۲-تورق کے جواز میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ عینہ میں جمہور امت عدم جواز کے قائل ہیں، اور حضرت امام شافعیؒ جواز کا حکم دیتے ہیں۔

امام شافعیؒ بخاری شریف کی روایت سے استدلال کرتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر فجاءه بتمر جنيب، فقال رسول الله ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله يا رسول الله! إنا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين، والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا"(بخاری شریف ۲۹۳/۱ کتاب البیوع باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ)۔

(حضور ﷺ نے ایک صحابی کو خیبر کا عامل مقرر کیا، چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں عمدہ کھجوریں لے کر آئے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی عمدہ ہوتی ہیں، انہوں نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول، بلکہ ہم اس کا ایک صاع دو صاع کے بدلے اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو،

بلکہ تمام کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچ دیا کرو اور پھر دراہم سے اچھی کھجوریں خرید لیا کرو)۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"واستدل به علی جواز بیع العینة......لأنه لم یخص بقوله (ثم اشتر بالدراهم جنیبا) غیر الذی باع له الجمع" (فتح الباری ۴/۵۰۴) (اس حدیث شریف کے ذریعہ بیع عینہ کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے اس قول (ثم اشتر الخ) کے ذریعہ اس بائع کے علاوہ کی تخصیص نہیں فرمائی جن سے ان تمام کو فروخت کیا)۔

علامہ ابن قدامہ نے شافعیہ حضرات کی عقلی دلیل کو نقل کیا ہے:

"لأنه ثمن یجوز بیعها به من غیر بائعها فجاز من بائعها کما لو باعها بمثل ثمنها" (المغنی ۴/۱۹۴) (کیونکہ یہ ایسا ثمن ہے جس کو غیر بائع سے بیچنا جائز ہے تو اسی بائع سے بھی جائز ہے جیسا کہ اسی ثمن کے مثل سے اس چیز کو بیچنا جائز ہے)۔

نیز شافعیہ حضرات اس بیع عینہ کو مستقل از سر نو بیع تصور کرتے ہیں: "لأنه شراء مستانف" (أوجز المسالک ۵/۷)۔

الحاصل امام شافعی اس کو الگ بیع تصور کرتے ہیں، گویا ان کی نظر صرف ظاہر عقد پر رہی جہاں شرائط صحت بیع کی تکمیل ہی کافی سمجھ لی گئی، عاقدین کے ارادے اور نیت سے کوئی تعرض نہیں۔

جمہور امت بیع عینہ کے عدم جواز پر اولا ابوداؤد شریف کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں صراحۃ ممانعت عینہ موجود ہے، بلکہ روایت میں موجود وعید حرمت ہی کو بتانے کے لئے وارد ہوا ہے۔

"عن ابن عمرؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: إذا تبایعتم بالعینة وأخذتم أذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجهاد سلط الله علیکم ذلا لاینزعه حتی ترجعوا إلی دینکم" (ابوداؤد ۲/۴۹۰)۔

(آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم عینہ کا معاملہ کرنے لگو گے، بیلوں کو لازم پکڑو گے اور کھیتی سے خوش ہوکر جہاد ترک کردو گے تو اللہ تعالی تم پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جس کو ختم نہیں کرے گا، یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف واپس آ جاؤ)۔

اس حدیث کے متعلق علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:"هذا وعيد يدل على التحريم" (المغنی ۴ر۱۹۴) (وعید اس کاروبار کے حرام ہونے پر دال ہے)۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا علیہ الرحمہ تفصیلی روایت "اوجز المسالک" میں رقم کرتے ہیں:

"عن أم ولد زيد دخلت انا وأم ولد زيد بن ارقم على عائشة فقالت أم ولد زيد بن ارقم: إني بعت غلاما من زيد بثمان مائة درهم إلى العطاء ثم اشتريته منه بستمائة درهم نقدا فقالت لها: بئس مااشتريت وبئس ما شريت ابلغي زيدا: ان جهاده مع رسول الله أبطل إلا أن يتوب" (اوجز المسالک ۵ر۷)۔

(حضرت زید بن ارقم کی ام ولد حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو زید بن ارقم کی ام ولد نے عرض کیا کہ میں نے ایک غلام زید کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں تنخواہ ملنے کی تاریخ تک ادھار فروخت کیا پھر میں نے اس کو ان سے نقد چھ سو درہم میں خرید لیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تمہارا خریدنا اور بیچنا دونوں برا ہے، جا کر زید کو خبر کردو کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ان کا جہاد کرنا بیکار ہو گیا جب تک کہ توبہ نہ کرلیں)۔

گو مذکورہ روایت کو حضرت عائشہؓ سے امام شافعی ثابت نہیں مانتے، تاہم صاحب تنقیح نے اس کو عمدہ سند والی روایت کہا ہے، ان کا تبصرہ شیخ نقل کرتے ہیں:

"قال في التنقيح: اسناده جيد وإن كان الشافعيؒ قال: لا يثبت مثله عن عائشةؓ" (اوجز المسالک ۵ر۷)۔

روایت کے ساتھ ساتھ جمہور نے درایت کو بھی پیش کیا ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی نقل

کرتے ہیں:

"لأنه ذريعة إلى الربا وبه يتوسل إلى إباحة ما نهى الله عنه فلا يصح......" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۶۹) (بیع کی ممانعت سدذریعہ کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ طریقہ کاردراصل سود کا ذریعہ بن کران تمام چیزوں کو مباح ٹھہرائے گا جن کو اللہ نے ممنوع قرار دیا ہے چنانچہ یہ صحیح نہیں ہوسکتا)۔

مذکورہ دلائل کی بنا پر جمہور "بیع عینہ" کے جواز کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ یا تو ایسا قرض بنتا ہے جو نفع کے حصول کا یا پھر بالواسطہ ہی سہی سود کا ذریعہ بنتا ہے، جو سراسر ممنوع اور حرام ہے۔

جہاں تک امام شافعیؒ کے استدلال کا طریقہ ہے وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ جس سے تمر اول فروخت کرنے کو کہا گیا ہے اسی سے تمر ثانی بھی خریدا گیا ہو، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، علامہ ابن حجر رقم فرماتے ہیں:

"وقال القرطبي: استدل بهذا الحديث من لم يقل بسد الذرائع قال: ولا حجة في هذا الحديث لأنه لم ينص على جواز الشراء التمر الثاني ممن باعه التمر الاول" (فتح الباری ۴/۵۰۵) (اور علامہ قرطبی کا فرمان یہ ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کا مستدل بن سکتی ہے جو لوگ سد الذریعہ کے قائل نہیں ہوں گے، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جواز عینہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ تمر اول جس نے بیچا تھا اسی سے تمر ثانی کے خریدنے کی صراحت کہاں ہے؟)۔

امام شافعیؒ نے گرچہ اس کو مستقل بیع تصور کر کے شرائط بیع کو کافی گردانا ہے، لیکن نتیجۃً یہ سود کے چوپٹ دروازے کھولنے کے مترادف ہے، اور مقصد بیع وشراء جہاں حصول نقد یا جنس ہے وہیں سود لینا بھی ہے، چنانچہ امام محمدؒ نے تو اس کو پہاڑ کے مانند قابل مذمت مانا ہے، اور سود خوروں کی ایجاد "عینہ" کو بتلایا ہے، "فتح القدیر" میں شیخ ابن ہمام نقل فرماتے ہیں:

"هذا البيع فى قلبى كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربوا" (فتح القدیر ۱۹۷/۷)۔

ساتھ ہی ساتھ حضرت عمر فاروقؓ کا وہ مومنانہ جملہ کہ "سود اور شائبہ سود ہر ایک سے پلہ جھاڑلو" عینہ جیسے کاروبار کی حرمت کے لئے کافی وشافی ہے (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۱۹/۲)۔

نیز یہ ایک ایسا بیع ہے جس میں قرض پر بغیر عوض کے منفعت کا حصول ہوتا ہے، جس کی ممانعت مصرح ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں ہر ایسے قرض کو جو حصول نفع کا باعث ہو حرام ہونے کی بروایت صحابہ تصریح کی ہے۔

"كل قرض شرط فيه أن يزيده، فهو حرام بغير خلاف، قدروى عن ابن عباس وابن مسعود و ابى بن كعب أنهم نهوا عن قرض جر نفعا" (المغنی والشرح الکبیر ۳۹/۴)۔

(ہر وہ قرض جس میں زیادہ دینے کی شرط ہو وہ متفقہ طور پر حرام ہے ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ہر ایسے قرضوں سے روکا جو حصول نفع کا داعی ہو)۔

مذکورہ تصریحات "عینہ" کے عدم جواز کے فلسفہ کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں، اور جمہور فقہاء کے نظریہ کی تائید بھی ہورہی ہے کہ بیع عینہ جائز نہیں ہے۔

سوالنامہ میں مذکور بینک کا طریقہ تورق ہے یا عینہ؟ اس کی وضاحت بآسانی کی جاسکتی ہے، کیونکہ تورق میں خریدی ہوئی شی بائع کے علاوہ کسی اور شخص فروخت کی جاتی ہے، نیز اس میں کسی طرح کا حصول نفع مقصد نہیں ہوتا، بیش قیمت پر فروختگی نیز کم قیمت پر پھر بائع کا خریدار بن کر خریداری کرنا اس میں نہیں پایا جاتا، جس کی وجہ سے تورق جائز ہے، حالانکہ عینہ میں خریدار بائع ہی کے ہاتھ زائد قیمت پر لے کر کم قیمت پر فروخت کردیتا ہے، جس سے بائع کا مقصد حصول نفع ہوتا ہے، جس کی وجہ سے یہ ناجائز ہے۔

بینک کا مذکورہ طریقہ کار بھی ''عینہ'' ہی ہے، کیونکہ ''ب'' بھی بینک کا ہی ادارہ ہے، کیونکہ اس کے واسطے بینک بغیر عوض کے دس ہزار روپے وصول کر رہا ہے اور سامان بعینہ بینک کو ہی پہنچ رہا ہے، لہذا ناجائز ہے۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عینہ میں براہ راست بائع ہی کو سامان واپس لوٹ جاتا ہے جبکہ بینک میں ''الف'' سے لے کر ''ب'' کے واسطہ سے لوٹتا ہے لہذا دونوں میں فرق ہو گیا، تو اس کو بھی سوائے حیلہ سود کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا، نیز یہ سد ذریعہ کے تحت حرام ہی ٹھہریں گے۔

علامہ مرداوی ''الانصاف'' میں تحریر فرماتے ہیں:

"قال المصنف: ويحتمل أن يجوز له شراء ها بجنس الثمن بأكثر منه إذا لم تكن مواطاة ولا حيلة بل وقع اتفاقا من غير قصد" (الانصاف ۲/۳۳۷)۔

علامہ کی تقریر سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ احکام شریعت میں جس طرح معاملات میں ظاہری شکل کا اعتبار کیا جاتا ہے، اسی طرح عاقدین کے مقاصد و ارادے کا بھی اعتبار ہوتا ہے، اور بیع کے جواز و عدم جواز میں یہ ارادے اثر انداز ہوتے ہیں۔



تورق کا مسئلہ

مولانا ریاض احمد قاسمی☆

۱- اصل میں تورق کا یہ طریقہ مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ بھی ''بیع عینہ'' ہی کی ایک صورت ہے، جس میں نفع خود بائع ہی کو حاصل ہوتا ہے، علامہ شامی نے عینہ کی تین صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی لکھی ہے:

"ومن صورها: أن يعود الثوب إليه، كما اشتراه التاجر في الصورة الأولى من ا لمشتري الثاني، ودفع الثمن إليه، ليدفعه إلى المشتري الأول، وإنما لم يشتره من المشتري الأول تحرزا عن شراء ما باع، بأقل مما باع قبل نقد الثمن" (ردالمحتار ۷/۴۸۰ مطلب بیع العینہ،م: دارالکتاب دیوبند)۔

(عینہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تاجر کا بیچا ہوا کپڑا اسی کو واپس مل جائے، مثلاً تاجر وہ کپڑا دوسرے خریدار سے خریدلے اور ثمن اسے ادا کردے، تاکہ وہ یہ ثمن پہلے خریدار کو ادا کردے، اور اس (تاجر) نے پہلے خریدار سے نہیں خریدا تاکہ وہ بیع کی اس ممنوع صورت سے بچ جائے، جس میں بائع اپنی بیچی ہوئی چیز کوثمن وصول کرنے سے پہلے ہی کم ثمن پر خرید لیتا ہے)۔

یہ بعینہ وہی صورت ہے جو ''تورق'' کی ہوتی ہے، کیونکہ اس میں بھی بینک ضرورتمند سے کوئی سامان فروخت کرتا ہے اور وہ اسے لے جا کر بینک ہی سے منسلک کسی ادارے سے فروخت کردیتا ہے، جو بظاہر تو دوسرے مشتری سے فروخت کرتا ہے، لیکن درحقیقت وہ سامان

☆ استاذ جامعہ رحمانی خانقاہ، مونگیر۔

لوٹ کر بائع اول (بینک) ہی کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

آگے علامہ شامی فرماتے ہیں:

"ثم قال في الفتح ماحاصله: إن الذي يقع في قلبي أنه إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع جميع ما أخرجه أوبعضه، كعود الثوب إليه في الصورة المارة، وكعود الخمسة في صورة إقراض خمسة عشر فيكره يعني تحريما، فإن لم يعد كما إذا باعه المديون في السوق فلا كراهة فيه، بل خلاف الأولى فإن الأجل قابله قسط من الثمن، والقرض غير واجب عليه دائما، بل هو مندوب، ومالم ترجع إليه العين التي خرجت منه لا يسمى بيع العينة، لأنه من العين المسترجعة، لا العين مطلقا، وإلا فكل بيع بيع العينة اه وأقره في البحر، والنهر، والشرنبلالية، وهو ظاهر، وجعله السيد أبوسعود محمل قول أبى يوسف، وحمل قول محمد، والحديث على صورة العود" (ردالمحتار کتاب الکفالہ ۷/۴۸۱)۔

(علامہ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں فرمایا، جس کا حاصل یہ ہے کہ: میرے دل میں جو بات آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر عینہ کی ایسی صورت اختیار کی جائے، جس میں کل یا بعض مبیع بائع ہی کے پاس لوٹ کر آ جائے، تو وہ مکروہ تحریمی ہے، مثلاً مذکورہ صورت میں کپڑا بائع کے پاس لوٹ آیا، اسی طرح پندرہ درہم قرض دینے کی صورت میں پانچ درہم اس کے پاس لوٹ آئے، اور اگر اس کے پاس لوٹ کر کچھ نہیں آیا، تو اس میں کوئی کراہت نہیں، بلکہ یہ خلاف اولی ہے، کیونکہ مقررہ مدت کے مقابلے میں ثمن کا ایک حصہ ہے اور قرض اس پر ہر حال میں واجب نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے، اور جو سامان بائع کے پاس سے نکلا ہے، جب تک وہ اس کے پاس لوٹ کر نہ پہنچے، اسے "بیع عینہ" نہیں کہا جائے گا، کیونکہ ہر بیع میں عین ہی کی بیع ہوتی ہے۔

البحر الرائق، النہر الفائق اور فتاوی شرنبلالیہ میں اس قول کی تائید کی گئی ہے اور یہی ظاہر

ہے، سید ابو سعود نے اسی کو امام ابو یوسفؒ کے قول کا محمل قرار دیا ہے، اور امام محمد کے قول کو اور حدیث کو لوٹنے کی صورت پر محمول کیا ہے)۔

البتہ اگر تورق کا یہ طریقہ ضرورت اور حاجت کی وجہ سے اختیار کیا جاتا ہے تاکہ ضرورت مندوں کو قرض بھی فراہم ہو جائے اور بینک سود سے بھی بچ جائے، تو اس کے جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

"قال ابن قدامة: وهكذا لو أقرضه شيئا، أو باعه سلعة بأكثر من قيمتها، أو اشترى منه سلعة بأقل من قيمتها، توصلا إلى أخذ العوض عن القرض، فكل ما كان من هذا على وجه الحيلة، فهو خبيث محرم، وبهذا قال مالک، وقال أبوحنيفة والشافعي: ذلک كله وأشباهه جائز إذا لم يكن مشروطا في العقد" (المغنی: باب الربا والصرف ۴؍ ۶۳)۔

(ابن قدامہؒ نے فرمایا: اسی طرح اگر کسی نے کسی کو کچھ قرض دیا، یا کوئی سامان اس کی قیمت سے زیادہ میں بیچا یا کوئی سامان اس کی قیمت سے کم میں خریدا، تاکہ قرض کا عوض اور اس پر نفع حاصل کرے، تو یہ اور اس طرح کی جو بھی تدبیر کی جائے، ناجائز اور حرام ہے، (امام احمدؒ) اور (امام مالکؒ) کا مسلک یہی ہے، جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے معاملات جائز ہیں، بشرطیکہ عقد میں کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو)۔

ضرورت کے وقت "سود" سے بچنے کی تدبیر کا جواز اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے امام بخاری وامام مسلم نے روایت کی ہے:

"إن رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر، فجاءه بتمر جنيب، فقال ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله! إنا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين، والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل! بع التمر بالدراهم ثم اشتر بالدراهم جنيبا" (متفق علیہ)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ایک صاحب کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا، وہ صاحب وہاں سے عمدہ کھجوریں لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح کی ہوتی ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں! یارسول اللہ! دراصل ہم ایک صاع عمدہ کھجور دو صاع عام کھجوروں کے عوض خرید لیتے ہیں اور دو صاع عمدہ کھجور تین صاع عام کھجوروں کے عوض خرید لیتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا مت کرنا، بلکہ ایسا کرنا کہ کھجور کو دراہم کے عوض بیچ دینا، پھر دراہم کے عوض عمدہ کھجوریں خریدنا)۔

"قال ابن قدامة بعد سرد الحديث ولم يأمره أن يبيعه من غير من يشتري منه، ولو كان ذلك محرما، لبينه له، وعرفه إياه"(المغنی باب الربا والصرف ۴/۶۱،۶۲)۔

(اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے انہیں یہ حکم نہیں دیا کہ جس سے خریدنا ہو، اس کے علاوہ کسی اور سے بیچو (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اس سے بیچنا بھی جائز ہے) اگر یہ حرام ہوتا تو ضرور آپ ﷺ ان سے بیان فرماتے اور انہیں یہ بتاتے)۔

ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے "سود" سے بچنے اور عمدہ کھجوریں حاصل کرنے کا جائز طریقہ بتا کر ہمیں یہ ہدایت فرمائی کہ اس طرح کے مواقع پر ناجائز سے بچتے ہوئے جواز کی صورت پیدا کرنی چاہئے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تورق کی مذکورہ صورت بھی سود سے بچنے کے لئے "جواز" کی ایک راہ ہے، جسے ضرورت اور حاجت کے موقع پر اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح کے حیلوں اور تدبیروں کے سلسلے میں علامہ سرخسیؒ کی یہ وضاحت بہت جامع ہے:

"فالحاصل: أن ما يتخلص به الرجل من الحرام،أو يتوصل به إلى الحلال من الحيل، فهو حسن وإنما يكره أن يحتال الرجل في حق لرجل حتى

یبطله، أوفي باطل حتی یموهه، أوفي حق حتی یدخل فیه شبهة، فما کان علی هذا السبیل، فهو مکروه"(المبسوط للسرخسی، کتاب الحیل ۳۰/۲۱۰)۔

(خلاصہ یہ ہے کہ حرام سے بچنے یا حلال تک پہنچنے کیلئے جو حیلے کئے جائیں وہ بہتر ہیں، مگر کسی کا حق مٹانے کے لئے، یا کسی باطل پر ملمع سازی کے لئے یا کسی حق کو مشتبہ بنانے کے لئے جو حیلے کئے جائیں وہ مکروہ ہیں)۔

اسلامی بینک کا مقصد بظاہر "سود خوری" نہیں ہے، بلکہ سود سے بچاؤ اور حلال آمدنی کا حصول ہے، اس لئے وہ یہ طریقہ اختیار کرے، تو اس کی گنجائش ہے۔



تورق کے مسئلہ پر فقہی نظر

مفتی سید باقر ارشد قاسمی بنگلوری☆

عصر حاضر میں بینکوں اور مالیاتی اداروں کی اہمیت کافی بڑھ گئی ہے اور ان کا ہر خاص وعام ضرورت مند ہوگیا ہے۔ جیسے جیسے زمانہ ترقی کررہا ہے، لوگوں کا معیارِ زندگی اونچا ہوتا جارہا ہے، آرائشات، سہولیات، سہل پسندی کے علاوہ ضروریات، حاجات میں اضافہ ہوا ہے۔ زمانہ ایک جانب اونچے معیار کا حامل ہوتا جارہا ہے تو دوسری جانب مال کی حفاظت، مالی استحکام کے نت نئے ذرائع کی جستجو، مالی پوزیشن میں ترقی کی جدوجہد بھی انسانی معاشرہ میں دن بہ دن بڑھتی جارہی ہے۔ معاشرہ کی اسی معاشی جدوجہد نے مالی اداروں اور بینکوں کو تجارتی لائن پر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے مستعد کردیا۔ روزانہ نت نئی اسکیمیں بینکوں سے جاری ہوتی رہتی ہیں، نئے نئے پلان، آمدنی بڑھانے کے ذرائع، مالی استحکام کے لئے مشورے بینکوں اور مالی اداروں سے دئے جارہے ہیں۔

زمانہ میں انسان کی زندگی کا جہاں معیار اونچا ہوا وہیں اس کو مال اور مالی اداروں کا محتاج بنادیا جس کے نتیجے میں مالی ادارے محفوظ طریقے سے قرض اور ضروریات کی تکمیل کا انتظام کرنے لگے۔ اس سے ایک طرف ان کا کاروبار چلنے لگا اور دوسری طرف ان کے منافع میں اضافہ ہی اضافہ ہونے لگا۔ اسی جدید دور کی پیداوار، قرض کی ایک نئی شکل اسلامی بینکنگ میں ''تورق'' ہے۔

☆ سرپرست معہدِ یعقوب، چن پٹن، بنگلور، کرناٹک۔

تورق کی جدید شکل یہ ہے کہ اسلامی بینک خریدار سے کوئی ایسی شئی فروخت کرتا ہے، جس کو وہ ضرورت مند فروخت کر کے مطلوبہ رقم حاصل کرسکتا ہے، سوال کی وضاحت کے مطابق اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ''زید'' کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے، چنانچہ یہ بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپئے میں کوئی شئی خریدتا ہے اور اسے ''بکر'' کو ایک لاکھ نقد روپیوں میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح ''زید'' کو ایک لاکھ روپئے مل جاتے ہیں اور ''بکر'' کو دس ہزار روپیہ کا منافع ہو جاتا ہے اور عموماً ''بکر'' بینک ہی سے منسلک ادارہ کا نمائندہ ہوتا ہے یعنی منافع بالواسطہ بینک ہی کے حصہ میں جاتا ہے۔

تورق بیع عینہ سے میل کھاتی شکل ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں اس کا ذکر ہے کہ بیع عینہ اور تورق میں فرق یہ ہے کہ بیع عینہ میں خریدار جس شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے، اسی شخص کو کم قیمت پر وہ شئی فروخت کر دیتا ہے۔ اور تورق میں ایک شخص سے زیادہ قیمت میں ادھار خریدتا ہے اور دوسرے شخص کو کم قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ اور وہ دوسرا شخص عموماً پہلے شخص (ادھار دینے والے) کا ہی آدمی ہوتا ہے۔

الدر المختار میں لکھا ہے کہ: ''بیع العین بالربح نسیئة یبیعها المستقرض بأقل لیقضی دینه ......'' (الدر المختار شرح تنویر الابصار، کتاب الکفالۃ)۔ یعنی کسی شئی کی ادھار بیع نفع کے ساتھ تاکہ قرض لینے والا کم قیمت پر بیع کر کے اس سے اپنا قرض ادا کرلے۔

حدیث میں ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''إذا تبایعتم بالعینة و اتبعتم أذناب البقر ذللتم و ظهر علیکم عدو کم'' (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الکفالۃ)۔

(یعنی جب تم خرید و فروخت بطریق بیع العینہ کے کروگے اور بیلوں کے دموں کے پیچھے پڑوگے یعنی کھیتی میں مشغول رہ کر جہاد سے غافل ہو جاؤگے تو ذلیل ہو جاؤگے اور تمہارے دشمن تم پر غالب آجائیں گے)۔

علامہ ابن عابدینؒ نے رد المحتار میں بیع عینہ کی ایک شکل یہ بیان کی ہے، لکھا ہے کہ:

"هی أن یدخلا بینهما ثالثاً فیبیع المقرض ثوبه من المستقرض بإثنی عشر درهما و یسلمه إلیه ثم یبیعه المستقرض من الثالث بعشرة و یسلمه إلیه ثم یبیعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ویسلمه إلیه و یأخذ من العشرة ویدفعها للمستقرض فیحصل للمستقرض عشرة و لصاحب الثوب علیه اثنا عشر درهماً......" (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب البیوع، باب الصرف)۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قرض دینے والا دس روپے کی شئی کو قرض لینے والے کے ہاتھ بارہ روپے میں فروخت کردے اور قرض دینے والا اپنے اور قرض لینے والے کے درمیان ایک شخص کو رکھے۔ اور جس نے قرض کی ضرورت کی بنا پر دس کی شئی بارہ میں خریدی وہ اس درمیانی شخص کو دس روپے میں بیچ دے، اور وہ درمیانی شخص پہلے والے شخص کو دس روپے میں وہی شئی بیچ دے۔ اس لحاظ سے پہلے والے شخص کو اس کی چیز بھی مل گئی اور دو روپے اضافی طور پر مل گئے۔

امام محمد اس شکل کو مکروہ قرار دیتے ہیں، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ بیع میرے قلب پر پہاڑ کی طرح گراں معلوم ہوتی ہے، یہ ایک قابل مذمت حرکت ہے جس کو سود خوروں نے اختراع کیا ہے: "قال محمدؒ: هذا البیع فی قلبی کأمثال الجبال ذمیم اخترعه أکلة الربا......" (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب البیوع، باب الصرف)۔

لیکن امام ابو یوسفؒ اس کو جائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ ردالمحتار میں لکھا ہے کہ: "وعن أبی یوسف: العینة جائزة مأجور من عمل بها......" (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب الصرف)، ردالمحتار ہی میں کتاب الکفالۃ میں امام ابو یوسفؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ: "قال ابو یوسف: لا یکره هذا البیع لأنه فعله کثیر من الصحابة و حمدوا علی ذلک و لم یعدوه من الرباء حتیٰ لو باع کاغدة بألف یجوز ولا یکره......" (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الکفالۃ)۔

اگر اس بیع میں قرض دینے والے کی طرف اس شئی کا کچھ حصہ یا تمام لوٹ کر آئے تو ایسی صورت میں مکروہ تحریمی ہے اور اگر لوٹ کر نہ آئے یعنی صرف اس نے بازار کی قیمت سے کچھ بڑھ کر اس شئی کو قرض کے ضرورت مند کو بیچا تو ایسی صورت میں یہ مکروہ نہیں، جیسا کہ ردالمحتار میں لکھا ہے:

"ثم قال فی الفتح ما حاصله: أن الذی یقع فی قلبی أنه فعلت صورة یعود فیها إلیٰ البائع جمیع ما أخرجه أو بعضه کعود الثوب إلیه فی الصورة المارة و کعود الخمسة فی صورة اقراض الخمسة عشر فیکره، یعنی تحریماً، فإن لم یعد کما إذا باعه المدیون فی السوق فلا کراهة فیه، بل خلاف الأولی" (ردالمحتار شرح تنویر الابصار، کتاب الکفالۃ)۔

یعنی اگر اس صورت میں اس بات سے بچا جائے کہ قرض دینے والا جس شئی کو فروخت کر رہا ہے وہ شئی دوبارہ اس کے پاس نہ لوٹ کر آئے۔ ایسی صورت میں یہ لین دین کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر بیچی ہوئی شئی لوٹ کر پھر قرض دینے والے کے پاس آجائے اور اس کو صرف اس خرید و فروخت میں اصل شئی کے ساتھ ساتھ منافع بھی مل جائیں تو ایسی صورت مکروہ تحریمی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے "قاموس الفقہ" میں اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ علامہ شامی نے عینہ کے سلسلہ میں دو اور تعریفیں نقل کی ہیں، ایک یہ کہ کوئی شخص قرض لینے کے لئے آئے اور قرض دہندہ قرض دینے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا، کیونکہ اس کو اس سے کوئی مادی نفع حاصل نہیں ہوتا چنانچہ اس نے ضرورت مند سے کہا کہ میں قرض تو نہیں دوں گا، البتہ فلاں شئی تم سے بارہ روپے میں فروخت کرسکتا ہوں، حالانکہ وہ شئی بازار میں دس روپے میں ملتی ہے، چنانچہ ضرورت مند بارہ روپے میں خرید کر اس کو دس روپے میں بیچ دیتا ہے، اس طرح قرض دہندہ کو قرض کی وصولی کے وقت دو روپے کا نفع حاصل ہوجائے گا۔

شامی نے عینہ کی جو دوسری صورت بتائی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس سے قرض کا

مطالبہ کیا جارہا ہے وہ دس روپئے کی چیز طالبِ قرض سے بارہ روپئے میں بیچ دے اور قرض دہندہ اپنے درمیان اور طالبِ قرض کے درمیان ایک شخص کو درمیان میں رکھے، جس شخص نے حاجتِ قرض کی وجہ سے دس روپئے کی چیز بارہ روپئے میں خرید کی تھی وہ درمیانی شخص سے اس کو دس روپئے میں بیچ دے، پھر درمیانی شخص پہلے شخص کو دس روپئے میں وہی چیز فروخت کردے، اس طرح پہلے شخص کو اپنی چیز بھی واپس مل گئی اور دس روپئے دے کر بارہ روپئے حاصل ہو گئے۔

علامہ دردیرؒ نے عینہ کی شکل یہ لکھی ہے کہ آپ نے کسی سے کوئی چیز خرید کرنی چاہی جو اس کے پاس موجود نہیں ہے، وہ آپ کا آرڈر لے کر دوسری جگہ سے کم قیمت میں وہی سامان خرید کر آپ کے ہاتھ زیادہ قیمت میں فروخت کردے۔

آگے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ اختلاف رائے عینہ کی تعریف اور حقیقت کے بارے میں اختلاف کی وجہ سے ہے، علامہ دردیرؒ نے جو صورت لکھی ہے اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، شامی نے جو پہلی صورت لکھی ہے وہ بھی بیع کی صورت ہے اور اس کو بھی جائز ہونا چاہئے، شامی نے جو دوسری صورت ذکر کی ہے اس کو مکروہ تحریمی ہونا چاہئے، زحیلی نے بھی حنفیہ کی یہی رائے نقل کی ہے (قاموس الفقہ ۴/۴۲۶)۔

علامہ شامی کی دوسری صورت کے طرز پر لین دین کیا جائے تو وہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر تیسرا شخص قرض دینے والے کا آدمی نہ ہو یا بالواسطہ وہ منافع کے ساتھ ساتھ اسی بیچی گئی شئی کو دوبارہ حاصل نہ کرتا ہو تو یہ صورت جائز ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں یہاں قرض لینے اور دینے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خرید و فروخت کے سلسلہ میں یہ احتیاط رکھیں کہ شئی کو لینے والا پہلا ہی شخص نہ ہو جس نے قرض فراہم کیا یا وہ شئی بیچی۔ بلکہ یہ تورق کی مذکورہ شکل علامہ شامی کی بیان کردہ پہلی شکل کے مماثل ہے وہ صرف بیع ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک یہ صورت جائز ہونی چاہئے اور اگر قرض کے ضرورت مند سے کم قیمت پر خریدنے والا شخص بینک ہی کا کوئی آدمی ہے یا بینک ہی کا ادارہ ہے تو ایسی صورت میں یہ

دوسری مرتبہ کی خرید وفروخت مکروہ تحریمی ہے۔یعنی قرض کے لئے یا اپنی ضرورت چلانے کے لئے ضرورتمند کا بینک سے بازار سے زیادہ قیمت میں کسی شئی کا خریدنا بلا کراہت جائز ہے اور رقم حاصل کرنے کے لئے اس کا کم قیمت پر بیچ دینا بھی جائز ہے، اگر خریدنے والا بینک ہی کا ادارہ یا آدمی ہو تو یہ دوسری خرید وفروخت مکروہ ہے۔

خلاصۃ الکلام:

تورق اسلامی بینکوں کی جانب سے لون یا قرض دینے کی ایک نئی شکل ہے، اس میں بینک کا ایک مقصد قرض کے حاجت مند کو قرض فراہم کرنا ہے تو دوسرا مقصد اس سے قرض کی شکل میں بھی منافع حاصل کرنا ہے۔لہٰذا اس سلسلہ میں شریعتِ اسلامی کہاں تک اجازت دیتی ہے، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک تورق (جو قرض کی جدید شکل ہے) کی شکل کا سوال ہے یہ بیع عینہ سے ملتی جلتی شکل ہے۔

اس سلسلہ میں احقر کی رائے یہ ہے کہ: اگر قرض دینے والا دس روپے کی شئی کو قرض کے ضرورت مند شخص کے ہاتھ بارہ روپے میں فروخت کردے اور وہ شخص اس کو دس روپے میں کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرکے دس روپے لے کر اپنا کام چلالے تو یہ صورت جائز ہے۔

اگر تیسرا شخص قرض دینے والے ہی کا آدمی ہے جیسا کہ سوال نامے میں مرقوم ہے، اور یہ تیسرا آدمی وہ شئی دوبارہ اس قرض دینے والے کو پہنچاتا ہے تو ایسی صورت میں یہ بیع مکروہ ہے۔

اگر قرض دینے والا قرض دینے والا اس شئی کو دے کر دوبارہ اس شئی کو قرض کے ضرورت مند سے کم قیمت میں خریدتا ہے تو ایسی صورت میں جتنی رقم اس کو اضافی ملتی ہے وہ حرام ہے۔اس بیع میں کچھ حصہ یا تمام حصہ قرض دینے والے کی طرف لوٹتا ہو تو ایسی صورت میں وہ بیع مکروہ ہے۔لیکن اگر لوٹ کر نہ آئے البتہ اس قرض دینے والے نے بازار کی قیمت سے کچھ بڑھ کر قرض کے ضرورت مند کو وہ شئی فروخت کیا تو ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے، بلکہ یہ صورت جائز ہے

اور اگر قرض کے ضرورت مند سے کم قیمت پر خریدنے والا شخص بینک ہی کا کوئی آدمی ہے یا بینک ہی کا ادارہ ہے تو ایسی صورت میں یہ دوسری مرتبہ کی خرید وفروخت مکروہ تحریمی ہے۔ یعنی قرض کے لئے یا اپنی ضرورت چلانے کے لئے ضرورتمند کا بینک سے بازار سے زیادہ قیمت میں کسی شئی کا خریدنا بلا کراہت جائز ہے اور رقم حاصل کرنے کے لئے اس کا کم قیمت پر بیچ دینا بھی جائز ہے، اگر خریدنے والا بینک ہی کا ادارہ یا آدمی ہو تو یہ دوسری خرید وفروخت مکروہ ہے۔



تورق اور بیع عینہ میں فرق

مولانا محمد عثمان بستوی☆

یہ درحقیقت سود حاصل کرنے کا ایک حیلہ ہے، پس اس لئے جائز نہیں ہے:

"والصحيح أن حرمتها لأجل كونها حيلة لأخذ الربا" (اعلاء السنن ۱۴/۱۷۱، شامی ۷/۶۱۳، امداد الفتاوی ۴/۱۵۴)۔

"قال الله تبارک و تعالی: "يأيها الذين آمنوا لا تاكلوا الربا أضعافا مضاعفة" الآية، و قال تعالى: "يأيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربا" الآية، قال النبی ﷺ: "الحلال بين والحرام بين و بينهما أمور مشتبهة، فمن ترک ماشبه عليه من الإثم كان لما استبان اترک، ومن اجترأ على ما یشک فيه من الإثم أو شک أن يواقع ما استبان، والمعاصي حمى الله من يرتع حول الحمى يوشک أن يواقعه" (کتاب البیوع ۱/۲۷۵، رواہ البخاری کتاب البیوع ۱/۲۷۵)۔

(نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور حلال و حرام کے درمیان کچھ امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں تو جس نے وہ کام بھی چھوڑ دیا جس کے بارے میں اس کو اشتباہ پیدا کیا گیا ہو، تو ایسا شخص زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اس گناہ کو جو اس کو واضح ہو گیا ہو اور جو شخص جری ہو گیا اس گناہ پر جس کے بارے میں شک ہے تو قریب ہے کہ مبتلا ہو جائے اس گناہ کے اندر جو واضح ہے اور معصیتیں اللہ تبارک وتعالی کی حمی ہیں (یعنی ایسی چراگاہیں جس

☆ استاذ ریاض العلوم گورینی، جونپور۔

میں دوسروں کا داخلہ ممنوع ہو) جو شخص حمی کے ارد گرد اپنے جانور چرائے تو اس میں اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ خود حمی میں داخل ہو جائے، یعنی معصیت میں مبتلا ہو جائے)۔

"عن عمر بن الخطابؓ قال: آخر ما نزلت آية الربا وان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم يفسر ها لنا فدعوا الربوا و الريبة" (رواہ ابن ماجۃ والدارمی)۔

(حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سود کو چھوڑ دو اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ ہو)۔

حقیقت تورق:

تورق کا معاملہ بھی کچھ اس طرح کا ہے کہ نہ تو اس کی حلت واضح ہے اور نہ حرمت، اس لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس مسئلہ پر کچھ تفصیلی گفتگو کی جائے، چنانچہ فقہ حنابلہ مثلاً کتاب الفروع فتاوی ابن تیمیہ وغیرہ میں جس صورت کو تورق سے تعبیر کیا گیا ہے وہ صورتیں حنفیہ کے نزدیک بیع عینہ کی ہیں، ہم پہلے کتب حنابلہ سے تورق کی صورت کو نقل کرتے ہیں بعدہ کتب حنفیہ سے عینہ کی اقسام واحکام کو بھی نقل کیا جائے گا:

"واحتاج إلى نقد فاشترى ما يساوي مائة بمائتين فلا باس نص عليه وهي التورق، وعنده يكره وحرمه شيخنا، نقل أبوداؤد" (کتاب الفروع للامام شمس الدین المقدسی ۴/۱۷۱)۔

"وتارة لا يكون مقصوده إلا أخذ دراهم، فينظركم تساوى نقدا، فيشترى بها إلى أجل، ثم يبيعها فى السوق بنقد، فمقصوده الورق، فهذا مكروه فى أظهر قولى العلماء كما نقل ذلک عن عمر بن عبد العزيز وهو إحدى الروايتين عن أحمد" (فتاوی ابن تیمیہ ۹/۴۴۷)۔

اور موسوعہ الفقہیہ میں یہ تعریف نقل کی گئی ہے:

"التورق فى الاصطلاح أن يشترى سلعة نسيئة ثم يبيعها نقدا لغير

البائع بأقل مما اشتراها به لیحصل بذلک علی النقد" (موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۷)۔

(علامہ مقدسی فرماتے ہیں کہ اگر نقد رقم کی ضرورت ہو اور وہ بطور قرض کے حاصل نہ ہو تو وہ کوئی سامان مثلاً دو روپیہ کی قیمت کا دو سو روپیہ میں خرید لے اور پھر سو روپیہ میں فروخت کردے تو اس کو تورق (روپیہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ) کہیں گے)۔

اسی طرح علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ کبھی سامان وغیرہ کی خریداری مقصود نہیں ہوتی ہے بلکہ اصل مقصود نقد رقم حاصل کرنا ہوتا ہے اور وہ دستیاب نہ ہو تو سامان کی قیمت کا اندازہ کر کے ادھار خرید لے پھر اس کو مارکیٹ میں فروخت کر کے نقد رقم حاصل کر کے ضرورت پوری کرلے، پھر اپنا قرض ادا کردے، اور موسوعہ کی تعریف یہ ہے کہ کوئی سامان ادھار خرید لے پھر اس کو غیر بائع سے اس قیمت سے کم پر فروخت کردے جتنے میں خریدا تھا تاکہ اس کو نقد رقم اس طرح حاصل ہوجائے۔

عینہ کی اشکال اربعہ:

"اختلف المشائخ فی تفسیر العینة التی ورد النهی عنها"۔

بیع عینہ کی تفسیر وتوضیح میں علماء کی آراء مختلف ہیں ہم ذیل میں کتب فقہ میں جو شکلیں مذکور ہیں ان کو ذکر کرتے ہیں:

۱-"وقد فسر فی اثر ابن عباس بأن یبیع الرجل حریرة بمائة ثم یشتریها بخمسین إن کان البیع الثانی قبل نقد الثمن" (اعلاء السنن ۱۴/۱۷۰، الفقہ الحنفی ص ۴/۳۰، رد المحتار ۷/۲۶۷، فتح القدیر ۶/۴۳۳ وغیرہا)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر منقول ہے کہ انسان کوئی سامان جس کی قیمت مثلاً سو روپیہ ہو، فروخت کردے پھر مشتری سے فروخت کردہ قیمت سے کم پر خرید لے مثلاً سو میں بیچا ہوا سامان پچاس میں خرید لے)۔

۲-"أن یاتی الرجل المحتاج إلی آخر ویستقرضه عشرة دراهم ولا

یرغب المقرض فی الإقراض طمعا فی فضل لا یناله بالقرض فیقول: لا أقرضک ولکن أبیعک هذا الثوب إن شئت باثنی عشر درهما وقیمته فی السوق عشرة لیبیعه فی السوق بعشرة فیرضی به المستقرض فیبیعه کذلک فیحصل لرب الثوب درهمان وللمشتری قرض عشرة" (درمختار ۷/۵۴۱ طبع زکریا)۔

(ضرورت مند کسی دوسرے شخص کے پاس جائے اوراس سے قرض طلب کرے اوروہ سود کی لالچ میں اس کوقرض نہ دینا چاہے تواس کی تدبیر کرے کہ میں قرض نہیں دوں گا لیکن یہ کپڑا جس کی قیمت مارکیٹ میں دس روپیہ ہے اگر تم چاہوتو ہم تم سے اس کوادھار بارہ روپیہ میں فروخت کرسکتے ہیں، تو ضرورت منداس طرح بیچ کرنے پر راضی ہوجائے پھر معاملہ کرکے کپڑے کو مارکیٹ میں فروخت کرکے دس روپیہ حاصل کرلے تواس صورت میں ضرورت مندکو حاصل ہوادس روپیہ لیکن اس پرقرض ٹھہرابارہ روپیہ)۔

۳-"أو یقرضه خمسة عشر درهما ثم یبیعه المقرض ثوبا یساوی عشرة بخمسة عشر فیاخذ الدراهم التی أقرضه علی أنها ثمن الثوب فیبقی علیه الخمسة عشر قرضا" (درمختار ۷/۶۱۳)۔

(کسی کوکپڑے کی ضرورت ہواوراس کے پاس نقدرقم کپڑاخریدنے کے لئے نہ ہوتو ضرورت مند کپڑے کے تاجر کے پاس جائے تو وہ شخص اس کومثلاً پندرہ روپیہ قرض دے دے، پھرایک کپڑاجس کی قیمت دس روپیہ ہو پندرہ روپیہ میں بیچ دے اوراپنادیاہواپندرہ روپیہ کپڑے کی قیمت کے عوض وصول کرلے، اس طرح سے ضرورت مندکوسامان حاصل ہوادس روپیہ کااور اس کے اوپرقرض ہواپندرہ روپیہ کا)۔

۴-"وهی: أن یدخلا بینهما ثالثا فیبیع المقرض ثوبه من المستقرض باثنی عشر درهما ویسلمه إلیه ثم یبیعه المستقرض من الثالث بعشرة ویسلمه إلیه ثم یبیعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ویسلمه إلیه ویاخذ منه

العشرة ويدفعها للمستقرض فيحصل للمستقرض عشرة ولصاحب الثوب عليه اثنا عشر درهما كذا في المحيط" (درمختار ۷/ ۵۴۲)۔

(ضرورت مند سے جس نے سامان فروخت کیا ہے وہ اپنے درمیان ایک تیسرے شخص کو لے آئے اور اس کو دس روپیہ دے کہ پندرہ میں فروخت کیا ہوا سامان دس روپیہ میں خرید لے تو اس طرح سے ضرورت مند کو دس روپیہ حاصل ہو جائے گا اور اس تیسرے سے فروخت کرنے والا خود خرید لے تو اس طرح سے فروخت کرنے والے کو اپنا کپڑا واپس مل گیا لیکن خریدنے والے کے ذمہ پندرہ روپیہ قرض ہو گیا جبکہ سامان اس کو حاصل ہوا دس روپیہ کا)۔

بیع عینہ کے احکام:

اس کے حکم میں بھی علماء کا اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ اس کو جائز نہیں بلکہ بہتر کہتے ہیں، اور امام محمدؒ اس پر بہت سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے اس کو سود خوروں کے سود خوری کا ایک حیلہ بتاتے ہیں، چنانچہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"وعن أبي يوسف العينة جائزة ماجور من عمل بها كذا في مختار الفتاوى هندية وقال محمد: هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربوا، وقال عليه الصلاة والسلام: إذا تبايعتم بالعين واتبعتم أذناب البقر ذللتم وظهر عليكم عدوكم قال في الفتح: لا كراهة فيه إلا خلاف الأولى لما فيه من الإعراض عن مبرة القرض" (درمختار ۷/ ۵۴۲ طبع زکریا)۔

مذکورہ بالا حکم مختلف فیہ میں علامہ ابن عابدین نے صاحب فتح القدیر کے حوالہ سے صاحبین کے اقوال مختلفہ کو تطبیق دیتے ہوئے یہ نقل کیا ہے کہ اگر حیلہ میں ایسی تدبیر اختیار کی جائے جس میں بائع کا دیا ہوا سامان بائع کے پاس کل یا بعض لوٹ جائے مثلاً شکل اول میں اور شکل ثالث ورابع میں کہ شکل اول اور شکل رابع میں پوری مبیع بائع کے پاس لوٹ رہی ہے اور شکل ثالث میں قرض میں دیا ہوا اس کے روپیہ میں سے پانچ روپیہ واپس مل رہا ہے تو یہ صورت مکروہ

تحریمی اور ناجائز ہیں، اور جس شکل میں بائع کا سامان اس کے پاس لوٹے نہ مثلاً شکل ثانی میں ضرورت منداس سامان کو مارکیٹ میں فروخت کردے تو یہ ناجائز نہیں بلکہ خلاف اولی ہے، کیونکہ اس میں ثمن کے ادھار ہونے کی وجہ سے صرف ثمن کا اضافہ کیا گیا ہے اور یہ جائز ہے، لیکن چونکہ ضرورت مند کو قرض دینے سے اعراض کیا گیا ہے، اس لئے ایک امر مندوب کے ترک کرنے کی بناء پر صرف کراہت ہوگی، کیونکہ جس میں سامان واپس نہ لوٹے تو حقیقتا بیع عینہ نہ کہلائے گی، اس لئے کہ بیع عینہ وہی ہوگی جس میں اپنا فروخت کیا ہوا سامان واپس لیا جائے، صرف کسی سامان کو فروخت کرنے کو عینہ نہیں کہا جائے گا ورنہ تمام بیوع عینہ ہو جائے گی (درمختار ۷/ ۶۱۳ طبع زکریا)۔

مسئولہ تورق کا حکم:

مسئلہ تورق یعنی ضرورت مند کو نقد مہیا کرنے کے لئے اگر اس سے کسی سامان کو فروخت کر کے پھر خود ہی بالواسطہ یا بلاواسطہ خرید لینا جیسا کہ مروج ہے، بیع عینہ کے شکل رابع اور شکل اول میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس پر عمل کی اجازت نہیں، جیسا کہ عبارت ذیل میں اس کی صراحت ہے:

"ثم قال في الفتح ماحاصله: ان الذی یقع في قلبي أنه إن فعلت صورة یعود فیها إلی البائع جمیع ما أخرجه أو بعضه کعود الثوب إلیه في الصورة المارة و کعود الخمسة في صورة اقراض الخمسة عشر فیکره یعني تحریما" (شامی ۷/ ۶۱۳ طبع زکریا)۔

حضرت تھانویؒ کا فتوی:

اس طرح کے حیلوں کے متعلق حضرت تھانویؒ سے دریافت کیا گیا، حضرت نے جو جواب دیا وہ امداد الفتاوی میں درج ہے، ہم وہ فتوی مع سوال وجواب نقل کرتے ہیں:

سوال: "رجل له علی رجل عشرة دراهم فأراد أن یجعلها ثلاثة عشر إلی أجل، قالوا: یشتري من المدیون شیئا بتلک العشرة ویقبض المبیع ثم

يبيع من المديون بثلثة عشر إلى سنة فيقع التحرز عن الحرام ومثل هذا روى عن رسول الله ﷺ أنه أمر بذلک۔

رجل طلب من رجل دراهم ليقرضه بده دوازده فوضع المستقرض متاعا بين يدى المقرض فيقول للمقرض: بعت منک هذا المتاع بمائة درهم فيشترى المقرض ويدفع إليه الدراهم ويأخذ المتاع ثم يقول المستقرض: بعنى هذا المتاع بمأة وعشرين فيبيعه ليحصل للمستقرض مائة درهم ويعود إليه متاعه ويجب للمقرض عليه مائة وعشرون درهما والأوثق والاحوط أن يقول المستقرض للمقرض بعد ما قهر المعاملة كل مقالة وشرط كان بيننا فقد تركت ثم يعقد ان بيع المتاع وهذه المسئلة دليل على جواز البيع الوفاء إذ لم يكن الوفاء شرطا في البيع هذا إذا كان المتاع للمستقرض فإن كان المتاع للمقرض وليس للمستقرض شئ ويريد أن يقرضه عشرة بثلثة عشر إلى أجل فإن المقرض يبيع من المستقرض سلعة بثلثة عشر ويسلم السلعة إلى المستقرض ثم إن المستقرض يبيع السلعة من أجنبى بعشرة ويدفع السلعة إلى الأجنبى ثم الأجنبى يبيع السلعة من المقرض بعشرة ويأخذ العشرة منه ويدفعها إلى المستقرض فيبرأ الأجنبى من الثمن الذى كان عليه للمستقرض فتصل إلى المقرض بعشرة وللمقرض على المستقرض ثلثة عشر إلى أجل"۔

عبارت منقولہ کے علاوہ اور بھی ایسے حیلے قاضی خان نے لکھے ہیں، اب تک ان حیلوں کو بے اصل سمجھتا تھا اور صفائی معاملات اور بہشتی زیور میں ایسے معاملات پر تنبیہ بھی کی گئی ہے، کچھ عرصہ سے فتاوی قاضی خان کے حیلوں کو دیکھ کر دریافت کرنے کا خیال کیا، آج بغرض دریافت ابتدائی عبارت کو نقل کر کے ملاحظہ مرسل ہے، دل قبول نہیں کرتا اگر کوئی غلطی سمجھنے میں ہوئی ہوتو تنبیہ فرمائی جائے ورنہ تاویل بتائی جائے، حضور کے ظل ہدایت وافادات کو خدائے

پاک دائم وقائم رکھے، تر دد صرف یہ ہے کہ یہ حیلہ ربوا معلوم ہوتا ہے۔

الجواب: جواز کے دو معنی ہیں: ایک صحت، یعنی کسی قاعدے پر منطبق ہو جانا گو اس میں گناہ ہی ہو، جیسے کسی شخص پر جبر کر کے اس کی بیوی کو طلاق دلوا دے، اور بعد عدت اس سے نکاح کر لے، صحت نکاح اور معصیت دونوں ظاہر ہیں، دوسری حلت یعنی گناہ نہ ہونا، پس اگر ان حیل کا جواز بالمعنی الاول ہے تب تو کوئی شبہ ہی نہیں، مگر یہ مفید نہیں، اور اگر بالمعنی الثانی ہے تو اس میں شرط ہے کہ ان حیل کے اجزاء اتفاقا واقع ہو جائیں مشروط اور معروف نہ ہوں اور نہ کسی پر جبر ہو کہ جبر امور غیر لازمہ میں خود حرام ہے، چنانچہ جملہ "إذ لم یکن الوفاء شرطا في البیع" اس طرف مشیر ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان حیل سے انتفاع غیر اختیاری ہے اور اگر یہ شرط مسلم نہ ہو تو پھر یا تو بعض کا قول ہے جو اصل مذہب کے خلاف ہے، چنانچہ عبارت مذکورہ کے بعد یہ عبارت "وهذه الحیلة هي العینة التي ذکرها محمد" اس کی دلیل ہے اور عینہ کا مکروہ تحریمی ہونا جو قریب إلی الحرام ہے ہدایہ وغیرہ میں مصرح ہے، کما فی کتاب الکفالۃ، جس پر فتح القدیر نے امام محمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: "هذا البیع فی قلبي کأمثال الجبال ذمیم وقد ذمه رسول الله ﷺ فقال: إذا تبایعتم بالعین الخ"، اور علاوہ خلاف مذہب ہونے کی اباحت وحرمت میں تعارض کے وقت حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے اور یا حلت اضافی ہے، جیسا کہ عبارت مذکورہ قاضی خان کے بعد یہ عبارت اس کی دلیل ہے: "وقال مشائخ بلخ: بیع العینة في زماننا خیر من البیع التي تجري في أسواقنا عن فضل فیما یکون فرارا عن الربوا" (امداد الفتاوی ۳/ ۱۵۳)۔

تورق کی دوسری شکل:

اگر ضرورت مند کو سامان ادھار زیادہ قیمت لے کر فروخت کر دیا جائے اور خریدار اس کو کسی مارکیٹ میں لے جا کر فروخت کر کے نقد حاصل کر لے اس کو حضرات فقہاء ناجائز تو نہیں لیکن مکروہ کہتے ہیں۔

"وإن لم يكن مشروطا فهو مكروه، لأنه بيع مضطر، لأن المشتري لاحاجة له في الحريرة وإنما حاجته في الدراهم والبائع لا يرضى بالإقراض، وإنما يرضى بالبيع كذلک فهو مضطر إلى الشراء فيكون مكروها والوجه فيه ان فيه مذموما وتركا للمبرة والاحسان الذين هما من مكارم الأخلاق"(اعلاء السنن ۱۴؍۱۷۰)۔

دوسری شکل کو مستقل کاروبار کا ذریعہ بنانے کا حکم:

مولانا تقی عثمانی صاحب اس کو سوال و جواب کے انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر بیع مؤجل کا مذکورہ بالا طریقہ شرعا جائز ہے اور اسے بعض مقامات پر اختیار کیا جا سکتا ہے تو پھر پورے نظام بینکاری کو اس کی بنیاد پر چلانے میں کیا قباحت ہے، اور اس کے جائز ہونے کے باوجود شرکت یا مضاربت ہی پر کیوں زور دیا جا رہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بیع مؤجل کا مذکورہ بالا طریقہ جس میں کسی چیز کو ادھار بیچنے کی صورت میں اس کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے، اگرچہ ٹھیٹھ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے سود میں داخل نہیں ہوتا، لیکن اس کے رواج عام سے سود خور ذہنیت کی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے، اس لئے یہ کوئی پسندیدہ طریق کار نہیں ہے اور اس کو پورے نظام بنکاری کی بنیاد بنا لینا مندرجہ ذیل وجوہ سے درست نہیں ہے:

۱-ادھار بیچنے کی صورت میں قیمت بڑھا دینا خود فقہاء کرام کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، اگرچہ اکثر فقہاء اسے جائز کہتے ہیں، لیکن چونکہ اس میں مدت بڑھنے کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی جاتی ہے، اور اس طرح خواہ یہ ٹھیٹھ معنی میں سود نہ ہو لیکن اس میں سود کی مشابہت یا سود کی خود غرضانہ ذہنیت موجود ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اسے ناجائز بھی قرار دیا ہے، چنانچہ قاضی خان جیسے محقق حنفی عالم اسے سود کے حکم میں شامل کر کے اسے حرام کہتے ہیں، اور ایسا معاملہ جس کے جواز میں فقہاء کرام کا اختلاف ہو، اور جس میں سود کی کم از کم مشابہت تو پائی ہی جاتی ہو،

اسے شدید ضرورت کے مواقع پر بدرجہ مجبوری اختیار کر لینے کی تو گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن اس پر اربوں روپے کی سرمایہ کاری کی بنیاد کھڑی کر دینا اور اسے سرمایہ کاری کا ایک عام معمول بنا لینا کسی طرح درست نہیں۔

اسی سلسلہ میں مفصل کلام کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں: اس لئے ہمارے فقہاء کرام نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ اکادکا مواقع پر کسی قانونی تنگی کو دور کرنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ اختیار کر لینے کی گنجائش تو ہے، لیکن ایسی حیلہ سازی جس سے مقاصد شریعت فوت ہوتے ہوں اس کی قطعاً اجازت نہیں (ہمارا معاشی نظام رص ۱۳۰)۔

مکروہ پر اصرار و دوام:

تورق کی دوسری شکل مکروہ ہے اور کسی امر مکروہ پر اصرار و دوام کی اجازت دینا کسی حال میں مناسب نہیں، چنانچہ الفقہ الحنفی میں فرماتے ہیں:

جو شخص بہ کثرت مکروہ کا ارتکاب کرے گا وہ حرام تک پہنچے گا، اور حرام و مکروہ کے درمیان مباح ایک رکاوٹ ہے، لہذا جو بہ کثرت مباح کا مرتکب ہوگا وہ مکروہات میں مبتلا ہو جائے گا، حالانکہ مباح ایک بہترین رخصت ہے جس کی تائید ابن حبان کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام مسلم نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے، کہ اپنے اور حرام کے مابین حلال کو آڑ بناؤ، جس نے ایسا کر لیا اس نے اپنی آبرو اور دین دونوں محفوظ کر لیا، اور جو حلال کی لذت میں پڑ گیا تو وہ چراگاہ کے کنارے جانور چرانے والے کی طرح ہے، جو اس میں داخل ہو سکتا ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ فعل حلال مکروہ یا حرام کا ذریعہ اور سبب بن جائے تو ایسے فعل مباح سے بھی اجتناب لازم ہے، مثلاً بہ کثرت لذیذ اور مرغوب چیزوں کا استعمال، کہ یہ عمل انسان کو کثرت آمدنی پر مجبور کر دے گا، اور کثرت مال اس غیر ضروزی اشتہاء کی حصولیابی میں پھنسا دے گی، یا یہ تکبر کا باعث بن جائے گا، اور کم از کم یہ شغل عبادت سے مانع ہو جائے گا، جیسا کہ مشاہدہ ہے، اور یہ امر بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بہ کثرت فعل مکروہ کا مرتکب حرام کے

ارتکاب کا جری ہو جاتا ہے، اور مکروہ کی عادت اسے حرام پر آمادہ کر دیتی ہے، ممنوعات ومحرمات کے مرتکب کا قلب نور تقوی سے خالی ہونے کی بناء پر تاریک ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور حدیث میں قلب کی اہمیت کو ملحوظ رکھنے پر تنبیہ ہے، قلب کی اصلاح پر آمادہ کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ یہ ارشاد ہے کہ عمدہ کمائی نور قلب میں مؤثر ہے (الفقہ الحنفی ۴/۷۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ تورق کی جو شکل سوال میں مذکور ہے اس کا اختیار کرنا شرعا جائز نہیں، اور جو شکل اس کے علاوہ ہے وہ بھی کراہت سے خالی نہیں، اس لئے اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔



تورق کا مسئلہ

مولانا ارشد شاداب☆

تورق کا مفہوم:

تورق، ورق سے ماخوذ ہے، تورق ورق طلب کرنا، اور ورق کہتے ہیں چاندی کے سکہ کو، لسان العرب میں ہے: "الورق": الدراهم، فی الصحاح "الدراهم المضروبة" (لسان العرب ۶/ ۴۸۱۶)۔

یعنی ورق دراہم کو کہتے ہیں، صحاح میں ہے کہ ڈھالے ہوئے دراہم کو ورق کہتے ہیں، صاحب لسان العرب نے مشہور لغوی ابوعبیدہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے: "الورق: "الفضة كانت مضروبة كالدراهم أولا" (لسان العرب ۶/ ۴۸۱۶)، ورق چاندی کو کہتے ہیں، خواہ ڈھالا ہوا ہو جیسے دراہم یا ڈھالا ہوا نہ ہو، ایسا ہی اللہ تعالی کا قول ہے: "فابعثوا أحدكم بورقكم هذه إلى المدينة" (الکہف: ۱۹)، "بورقكم" أى بدراهمكم المضروبة، قيل: الورق الفضة المضروبة أو غير مضروبة" (روح المعانی ۹/ ۳۳۲)۔

اس سے پتہ چلا کہ تورق کہتے ہیں چاندی کا پیسہ حاصل کرنا، پھر بعد میں اس کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوگئی، لہذا ہر چیز کے پیسہ کو خواہ وہ چاندی کا ہو، یا اس کے علاوہ دوسری چیز کا طلب کرنے کو تورق کہتے ہیں۔

☆ المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء، پھلواری شریف پٹنہ۔

اصطلاحی مفہوم:

تورق کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ ضرورت مند سامان کسی آدمی سے ادھار خرید ے، پھر اس سامان کو دوسرے شخص سے اس سے کم قیمت پر فروخت کردے تاکہ اس کو ضرورت پوری کرنے کے لئے نقد روپیہ مل سکے، موسوعہ فقہیہ میں ہے:"أن يشترى سلعة نسيئة ثم يبيعها نقدا لغير البائع، بأقل مما اشتراها به، ليحصل بذلک على النقد"(موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۶)۔

(کوئی آدمی ادھار سامان خریدے پھر اس کو بائع کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے پہلے سے کم قیمت پر بیچ دے، تاکہ اس کو کچھ نقد حاصل ہو سکے)، عام فقہاء کے یہاں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے، البتہ فقہاء حنابلہ کے یہاں یہ اصطلاح ملتی ہے، چنانچہ کشاف القناع میں ہے:

"ولو احتاج إنسان إلى نقد فاشترى ما يساوى مائة بمائة وخمسين مثلا فلا بأس بذلک نص عليه وهى أى هذه المسئلة تسمى مسئلة التورق"(کشاف القناع ۳/۱۸۶)۔

(اگر کسی آدمی کو کچھ نقد کی ضرورت ہو تو اس نے ایک سو کے سامان کو ایک سو پچاس میں خریدا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، اس کو مسئلہ تورق کہا جاتا ہے)۔

اسی طرح فقہ حنبلی کی دوسری کتاب الفروع لابن مفلح میں بھی اس کی صراحت موجود ہے:"ولو احتاج إلى نقد فاشترى ما يساوى مائة بمائتين فلا بأس، نص عليه وهو التورق"(الفروع لابن مفلح ۴/۱۷۱ عالم الکتب)۔

جہاں تک بات رہی دوسرے مکاتب فکر کی تو وہاں تورق کا مسئلہ بیع عینہ کے تحت ملتا ہے۔

بیع عینہ اور تورق میں فرق:

بیع عینہ اور تورق میں فرق یہ ہے کہ بیع عینہ میں ضرورت مند آدمی کسی سے سامان خرید تا ہے پھر جس سے سامان خریدا ہے، اسی سے نقد پہلے سے کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں عینہ کہتے ہیں، اس لئے کہ اس شکل میں بعینہ وہی سامان جس کو اس نے ادھار بیچا تھا اس کے پاس واپس آ جاتا ہے، یہ شکل حرام ہے کیونکہ ایسی صورت میں غالب گمان ہے کہ لوگ اس کو ربا وسودخوری کا حیلہ بنالیں۔

"لو باع شيئا نسيئة أو بثمن لم يقبضه...... ثم اشتراه بأقل مما باعه......فتكون علة المنع باقية هذه مسألة العينة" (الفروع ۴/۱۶۹-۱۷۰)۔

(اگر کوئی چیز ادھار بیچا یا (حال ہی بیچا) لیکن ثمن پر قبضہ نہیں کیا پھر اسی سامان کو فروخت کردہ قیمت سے کم پر خرید لیا تو اس میں ناجائز ہونے کا سبب باقی رہے گا یہ مسئلہ عینہ کہلاتا ہے)۔

تورق ی ہے کہ ضرورت مند ایک شخص سے ادھار سامان خرید تا ہے پھر اس کو دوسرے شخص سے نقد اس سے کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے، اس صورت میں مشتری اول سامان کسی تیسرے شخص سے فروخت کرتا ہے، بائع اول کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوا ہے، البتہ کچھ چیزیں ان دونوں میں مشترک ہیں۔

۱- دونوں صورتوں میں مشتری بازار کے موجودہ قیمت سے زیادہ میں ادھار خرید تا ہے۔

۲- دونوں صورتوں میں مشتری کا مقصد نقد حاصل کرنا ہوتا ہے۔

۳- دونوں صورتوں کو سودی قرض سے بچنے کا مخرج وحیلہ بناتا ہے۔

تورق کا حکم:

فقہاء حنابلہ کی کتب فقہ سے مراجعت کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ تورق کے بارے میں

امام احمد بن حنبلؒ کے دو قول ہیں، پہلا قول مکروہ کا ہے، دوسرا قول جواز کا ہے، علامہ ابن مفلحؒ نے دونوں اقوال کو بیان کیا ہے:

”ولو احتاج إلى نقد فاشترى ما يساوى مائة بمائتين فلا بأس به نص عليه، وهى التورق، وعنه يكره، وحرمه شيخنا“ (الفروع لابن مفلح ۴/۱۷۱)۔

علامہ ابن تیمیہؒ فتاوی ابن تیمیہ میں رقم طراز ہیں:

”ولو كان مقصود المشترى الدراهم وابتاع السلعة إلى أجل ليبيعها ويأخذ ثمنها، فهذا يسمى التورق ففى كراهته عن احمد روايتان“ (فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۹/۳۰)، لیکن علامہ مرداویؒ نے تورق کے جواز کی صراحت کی ہے: ”لو احتاج فاشترى ما يساوى مائة بمائة و خمسين فلا بأس نص عليه، وهو المذهب، وعليه الأصحاب وهى مسألة التورق“ (الانصاف للمرداوی ۴/۳۳۷ دار التراث)۔

علامہ مرداویؒ کے اس اقتباس سے پتہ چل رہا ہے کہ اصل مذہب جواز کا ہے اور یہی اکثر حنفیہ کی رائے ہے، چنانچہ کشاف القناع میں ہے:

”ولو احتاج إنسان إلى نقد فاشترى ما يساوى مائة بمائة وخمسين فلا بأس بذلك، نص عليه، وهى أن هذه المسئلة تسمى مسئلة التورق“ (کشاف القناع ۴/۱۵۷)۔

صاحب کشاف نے کسی اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے، کیونکہ ان کے مذہب میں معتمد علیہ قول جواز کا ہے، لہذا انہوں نے بغیر کسی اختلاف کے اس مسئلہ کو بیان کر دیا ہے، علامہ ابن قدامہؒ نے صراحتاً اس مسئلہ کا ذکر نہیں کیا ہے، البتہ ضمناً اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مشتری ثانی بائع اول کے علاوہ کوئی دوسرا ہو تو یہ بیع درست ہوگی۔

”أن العينة ممنوعة هى أن يشترى البائع نفسه السلعة التى باعها

نسيئة......ويجوز لغيره من الناس، سواء كان اباه، أو ابنه، أو غيرهما، لأنه غير البائع" (المغنی لابن قدامہ ۴/۴۶)۔

(بیع عینہ کو فقہاء نے ناجائز کہا ہے، ممنوع بیع عینہ یہ ہے کہ بائع خود ہی اس سامان کو خریدے جس کو اس نے ادھار بیچا تھا...... البتہ اس کے علاوہ کسی دوسرے سے فروخت کرتا ہے تو جائز ہے خواہ وہ اس کا باپ ہو یا بیٹا یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو، اس لئے کہ وہ بائع کے علاوہ ہے)۔

ان تمام فقہی اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد کے یہاں تورق جائز ہے۔

شافعیہ کا مذہب:

شافعیہ کے یہاں تورق کی کوئی صراحت نہیں ملتی ہے، البتہ شافعیہ نے بیع عینہ کے جواز کی صراحت کی ہے، اور اس میں ان کے نزدیک کوئی کراہت بھی نہیں ہے، چنانچہ علامہ بغویؒ فرماتے ہیں:

"إذا باع شيئا إلى أجل وسلم، ثم اشتراه قبل حلول الأجل يجوز سواء اشتراه بمثل ما باع أو أقل أو بأكثر كما يجوز بعد حلول الأجل" (التہذیب للبغوی ۳/۴۸۹)۔

علامہ ماوردیؒ بیع عینہ کو ناجائز کہنے والوں پر زبردست تنقید کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں: "أما الجواب عن قولهم إنه ذريعة إلى الربا الحرام فغلط، بل هو سبب يمنع من الربا الحرام، وما منع من الحرام كان ندبا" (الحاوی الکبیر للماوردی ۵/۲۸۷-۲۹۰ دار الباز مکہ مکرمہ)۔

(جو لوگ بیع عینہ کو ربا حرام کا ذریعہ اور سبب کہتے ہیں ان کا یہ کہنا غلط ہے ان کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بیع عینہ حرام سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے اور جو چیز حرام سے روکنے والی ہو وہ مندوب ہوتی ہے)۔

شافعیہ بیع عینہ کے جواز پر تمر خیبر والی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

"فقال رسول الله ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله يا رسول الله إنا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا" (اخرجہ البخاری: ۱/ ۲۹۳)۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

"واستدل به على جواز بيع العينة......لأنه لم يخص بقوله ثم اشتر بالدراهم جنيبا" غير الذى با ع له الجمع" (فتح الباری ۴/ ۵۰۴)۔

ان تمام عبارتوں کی روشنی میں یہ پتہ چلا کہ بیع عینہ شافعیہ کے یہاں بلا کراہت جائز ہے، جہاں تک بات رہی تورق کی تو فقہاء شافعیہ کے یہاں اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے، لیکن ظاہر صورت سے پتہ چلتا ہے کہ جب ان کے نزدیک بیع عینہ جائز ہے تو تورق بدرجہ اولی جائز ہوگا۔

مالکیہ کا مذہب:

امام مالک کے یہاں بھی تورق کی صورت جائز ہے، چنانچہ علامہ دسوقی فرماتے ہیں:

"يجوز أن يكون البائع ثانيا هو المشترى أولا، أو من تنزل منزلته، والبائع أو لا هو المشترى، ثانيا، أو من تنزل منزلته" (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۷۷ دار الفکر)۔

(دوسرا بائع ومشتری اول ہو یا جو اس کے قائم مقام ہو اور پہلا بائع مشتری ثانی ہو یا اس کے قائم مقام ہو تو یہ صورت جائز ہے)۔

حنفیہ کا نقطہ نظر تورق کے بارے میں:

حنفیہ میں بعض حضرات جواز کی طرف گئے ہیں، مثلاً امام ابو یوسف اور بعض نے مکروہ کہا ہے، مثلاً امام محمد، امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"وذكر عن الشعبی أنه كان يكره أن يقول الرجل للرجل: أقرضنی، فيقول: لا حتی أبيعک، وإنما اراد بهذا إثبات كراهية العينة وهو أن يبيعه ما يساوی عشرة بخمسة عشر، ليبيعه المشتری بعشرة، فيحصل للمقرض زيادة وهذا فی معنی قرض جر منفعة، الإقراض مندوب إليه فی الشرع، والغرر حرام" (المبسوط للسرخسی ۱۴/۳۶ دار المعارف بیروت)۔

(امام شعبیؒ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی آدمی سے کہے کہ قرض دو، وہ آدمی کہے کہ میں تم کو قرض نہیں دوں گا، البتہ میں تم سے خرید وفروخت کروں گا، اس سے ان کی مراد بیع عینہ کو مکروہ قرار دینا تھا، بیع عینہ یہ ہے کہ دس روپے کی چیز کو پندرہ روپے میں بیچے، تاکہ مشتری اس کو دس روپے میں وہ سامان بیچ دے، اس صورت میں قرض دینے والے کو زیادتی حاصل ہوگی، یہ ایسا قرض ہے جس سے نفع حاصل ہو رہا ہے اور ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل ہو وہ حرام ہے، شریعت میں قرض دینا مندوب ہے، لیکن غرر حرام ہے)۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں: "أی بيع العين بالربح نسيئة ليبيعها المستقرض بأقل، ليقضی دينه اخترعه آكلة الربا، وهو مكروه مذموم شرعا" (الدر المختار ۲/۶۶)۔

علامہ شامیؒ "وهو مكروه" کے تحت فرماتے ہیں: "قوله وهو مكروه أی عند محمد، وبه جزم فی الهداية قال فی الفتح: قال أبو يوسف: لا يكره هذا البيع، لأنه فعله كثير من الصحابة وحمدوه علی ذلک ولم يعدوه من الربا" (حاشیہ ابن عابدین ۷/۶۱۳)۔

فقہ حنفی کے مشہور محقق علامہ ابن ہمامؒ نے جواز وکراہت دونوں اقوال کے درمیان بہترین تطبیق دی ہے، اور دونوں کا محمل الگ الگ بیان کیا ہے، جواز کے صورت کو تورق پر محمول کیا ہے اور کراہت کے صورت کو عینہ پر محمول کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: "ثم الذی يقع

في قلبي أن يخرجه الدافع إن فعلت صورة يعود إليه هو أو بعضه، كعود الثوب أو الحرير...... فمكروه، وإلا فلا كراهة إلا خلاف الأولى" (فتح القدیر ۴/۱۹۸ کتاب الکفالہ)۔

(میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ اگر بیع کی یہ صورت کہ کل یا بعض مبیع بائع اول کے پاس لوٹ آئے تو یہ مکروہ ہے، جیسے کپڑا یا ریشم اور یہ صورت نہ ہو یعنی بیع بائع اول کے پاس نہ لوٹتی ہو تو کوئی کراہت نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ خلاف اولی کہا جا سکتا ہے)۔

بعد کے فقہاء حنفیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ ابن ہمامؒ کی اس رائے کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"أقره في البحر والنهر والشرنبلالية، وهو ظاهر، جعله السيد أبو السعود محمل قول أبي يوسف، وحمل قول محمد والحديث على صورة العود" (حاشیہ ابن عابدین ۷/۶۱۴)۔

ان تمام فقہی عبارتوں سے پتہ چلا کہ وہ صورت جس کو امام محمدؒ نے مکروہ کہا ہے، وہ بیع عینہ ہے، جس میں سامان بائع اول کے پاس لوٹ آتا ہے، بہر حال تورق کی وہ صورت جس میں مشتری ادھار سامان خریدتا ہے اور رقم حاصل کرنے کے لئے کسی تیسرے سے اس سے کم قیمت پر بیچ دیتا ہے تو یہ صورت جائز ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارتوں سے بالکل واضح ہو چکا ہے، پہلی صورت یعنی عینہ میں ربا کا شبہ ہے، کیونکہ زیادہ قیمت پر بیچنے والا اور کم قیمت پر خریدنے والا دونوں ایک ہی آدمی ہے، جبکہ دوسری صورت میں دونوں الگ الگ آدمی ہے، لہذا یہاں ربا کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

جائزہ:

تمام مسالک فقہیہ کے تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں بیع عینہ جائز ہے، البتہ تورق کی بحث نہیں ملتی ہے، لیکن جب عینہ جائز ہے تو تورق بدرجہ اولی جائز

ہوگا، جمہور فقہاء بیع عینہ کو ناجائز کہتے ہیں، یا کم از کم مکروہ تو ضرور ہے، البتہ تورق کے جواز پر اتفاق ہے۔

قرض دینا مندوب و مستحب ہے، اور اللہ تعالی کے نزدیک محبوب و مرغوب ہے، لیکن ایسا قرض جس پر نفع حاصل کیا جائے یا ایسا قرض جس پر سود کا مطالبہ کیا جائے شریعت کی نگاہ میں ناجائز وحرام ہے، اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ اپنے پریشان حال اور ضرورت مند مسلمان بھائیوں کی مدد کریں اور زیادہ سے زیادہ رفاہی ادارے کھولیں جس سے ضرورت مند بغیر کسی پریشانی کے بلاسود کے قرض حاصل کر سکے، اور مالداروں میں یہ بیداری پیدا کی جائے کہ وہ ضرورت مندوں کو بغیر کسی معاوضہ کے قرض حسنہ کے طور پر قرض دے پھر بعد میں وقت مقررہ پر واپس لے لے۔

بینک کی صورت:

اسلامی بینک میں تورق کی جو صورت پائی جاتی ہے وہ دراصل عینہ کی شکل ہے، کیونکہ مشتری اول مبیع جس ادارہ سے فروخت کرتا ہے وہ بینک کا ہی ادارہ یا برانچ ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں سامان بائع اول کے پاس ہی لوٹ رہا ہے تو یہ بیع عینہ ہوا اور بیع عینہ جمہور کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے اسلامی بینک کا اس طرح قرض پر حیلہ اختیار کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ نام بدل کر سود حاصل کرنا ہے۔



مسئلہ تورق کا شرعی حکم

مولانا محمد ارشد فاروقی ☆

عالمی اقتصادی نظام میں بینک بنیادی کردار ادا کر رہا ہے، چھوٹے بڑے معاملات میں دخیل ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے ربط رکھنا ہر آدمی کی ضرورت بن گئی ہے، چونکہ نظام بینک کی اساس سود پر ہے، اس لئے ایک آدمی بینک سے معاملات کرتے ہوئے جھجھکتا ہے اور وہ اس میں حق بہ جانب ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں اس لئے مسلم حکومتیں وافراد اضطراری طور پر اس سے جڑے ہوئے ہیں چونکہ عالمی نظام مسلمانوں کا قائم کیا ہوا نہیں ہے، اس لئے اس کا بدلنا اور اسلامی تقاضے کے مطابق ڈھالنا آسان نہیں ہے اس کے باوجود کئی مسلم ملکوں میں اسلامی مالیاتی ادارے اور اسلامی بینک قائم کئے گئے بلکہ ان کے بہتر نتائج کو دیکھ یوروپ کے کئی ممالک میں اسلامی بینک کے قیام کا رجحان بڑھا اور اسلامی ونڈو کئی بینکوں نے کھولا، اور اب ہندوستان کی حکومت بھی اس پر غور کر رہی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی بینک کا قیام دنیا کے کسی گوشے میں سو فیصد اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوسکتا کیونکہ دنیا میں جو قوانین بینک ومعیشت رائج ہیں وہ اس راہ کی رکاوٹ ہیں۔

اس لئے جہاں جو اسلامی بینک قائم ہے یا قائم کیا جارہا ہے اس کی بنیاد "أهون البلیتین"، "أقل ضررا" پر ہے۔

☆ جامعہ امام انور، دیوبند۔

بینک کے غیر اسلامی نظام کو سامنے رکھتے ہوئے خالص اسلامی نظام کے بینک قائم کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا دو دو چار کی طرح واضح ہے، اس لئے اسلامی مالیاتی ادارے کے سامنے نوع بہ نوع سوالات کا قائم ہونا تطبیق کے لئے بہتر سے بہتر حل کی تلاش جاری رکھنا ضروری ہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے "مسئلہ تورق" جسے سمینار کا موضوع بنایا گیا ہے۔

تورق اور اس کا اسلامی بینک میں چلن فقہی تناظر میں:

اسلامی مالیاتی ادارے یا اسلامی بینک اپنے فرائض میں ضرورت مندوں کے لئے قرض کی فراہمی بھی شامل رکھتے ہیں جس کی کئی صورت ہوتی ہے ایک صورت تورق کی ہے۔

تورق کا ذکر فقہاء "بیع عینہ" کے ذیل میں کرتے ہیں، البتہ فقہاء حنابلہ کی کتابوں میں تورق کا تذکرہ ملتا ہے۔

ابوالحسن مرداوی (حنبلی) کہتے ہیں: "لو احتاج رجل إلى نقد فاشترى ما يساوى مائة بمائة و خمسين فلا بأس، نص عليه وهو المذهب، وعليه الأصحاب وهى مسألة التورق" (الانصاف ۴؍۳۴۳) (اگر نقد (روپئے) کی ضرورت کی بنیاد پر سو کا سامان ڈیڑھ سو میں خریدے تو حرج نہیں یہی حنابلہ کا مذہب ہے، یہی تورق کہلاتا ہے)۔

تورق کی دو صورتیں ہیں:

۱- ایک شخص نے قسط پر ایک سامان خریدا، پھر اسے دوسرے کے ہاتھ نقد خریدی ہوئی قیمت سے کم میں فروخت کر دیا اور مقصد نقد روپئے حاصل کرنا ہے، اس صورت میں بیع حقیقی کا وجود ہے، سامان بیچا گیا، اس پر قبضہ پایا گیا، قسط پر خریداری ہوئی، پھر سامان بیچ کر روپئے سے ضرورت کی تکمیل کی گئی۔

اس صورت کے جواز کے قائل قدیم و معاصر علماء ہیں۔

قدیم علماء میں سے علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں: "وعن أبي يوسف: العينة

جائزة ماجور من عمل بها، کذا فی مختار الفتاوی" امام ابو یوسف بیع عینہ (تورق) کو جائز قرار دیتے ہوئے اس کا موقع فراہم کرنے والے کو عنداللہ ماجور قرار دیتے ہیں۔

بیع عینہ کی تعریف:

الف- بیع عینہ کی تعریف علامہ شوکانی ان الفاظ میں کرتے ہیں: "بیع التاجر سلعته بثمن إلی أجل ثم یشتریها منه بأقل من ذلک الثمن" (الدراری المضیئة ۲/۹۱، نقلا عن ردالمحتار علی الدر المختار ۷/۴۲۱) (تاجر اپنا سامان ادھار بیچے پھر کم قیمت میں اسے خرید لے)۔

ب- کچھ فقہاء بیع عینہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: ضرورت مند شخص کسی شخص سے دس درہم قرض مانگتا ہے وہ فوراً قرض دینے کے لئے تیار نہیں ہے، اس لئے کہتا ہے کہ قرض سے تو معاف رکھو لیکن میرے پاس یہ کپڑا ہے اسے بارہ درہم میں خرید لو بازار میں تمہیں دس دراہم اس کے مل جائیں گے، اس ترکیب کو ضرورت مند شخص مان لیتا ہے، بازار میں جاکر بارہ درہم کا خریدا ہوا کپڑا دس درہم میں بیچ کر اپنا کام چلاتا ہے اور بارہ درہم کا مقروض رہتا ہے، اس منصوبے میں ضرورت مند کی ضرورت کی تکمیل ہو جاتی ہے اور کپڑے کا مالک دو درہم نفع کما لیتا ہے اور سود سے بھی بچ جاتا ہے (ابن عابدین کی طویل عبارت کا خلاصہ، ۷/۴۲۱)۔

ج- دیگر فقہاء نے عینہ کی یہ شکل بیان کی ہے: "دونوں معاملہ کرنے والے تیسرے کو شامل کرلیں، قرض دینے والا قرض لینے والے کو کپڑا بارہ درہم میں بیچ دے، اور اس کے سپرد کردے، پھر یہ قرض لینے والا تیسرے کے ہاتھ دس درہم میں بیچ دے اور اس کے سپرد کردے، پھر یہ تیسرا شخص قرض دینے والے کے ہاتھ دس درہم میں فروخت کردے، اور اس کے سپرد کردے، اور دس درہم لے لے، اور یہ دس درہم قرض لینے والے کو دیدے، اس طرح قرض لینے والے کو دس درہم ملے، اور تاجر ثوب کا ادھار اس کے ذمے بارہ درہم رہے (ابن عابدین کی عبارت کا خلاصہ ۷/۴۲۱)۔

معاصر علماء و مراکز افتاء اور فقہ اکیڈمیوں نے بھی تورق کی زیر بحث صورت کے جواز کا

قول اپنایا ہے:

اللجنۃ الدائمۃ للبحوث والافتاء (الریاض) نے اس طرح فتوی دیا ہے "وأما مسئلة التورق فمحل خلاف والصحيح جوازها"۔

تورق کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے، البتہ صحیح قول جواز کا ہے، اسی قول کو شیخ ابن بازؒ نے اپنایا ہے، "وأما مسئلة التورق فليست من الربا، والصحيح حلها، لعموم الأدلة، ولما فيها من التفريج والتيسير وقضاء الحاجة الحاضرة، أما من باعها على من اشتراها منه، فهذا لا يجوز، بل هو من أعمال الربا، وتسمى مسألة العينة وهي محرمة لأنها تحايل على الربا" (مجموع فتاوی ابن باز ۱۹/ ۲۴۵)۔

یعنی تورق کا شمار ربا میں نہیں ہوتا اس کا حلال ہونا ہی درست ہے، چونکہ دلائل میں عموم پایا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ اس سے آسانی پیدا ہوتی ہے، اور مصیبت سے رستگاری ملتی ہے، وقتی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے۔

لیکن ایسی صورت جس میں سامان خریدنے والا وہ سامان اس کے ہاتھ فروخت کردے جس سے خریدا ہے، تو یہ درست نہیں ہے بلکہ اس کا شمار ربوی معاملات میں ہوگا، اور اسے اس عینہ سے تعبیر کریں گے جو ممنوع ہے، کیونکہ یہ ربا کے جواز کے لئے حیلہ سازی ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی نے بھی مکہ مکرمہ میں منعقد پندرہویں سیمینار میں تورق کی صورت کو درست قرار دیا ہے، یہ سیمینار ۱۱/ رجب ۱۴۱۹ھ کو منعقد ہوا۔

معاصر فقہاء میں شیخ ابن عثیمینؒ، شیخ محمد صالح المنجد چند شرائط کے ساتھ جواز کے قائل ہیں۔

اسی کے ساتھ کچھ علماء نے عدم جواز کا فتوی جمہور علماء کے علی الرغم دیا ہے، جس کے قائل علامہ ابن تیمیہ اور امام احمد کی ایک روایت ہے اور حنفیہ میں سے امام محمد بھی انہی لوگوں کے

ساتھ ہیں۔

جواز کے دلائل:

قدیم ومعاصر علماء تورق کے جواز کو مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت کرتے ہیں:

تورق پر بیع کا اطلاق ہوتا ہے، تو اس کا شمار بیع کے عموم میں ہوگا، اللہ تعالی نے فرمایا:"وأحل الله البيع و حرم الربوا"(بقرہ:۲۷۵)۔

اس میں ربا کے قصد کا اظہار نہیں پایا جاتا اور نہ ربا کی کوئی صورت نظر آتی ہے۔

فرمان رسالت:"بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا"(الموسوعۃ ۱۴/۱۴۸)۔

(گدری کھجور درہم کے بدلے فروخت کرو، پھر حاصل شدہ درہم کے عوض اچھی قسم کی کھجور خرید لو)۔

جواز کے قائلین نے کچھ شرائط بھی لگائی ہیں، فقہ اکیڈمی (رابطہ) کی تجویز میں لکھا گیا ہے کہ خریدار اسی سامان کو کم قیمت پر پہلے بیچنے والے کے ہاتھ فروخت نہ کرے، نہ براہ راست اور نہ بواسطہ، اگر ایسا کرتا ہے تو ممنوع بیع عینہ کا مرتکب ہوگا، کیونکہ وہ ربا کے سلسلے میں حیلہ سازی کا شکار ہو رہا ہے اس لئے اس صورت میں یہ معاملہ حرام ہوگا۔

جواز کے قائلین بھی دلائل رکھتے ہیں؛

یہ بیع ہے، لوگوں کو اس معاملے کی ضرورت ہے، نیز قرض فراہم کرنے والے افراد کی قلت ہے۔

جواز بھی درج ذیل شرائط کے ساتھ مقید ہے:

تورق انجام دینے والا حقیقتا ضرورت مند ہو اور کوئی راہ نہ ہو، معاملہ کی شکل بیع کی ہو ربوا کی نہ ہو، قبضے کے بعد بیچے چونکہ قبضے سے قبل بیچنے سے آپ ﷺ نے روکا ہے۔

مانعین کے دلائل:

جو فقہاء تورق کی حرمت کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

تورق کا مقصد بیع نہیں ہے بلکہ نقد کے عوض نقد حاصل کرنا ہے اور سامان کو بطور محلل استعمال کیا جارہا ہے، جبکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى"۔

امام محمدؒ کہتے ہیں: "هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربا" (۴/۸۱ ردالمحتار علی الدر المختار) (میں اس بیع کو (برائی) میں پہاڑ جیسا خیال کرتا ہوں، یہ قابل مذمت ہے سود خوروں کی گھڑی ہوئی شکل ہے)۔

یہ بحث پہلی صورت سے متعلق ہے۔

دوسری صورت:

تورق کی دوسری صورت وہ ہے جو بینک میں اس طرح رائج ہے کہ "بینک" کسٹمر کے لئے سامان کی بیع محض کاغذی کاروائی تک انجام دیتا ہے، کبھی کسٹمر بینک کو سامان کی فروخت کا وکیل بنادیتا ہے۔

یہ صورت شرعی اعتبار سے ناجائز ہے، یہی صورت بینک میں رائج تورق کے نام سے متعارف ہے، کیونکہ یہ اس بیع عینہ سے ملتی جلتی ہے جو شرعی طور پر ممنوع ہے۔

اس صورت کے عدم جواز کا فتوی علامہ یوسف قرضاوی، ڈاکٹر صدیق الضریر، ڈاکٹر حسین حامد حسان، ڈاکٹر مختار السلامی جیسے اصحاب فقہ وافتاء نے صادر فرمایا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (رابطہ) مکہ مکرمہ میں منعقد سترہویں سمینار ۱۳-۱۷/۱۲/۲۰۰۳ء کی قرارداد میں اسی عدم جواز کے موقف کو اختیار کیا گیا ہے:

"قرر مجلس المجمع ما يلي: أولا: عدم جواز التورق الذي سبق توصيفه في التمهيد، للأمور الآتية":

تورق کی بیان کردہ صورت مختلف وجوہ سے ناجائز ہے:

۱-اس معاملے میں بائع نے سامان کو دوسرے خریدار سے بیچنے کی ذمہ داری عائد کردی ہے یا اسے شرط قرار دیا ہے، اس لئے یہ صورت اس بیع عینہ کے مشابہ ہے جو ممنوع ہے، یہ شرط صراحۃ لگائی گئی ہو یا عرف وعادت کے مطابق سمجھی جاتی ہو۔

۲-اس معاملے میں عام طور پر قبضہ (جو شرعا مطلوب ہے) نہیں پایا جاتا۔

۳-تورق کی یہ صورت نقد رقم فراہم کرنے کے لئے اپنائی جاتی ہے اور بینک ہی کے ذریعہ خرید وفروخت کا عمل انجام پاتا ہے، بیشتر حالات میں محض کاغذی کارروائی کی حد تک محدود رہتی ہے، بینک کا مقصد اس کاروائی کے انجام دینے کا قرض سے زیادہ رقم حاصل کرنا ہوتا ہے۔

اس لئے تورق کی یہ صورت اس صورت سے بالکل جدا ہے جسے فقہاء نے درست قرار دیا ہے۔

اور خود اسلامک فقہ اکیڈمی (رابطہ) اپنے پندرہویں سمینار میں جواز کا فیصلہ کر چکی ہے، جواز کی صورت حقیقی صورتحال پر مبنی ہے۔

ان دونوں صورتوں کے باہمی فرق کو بیان کیا جاچکا ہے، تورق کی حقیقی صورت میں سامان کی ادھار خریداری یقینی طور پر ہوتی ہے خریدار کی ملکیت پائی جاتی ہے، اس پر وہ قابض ہوتا ہے، اگر اس دوران ہلاک ہوجائے تو وہ ضامن ہوگا۔

اس کے بعد وہ اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے کم قیمت پر بازار میں فروخت کردیتا ہے، کبھی وہ بیچنے میں کامیاب ہوتا ہے کبھی ناکام، یہ ساری تفصیلات کاغذی اور فرضی شکلوں میں جو بینکوں میں رائج ہیں نہیں پائی جاتیں۔

اسی ذیل میں فقہ اکیڈمی (رابطہ) نے عام بینکوں کو تاکید کی ہے کہ وہ ہر طرح کے حرام معاملات سے گریز کریں اور اللہ کے احکام کو نافذ کریں۔

خلاصہ کلام یہ کہ تورق کی پہلی صورت درست ہے اور دوسری صورت جس کا بینک میں

چلن ہے وہ بیشتر حالات میں درست نہیں ہے، ایسے بینکوں سے معاملہ کرنا چاہے وہ اسلام کے مطابق اپنی کاروائی کو بتانے کی کوشش کرتے ہوں درست نہیں ہے۔

سوال میں الف کو بینک ایک لاکھ دس ہزار کالوہا فروخت کرتا ہے، پھر الف، ب کو ایک لاکھ میں بیچ دیتا ہے، اور ''ب'' بھی بینک ہی کا منسلک ادارہ ہے یہ صورت سوائے کاغذی کاروائی کے کچھ نہیں اس لئے عدم جواز کی صورت میں شمار کی جائے گی۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات:

چوتھا باب

مختصر تحریر

قرض کے حصول کے لئے تورق کا حیلہ اختیار کرنا

مفتی شیر علی گجراتی ☆

اگر کسی شخص کو نقد رقم کی ضرورت ہو تو اس کی فراہمی کے لئے اسلامی بینکوں میں تورق کا طریقہ مروج ہے اور یہ تورق بیع عینہ کے مشابہ ہے، سوال یہ ہے کہ تورق جائز ہے یا نہیں؟

تورق میں چونکہ مستقرض مقرض سے ایک شی خریدتا ہے اور پھر قبضہ کر کے اس شی کو ایک تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

اور بیع عینہ کہ جب اس میں ثالث درمیان میں آجائے بالاتفاق جائز ہے، اسی طرح تورق کہ اس میں بھی ثالث درمیان میں موجود ہوتا ہے، جیسا کہ سوالنامہ میں ذکر کیا گیا ہے، لہذا تورق عینہ کی اس صورت کے مثل ہے جس کو علامہ شامی نے ذکر کیا ہے، پس جس طرح عینہ جائز ہے اسی طرح تورق بھی جائز ہے، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

"قال بعضهم: هی أن يدخلا بينهما ثالثا فيبيع المقرض ثوبه من المستقرض باثنی عشر درهما ويسلمه إليه ثم يبيعه المستقرض من الثالث بعشرة ويسلمه إليه ثم يبيعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ويسلمه إليه ويأخذ منه العشرة ويدفعها للمستقرض فيحصل للمستقرض عشرة ولصاحب الثوب عليه اثنا عشر درهما" (شامی ۷/ ۵۴۲)۔

(بعض فقہاء نے بیع عینہ کی یہ صورت ذکر کی ہے کہ وہ دونوں (مقرض و مستقرض)

☆ فلاح دارین، ترکیسر، گجرات۔

اپنے درمیان کسی تیسرے شخص کو رکھیں، چنانچہ مقرض مستقرض سے اپنا دس درہم کا کپڑا بارہ درہم میں فروخت کردے اور اسے سپرد کردے پھر مستقرض اسی کپڑے کو تیسرے شخص کے ہاتھ دس درہم میں فروخت کردے اور اس کے سپرد کردے، پھر وہ ثالث کپڑے کے مالک (مقرض) سے اس کپڑے کو دس درہم میں فروخت کردے اور اس کے سپرد کردے اور اس سے دس درہم لے لے اور مستقرض کو دے دے، اس طرح مستقرض کو دس درہم حاصل ہو جائیں گے اور اس کے ذمہ میں مقرض کے لئے بارہ درہم ہوں گے)۔

امام ابو یوسفؒ نے عینہ کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ اس کو باعث اجر بتایا ہے، علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

"وعن أبی یوسف: العینة جائزة ماجور من عمل بها، کذا فی مختار الفتاوی هندیه" (شامی ۵۴۲/۷ طبع زکریا دیوبند)۔

"قال فی الفتح: ولا کراهة فیه إلا خلاف الاولی لما فیه من الإعراض عن مبرة القرض" (شامی ۵۴۲/۷)۔

(اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، سوائے یہ کہ قرض سے اعراض کی وجہ سے خلاف اولی ہے)۔



مسئلہ تورق

مولانا نازبیر احمد قاسمی☆

جب بعض صاحب مال وثروت نے اپنی تنگ نظری وتنگ ظرفی کے سبب کسی ضرورتمند کو بصورت نقد قرض دینے میں بظاہر اپنے مال میں کوئی بڑھوتری نہیں پایا تو اکل ربوا کی تہمت سے بچنے کے لئے انہوں نے ایک حیلہ کے طور پر اس طرح معاملہ کرنا شروع کیا کہ بجائے نقد روپئے کے اپنا کوئی مال مثلاً لوہا جو ایک لاکھ کا تھا اسے اس ضرورت مند کے ہاتھ سوا لاکھ میں فروخت کر کے پھر اس سے ایک ہی لاکھ میں خرید کر گویا پچیس ہزار کا منافع حاصل کر لیتا ہے۔

اسی معاملہ کو فقہ حنفی میں ''بیع عینہ'' کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے، اور جس کے متعلق امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ملتا ہے کہ ''ھذا فی قلبی کالجبال''۔

اور اس کی حقیقت ''شراء ما باع بأقل مما باع'' کی ہوتی ہے، جسے ممنوع اور ناجائز کہا جاتا ہے، یعنی بائع کا اپنی بیچی ہوئی چیز کو اس خریدار سے جتنے میں بیچا تھا اس سے کم قیمت میں خرید لینا، ایسا معاملہ عند الحنفیہ ناجائز وممنوع ہے، گو حضرت امام شافعیؒ اس کے بھی جواز کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''یجوز لأن الملک قدتم بالقبض فصار البیع من البائع ومن غیرہ سواء'' (ہدایہ ثالث ۴۱)۔

یعنی امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب اس خرید کردہ شی پر خریدار کا قبضہ ہو گیا تو اس پر اس کی ملکیت تام ہو گئی اور ہر شخص کو اپنی مملوکہ شی کسی کے بھی ہاتھ اپنی پسندیدہ قیمت پر بیچنے کا حق ہوتا

☆ مہتمم جامعہ عربیہ اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی، بہار۔

ہے، خواہ اسے اسی شخص کے ہاتھ بیچے جس سے خریدا تھا یا کسی دوسرے کے ہاتھ بیچے دونوں کا حکم برابر ہی ہوگا۔

لیکن حنفیہ کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی اجنبی وثالث کے واسطہ بنے بغیر ڈائرکٹ وہ سابق بائع ہی خود کم قیمت میں خریدے گا تو ''شراء ما باع باقل مما باع'' کے تحقق ہو جانے کے سبب سابق بائع حالیہ خریدار کے حق میں یہ معاملہ ممنوع و ناجائز ہوگا۔ اور دلیل وہی حدیث عائشہؓ ہوگی جس میں حضرت زید بن ارقمؓ کے اسی طرح کے معاملہ پر ان کا شدید اور صحیح جہاد کے ضیاع تک کی وعید کا ذکر موجود ہے۔

لیکن اگر خریدار اول نے کسی تیسرے اجنبی کے ہاتھ وہ شئ کم قیمت میں بیچا اور پھر خریدار ثانی سے بائع اول اس مال کو اس قیمت سے کم میں خریدتا ہے جس قیمت میں اولا اس نے بیچا تھا تو معاملہ کی یہ صورت جائز ہوگی۔

اس تفصیل و وضاحت کی روشنی میں صورت مسئولہ کا جواب یہی ہوگا کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک تو یہ معاملہ بہر صورت جائز ہوگا، اور حنفیہ کے نزدیک اگر مالیاتی ادارہ جس نے ایک لاکھ کا مال سوا لاکھ میں بیچا تھا خود ہی دوبارہ اس کو ایک لاکھ میں خریدے گا تو ناجائز و ممنوع ورنہ جائز ہوگا۔

ہاں اگر وہ ثالث اجنبی مالیاتی ادارہ سے اس طرح منسلک ہوگا کہ وہ باضابطہ طور پر ادارہ کا نائب و وکیل بن کر اس طرح کا معاملہ کرتا رہتا ہے تو فعل الوکیل کفعل الموکل کی بنا پر معاملہ ناجائز ہی کہلائے گا۔

اور اگر ایسا نہیں ہو بلکہ انسلاک کی صورت یہ ہو کہ وہ ثالث بھی ادارہ سے صرف قرض لینے دینے وغیرہ کا معاملہ کرتا رہتا ہے تو ایسے ثالث کے واسطہ سے اگر مالیاتی ادارہ دوبارہ کم قیمت یعنی ایک لاکھ ہی میں وہ مال خرید لیتا ہے تو یہ جائز ہوگا، گو یہ ادارہ اس طرح پچیس ہزار کا منافع حاصل کرلے گا۔

باقی رہا اگر وہ ادارہ قرض حسنہ نہ دے کر اس طرح کا معاملہ کر کے ضرورت مند کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے گا تو انما الاعمال بالنیات کے تحت ممکن ہے وہ عند اللہ جوابدہ ہو، لیکن بظاہر حال تفصیل بالا کے مطابق فتوی تو اس کے جواز ہی کا دیا جائے گا، جیسے کہ اگر کوئی شخص محض ریاکارانہ طور پر پابندی سے نماز ادا کرتا رہے تو اس کی نماز کو باطل اور اس کو ترک صلوۃ کا مجرم نہیں کہا جا سکتا گو عند اللہ اس کی ساری نمازیں مردود ہی قرار پائیں گی۔



تورق کا مسئلہ

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی☆

سوالنامہ میں تورق کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ مثلاً ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہو تو وہ بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپے کا لوہا ادھار خرید تا ہے اور اسے ''ب'' سے ایک لاکھ روپے میں نقد فروخت کر دیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی رقم حاصل ہو جاتی ہے، بات یہاں تک تو قابل فہم ہے، مگر آگے کہا گیا کہ ''ب'' کو دس ہزار روپے نفع مل جاتا ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، اگر ''ب'' نے ہی ایک لاکھ دس ہزار روپے میں ادھار فروخت کیا تھا، پھر اسی نے خرید لیا، تب تو یہ درست ہے کہ اس کو دس ہزار روپے نفع ہوا، لیکن اگر اس نے فروخت نہیں کیا تھا تو ایک لاکھ روپے کا مال اس نے ایک لاکھ روپے میں خریدا ہے، تو نفع کہاں ہوا۔ اگر وہ ایک لاکھ روپے سے زائد میں فروخت کرے گا تب وہ زائد رقم نفع کی ہوگی۔

اگر ''ب'' نے ہی وہ لوہا فروخت کیا تھا تو یقیناً اس کو دس ہزار روپے کا نفع ہوگا، پھر آگے چل کر بیع عینہ اور تورق میں فرق یہ بیان کیا گیا ہے کہ بیع عینہ میں خریدار جس شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے اسی شخص سے کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے اور تورق میں ایک شخص سے کوئی چیز زیادہ قیمت میں ادھار خریدتا ہے اور پھر کسی دوسرے شخص سے وہی چیز کم قیمت میں فروخت کر دیتا ہے۔

بظاہر دونوں وضاحتوں میں تضاد ہے۔

☆ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

علامہ ابن تیمیہ نے تورق کی جو وضاحت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عینہ اور تورق میں کوئی فرق نہیں ہے، علامہ نے خریداری کی تین قسمیں کی ہیں، اول یہ کہ اپنے استعمال کے لئے خریدے یہ حلال ہے، دوم تجارت کرنے کے لئے خریدے یہ بھی حلال ہے، سوم اس کا مقصد نہ تو استعمال کرنا ہے نہ تجارت کرنا ہے، بلکہ اس کو نقد درہم کی ضرورت ہے، لیکن وہ کسی مجبوری کی وجہ سے قرض حاصل نہیں کرسکتا ہے، اس لئے وہ کوئی سامان خریدتا ہے تاکہ اس کو فروخت کرکے نقد رقم حاصل کرسکے یہ تورق ہے۔

”والثالث: أن لا يكون مقصوده لا هذا ولا هذا بل مقصوده دراهم لحاجته إليها وقد تعذر عليه أن يستسلف قرضا أو سلما فيشتری سلعة ليبيعها وياخذ ثمنها فهذا هو التورق و هو مكروه فی أظهر قولی العلماء“ (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/ ۴۴۲)۔

(سوم: اس کا مقصد نہ استعمال کرنا ہے نہ تجارت کرنا ہے، بلکہ اس کا مقصد چند دراہم حاصل کرنا ہے جس کی ضرورت اس کو ہے اور قرض لینا اس کے لئے ممکن نہیں ہے، اس لئے سامان خرید لیتا ہے تاکہ اس کو فروخت کرکے اس کا ثمن حاصل کرلے، یہی تورق ہے جو علماء کے اظہر قول میں مکروہ ہے)۔

البتہ فقہ اکیڈمی جدہ کی طرف سے تورق کی جو وضاحت کی گئی ہے، وہ کچھ اس طرح ہے کہ بینک کسی کے ہاتھ کوئی سامان ادھار فروخت کرتا ہے پھر وہ سامان اس کو سپرد نہیں کرتا بلکہ اس کا نائب بن کر بینک خود ہی وہ سامان کسی دوسرے سے فروخت کردیتا ہے اور اس فروختگی سے جو ثمن حاصل ہوتا ہے وہ پہلے خریدار کو دے دیتا ہے، اس تورق کو عینہ کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

الغرض سوالنامہ میں تورق کی جو وضاحت کی گئی ہے یا علامہ ابن تیمیہ نے جو وضاحت کی ہے اس کی رو سے عینہ اور تورق میں کوئی فرق نہیں ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں اس کی متعدد تعریفات نقل کی گئی ہیں، مشہور تعریف یہ نقل کی گئی ہے کہ

کوئی آدمی کوئی سامان معلوم مدت تک کے لئے ادھار ایک ثمن میں فروخت کرے پھر اسی سامان کو ثمن میں نقد خرید لے پھر جب مدت پوری ہو جائے تو خریدار پہلا ثمن ادا کردے دونوں ثمنوں میں جو اضافہ ہوگا وہ پہلے بائع کے لئے سود ہوگا، گویا یہ عملی طور پر دس روپئے قرض دیتا ہے تاکہ وہ پندرہ روپئے لوٹائے سود کھانے کا ظاہری ذریعہ بیع کو قرار دیا گیا۔

پھر لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد اس کو ناجائز کہتے ہیں، امام محمد نے اس کو انتہائی سنگین بتایا ہے اور کہا ہے کہ سود خوروں نے اس کو ایجاد کیا ہے، امام شافعی سے جواز نقل کیا گیا ہے، حنابلہ میں سے ابن قدامہ نے جواز کی علت بیان کی ہے، مگر خود شافعیہ کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔

پھر مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ نے حرمت کے جو دلائل بیان کئے ہیں ان کا ذکر ہے (موسوعہ فقہیہ ۹۷-۹۶/۹)۔

علامہ شامی نے ردالمحتار میں دو جگہ بحث کی ہے ایک تو کتاب البیوع باب الصرف میں ہے جس کا خلاصہ ہے کہ جو بیع عینہ ممنوع ہے اس کی تفسیر میں حضرات فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی تفسیر یوں کی ہے:

ایک آدمی کسی دوسرے شخص کے پاس آتا ہے اور اس سے دس درہم قرض مانگتا ہے، قرض دینے والے کو کچھ اضافہ کی لالچ ہے، جو قرض کے ذریعہ وہ حاصل نہیں کرسکتا ہے، اس لئے وہ کہتا ہے کہ میں تم کو قرض تو نہیں دے سکوں گا، البتہ اگر تم چاہو تو یہ کپڑا جس کی قیمت بازار میں دس درہم ہے تم کو بارہ درہم میں دے سکتا ہوں تاکہ تم اس کو بازار میں دس درہم میں فروخت کردو، قرض لینے والا اس پر راضی ہو جاتا ہے، اس طرح وہ خرید وفروخت کرلیتا ہے، اس سے کپڑے کے مالک کو دو درہم حاصل ہو جاتا ہے اور خریدار کو دس درہم قرض مل جاتا ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی تفسیر یوں کی ہے:

وہ دونوں کسی تیسرے فرد کو اپنے درمیان داخل کر لیتے ہیں، چنانچہ قرض دینے والا اپنا کپڑا قرض لینے والے سے بارہ درہم میں فروخت کر کے اس کو سپرد کر دیتا ہے، پھر قرض لینے والا اس کو اس تیسرے آدمی سے دس درہم میں فروخت کر کے اس کو سپرد کر دیتا ہے پھر وہ تیسرا آدمی قرض دینے والے سے اس کو دس درہم میں فروخت کر کے اس کو سپرد کر دیتا ہے، اور اس سے دس درہم لے کر قرض کے طالب کو دے دیتا ہے، اس طرح قرض کے طالب کو دس درہم حاصل ہو جاتا ہے، اور کپڑے کے مالک کو بارہ درہم مل جاتا ہے، امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ یہ جائز ہے، بلکہ اس پر عمل کرنے والے کو ثواب ملے گا، جبکہ امام محمد نے اس کو حرام قرار دیا ہے، اور اس کو سود کھانے والوں کی ایجاد قرار دیا ہے (ردالمحتار ۷ ۵۴۲-۵۴۱ کتاب البیوع باب الصرف)۔

پھر کتاب الکفالۃ مطلب: بیع العینۃ میں لکھا ہے:

اصل کفیل سے کہے: لوگوں سے تم کوئی کپڑا خرید و پھر اس کو فروخت کر دو تمہارے ہاتھ فروخت کرنے والے کو جو نفع ہوگا اور تم کو جو نقصان ہوگا وہ میرے ذمہ ہوگا، چنانچہ وہ کسی تاجر کے پاس آتا ہے، اور اس سے قرض طلب کرتا ہے، تاجر اس سے نفع حاصل کرنا چاہتا ہے اور سود سے ڈرتا بھی ہے، اس لئے دس درہم کا مساوی کوئی کپڑا اس سے پندرہ درہم میں فروخت کر دیتا ہے اور وہ اس کو بازار میں دس درہم میں بیچ دیتا ہے، اس طرح اس کو دس درہم حاصل ہو جاتا ہے، اور بائع کا پندرہ درہم اس پر واجب ہو جاتا ہے جو ایک خاص مدت کے بعد اس کو دے گا، یا اس کو پندرہ درہم قرض دیتا ہے، پھر قرض دینے والا دس درہم کا مساوی کپڑا پندرہ درہم میں اس کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور پندرہ درہم جو بطور قرض اس کو دیا تھا کپڑے کی قیمت میں وصول کر لیتا ہے، اس طرح اس پر پندرہ درہم قرض باقی رہ جاتا ہے۔

پھر علامہ شامی نے لکھا ہے کہ یہ امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں ہے جبکہ امام محمد نے اس کو ناجائز اور سود خواروں کی ایجاد قرار دیا ہے۔

پھر انہوں نے علامہ ابن ہمام کا قول نقل کیا ہے:

کہ اگر ایسی صورت ہو کہ بائع نے جو کچھ دیا وہ مکمل یا اس کا کچھ حصہ اس کے پاس لوٹ کر آ جائے جیسے گذشتہ صورت میں کپڑا اس کے پاس آ جائے یا جیسے پندرہ درہم قرض دینے کی صورت میں پانچ درہم اس کے پاس آ جائے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔

اگر اس کے پاس لوٹ کر نہ آئے جیسے مدیون اس سامان کو بازار میں فروخت کر دے تو کراہت نہیں ہوگی، بلکہ یہ خلاف اولی ہوگا۔

آگے چل کر لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کا قول اس صورت سے متعلق ہے جبکہ سامان اس کے پاس لوٹ کر نہ آئے جبکہ امام محمد کا قول اس صورت سے متعلق ہے جب سامان لوٹ کر اس کے پاس آ جائے (ردالمحتار کتاب الکفالۃ ۷ر ۶۱۳)۔

فتاوی ہندیہ میں بھی اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

ابوداؤد میں موجود حدیث: ''إذا تبايعتم بالعينة الخ'' پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے عینہ کی وضاحت کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بائع خریدار سے خود کم دام میں خرید لیتا ہے تو یہ مکروہ ہے، اگر بیچ میں واسطہ ہو جائے تو بھی یہ عینہ ہے، البتہ اس کا درجہ پہلے سے کم ہوگا، اس کو بعض لوگوں نے جائز کہا ہے (بذل المجہود ۴ر۶۷ ۲ باب النہی عن العینہ)۔

علامہ ابن تیمیہ نے بھی عینہ کو ناجائز کہا ہے۔

''سئل قدس الله روحه عن العينة: هل هی جائزة فی دين الاسلام أم لا؟ وهل يجوز لأحد ان يقلد من رأى جوازها من الفقهاء......فأجاب الحمد لله! أما إذا كان قصد الطالب أخذ دراهم بأكثر منها إلى أجل و المعطي يقصد إعطاء ه ذلک فهذا ربا لا ريب فی تحريمه وإن تحيلا على ذلک بأى طريق كان فإنما الأعمال بالنيات إنما لكل امرى مانوى فان هذين قد قصدا الربا الذی أنزل الله فی تحريمه القرآن......وكذلک إذا اتفقا على المعاملة الربوية ثم أتيا الى صاحب حانوت يطلبان منه متاعا بقدر المال فاشتراه المعطی ثم

باعه الآخذ الى أجل ثم اعاده إلى صاحب الحانوت بأقل من ذلك فيكون صاحب الحانوت واسطة بينهما بجعل فهذا ايضا من الربا الذى لاريب فيه "

(فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/۴۱-۴۴۰)۔

(علامہ مرحوم سے عینہ کے بارے میں پوچھا گیا کیا وہ مذہب اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا کسی کے لئے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ ان فقہاء کی تقلید کرے جو اس کے جائز ہونے کی رائے رکھتے ہیں؟ تو جواب دیا: اگر طالب کا مقصد کچھ دراہم کچھ مدت کے لئے دے کر اس سے زیادہ لینے کا ہو اور دینے والا بھی اس کو یہ دینا چاہتا ہے تو یہ سود ہے، جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اگر چہ وہ دونوں اس کے لئے کوئی بھی حیلہ اختیار کریں، اس لئے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا، ان دونوں نے اس سود کا قصد کیا ہے جس کی حرمت اللہ تعالی نے قرآن میں نازل کی ہے۔ اسی طرح اگر دونوں سودی معاملہ پر متفق ہو جائیں پھر کسی دوکاندار کے پاس آئیں اور مال کے بقدر اس سے سامان طلب کریں دینے والا اس کو خرید لے پھر اس کو لینے والے سے ادھار فروخت کردے اور وہ اس سے کم دام میں دوکاندار سے فروخت کردے اس طرح دوکاندار دونوں کے درمیان واسطہ بنے گا یہ بھی سود ہے، جس میں کوئی شبہ نہیں ہے)۔

الغرض عینہ یا تورق کی جو شکل سوال میں مذکور ہے، صریح سودی کاروبار ہے اس بیع کو حیلہ بنایا جارہا ہے، بیع وشراء جس مقصد کے لئے کی جاتی ہے اس میں وہ ہرگز مقصود نہیں ہے، بلکہ قرض دے کر سود حاصل کرنا مقصود ہے، اس کے لئے حیلہ کے طور پر بیع کی راہ اختیار کی جاتی ہے، اس لئے میری رائے ہے کہ یہ بہر حال سودی معاملہ ہے اور حرام ہے۔



تورق کا حکم شرعی

مفتی حبیب اللہ قاسمی ☆

یہاں دو چیزیں ہیں: ایک معاملات کی ظاہری شکل، اور ان کے مقاصد، احکام شرع میں دونوں کا اعتبار ہے، لیکن مقاصد کے اعتبار کی شرط یہ ہے کہ اس کا کسی بھی سبیل سے ظہور ہو رہا ہو ورنہ وہ غیر معتبر ہیں، مثلاً کسی معاملہ میں مقصود فاسد ہو البتہ اس کی ظاہری شکل میں کوئی خرابی نہ ہو، نیز فساد مقصود ظاہر بھی نہ ہو تو معاملہ جائز قرار دیا جائے گا، حالانکہ مقصود عدم جواز کو چاہتا ہے، اور اگر وہی فساد ظہور میں آ جائے خواہ کسی بھی شکل سے تو باوجودیکہ معاملہ شکلاً بے عیب ہے، فقہاء کے نزدیک منہی عنہ ہوگا ''تورق'' اکثر فقہاء کے یہاں مباح ہے، خواہ مقصود عاقد کچھ بھی ہو کیونکہ اس کی ظاہری شکل میں کوئی خرابی نہیں ہوتی اور نہ ہی فساد مقصود کا ظہور ہوتا ہے۔

''ولانه لم يظهر فيه قصد الربا ولا صورته......'' (موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۸)۔

''بیع عینہ'' کو شافعیہ کے سوا تمام فقہاء نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، حالانکہ بیع کے ارکان وشرائط مکمل پائے جاتے ہیں، حضرات شافعیہ کے جواز کے قائل ہونے کی وجہ یہی ہے، جو حضرات کراہت کے قائل ہیں وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں مگر وہ اس سے ہٹ کر حرمت کا سبب فساد مقصود کو ٹھہراتے ہیں، کیونکہ وہ اس میں ظاہر ہے اور جب فساد مقصود ظاہر ہو تو فقہاء کی نظر اسی پر مرکوز ہوتی ہے۔

''والخلاصة أن جمهور الفقهاء غير الشافعية قالوا بفساد هذا البيع

☆ مہتمم جامعہ اسلامیہ، دار العلوم مہذب پور، اعظم گڑھ۔

وعدم صحته لأنه ذريعة إلى الربا، وبه يتوصل إلى إباحة مانهى الله عنه فلا يصح"(الفقہ الاسلامی ۵/ ۳۴۵۷)۔

اور فساد کا ظہور اس بیع میں بایں طور ہے کہ مبیع بائع کی طرف عود کر آتی ہے، اس طرح عین اور ربح دونوں کا ملک واحد میں اجتماع لازم آتا ہے، اس سے بائع کا مقصد حصول ربا ظاہر ہو جاتا ہے، "تورق" میں بھی یہی شکل ہے، مگر اس میں مبیع کے بائع کی طرف عود نہ کرنے کی وجہ سے فساد مقصود ظاہر نہیں ہوتا ہے، چنانچہ وہ مباح ہے۔

"جمهور الفقهاء على إباحته سواء من سماه تورقا وهم الحنابلة أو من لم يسمه بهذا الإسلام وهم من عدا الحنابلة"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۴/ ۱۴۸)۔

زیر بحث مسئلہ میں اگر "ب" (مشتری ثانی) نقد فراہم کرنے والے بینک سے اس طرح منسلک ہے کہ اس کی خرید کے نتیجہ میں لوہا بینک کی طرف عود کر کے ملک اول میں داخل ہو جاتا ہے تو یہ طریقہ کار بیع عینہ ہونے کی وجہ سے مکروہ قرار پائے گا، اور اگر "ب" مذکورہ طریقہ پر بینک سے منسلک نہیں ہے، تو یہ تورق ہے جو عند الفقہاء جائز اور درست ہے تاہم خلاف اولی ہے۔

"وقال ابن الهمام هو خلاف الأولى"(موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۴۹)۔



تورق کے ذریعہ قرض کا حصول اور اسلام کا موقف

مولانا اختر امام عادل☆

بیع کی ایک قسم ''بیع تورق'' ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی چیز ادھار خرید کر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردی جائے، دراصل اس کی ضرورت ایسے شخص کو پڑتی ہے جس کو نقد رقم کی ضرورت ہو اور بلا سود وہ نقد رقم حاصل نہ ہوسکتی ہو ایسی صورت میں ضرورت مند شخص کسی سے کوئی چیز مارکیٹ ویلو سے زیادہ قیمت پر خریدتا ہے اور پھر اس کو بازار میں مارکیٹ ویلو پر فروخت کردیتا ہے، اس طرح اس کو نقد رقم حاصل ہوجاتی ہے تو گویا یہ ربا سے بچنے کا ایک حیلہ ہے، فقہاء حنابلہ کے یہاں اس صورت بیع کا ذکر ''تورق'' کے تحت اور دوسرے فقہاء کے یہاں ''بیع العینہ'' کے ذیل میں آیا ہے (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۷ بحوالہ کشاف القناع ۱۸۶/۳، الفروع ۱۷۱/۴، شرح ابن القیم الجوزیہ لمختصر ابی داؤد ۱۰۸/۵، فتح القدیر ۴۲۵/۵، الروضہ ۴۱۶/۳، اوجز المسالک ۱۲۸/۱۱ طبع المعارف وغیرہ)۔

آج کل عام طور پر اسلامی مالیاتی اداروں نے سود سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کی ہے، اس لئے اس طریقہ بیع کی اہمیت بڑھ گئی ہے، اس بیع کی بالعموم دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱- کوئی چیز ایک سے ادھار خرید کر دوسرے سے کم قیمت پر نقد بیچی جائے۔

۲- کوئی چیز ایک سے ادھار خرید کر پھر اسی سے کم قیمت پر نقد فروخت کی جائے۔

پہلی صورت کو تورق (یہ نام حنابلہ نے دیا ہے) اور دوسری صورت کو بیع عینہ کہا جاتا ہے۔

☆ مہتمم جامعہ ربانی، منورواشریف، سمستی پور بہار۔

تورق:

پہلی صورت (تورق) جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۷، فتح الباری علی البخاری کتاب البیوع باب ۸۹ حدیث ۲۲۰۱، ۲۲۰۲، ج ۴ ص ۵۰۴ طبع اشرفیہ دیوبند، الدر المختار مع رد المحتار کتاب الکفالۃ مطلب بیع العینۃ ۷/۴۸۰ طبع دار الکتاب دیوبند وغیرہ)۔

امام محمدؒ کے بارے میں صاحب الموسوعہ نے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک یہ صورت مکروہ ہے، اسی طرح کی بات فتح القدیر وغیرہ میں بھی آئی ہے، مگر علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ کی مکمل تنقیح کے بعد تطبیق اس طرح دی ہے کہ امام محمدؒ نے جس صورت کو مکروہ کہا ہے وہ پہلی صورت نہیں بلکہ دوسری صورت ہے۔

"ثم قال في الفتح ما حاصله: ان الذی یقع فی قلبی انه ان فعلت صورة یعود فیها إلی البائع جمیع ما أخرجه او بعضه......فیکره یعنی تحریما فان لم یعد کما إذا باعه المدیون فی السوق فلا کراهة فیه بل خلاف الأولی......وجعله السید أبو السعود محمل قول ابی یوسف و حمل قول محمد والحدیث علی صورة العود" (رد المحتار ۷/۴۸۱)۔

(فتح القدیر کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے دل میں یہ آتا ہے کہ ایسی صورت جس میں بائع کی نکالی ہوئی چیز مکمل یا اس کا کچھ حصہ پھر بائع کے پاس واپس آجائے تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر واپس نہ آئے مثلاً بازار میں فروخت کر کے نقد حاصل کر لے، تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے صرف خلاف اولی ہے،......سید ابو السعود نے امام ابو یوسفؒ کے قول کا محمل عدم واپسی کی صورت کو اور حضرت امام محمدؒ اور حدیث کا محمل واپسی کی صورت کو قرار دیا ہے)۔

اس رائے کی بنیاد ایک حدیث پاک پر ہے جس میں اس قسم کے حیلے کی گنجائش ملتی ہے، بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت آئی ہے:

" أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا علی خیبر فجاء بتمر جنیب،

فقال رسول الله ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله يا رسول الله! إنا لنا خذ الصاع من هذا بالصاعين، والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا" (بخاری مع الفتح ۴؍۵۰۳)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کے لئے عامل زکوۃ مقرر کیا تو وہ بہترین کھجور لے کر آیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح کی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ! ہم اس میں سے دو صاع کے بدلے ایک صاع اور تین صاع کے بدلے دو صاع لے لیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ پوری کھجور کو دراہم کے بدلے فروخت کردو پھر ان دراہم سے اچھی کھجوریں خریدلو)۔

اسی مضمون کی ایک اور روایت بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے:

"عن أبي سعيد قال: جاء بلال إلى النبي ﷺ بتمر برني فقال له النبي ﷺ: من أين هذا؟ قال: كان عندنا تمر ردى فبعت منه صاعين بصاع فقال أوه عين الربوا عين الربوا لا تفعل ولكن إذا أردت ان تشترى فبع التمر ببيع آخر ثم اشتربه متفق عليه" (مشکوۃ شریف باب الربوا ص ۲۴۵)۔

(حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نبی کریم ﷺ کے پاس برنی کھجور (ایک عمدہ قسم کی کھجور) لے کر آئے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کہاں سے آئی؟ حضرت بلال نے عرض کیا کہ ہمارے پاس کچھ ردی کھجوریں تھیں میں اس کے دو صاع کے بدلے ایک صاع خرید لی، آپ ﷺ نے فرمایا: اف! یہ تو سراسر سود ہے، ایسا مت کرو البتہ جب خریدنے کا ارادہ ہو تو کھجور کو الگ سے فروخت کر کے دوسری کھجور خریدلو)۔

بیع عینہ:

بیع کی دوسری صورت جس میں کوئی چیز ایک سے ادھار لے کر پھر اسی کے ہاتھ نسبتاً کم قیمت پر فروخت کردی جائے، اس کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ کی رائے یہ نقل کی جاتی ہے

کہ ان کے نزدیک یہ بیع بھی جائز ہے، اس لئے کہ صورۃ یہ عقد بیع ہے (فتح الباری ۴/ ۵۰۴، المغنی ۴/ ۲۵۶)۔

لیکن جمہور علماء (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل) کے نزدیک یہ صورت بیع ناجائز ہے (ردالمحتار ۷/ ۴۸۰، الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۸۹، الموسوعہ الفقہیہ ۹/ ۹۶ بحث بیع العینہ)۔

اس لئے کہ یہ اگرچہ بظاہر بیع ہے مگر اس کا مقصد قرض کی رقم پر نفع کا حصول ہے، جو ربا ہے۔

نیز اگر صورت کی رعایت میں اس کے جواز کی بات کی جائے تو سودخواروں کو بہت بڑا ہتھیار مل جائے گا، شرعی احکام میں ذرائع کا بھی بڑا دخل ہے، حضرت امام محمدؒ نے معاملہ کے اس پہلو کی طرف بطور خاص توجہ دلائی ہے، امام محمدؒ کے الفاظ ہیں:

"هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال اخترعه آكلة الربا" (الدر المختار کتاب الکفالۃ ۷/ ۴۸۰)۔

(بیع کی یہ صورت میرے دل میں پہاڑوں کی طرح معلوم ہوتی ہے جس کو سودخواروں نے ایجاد کیا ہے)۔

اس سلسلے میں بعض روایات سے بھی استدلال کیا گیا ہے جن میں اس قسم کی بیع کی ممانعت کی گئی ہے، مثلاً دارقطنی میں عالیہ کی روایت آئی ہے وہ بیان کرتی ہیں:

"دخلت انا وأم ولد زيد بن أرقم على عائشة فقالت أم ولد زيد بن أرقم إني بعت غلاما من زيد بثمان مائة درهم إلى العطاء ثم اشتريته منه بستمائة درهم نقدا فقالت لها: بئس مااشتريت وبئس ما شريت أبلغي زيدا: أن جهاده مع رسول الله بطل إلا أن يتوب" (دارقطنی ۳/ ۵۲ طبع المحاسن)۔

(میں زید بن ارقم کی ام ولد کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو زید بن ارقم کی ام ولد نے عرض کیا کہ میں نے ایک غلام زید کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں تنخواہ ملنے کی

تاریخ تک ادھار فروخت کیا پھر میں نے اس کو ان سے نقد چھ سو درہم میں خرید لیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تمہارا خریدنا اور بیچنا دونوں برا ہے، اور جا کر زید کو خبر کر دو کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ان کا جہاد کرنا بیکار ہو گیا جب تک کہ توبہ نہ کر لیں)۔

حضرت عائشہؓ کا لہجہ بتا رہا ہے کہ وہ اس سلسلے میں حضور ﷺ سے کوئی یقینی علم رکھتی ہیں، دار قطنی نے اس روایت میں عالیہ کو مجہول قرار دیا ہے لیکن ابن جوزیؒ نے ان کو معروف قرار دیا ہے، ان کا تذکرہ ابن سعد نے طبقات میں کیا ہے، ابن سعد نے حضرت عائشہؓ سے ان کے سماع کا بھی ذکر کیا ہے (نصب الرایہ للزیلعی ۲/۱۷۷، اعلاء السنن للتھانوی ۱۴/۱۴۱)۔

نیز اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے، جو مدونہ میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے آئی ہے (اعلاء السنن ۱۴/۱۴۱)۔

اس سلسلے کی دوسری روایت حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إذا ضن الناس بالدينار والدرهم وتبايعوا بالعينة واتبعوا أذناب البقر وتركوا الجهاد في سبيل الله أنزل الله بهم بلاء فلا يرفعه حتى يراجعوا دينهم" (مسند احمد ص ۳۹۳، حدیث نمبر ۴۸۲۵، طبع بیت الافکار ریاض)۔

(جب لوگ درہم و دینار کے معاملہ میں بخل کے شکار ہو جائیں، بیع عینہ کرنے لگیں، جانوروں کی دموں کے پیچھے چلنے لگیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیں تو اللہ ان پر ایسی بلا نازل فرمائیں گے جو ان پر سے اس وقت تک نہیں اٹھائی جائے گی جب تک کہ وہ دوبارہ اپنے دین کی طرف لوٹ نہ جائیں)۔

اس روایت کو ابن قطان نے صحیح قرار دیا ہے (نصب الرایۃ للزیلعی ۴/۱۷)۔

اسی مضمون کی ایک روایت ابوداؤد میں بھی آئی ہے (ابوداؤد ۲/۴۷۰)۔

میرے نزدیک جمہور فقہاء کا موقف زیادہ مضبوط اور لائق ترجیح ہے۔

سوالنامہ میں مذکورہ صورت تورق کی ہے، بیع عینہ کی نہیں، اس لئے جمہور علماء کی رائے کے مطابق یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے۔



تورق کا مسئلہ

مولانا ابوسفیان مفتاحی☆

عام بینک چونکہ ضرورت مندوں کو سود پر قرض فراہم کرتے ہیں اس سے بچنے کے لئے اسلامی بینکوں نے تورق کا طریقہ اختیار کیا ہے جس میں بینک خریدار سے کوئی ایسی شی فروخت کرتا ہے جس کو بیچ کر ضرورت مند مطلوبہ رقم حاصل کرتا ہے، عملی طور پر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً زید کو ایک لاکھ روپئے کی ضرورت ہے تو ضرورت مند زید بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا لوہا ادھار خرید تا ہے اور اُسے عمر سے ایک لاکھ روپئے میں نقد فروخت کر دیتا ہے، اور نقد و ادھار بیع وشراء میں قیمت کا فرق ہوتا ہے، جو شرعا درست ہے، اس طرح زید کو ایک لاکھ روپئے کی رقم حاصل ہو جاتی ہے اور عمر کو دس ہزار روپئے نفع حاصل ہو جاتا ہے۔

اس صورت کا ذکر عام طور پر فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتا ہے جو بظاہر بیع عینہ سے قریب ہے جس کا ذکر فقہاء حنفیہ کے یہاں ملتا ہے، فرق یہ ہے کہ بیع عینہ میں خریدار جس شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار خرید تا ہے اس شخص سے کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے اور تورق میں ایک شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار ایک چیز خرید کرتا ہے اور اس کے بجائے کسی اور شخص سے کم قیمت پر وہی چیز بیچ دیتا ہے۔

صورت مسئولہ میں اسلامی بینکوں کے لئے ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کے لئے اس طریقہ کار کا استعمال کرنا جائز ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک بیع عینہ جائز ہے اور اسی کے

☆ جامعہ عربیہ مفتاح العلوم، مئو۔

قریب تورق کا مسئلہ بھی ہے لہذا یہ بھی جائز ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ نے بیع عینہ کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ بیع عینہ جائز ہے جو شخص اس پر عمل کرے گا وہ ثواب پائے گا، نیز علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ بیع عینہ میں کوئی کراہت نہیں، ہاں خلاف اولی ہے۔

شامی (۴/۲۷۲) میں ہے: "قال ابویوسف: العینة جائزة ماجور من عمل بها کذا فی مختار الفتاوی"، "وقال فی الفتح: ولا کراهة فیه إلا خلاف الأولی لما فیه من الاعراض عن مبرة القرض"۔

تو جب بیع عینہ جائز ہے تو اسی طرح اسی کے قریب ہونے کے اعتبار سے تورق کی صورت بھی جائز ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تورق کی صورت جائز ہے جیسا کہ بیع عینہ جائز ہے۔



مسئلہ تورق فقہاء کی نظر میں

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

آج کل بہت سے اسلامی بینک ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کے لئے قرض دینے کے بجائے یہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ ایک شخص کو مثلاً ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے تو بینک اس کو ایک لاکھ دس ہزار کا کوئی سامان ادھار فروخت کرتا ہے اور وہ اسے ایک دوسرے شخص کے ہاتھ جو عموماً بینک ہی کا آدمی ہوتا ہے، ایک لاکھ میں نقد فروخت کرکے اپنی مطلوبہ رقم حاصل کر لیتا ہے، اس طرح ایک ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور بینک کو بالواسطہ دس ہزار کا فائدہ ہو جاتا ہے، بینک کی اصطلاح میں اسے تورق کہا جاتا ہے۔

کتب فقہ میں اس طرح کی صورت کو بیع عینہ سے تعبیر کیا گیا ہے، صاحب درمختار نے اس کی تعریف ان الفاظ میں تحریر کی ہے:

"بيع العين بالربح نسيئة يبيعها المستقرض بأقل ليقضي دينه......" (درمختار ۴/۲۶۰)۔

(کسی شی کی ادھار بیع نفع کے ساتھ، تاکہ قرض لینے والا کم قیمت پر فروخت کرکے اس سے اپنا قرض ادا کرے)۔

اس کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک ضرورت مند آدمی ایک دوسرے شخص کے پاس آئے اور دس درہم قرض مانگے، اور قرض دہندہ محض اس لالچ میں قرض نہ دینا چاہے کہ اسے

☆ صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم وارانسی۔

قرض سے حاصل ہونے والی مزید رقم نہیں مل پائے گی، اور کہے کہ میں تمہیں قرض تو نہیں دوں گا لیکن اگر چاہو تو میں تمہیں یہ کپڑا بارہ درہم میں فروخت کرتا ہوں، اور بازار میں اس کی قیمت دس درہم ہوتا کہ وہ اس کو بازار میں دس درہم میں فروخت کرے، قرض خواہ اس پر راضی ہو جاتا ہے، اور اسے اسی طرح فروخت کرتا ہے، جس سے کپڑا کے مالک کو دو درہم اور مشتری کو قرض کے دس درہم حاصل ہو جاتے ہیں (ردالمحتار ۴/ ۲۷۷)۔

بعض حضرات نے ایک دوسری ایک صورت یہ بھی بتائی ہے کہ اس طریقہ کار میں یہ دونوں ایک تیسرے شخص کو بھی شامل کرلیں، وہ اس طرح کہ قرض دہندہ اپنے کپڑے کو قرض خواہ کے ہاتھ بارہ درہم میں فروخت کر کے اس کے سپرد کردے، پھر قرض خواہ تیسرے شخص کو دس درہم میں فروخت کر کے اس کے حوالہ کردے پھر یہ تیسرا شخص اس کو قرض دہندہ کے ہاتھ فروخت کرے، جس سے قرض خواہ کو دس اور کپڑا مالک کو بارہ درہم حاصل ہو جائیں گے (ردالمحتار ۴/ ۲۷۷)۔

امام محمدؒ نے اس طرح کی بیع کو شرعاً مذموم قرار دیا ہے اور اسے سود خوروں کا ایجاد کردہ طریقہ بتایا ہے جبکہ امام ابو یوسف نے اسے درست قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ صحابہ نے اس بیع کو اپنایا ہے اور اس کی ستائش کی ہے (ردالمحتار ۴/ ۳۱۱)۔

بظاہر صاحبین کے درمیان اختلاف ہے، لیکن سید ابوالسعود کے بقول امام ابو یوسف کے قول کا محمل وہ صورت ہے کہ مشتری نے کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور وہ سامان دوبارہ بائع کے پاس واپس نہیں آیا اور امام محمد کے قول کا محمل وہ صورت ہے کہ سامان بائع کے پاس واپس آجائے (ردالمحتار ۴/ ۳۱۱)، اس لئے فی الواقع صاحبین کے درمیان اختلاف نہیں ہے، نیز امام ابو یوسفؒ کے قول کی توضیحی مثال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی بیع اول میں کم قیمت شی کو زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔

”حتی لو باع کاغدۃ بالف یجوز ولا یکرہ“ (ردالمحتار ۴/ ۳۱۰) (یہاں تک کہ

اگر کوئی کاغذ ایک ہزار پر فروخت کرے تو جائز ہے مکروہ نہیں ہے)۔

اس سلسلے کی مختلف صورتیں مع احکام ہدیہ ناظرین ہیں:

۱-اگر کسی شخص نے کسی آدمی کو ادھار سامان فروخت کیا اور مشتری نے اس پر قبضہ کرلیا پھر مشتری نے اسی سامان کو ثمن کی ادائیگی سے قبل بائع کے ہاتھ اس سے کم قیمت پر فروخت کردیا تو جائز نہیں ہے۔

تبیین الحقائق میں ہے:

"شراء ما باع بالأقل قبل النقد ومعناه أنه لو باع شيئا وقبضه المشتري ولم يقبض البائع الثمن فاشتراه بأقل من الثمن الأول لا يجوز" (تبیین الحقائق ۴ر۵۳، البحر الرائق ۶ر۸۲)۔

(اپنی فروخت کردہ شی کو ادائیگی ثمن سے قبل اس سے کم قیمت میں خریدنا یعنی اگر کسی شخص نے کسی شی کو فروخت کیا اور مشتری نے اس پر قبضہ کیا، اور بائع نے ثمن پر قبضہ کئے بغیر اسے ثمن اول سے کم پر خرید لیا تو جائز نہیں ہے)۔

ہدایہ میں ہے:"من اشترى جارية بألف درهم حالة أونسيئة فقبضها ثم باعها من البائع بخمس مأة قبل أن ينقد الثمن الأول لا يجوز البيع الثاني"(ہدایہ ۳ر۴۱)(کسی نے ایک باندی ایک ہزار درہم میں نقد یا ادھار خریدی اور اس پر قبضہ کرلیا، پھر اس کو اسی بائع کے ہاتھ پانچ سو میں ثمن اول کی ادائیگی سے قبل فروخت کردیا تو بیع ثانی جائز نہیں ہوگی)۔

البتہ ثمن اول کی ادائیگی کے بعد بیع ثانی بھی درست ہوجائے گی۔

۲-اور اگر اسی صورت حال میں بائع نے کسی کو وکیل بنایا اور اس نے مشتری سے اس سامان کو خریدا تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے، لیکن صاحبین اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں ہے:

"لو باع الرجل شيئا ثم وكل رجلا أن يشترى له ما باع بأقل مما باع قبل نقد الثمن فاشتراه الوكيل فإنه يجوز خلافا لهما" (منحہ ۶/ ۸۳، فتح القدیر ۶/ ۶۸)

(اگر آدمی نے ایک شئ فروخت کی، پھر کسی کو وکیل بنایا کہ اس کی فروخت کردہ شئ کو اس کی قیمت فروخت سے کم میں ادائیگی ثمن سے قبل اس کے لئے خریدے، اور اس وکیل نے اسے خریدا تو جائز ہے، صاحبین کا اس میں اختلاف ہے)۔

توکیل فی البیع کے تعلق سے امام صاحب کا قول بلاشبہ قابل لحاظ ہے، تاہم اسے قرض دینے سے بچنے اور قرض کے بجائے اس طریقہ کار کے ذریعہ نفع حاصل کرنے کا حیلہ بنانا، جیسا کہ تورق کی مذکورہ صورت میں موجود ہے، درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں شبہ ربا ہے، جس سے ہر ممکن بچنے کی تاکید آئی ہے، اس سلسلے میں علامہ ابن الہمام کا تجزیہ نہایت چشم کشا اور تشفی بخش ہے، آپ نے واضح فرمایا کہ اگر اس طریقہ کار میں سامان مشتری ثانی کے توسط سے بائع کے پاس واپس آجاتا ہے تو مکروہ تحریمی ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو اسمیں کوئی کراہت نہیں ہے، علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے:

"ثم قال فى الفتح ماحاصله: إن الذى يقع فى قلبى أنه إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع جميع ما أخرجه أو بعضه كعود الثوب إليه فى الصورة المارة وكعود الخمسة فى صورة إقراض الخمسة عشرة فيكره يعنى تحريما فان لم يعد كما إذا باعه المديون فى السوق فلا كراهة فيه بل خلاف الأولى" (ردالمحتار ۴/ ۳۱۱) (پھر فتح القدیر کی عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ میرے قلب میں جو بات آتی ہے وہ یہ کہ اگر ایسی صورت اختیار کی گئی جس میں بائع کے پاس اس کا تمام یا بعض سامان واپس آجاتا ہے جیسا کہ گذشتہ صورت میں اس کے پاس کپڑے کی واپسی اور پندرہ قرض دینے کی صورت میں پانچ کی واپسی، تو مکروہ تحریمی ہے، اور اگر واپس نہیں آیا مثلاً مقروض اسے بازار میں فروخت کردے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، بلکہ خلاف اولی ہے)۔

۳-اور اگر کسی نے بائع سے کوئی سامان زیادہ قیمت پر ادھار خریدا پھر اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ کم قیمت میں نقد فروخت کیا اور وہ سامان بائع کے پاس واپس نہیں آیا تو درست ہوگا جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔

۴-اسی طرح اگر مشتری نے اس سامان کو کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کیا پھر بائع نے اس سے اسے خرید لیا تو یہ بھی جائز ہوگا، عالمگیری میں ہے:

”ولو باع المشتری من رجل ثم أن البائع الأول اشتراه من المشتری الثانی بأقل مما باع جاز“ (عالمگیری ۳؍۱۳۳) (اور اگر مشتری نے کسی آدمی کے ہاتھ فروخت کیا پھر بائع اول نے مشتری ثانی سے قیمت فروخت سے کم میں خرید لیا تو جائز ہے)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی بینکوں کے لئے ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کے لئے اس طریقہ کار کا استعمال درست نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ بینک کو ایک واسطے سے زائد رقم حاصل ہورہی ہے، جس میں شبہ ربا ہے، نیز اس طریقہ کار کی ترویج سے جہاں ایک طرف چند ضرورت مندوں کی ضرورت پوری ہوجائے گی وہیں دوسری طرف قرض دینے کا جذبہ مفقود ہوجائے گا، یہی نہیں بلکہ ربا کی شناعت وقباحت دلوں سے نکل جائے گی، اور قرض پر نفع خوری کا مزاج رکھنے والے افراد کو بہترین نسخہ ہاتھ لگ جائے گا، اس لئے صرف ضرورت مندوں کی ضرورت ہی پیش نظر نہیں رہنی چاہئے بلکہ دوسرے مفاسد پر بھی نگاہ رکھنا از حد ضروری ہے تا کہ امت ربا وشبہ ربا جیسے عظیم مفسدہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ سکے۔

البتہ بینک اگر ضرورت مند کو کوئی سامان زیادہ قیمت میں ادھار فروخت کرے اور وہ ضرورت مند کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ اپنی قیمت خرید سے کم میں فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔



تورق اور بیع عینہ کی شرعی حیثیت

مولانا ابوبکر قاسمی ☆

تورق باب تفعل کا مصدر ہے، اس کا مادہ ورق ہے، ورق چاندی کے سکہ کو کہا جاتا ہے، قرآن کریم میں یہ لفظ سورۂ کہف میں اصحاب کہف کے قصہ ذیل کے میں آیا ہے: "**فابعثوا أحدكم بورقكم**" (سورۂ کہف:۱۹)، جب اصحاب کہف نیند سے جاگے اور انہیں بھوک کا احساس ہوا تو انہوں نے کھانے کی اشیاء خریدنے کے لئے چاندی کا سکہ دے کر ایک شخص کو باہم مشورہ کر کے شہر بھیجا، اس بھیجنے کا قرآن کریم کے مذکورہ جملہ میں تذکرہ ہے۔

درخت کے پتہ کو بھی ورق کہا جاتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں یہ لفظ پتہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے (سورۂ اعراف:۲۲)، اور سورہ طٰہ آیت ۱۲۱ میں حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں ممنوعہ درخت کو کھالینے کے ذیل میں وارد ہوا ہے: "**وطفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة**" (جنتی لباس چھن جانے کے بعد حضرت آدم اور حوا دونوں نے جنتی درخت کے پتوں کو جوڑ جوڑ کر اپنی شرمگاہوں کہ چھپانا شروع کیا)۔

لفظ ورق ثلاثی مجرد میں باب ضرب سے بطور مصدر کے بھی مستعمل ہے، اس صورت میں معنی ہوگا درخت کا پتہ دار ہونا اور باب تفعل سے معنی ہوگا جانور کا پتہ کھانا۔

فقہاء حنابلہ نے اس لفظ کو فقہ کی اصطلاح میں ایک خاص مفہوم میں استعمال کیا ہے، چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں تورق کی حسب ذیل الفاظ میں تشریح مرقوم ہے:

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ، دربھنگہ۔

"التورق فی الاصطلاح أن یشتری سلعة نسیئة ثم یبیعها نقدا لغیر البائع بأقل مما اشتراها به لیحصل بذلک علی النقد" (موسوعہ فقہیہ ۱۴ / ۱۴۷)۔

(فقہی اصطلاح میں تورق یہ ہے کہ انسان کوئی سامان ادھار خرید کر خریدی ہوئی قیمت سے کم نرخ پر غیر بائع کے ہاتھ اس سامان کو نقد قیمت لے کر فروخت کر دے)، اس اصطلاح کو صرف فقہاء حنابلہ نے استعمال کیا ہے۔

دیگر فقہاء کے یہاں اس قسم کے مسائل کا ذکر بیع عینہ کے ذیل میں ملتا ہے، عینہ کے لغوی معنی قرض کے ہیں، نیز عمدہ مال کو بھی عینہ کہا جاتا ہے، مصباح اللغات میں بیع العینہ کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے: کسی چیز کو اس کی اصل قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا (مصباح اللغات رص ۵۸۵)۔

لیکن حضرات فقہاء نے بیع العینہ کی تعریف اس طرح کی ہے: "شراء ما باع بأقل مما باع قبل نقد الثمن الاول" (الدر المنضود شرح ابی داؤد جلد خامس ۲۹۶)۔

(بائع کا فروخت کی ہوئی چیز کو پہلے ثمن کو نقد وصول کرنے سے قبل کم قیمت میں خریدنا)۔

موسوعہ فقہیہ میں بھی بیع عینہ کی یہی تعریف نقل کی گئی ہے، موسوعہ کے الفاظ یہ ہیں: "ان یبیع سلعة نسیئة ثم یشتریها البائع نفسه بثمن حال اقل منه، اھ" (موسوعہ فقہیہ ۱۴ / ۱۴۷) (بیع عینہ یہ ہے کہ بائع کسی سامان کو ادھار فروخت کرے پھر خود بائع ہی اس سامان کو اس سے کم نقد قیمت دے کر خرید لے)۔

آگے موسوعہ میں تورق اور بیع عینہ کے درمیان فرق کو تحریر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ تورق اور بیع عینہ دونوں میں سامان پہلے ادھار فروخت ہوتا ہے، پھر اس سے کم قیمت میں نقد فروخت ہو جاتا ہے، اس اعتبار سے بظاہر دونوں بیع کی ایک ہی قسم معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے علاوہ دیگر امور میں دونوں کے درمیان فرق ہے، بیع عینہ میں سامان بائع اول کے پاس لوٹ کر پہنچ

جاتا ہے، لیکن تورق میں سامان بائع کے پاس نہیں لوٹتا، بلکہ مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ مبیع پر قبضہ کر کے جس کے ہاتھ چاہے فروخت کرے۔

بیع عینہ اور تورق کی شرعی حقیقت کی وضاحت کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے شرعی حکم سے بحث کی جائے، بیع عینہ کو سیدنا عمر بن عبد العزیز، امام محمد شیبانی نے مکروہ قرار دیا ہے، لیکن تورق کو جمہور علماء نے جائز اور درست قرار دیا ہے، اور بیع کی عمومی حلت سے اس کے جواز پر استدلال کیا ہے، نیز بخاری میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا" (بخاری کتاب البیوع ۱۳۶۷، باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منه ۱/ ۲۹۳)۔

(ملی جلی کھجوروں کو دراہم کے عوض بیچے پھر دراہم کے ذریعہ عمدہ کھجوریں خریدو)۔

اس حدیث نبوی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی کو صرف کسی کام کو ناجائز بتلا دینے پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اگر اس معاملہ کی کوئی جائز صورت ہو تو مستفتی کی اس جانب بھی رہنمائی کرنی چاہئے۔

نیز اس حدیث نبوی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کو قرض کی ضرورت ہے اور دائن نے مدیون کو نقد روپے دینے کے بجائے کوئی سامان ادھار دیا، اور کہہ دیا کہ تم اس سامان کو فروخت کر کے اپنا کام چلالو اور اتنے دنوں کے بعد جب تم کو سہولت ہو تو ہم نے تم کو جو ادھار سامان دیا ہے اس کی قیمت تم ہم کو ادا کر دو گے، تو شرعا یہ صورت جائز ہونی چاہئے، کیونکہ بائع نے مشتری کو مطالبہ قرض پر قرض دینے کے بجائے اپنا ایک سامان ادھار قیمت طے کر کے بیع کا معاملہ کیا ہے، نیز وہ اس سامان کو خود خرید بھی رہا ہے بلکہ خریدار ایک سامان کو زیادہ قیمت پر ادھار خرید کر اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے ایک دوسرے شخص کے ہاتھ کم قیمت پر نقد فروخت کر رہا ہے، اور اس طرح اپنی ضرورت پوری کر رہا ہے، تو شرعا یہ صورت بلا غبار درست ہے، اور یہ

صورت حدیث نبوی میں مذکور ردی کھجور کو روپے کے عوض فروخت کر کے پھر اس روپے سے اچھی کھجور خریدنے کی جائز صورت کے مشابہ ہے، لہذا بیع کا یہ طریقہ شرعا صحیح ہے اور بیع عینہ والی صورت میں داخل نہیں ہے، حدیث نبوی میں بیع عینہ کو اختیار کرنے پر وعید وارد ہوئی ہے، چنانچہ امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر کی سند سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم اذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم" (سنن ابی داؤد ۲/۴۹۰)۔

(اے لوگو! جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے اور کھیتی پر راضی ہو کر بیلوں کی دموں کو پکڑے رہو گے، اور جہاد کو ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کرے گا جس کو اللہ اس وقت تک دور نہیں فرمائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف نہیں لوٹو گے)۔

دین کی طرف لوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان بیع عینہ کو ترک کر دے اور کھیتی پر جہاد کے عمل کو ترجیح دے۔

بیع عینہ تو بلاشبہ ناجائز ہے، لیکن اگر تورق کی صورت ہو کہ مبیع مشتری کے پاس سے دوبارہ بائع کے پاس نہ آئے بلکہ مشتری مبیع کو بازار میں لے جا کر کم یا زیادہ قیمت میں جس طرح چاہے غیر بائع کے ہاتھ فروخت کرے تو یہ شرعا جائز ہے، چنانچہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

اگر بیع کی یہ صورت ہو کہ مبیع کا کل یا بعض حصہ بائع کے پاس لوٹ آئے تو یہ بیع مکروہ تحریمی ہے اور اگر یہ صورت نہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے (شامی کتاب الکفالہ مطلب بیع العینہ ۴/۳۱۱)۔

تورق کی جو صورت بینک میں اختیار کی جاتی ہے وہ درحقیقت بیع عینہ ہے، کیونکہ بینک قرض خواہ کو نقد روپے قرض مانگنے پر قرض کے بجائے کوئی سامان زیادہ قیمت مقرر کر کے ادھار دیتا ہے اور بظاہر یہ بیع کا معاملہ ہوتا ہے پھر خود بینک ہی سے منسلک ادارہ اس سامان کو کم قیمت پر

نقد خرید لیتا ہے، تو یہ صورت سراسر بیع عینہ کی ہے جس کے متعلق حدیث نبوی میں وعید وارد ہے۔

البتہ اگر کوئی ضرورت مند شخص ہے اور اس کو کوئی شخص قرض دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور وہ سودی قرض لینے پر مجبور ہے، تو ایسی صورت میں جس طرح مضطر کے لئے حرام اشیاء کو کھا کر جان بچانے کی اجازت شرعا ہے، اسی طرح حضرات فقہاء نے محتاج و پریشان شخص کے لئے تکمیل ضرورت کی خاطر سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے:

"یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" لہذا پریشان شخص مذکورہ طریقہ سے بینک سے معاملہ کرسکتا ہے، لیکن اسلامی بینکوں کے لئے ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کی خاطر مذکورہ صورت کو اپنانا اور مندرجہ طریقہ کار کا استعمال کرنا شرعا جائز نہیں ہے۔



تورق کا مسئلہ

مفتی عبدالرحیم قاسمی☆

تورق کا مطلب یہ ہے کہ فروخت کنندہ کی ملکیت اور قبضہ میں جو سامان ہے الف اس کو ادھار قیمت پر خریدتا ہے پھر یہ خریدار ب کو یہ سامان نقد قیمت کے بدلہ بیچ کر روپے حاصل کرتا ہے، تو یہ معاملہ بیع ہے، بیع تورق شرعا جائز ہے، یہی جمہور علماء کا قول ہے، کیونکہ خرید وفروخت میں اصل اباحت ہے، ارشاد خداوندی ہے:"وأحل الله البيع و حرم الربا"(سورۂ بقرہ:۲۷۵)۔

بیع کی اس صورت میں ربا (سود) کا نہ قصد ہے اور نہ ربا کی صورت ہے، جبکہ بسا اوقات قرض کی ادائیگی وغیرہ میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، اس بیع کے درست ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ خریدار اس سامان کو اسی بیچنے والے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ اس قیمت سے کم میں نہ بیچے، جس قیمت میں اس نے خریدا ہے، اگر اس نے ایسا کیا تو دونوں بیع عینہ کرنے والے ہوں گے، جو شرعا حرام ہے، کیونکہ اس میں ربا کا حیلہ ہے اس طرح حرام معاملہ ہو جائے گا (مکہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے رص ۳۲۶)۔

☆☆☆

☆ دار الافتاء جامعہ خیر العلوم نور محل روڈ بھوپال۔

تورق کا مسئلہ

مولانا سلطان احمد اصلاحی☆

سوالنامہ میں ذکر کردہ موجودہ بینکوں میں ''تورق'' کی صورت تو نئی ہوسکتی ہے، لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس کا ذکر فقہاء حنفیہ کے یہاں بھی موجود ہے، جسے ''بیع الوفاء'' کا نام دیا گیا ہے، دور آخر میں جب مسلمانوں کی اخلاقی حالت میں زوال آ گیا اور فقہاء نے دیکھا کہ جب تک کسی نوع کا نفع نہ ہو کوئی شخص کسی کو قرض دینے کو تیار نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے لوگوں کو ضرر لاحق ہوتا ہے، بیمار کا وقت پر علاج نہیں ہو پاتا، بچی کی شادی نہیں ہو پاتی، اسی طرح کی ناگزیر ضرورتیں تشنہ تکمیل رہتی ہیں، ماضی میں ہمارے یہاں اس کی سب سے معروف صورت کھیت کے رہن کی رہی ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قرض کی نقد رقم فراہم کرنے کے ساتھ اس کا کھیت اپنے قبضے میں کر لیتا تھا، جس سے وہ سال بہ سال فصل کا نفع حاصل کرتا رہتا تھا اور اس کا نقد دیا ہوا قرض قرض دار مدیون کے ذمہ بدستور برقرار رہتا تھا، ہندوستان سے باہر کے فقہاء کے یہاں اس سے زیادہ اس مقصد سے دودھارو جانور یا پھل دار درخت اور باغ وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

قرض دہندہ ودائن کا نقد قرض تو قرض دار 'مدیون' کے ذمہ جوں کا توں برقرار رہتا تھا البتہ بیچ کہ زمانہ میں وہ قرض کی ضمانت میں لئے گئے دودھارے جانور کے دودھ اور درخت اور باغ کے پھل سے اضافی فائدہ حاصل کرتا رہتا تھا، ہندوستان میں اس کے بجائے زیادہ تر کھیت

☆ ادارہ علم وادب، پان والی کوٹھی، دودپور علی گڑھ۔

کے رہن کا رواج تھا جس کا ذکر اوپر آیا، لیکن اب یہ بہت کم ہوگیا ہے، قرض دینے والا کھیت رہن لینے کے بجائے اسے خرید لینے کو زیادہ ترجیح دیتا ہے، البتہ زمین کے مالک کو اس کی بنیاد پر بینک سے قرض کی سہولت کے باعث اب پرانے طرز کے رہن کا رواج بھی کم ہورہا ہے، اوپر کے نفع کے ساتھ قرض کی اسی صورت کو فقہ حنفی میں ''بیع الوفاء'' کا نام دیا گیا، موجودہ بینکوں کی 'تورق' کی زیر نظر صورت کو اسی کی بدلی ہوئی یا قدرے ترقی یافتہ صورت قرار دیا جاسکتا ہے۔

دراصل قرض انسانی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، جس سے اس کو کبھی بے نیازی نہیں ہوسکتی، کتاب اللہ میں اس کا ذکر بڑے اہتمام سے ہے اور مسلمان معاشرے کو اس کے لئے غیر معمولی طور پر ترغیب دی گئی ہے، احادیث میں بھی قرض دینے کی اسی طرح فضیلت بیان کی گئی ہے اور قرض لینے والے اور دینے والے دونوں کے لئے اس کے آداب کی تفصیل کی گئی ہے، لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو ضرورت کے وقت سادہ قرض نہیں مل پاتا، اس صورت میں خسارے کے ساتھ یعنی کہ اس پر کچھ اضافی رقم ادا کر کے بھی اس کو اپنے موقع پر قرض مل جائے تو اس کے لئے ہر طرح سے سہولت کا باعث ہے، اسلامی فلاحی ریاست میں ہر چند کہ بہت کچھ یہ ذمہ داری حکومت کی بھی ہے کہ وہ ضرورت مند کے لئے وقت پر قرض کی فراہمی کا نظم کرے، لیکن یہ آئیڈیل ہے اور صرف آئیڈیل کے سہارے سماج کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی، اس لئے موجودہ بینکوں میں 'تورق' کی صورت میں کچھ اضافی رقم کی ادائیگی سے قرض کی جس صورت کا رواج ہے اس کو جاری رہنا چاہئے، انسانی زندگی کی گاڑی اصلاً نقد رقم سے چلتی ہے، اس لئے اکثر اوقات اگر آدمی کے پاس اس کی کمی ہوجائے تو اس کو شدید ضرر لاحق ہوسکتا ہے، جس سے بچنا اور بچانا آخری محمدی شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، اس لئے معاصر بینکوں میں 'تورق' کی جتنی صورتیں رائج ہیں جس کے ذریعہ آدمی کو ضرورت کے وقت نقد رقم بطور قرض فراہم ہوجاتی ہے، اس کو جاری رہنا چاہئے، البتہ متعلق افراد کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اس سہولت کے دائرے کو غیر ضروری طور پر دراز نہ کریں اور 'تورق' سے اسی حد تک فائدہ اٹھائیں جتنا کہ ناگزیر ہو، اس

لئے کہ قرض پر اضافی رقم کی ادائیگی ضرورت کی صورت میں ہی جواز کے دائرے میں آتی ہے، اور ضرورت کا اصول معلوم ہے کہ اسے ناگزیر دائرے سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ "والضرورة تقدر بقدرها"۔



بینکوں میں رائج تورق پر ایک نظر

مولانا خورشید احمد اعظمی☆

قرض لینا ایک انسانی ضرورت ہے، اور قرض کے طالب کی ضرورت پوری کرنا ایک اخلاقی فریضہ اور باہمی اخوت کی علامت ہے، اور یہ قرض لینے والے کی خالص امداد ہے، جس پر کوئی نفع لینا درست نہیں، شریعت اسلامیہ نے اس سے منع کیا ہے، اور اسے ربا اور سود قرار دیا ہے، جس کے بارے میں کتاب وسنت میں سخت وعیدیں وارد ہیں، اور کسی قرض پر اضافی رقم حاصل کرنے کے لئے کوئی حیلہ اختیار کرنا بھی درست نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس میں ربا کا شبہ ہوسکتا ہے، چنانچہ بیع عینہ کو اسی لئے اکثر فقہاء نے حرام قرار دیا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو سامان ادھار فروخت کرے، اور اس کی قیمت حاصل کرنے سے پہلے اسی سامان کو نقد اس سے کم دام میں خرید لے بیع کی اس صورت کو امام شافعیؒ نے جائز قرار دیا ہے، کیونکہ جب اس نے خرید لیا تو اس کو جس طرح یہ حق حاصل ہوگیا کہ وہ جسے چاہے فروخت کرے ویسے ہی بائع کے ہاتھ بھی فروخت کرسکتا ہے۔

امام شافعیؒ کی جانب اس بیع کے جواز کی نسبت صحیح مسلم کی شرح میں امام نوویؒ نے بھی کیا ہے، اور صاحب ہدایہ (۴۱/۳) نے بھی کیا ہے۔

دیگر ائمہ کرام کے نزدیک یہ بیع ناجائز اور حرام ہے، اور اس کی حرمت پر استدلال متعدد طرق سے کیا گیا ہے، مثلاً:

☆ استاذ جامعہ عربیہ تعلیم الدین، مئو۔

۱- یہ ربا یعنی سود کا وسیلہ ہے، اور چونکہ ربا حرام ہے، اس لئے اس کا وسیلہ بھی حرام ہوگا، کیونکہ ادھار بیچنے والے نے زیادہ قیمت میں فروخت کیا، اور اس کے ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے اس سے کم قیمت میں خرید لیا، اس طرح گویا اس نے روپۓ کے بدلہ میں روپۓ پر زائد روپۓ حاصل کیا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، ان سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا جس نے ایک کپڑا سو میں بیچا اور پچاس میں خرید لیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "درھم بدراھم متفاضلة دخلت بینھما حریرة" (تہذیب سنن ابی داؤد لابن القیم ۵/۱۰۱) (دراہم کے بدلہ میں دراہم تفاضل کے ساتھ اور ان کے درمیان کپڑا حیلہ ہے)۔

۲- بیع عینہ، بیع فی بیعتین اور ربح مالم یضمن پر مشتمل ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، ابن قیمؒ نے بیع فی بیعتین کی ایک تفسیر یہ نقل کی ہے کہ بائع یہ کہے کہ میں یہ سامان تم کو سو روپۓ میں سال بھر کے ادھار پر فروخت کر رہا ہوں اس طور پر کہ تم سے میں نقد (۸۰ روپۓ) میں لے لوں گا، اور یہ کہا ہے کہ یہی تفسیر حدیث میں مذکور "فله أو کسھما أو الربا" کے زیادہ مطابق ہے، اس لئے کہ یا تو وہ زائد ثمن (سو روپۓ) کو لے گا تو وہ ربا ہوگا، یا نقد ثمن کو لے گا تو وہ اوکس (کم والی رقم) پانے کا مصداق ہوگا، حدیث کے الفاظ ہیں:

"من باع بیعتین فی بیعة فله او کسھما أو الربا" (سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فیمن باع بیعتین فی بیعۃ حدیث نمبر: ۳۴۶۱)۔

۳- بیع عینہ بیع مضطر پر بھی مشتمل ہے، کیونکہ جس شخص کو نقد کی ضرورت ہے اور وہ قرض کے لئے گیا ہے وہ بائع سے اس سامان کے خریدنے پر بھی مضطر ہے اور پھر اسے اس کے ہاتھ فروخت کرنے پر، اور بیع مضطر بھی ممنوع ہے، حضرت علیؓ سے منقول ہے:

"سیاتی علی الناس زمان عضوض، یعض المؤسر علی ما فی یدیه، ولم یؤمر بذلک، قال الله تعالی: و لا تنسو الفضل بینکم، ویبایع المضطرون، وقد نھی النبی ﷺ عن بیع المضطر وبیع الغرر وبیع الثمرة قبل أن

تدرک"۔(عنقریب لوگوں پر بڑا سخت زمانہ آئے گا، مالدار اپنے مال کو دانت سے پکڑے بیٹھا ہوگا، حالانکہ اسے اس کی اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور اپنے درمیان احسان کو مت بھلادو، اور مضطر لوگوں سے بیع کی جائے گی حالانکہ نبی ﷺ نے بیع مضطر اور بدو صلاح سے قبل پھل کی بیع سے منع کیا ہے)۔

لہٰذا یہ صورت کہ مثلاً "الف" کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے، اور بینک اسے نقد دینے کے بجائے ایک لاکھ روپے کی مالیت کا لوہا ایک لاکھ دس ہزار روپے میں ادھار اس کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، اور پھر "الف" اس لوہے کو نقد ایک لاکھ روپے میں بینک کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، ناجائز ہوگی، کیونکہ اس صورت میں گرچہ "الف" کو ایک لاکھ روپے مل جاتے ہیں، مگر بینک کا اس سے دس ہزار روپے لینا سود قرار پائے گا۔

اور اگر "الف" اس لوہے کو بینک کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ فروخت کرتا ہے جو بینک کا آدمی نہیں ہے تو بلاشبہ درست ہوگی۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ "الف" سے اس لوہے کو کم قیمت میں خریدنے والا بینک کا وکیل یا اس سے منسلک کوئی ادارہ ہو، اس صورت میں وہ سامان بظاہر ایک تیسرے کے ہاتھ میں پہنچ رہا ہے اور غالباً یہی تورق کی صورت ہے، ابن قیم نے اس کی کراہت کے بارے میں لکھا ہے کہ سلف کا اس میں اختلاف ہے، حضرت عمرؓ سے اس کی کراہت منقول ہے اور امام احمدؒ کی بھی ایک روایت کراہت کی ہی ہے، صاحب فتح القدیر (۶/۶۸) نے لکھا ہے:

"ولو اشترى وكيل البائع بأقل من الثمن الأول جاز عنده خلافا لهما، لأن تصرف الوكيل عنده يقع لنفسه، فلذا يجوز للمسلم أن يوكل ذميا بشراء خمر و بيعها عنده ولكن ينتقل الملك إلى المؤكل حكما فكان كما لو اشتراه لنفسه فمات فورثه البائع" (فتح القدیر ۶/۶۸ باب البیع الفاسد) (اور اگر ثمن اول سے کم میں بائع کے وکیل نے خریدا تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہوگی بخلاف صاحبین کے، کیونکہ

امام صاحب کے نزدیک وکیل کا تصرف اس کے اپنی طرف سے ہوتا ہے، اسی لئے ان کے نزدیک جائز ہے کہ کوئی مسلمان کسی ذمی کو شراب خریدنے اور فروخت کرنے کا وکیل بنائے، لیکن ملک موکل کی طرف حکما منتقل ہوگی تو گویا ایسا ہوا کہ اس نے اپنے لئے خریدا پھر انتقال کر گیا اور بائع اس کا وارث ہوگیا)۔

یہ انہوں نے ہدایہ میں مذکور اس جزئیہ کے تحت لکھا ہے کہ:

"ومن اشترى جارية بألف درهم حالة أو نسيئة فقبضها ثم باعها من البائع بخمس مأة قبل أن ينقد الثمن الأول لا يجوز البيع الثاني" (ہدایہ وفتح القدیر ۶/ ۶۸) (کسی نے ایک ہزار درہم نقد یا ادھار میں ایک باندی خریدا اور اس پر قبضہ کرلیا، پھر اس کو بائع کے ہاتھ پانچ سو میں ثمن اول کے ادا کرنے سے پہلے فروخت کر دیا تو دوسری بیع جائز نہیں ہوگی)۔

اور فتح القدیر (۶/ ۳۲۳-۳۲۴ باب الکفالہ) میں جہاں بیع عینہ کا تذکرہ کیا ہے وہاں بیع عینہ کی متعدد صورتیں تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"قال أبو يوسف: لا يكره هذا لأنه فعله كثير من الصحابه"، پھر آگے لکھتے ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایسی صورت پیش آتی ہے کہ مکمل سامان یا اس کا کچھ حصہ بائع اول کی طرف ہی لوٹ کر آتا ہے تو یہ بیع مکروہ ہوگی، اور اگر یہ صورت پیش آتی ہے کہ کسی کو قرض کی ضرورت ہے مگر کوئی قرض دینے کے بجائے دس کا سامان پندرہ میں اس کے ہاتھ فروخت کرے ادھار، اور پھر مدیون اس سامان کو بازار میں دس میں فروخت کرے نقد تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے "ولا بأس في هذا اه"۔

ایسا لگتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی طرف جو اس بیع کے جائز ہونے کی نسبت کی گئی ہے وہ محض بیع اول کے حق میں ہے یعنی جبکہ کوئی حاجت مند قرض کے لئے آئے اور یہ قرض دینے کے بجائے کم قیمت کا سامان اس کے ہاتھ زیادہ قیمت پر فروخت کردے تاکہ وہ نقد کسی بھی دام پر بیچ

کر اپنا کام نکال لے جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

"قال أبو يوسف: لا يكره هذا، لأنه فعله كثير من الصحابه ولم يعدوه من الربا حتى لو باع كاغذة بألف يجوز ولا يكره" (فتح القدیر ۶/۳۲۴) (امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ بیع مکروہ نہیں ہے، اس کو بہت سے صحابہ نے کیا ہے اور اس کو ربا نہیں شمار کیا ہے یہاں تک کہ اگر ایک کاغذ ایک ہزار میں بیچے تو جائز ہوگا مکروہ نہیں ہوگا)۔

امام احمدؒ سے عینہ کی بابت یہ بھی منقول ہے کہ آدمی زیادہ قیمت حاصل کرنے کے لئے صرف ادھار ہی فروخت کرے، "فإن باع بنقد ونسيئة فلا بأس، وقال: أكره للرجل أن لا يكون له تجارة غير العينة لا يبيع بنقد" (المغنی ۶/۲۶۲)۔

(اور اگر وہ نقد اور ادھار دونوں طرح فروخت کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں اور انہوں نے فرمایا: میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ آدمی کے لئے عینہ کے علاوہ کوئی تجارت نہ ہو یعنی نقد نہ بیچے صرف ادھار ہی فروخت کرے)۔

لہذا بینک کا یہ طریقہ کار کہ وہ قرض خواہ کو نقد رقم دینے کے بجائے اس کے ہاتھ کم قیمت کے سامان کو زیادہ قیمت میں ادھار فروخت کرتے ہیں، یہ درست ہوگا کیونکہ قرض دینا واجب نہیں ہے، اور ادھار بیع میں زیادہ ثمن لینا جائز ہے۔

اب وہ قرض خواہ اس سامان کو اس سے کم قیمت پر بازار میں نقد فروخت کرتا ہے، تو اس کا یہ معاملہ بھی درست ہے۔

اور اگر اس قرض خواہ سے بینک اسی سامان کو نقد اس سے کم قیمت میں خود خریدتا ہے تو یہ معاملہ درست نہیں ہوگا کیونکہ اس نے زائد رقم یعنی سود اور تفاضل کے لئے یہ حیلہ اختیار کیا ہے۔

اور اگر قرض خواہ اس معاہدہ کے ساتھ بینک سے اس سامان کو ادھار زیادہ قیمت پر لیتا ہے کہ بینک اسے نقد اس سے کم قیمت میں خرید لے گا تو یہ معاملہ جائز نہیں ہوگا، اور گناہ میں دونوں شریک ہوں گے۔

بینک کے تورق کے طریقہ کے متعلق سوال کا جواب

مولانا عبدالقیوم پالنپوری☆

بینک جو تورق کا طریقہ اپناتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ضرورت مندوں کو کوئی چیز ادھار موجودہ نرخ سے زیادہ پر فروخت کرتی ہے اور پھر خریدار اس پر قبضہ حقیقی یا حسی کر کے کسی اور شخص کو یا اسی بینک کے ایسے ادارہ کو جس کے ارباب اموال اس بینک کے ارباب اموال کے علاوہ ہو بیچ دیتا ہے تو بعض مشائخؒ کے نزدیک یہ بیع عینہ کی صورت ہے، اور یہ صورت، جائز مگر خلاف اولی اور خلاف مروت ہے۔

حضرت مفتی محمود گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں: اگر عمر نے زید سے روپیہ قرض مانگا اور زید نے روپیہ نہیں دیا، بلکہ گڑ چالیس روپیہ من دے دیا (جبکہ اس کا بھاؤ اس وقت چھتیس روپے تھا) یعنی فروخت کر دیا اور عمر نے اس کو خرید لیا تو شرعاً یہ بیع درست ہوگئی، عمر کے ذمہ چالیس روپیہ من کے حساب سے خریدے ہوئے گڑ کی قیمت لازم ہوگی، اگرچہ گڑ کی قیمت بازار میں ۳۶ روپے من ہے۔

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق ہوتا ہے اور یہ شرعاً درست ہے، لیکن جو غریب اپنی ضرورت سے کوئی چیز خریدتا ہے اور قیمت اس کے پاس نہیں ہے تو وہ مستحق شفقت ہے، مستحق رحم و کرم ہے اس سے اتنی قیمت لینا جس سے اس کو خسارہ ہو یہ بات مروت کے خلاف ہے (فتاوی محمودیہ، ڈابھیل ۱۶/ ۱۵۵)۔

☆ جامعہ نذیریہ، کاکوسی، شمالی گجرات۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "اختلف المشائخ فی تفسیر العینة التی ورد النهی عنها، قال بعضهم: تفسیرها أن یأتی الرجل المحتاج إلی آخر ویستقرضه عشرة دراهم ولا یرغب المقرض فی الاقراض طمعا فی فضل لا یناله بالقرض، فیقول: لا أقرضک، ولکن أبیعک هذا الثوب إن شئت باثنی عشر درهم و قیمته فی السوق عشرة لیبیعه فی السوق بعشرة فیرضی به المستقرض، فیبیعه کذلک فیحصل لرب الثوب درهمان وللمشتری قرض عشرة" (ردالمحتار مع الدرالمختار طبع ابن باز مکہ ۵/ ۳۷۳)۔

(مشائخ حنفیہ نے اس بیع عینہ کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے، جس سے متعلق نہی وارد ہوئی ہے، بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ محتاج دوسرے کے پاس آ کر قرض طلب کرے دس دراہم، اور مقرض (مال والا) اس نفع کی لالچ میں جس کو وہ قرض کے ذریعہ سے (سود کے لازم آنے کی وجہ سے) حاصل نہیں کر سکتا ہے قرض دینے سے اعراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کو میں قرض نہیں دے سکتا، لیکن یہ کپڑا اگر تو چاہے تو ۱۲ دراہم میں بیچ سکتا ہوں، جس کی قیمت بازار میں دس دراہم ہے تاکہ اس کو بازار میں دس کے عوض میں بیچ دے، پس قرض حاصل کرنے والا اس پر راضی ہو جاتا ہے، پس مقرض اس کو اس طرح بیچتا ہے، نتیجۃً کپڑے والے کو دو درہم نفع حاصل ہو جائے گا، اور مشتری کو دس دراہم کا قرض حاصل ہو جائے گا)۔

بعض مشائخ کے نزدیک بیع عینہ کی تفسیر یہ ہے کہ ضرورت مند کسی سے کوئی چیز ادھار زیادہ قیمت سے خرید کر بائع کے علاوہ تیسرے کو بیچ دے نقد اور پھر اس تیسرے کے پاس سے بائع اول نقد موجودہ بھاؤ سے نقد روپے میں خرید لے۔ اس صورت میں مبیع بائع اول کے پاس ایک تیسرے کے واسطہ سے پہنچتی ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ بیع عینہ یہ ہے کہ بائع اور مشتری اپنے درمیان ایک تیسرے کو داخل کریں، پس مقرض (بائع صاحب مال) اپنا کپڑا مستقرض (حاجت مند) سے ادھار بارہ دراہم

میں بیچے اور اس کو کپڑا سونپ دے پھر اس کپڑے کو مستقرض کسی تیسرے کو دس دراہم میں نقد بیچ کر اس کو سونپ دے پھر تیسرا اس کپڑے کو مقرض کپڑے والے ہی کو نقد دس دراہم میں بیچ کر اس سے دس دراہم لے لے اور وہ دراہم مستقرض کو دے دے، پس اسے دس دراہم حاصل ہو گئے اور کپڑے والے کا اس پر ۱۲ دراہم دین باقی رہا، اس صورت میں بائع اول نے مشتری حاجتمند سے بلاواسطہ نہیں خریدا، بلکہ تیسرے کو بیع میں داخل کر کے اس کے پاس سے خریدا تا کہ ناجائز بیع نہ ہو جائے (شامی)۔

بیع عینہ کا حکم یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اس صورت میں مکروہ تحریمی ہے یا خلاف اولی اور مکروہ تنزیہی؟ تو ابن ہمام، صاحب فتح القدیر اور مفتی ابو السعود کی رائے یہ ہے کہ اگر مبیع بائع اول کی طرف (مشتری کے علاوہ تیسرے کے واسطے یا کوئی جائز صورت سے) لوٹتی ہے یہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر خریدار مبیع خرید کر کسی تیسرے کو بیچ دیتا ہے اور بائع اول کے پاس نہیں لوٹتی ہے تو یہ خلاف اولی و مکروہ تنزیہی ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: "قال فی الفتح قال أبویوسفؒ: لا یکره هذا البیع...... وقال محمدؒ: هذا البیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیم اخترعه آکلة الربوا...... ثم قال فی الفتح: حاصله ان الذی یقع فی قلبی أنه ان فعلت صورة یعود فیها المبیع إلی البائع (بادخال الثالث بین البائع والمشتری)......فیکره تحریما، فإن لم یعد کما إذا باعه المدیون فی السوق فلا کراهة فیه بل خلاف الأولی، فان الأجل قابله قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیه دائما بل هو مندوب...... وجعله (ای صورة عدم عود المبیع إلی البائع) أبو السعود محمل قول أبی یوسف و حمل قول محمد والحدیث علی صورة العود" (ردالمحتار کفالہ ۳۲۶/۵)۔

اور اگر تورق کی صورت یہ ہو کہ ضرورت مند بینک سے کوئی چیز ادھار خرید کر اس پر قبضہ

کر کے اسی بینک کو یا اسی بینک کے اس ادارے کو بیچ دیتا ہے تو ضرورت مند کا اس بینک یا ایسے ادارہ کو بیچنا جائز نہیں ہے اور یہ بیع فاسد ہے، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اپنی بیچی ہوئی چیز کو ثمن اول کی ادائیگی سے پہلے مشتری ہی سے کم قیمت پر خریدنا لازم آتا ہے، اور یہ صورت جائز نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہاں دو بیع ہیں: ایک بینک کا ضرورت مند کو بیچنا یہ جائز ہے اور دوسری ضرورت مند کا اسی بینک کو بیچنا یہ فاسد اور ناجائز ہے، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے، علامہ مرغینانیؒ ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ومن اشترى جارية بألف درهم حالة أو نسيئة، فقبضها ثم باعها من البائع بخمس مأة قبل أن ينقد الثمن لا يجوز البيع الثاني وقال الشافعيؒ: يجوز" (ہدایہ آخرین رحیمیہ رص ۷۵)۔

(اور جس نے ادھار یا نقد ایک ہزار دراہم کے عوض ایک باندی خریدی اور اس باندی پر قبضہ کرلیا پھر اس نے وہ باندی اسی بیچنے والے سے ثمن کی ادائیگی سے پہلے پانچ سو دراہم میں بیچ دی تو یہ بیع ثانی جائز نہیں ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہ بیع ثانی (بھی) جائز ہے)۔

نوٹ: سوالنامہ میں جو کہا گیا ہے کہ "بیع عینہ میں خریدار جس شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے اسی شخص سے کم قیمت پر فروخت کرتا ہے" یہ صحیح نہیں ہے، اور یہ بیع عینہ نہیں جس کی کراہت میں اختلاف ہے، بلکہ یہ بیع تو ناجائز اور فاسد ہے، بیع عینہ کس کو کہتے ہیں اس کی تفصیل بحث میں اوپر گذر چکی۔

جواب کا خلاصہ:

حاصل یہ ہے کہ اگر بینک ضرورت مند کو ادھار کوئی چیز بیچتا ہے اور پھر وہ ضرورت مند بینک کے علاوہ کسی اور شخص سے یا مارکیٹ میں نقد وہ چیز بیچ دیتا ہے تو یہ بیع جائز ہے، مگر خلاف اولی ہے، اور بعض کے نزدیک یہ صورت بھی بیع عینہ کی ہے، مگر اس کا حکم یہی ہے کہ جائز ہے مگر

خلاف اولی ہے۔

اور اگر ضرورت مند بینک سے زیادہ قیمت پر کوئی سامان ادھار خرید کر اور قبضہ کر کے یا پھر اسی بینک یا اسی بینک سے منسلک ایسے ادارہ کو بیچ دیتا ہے جس ادارہ کے رأس مال کے شرکاء اور اس بینک کے شرکاء ایک ہیں تو اس صورت میں اس ضرورت مند کا اسی بینک یا اسی بینک سے وابستہ مذکورہ ادارہ کو بیچنا ناجائز ہے اور یہ سودا فاسد ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔



بیع تورق کا شرعی حکم

مولانا محمد جعفر ملی رحمانی☆

۱- بیع تورق کی ایک صورت یہ ہے کہ طالب قرض کو، نقد روپیہ قرض میں نہیں دیا جاتا، بلکہ اس کے ہاتھوں قرض دینے والا شخص کسی چیز کو ادھار یا قسط وار بیچ دیتا ہے، اس شی کی قیمت نقد قیمت سے زائد ہوتی ہے، جس کو مشتری قسطوں میں ادا کرتا رہتا ہے، اور جو چیز اس نے مقرض سے خریدی، وہ کسی اور شخص کے ہاتھ، قیمت خرید سے کم پر نقد بیچ دیتا ہے، اور اس نقد رقم سے اپنی ضرورت پوری کرلیتا ہے، بیع کی یہ صورت بلا کراہت درست وصحیح ہونی چاہئے، کیونکہ اسمیں دو باتیں قابل لحاظ ہیں:

۱- مقرض کا اپنی شی، مستقرض کے ہاتھ ادھار یا قسط وار بیچنا، اور اس کی قیمت، نقد قیمت سے زیادہ رکھنا، شرعاً یہ دونوں امور جائز ہیں، کیونکہ شارع نے بیع سلم کی اجازت دی ہے، اور فقہاء نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ ادھار اور نقد قیمت میں تفاوت جائز ہے: فی "السنن الترمذی": عن أبی هریرة قال: نهی رسول الله ﷺ عن بیعتین فی بیعة - قال الترمذی: وقد فسر بعض أهل العلم، قالوا: بیعتین في بیعة أن یقول: أبیعک هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسیئة بعشرین ولا یفارقه علی أحد البیعتین فإذا فارقه علی أحدهما فلا بأس إذا کانت العقد علی واحد منهما" (ص ۲۳۳ باب ماجاء فی النهی عن بیعتین فی بیعة، مکتبہ بلال دیوبند)۔

☆ جامعہ اشاعت العلوم، اکل کواہار اشترا۔

"ما فی "المبسوط للسرخسی": وإذا عقد العقد علی أنه إلی أجل کذا بکذا، وبالنقد بکذا، أو قال إلی شهر بکذا، أو إلی شهرین بکذا، فهو فاسد، لأنه لم یعاطه علی ثمن معلوم، ولنهی النبی ﷺ عن شرطین فی بیع......وإذا افترقا علی هذا فإن کان یتراضیان بینهما ولم یتفرقا حتی قاطعه علی ثمن معلوم وأتما العقد علیه فهو جائز"(۹/۱۳، باب البیوع الفاسد، دار الکتب العلمیہ بیروت)، یہ الگ بات ہے کہ نقد و ادھار کی قیمت میں تفاوت خلاف مروت ہے: "ما فی "السنن لأبي داؤد":عن علی بن أبی طالب رضي الله تعالی عنه قال: "سیأتي علی الناس زمان عضوض یعض الموسر علی ما في یده ولم یؤمر بذلک، قال الله تعالی: "ولا تنسوا الفضل بینکم"، ویبایع المضطرون، وقد نهی النبي ﷺ عن بیع المضطر"(رص۴۷۹، باب بیع المضطر، مکتبہ بلال دیوبند)۔

"ما فی "إعلاء السنن":قال الشامي: وهو أن یضطر الرجل إلی طعام وشراب أو غیرها، ولا یبیعه البائع إلا بأکثر من ثمنها بکثیر، وکذلک في الشراء منه......قال الخطابی: إن عقد البیع مع الضرورة علی هذا الوجه جائز في الحکم ولا یفسخ، إلا أن سبیله في حق الدین والمروءة أن لا یباع علی هذا الوجه، وأن لا یقتات علیه بماله، ولکن یعاون ویقرض ویستمهل له إلی المیسرة"(۱۴/۲۴۱، کتاب البیوع باب النہی عن بیع المضطر، دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

۲-مستقرض جس نے مقرض سے ادھار شئی خریدی، اس کا اس شئی کو کسی اور کے ہاتھ قیمت خرید سے کم پر نقد قیمت میں بیچنا یہ امر بھی جائز ہے، کیونکہ جب مشتری کو مبیع پر ملکیت حاصل ہوگئی، تو اسے اختیار ہے کہ وہ اپنی ملک کم قیمت میں فروخت کردے یا زیادہ میں، کیونکہ یہ اختیار ملک کی مقتضیات میں سے ہے کہ ہر مالک اپنی ملک میں تصرف کا جس طرح چاہے مختار ومجاز ہے("ما فی "شرح المجلة لسلیم رستم باز": کل یتصرف في ملکي کیف ما شاء"(رص ۶۵۴، رقم المادۃ:۱۱۹۲))۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ طالب قرض جس شخص یا ادارے سے زائد قیمت پر ادھار یا قسط وار چیز خریدتا ہے، اسی شخص یا اسی ادارے کو، یا ان دونوں سے منسلک کسی فرد یا ادارے کو، وہ چیز قیمت خرید سے کم پر نقد بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، اس صورت میں ربا یعنی سود کا شبہ ہونے کی وجہ سے بیع میں کراہت پیدا ہوگی، مگر اس صورت کو بھی ضرورتاً بلا کراہت درست قرار دینا چاہئے کیونکہ آج کے زمانے میں قرض حسنہ ملنا بہت مشکل امر ہے، اور جس کو مال کی ضرورت ہوتی ہے وہ پریشان ہو جاتا ہے، اسے قرض حسنہ دینے والا کوئی شخص نہیں ملتا، جس کی وجہ سے وہ سودی قرض لیتا ہے، اور بسا اوقات بیع تورق کی صورت (جو آج کل مروج ہے) کو اختیار کرتا ہے، اس لئے ضرورتاً اس کی اجازت ہونی چاہئے کیونکہ بیع وفاء کی صورت بھی اس سے ملتی جلتی ہے، مگر متاخرین نے ضرورتاً اس کی اجازت دی ہے: "ما فی "ردالمحتار علی الدر المختار": وفي الخيرية: فيما لو أطلق البيع ولم يذكر الوفاء إلا أنه عهد إلى البائع أنه إن أوفى الثمن مثل الثمن يفسخ البيع معه، أجاب: هذه المسئلة اختلف فيها مشايخنا على أقوال، ونص في الحاوي الزاهدي أن الفتوى في ذلک أن البيع إذا أطلق ولم يذكر فيه الوفاء إلا أن المشترى عهد إلى البائع أنه إن أوفى مثل ثمنه فإنه يفسخ معه البيع يكون باتا حيث كان الثمن ثمن المثل أو بغبن يسير، وبه أفتى في الحامدية أيضا" (۲۲۵/۷، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء)۔

"ما فی "فتاوی قاضیخان علی هامش الهندية: وإن ذكر البيع من غير شرط ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع ولزمه الوفاء بالوعد، لأن المواعدة قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس" (۱۶۵/۲، فصل فی شروط المفسدة)۔

خلاصہ: ضرورتاً بیع تورق کی اجازت ہونی چاہئے، کیونکہ بیع وفا کی صورت بھی اس سے ملتی جلتی ہے، اور متاخرین نے ضرورتاً اس کی اجازت دی ہے۔



تورق کا مسئلہ

مفتی اسماعیل بن ابراہیم بھڈکودری☆

بیع عینہ کا ذکر فقہ حنفی کی کتب میں بھی موجود ہے، جس کی تفسیر میں حضرات مشائخؒ کا اختلاف ہے یا جس کی مختلف صورتیں ہیں، جو حسب ذیل عبارت میں مذکور ہیں:

"اختلف المشائخ فی تفسیر العینة التی ورد النهی عنها قال بعضهم تفسیرها: أن یاتی الرجل المحتاج إلی آخر ویستقرضه عشرة دراهم ولا یرغب المقرض فی الإقراض طمعا فی فضل لاینالہ بالقرض فیقول: لا أقرضک ولکن أبیعک هذا الثوب إن شئت باثنی عشر درهما وقیمته فی السوق عشرة لیبیعه فی السوق بعشرة فیرضی به المستقرض فیبیعه کذلک فیحصل لرب الثوب درهمان وللمشتری قرض عشرة، وقال بعضهم: هی أن یدخلا بینهما ثالثا فیبیع المقرض ثوبه من المستقرض باثنی عشر درهما ویسلمه إلیه ثم یبیعه المستقرض من الثالث بعشرة ویسلمه إلیه ثم یبیعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة و یسلمه الیه ویأخذ منه العشرة ویدفعها للمستقرض فیحصل للمستقرض عشرة ولصاحب الثوب علیه اثنا عشر درهما کذا فی المحیط" (شامی ۴؍۲۴۴ نعمانیہ)۔

مذکورہ عبارت میں علامہ شامیؒ نے بیع عینہ کو منہی عنہا فرما کر امام ابو یوسفؒ سے اس کا

☆ دارالعلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، کنتھاریہ۔

جواز بھی نقل فرمایا ہے اور امام محمدؒ سے اس کی قباحت و مذمت نقل فرمائی ہے، اور صاحب فتح القدیر شیخ ابن ہمامؒ سے اس کا خلاف اولی ہونا نقل فرمایا ہے۔

"وعن أبی یوسف العینة جائزة مأجور من عمل بها کذا فی مختار الفتاوی الهندیه وقال محمد: هذا البیع فی قلبی کأمثال الجبال ذمیم اخترعه آکلة الربا وقال علیه الصلوة والسلام: "إذا تبایعتم بالعین واتبعتم أذناب البقر ذللتم وظهر علیکم عدوکم" قال فی الفتح :"ولا کراهة فیه إلا خلاف الأولی لما فیه من الإعراض عن مبرة القرض" (شامی ۴/۲۴۴)۔

اور بیع عینہ اور اس کی تفسیر کا ذکر علامہ حصکفیؒ نے درمختار کی کتاب الکفالۃ میں بھی کیا ہے۔

"(أمر) الأصیل (کفیله ببیع العینة) أی بیع العین بالربح نسیئة لیبیعها المستقرض باقل لیقضی دینه اخترعه أکلة الربا وهو مکروه مذموم شرعا لما فیه من الاعراض عن مبرة الاقراض" (درمختار)۔

پھر اس مقام پر بھی علامہ شامیؒ نے بیع عینہ سے متعلق امام ابو یوسف کا قول جواز بلا کراہت نقل فرمایا اور اس کو بہت سے صحابہ کرامؓ کا عمل بتلایا اور امام محمدؒ کا عدم جواز کا قول نقل فرمایا اور ان کے دلائل بھی تحریر فرمائے ہیں اور اس کے بعد امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے اقوال میں صاحب فتح القدیر ابن ہمامؒ سے نہی و کراہت کے محل اور اس کی صورت کو نقل فرمایا ہے، اور شیخ سید ابو السعود سے امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے اقوال میں تطبیق نقل فرمائی ہے۔

چنانچہ اسلامی بینک کا تورق کی یہ صورت اختیار کرنا کہ نقد سرمایہ کے ضرورت مند (الف) کو کوئی سامان بازاری قیمت سے زائد قیمت میں ادھار فروخت کرے اور ضرورت مند (الف) وہ سامان بازاری قیمت میں (ب) کو نقد قیمت سے فروخت کرے اور وہ سامان بینک کے پاس واپس نہ آئے تو یہ جائز ہے اور یہ صورت بیع عینہ شمار نہ ہوگی جیسا کہ ابن ہمامؒ

فرماتے ہیں۔

اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اور سود سے بچنے کے لئے ایسی صورت اختیار کرنا بلا کراہت جائز ہونی چاہئے، کیونکہ یہ حرام سے بچنے اور حلال حاصل کرنے کی تدبیر اور صورت ہے۔

"قال الحافظ ونقل أبو حفص الكبير، - راوی كتاب الحيل- عن محمد بن الحسن ان محمدا قال: ما احتال به المسلم حتى يتخلص به من الحرام، أو يتوصل به إلى الحلال فلا بأس به وما احتال به حتى يبطل حقا أو يحق باطلا أو ليدخل به شبهة فی حق فهو مكروه والمكروه عنده إلى الحرام أقرب"(فیض الباری ۴/۴۸۰)۔



تورق کا مسئلہ

مولانا اشتیاق احمد الاعظمی☆

سوالنامہ میں تورق کی مروجہ جو صورت بیان کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ بینک، خریدار سے کوئی ایسی شئی فروخت کرتا ہے، جس کو بیچکر ضرورتمند مطلوبہ رقم حاصل کر سکتا ہے۔ مثلاً ''الف'' کو ایک لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے، تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپیہ کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے اور اسے ''ب'' کے ہاتھ ایک لاکھ روپیہ نقد میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ روپیہ نقد رقم حاصل ہو جاتی ہے اور ''ب'' کو دس ہزار روپیہ کا نفع مل جاتا ہے؛ اور عام طور سے ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے۔ اس طرح بالواسطہ اسے ہی دس ہزار روپیہ نفع حاصل ہوتا ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں بھی بیع عینہ کی صورت، مذکورہ بالا صورت جیسی ذکر کی گئی ہے۔ چنانچہ اس میں یہ عنوان قائم کر کے لکھا ہے: "للعينة المنهي عنها تفسيرات أشهرها: أن يبيع سلعة بثمن إلى أجل معلوم ثم يشتريها نفسها نقداً بثمن أقل" (۹/۹۶ موسوعہ فقہیہ)۔

تورق کی بیان کردہ مذکورہ بالا صورت بیع عینہ کی صورت سے بالکل مماثلت رکھتی ہے اور بیع عینہ، بیوع منہیہ میں سے ہے؛ کیونکہ یہ در پردہ قرض فراہم کی جانے والی رقم پر نفع کمانا ہے۔ اسی کی طرف موسوعہ فقہیہ میں اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "و تؤول العملية إلى قرض عشرة، لرد خمسة عشر والبيع وسيلة صورية إلى الربا"۔

☆ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم مئو۔

گرچہ تورق اور بیع عینہ کے درمیان غور کرنے سے بظاہر تھوڑا سا فرق ضرور محسوس ہوتا ہے؛ کہ بیع عینہ میں جو پہلے بائع ہوا کرتا ہے، وہی بعد میں نقداً بثمن أقل مشتری بن جاتا ہے اور یہاں مذکور تورق کی صورت میں ادھار لوہا بیچنے والا شخص کوئی اور ہے اور اسی لوہے کو نقداً بثمن أقل خریدنے والا شخص، کوئی دوسرا ہے؛ لیکن دونوں شخصوں کا تعلق چونکہ ایک بینک سے ہے، اس لئے افراد اور اشخاص کے بدلنے سے بائع اور مشتری الگ الگ نہیں ہوئے، بلکہ دونوں حکماً ایک ہی ہیں، کیونکہ وہ دونوں ایک ہی بینک کے ملازم ہیں؛ اس لئے بیع عینہ اور تورق کی شکل بالکل ایک جیسی ہوگئی۔

علامہ وہبہ زحیلی بھی بیع عینہ کو قرض کے ذریعہ ربا کے حصول کا ایک حیلہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "هو بيع يراد منه أن يكون حيلة للقرض بالربا بأن يبيع رجل شيئاًبثمن نسيئة و لم يقبض ثم يشتريه في الحال و سمي بالعينة لأن مشتري السلعة الى أجل ياخذ بدلها عيناً اى نقداً حاضراً" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۶۷)۔

بیع عینہ سے متعلق فقہاء کرام کے اقوال وآراء مندرجہ ذیل ہیں:

قول اول: جمہور فقہاء (ابوحنیفہؒ، مالکؒ واحمدؒ): یہ حضرات فقہاء اس بیع کے عدم جواز کے قائل ہیں (موسوعہ ۹/۹۶)۔

علامہ وہبہ زحیلی نے فقہاء احناف کے مسالک کو ذرا اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں: اگر مالک مقرض اور مشتری مستقرض کے درمیان تیسرا شخص نہ آئے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، یہ عقد فاسد ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ بیع بغیر کراہت صحیح ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا: یہ بیع بالکراہۃ صحیح ہے؛ اور امام محمدؒ کا ایک جملہ، اس بیع کے سلسلے میں اصحاب موسوعہ، علامہ زحیلی اور علامہ شامیؒ ان سبھی حضرات نے نقل فرمایا ہے، جو یہ ہے:

"هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم ، اخترعه أكلة الربا" (موسوعہ ۹/۹۶، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۶۸، ردالمحتار ۷/۴۸۰)۔

قول ثانی: امام شافعیؒ: بیع عینہ کے جواز کے قائل ہیں؛ گویا امام شافعیؒ نے عقد بیع کی ظاہری صورت اور توافر رکنین پہ نگاہ رکھی ہے اور نیت کا اعتبار نہیں فرمایا ہے:

"كأنه نظر إلى ظاهر العقد و توافر الركنين فلم يعتبر النية" (موسوعہ ۹/ ۹۶)۔

مالکیہ نے عدم جواز کی جو وجہ لکھی ہے وہ یہ ہے کہ: یہ قرض، منتج الی الربا ہوتا ہے، اس لئے ناجائز ہے (بأنه سلف جر نفعاً) (موسوعہ ۹/ ۹۶)، نیز مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں، سدذرائع کے اصول کے تحت بھی یہ بیع ناجائز ہے، علامہ شاطبیؒ قاعدہ سد الذرائع کے تحت لکھتے ہیں:

"حقيقتها التوسل بما هو مصلحة إلى مفسدة فان عاقد البيع أولاً لى سلعة بعشرة إلى أجل، ظاهر الجواز من جهة ما يتسبب عن البيع من المصالح على الجملة فاذا جعل مآل ذلك البيع مؤديا الى بيع خمسة نقداً، بعشرة إلى أجل، بأن يشترى البائع سلعته من مشتريها من خمسة نقداً بعشرة إلى أجل و السلعة لغو لا معنى لها فى العمل لأن المصالح التى لأجلها شرع البيع لم يوجد منها شيئ" (الموافقات ۴/ ۹۹-۱۹۸)۔

علامہ شاطبیؒ کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ بیع جن مصالح کے حصول کے لئے مشروع کی گئی ہے، بیع عینہ میں، ان مصالح میں سے کوئی بھی مصلحت موجود نہیں ہوا کرتی، بلکہ سلعہ اور سامان تجارت محض ایک لغوشیٔ اور بے معنی چیز ہو کر رہ جاتی ہے، جو منتج الی مفسدة الربا ہوا کرتی ہے، بیع عینہ کے ذریعہ، بیع جیسی جائز چیز کو، ربا جیسی حرام چیز تک پہنچنے کا محض ایک وسیلہ بنایا جاتا ہے، اس لئے دفع مفسدہ کے پیش نظر یہ بیع ناجائز ہوگی۔

حنابلہ نے بیع عینہ کے عدم جواز پہ کچھ روایات سے بھی استدلال کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"إذا ضن الناس بالدينار و الدرهم و تبايعوا بالعينة و اتبعوا أذناب

البقر وتركوا الجهاد في سبيل الله أنزل الله بهم بلاء فلا يرفعه حتى يراجعوا دينهم"۔

"وفي رواية: إذا تبايعتم بالعينة و أخذتم أذناب البقر و رضيتم بالزرع و تركتم الجهاد ، سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم" (موسوعہ فقہیہ ۹/ ۹۷)۔

مذکورہ بالا پوری بحث کو سامنے رکھکر یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ تورق کی مسؤلہ صورت فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں بالکل ناجائز ہے۔

ہاں امام ابوحنیفہؒ نے بیع عینہ کے فاسد ہونے کے لئے ایک قید لگائی تھی کہ بائع مقرض اور مشتری مستقرض کے درمیان جب کوئی تیسرا شخص نہ آئے تو یہ بیع فاسد ہوگی۔ جس سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر بائع مقرض اور مشتری مستقرض کے درمیان اگر کوئی تیسرا شخص آجائے تو اس بیع کا فساد ختم ہو جائیگا۔ مثلاً بینک سے ایک لاکھ دس ہزار کا ادھار لوہا خریدنے والا "الف" شخص، اس بات کا پابند نہ ہو کہ وہ اس لوہے کو ایک لاکھ میں نقد "ب" شخص، کے ہی ہاتھ فروخت کرے (جو عموماً بینک کا ادارہ ہوا کرتا ہے) بلکہ وہ لوہے کو ایک لاکھ نقد میں فروخت کرنے میں بالکل آزاد ہو، مارکیٹ میں جہاں چاہے فروخت کر کے ایک لاکھ روپے نقد حاصل کر لے تو یہ صورت بیع عینہ سے خارج ہوگئی اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں، کیونکہ اس صورت میں لوہا "مبیع" لوٹ کر بائع اول کے ہاتھ میں نہیں پہنچتا، اور مبیع کا بائع اول کے ہاتھ میں پہنچنا ہی اس کے عدم جواز کا سبب ہے، جیسا کہ شامی میں اس کی صراحت موجود ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

" ثم قال في الفتح ما حاصله : إن الذي يقع في قلبي انه إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع جميع ما أخرجه أو بعضه كعود الثوب إليه في الصورة المارة و كعود الخمسة في صورة اِقراض الخمسة عشر فيكره يعني

تحريماً فإن لم يعد كما إذا باعه المديون فی السوق فلا كراهة فيه بل خلاف الاولی'' (۴۸۱/۷)۔

علامہ شامیؒ نے اس موقعہ پر امام ابو یوسفؒ کے قولِ جواز بلا کراہت کو عدم عود والی صورت پر محمول فرمایا اور امام محمد کے قولِ جواز مع الکراہت کو عود والی صورت پر محمول فرمایا ہے (دیکھئے: شامی ۴۸۱/۷)۔

خلاصہ کلام یہ کہ تورق کی مسئولہ شکل عدم جواز کی ہے۔



مسئلہ تورق فقہاء کی نظر میں

مولانا محی الدین بڑودوی☆

تورق کی یہ صورت بیع عینہ جیسی ہے، بیع عینہ کی تفسیر میں دو رائے ہیں، مقرض (قرض دینے والا) مستقرض (قرض لینے والے) کو بلا نفع قرض دینا نہیں چاہتا، اس لئے مقرض مستقرض سے کہتا ہے: میں قرض تو نہیں دیتا مگر یہ لو یہ کپڑا اگر چاہو تو بارہ درہم میں لے جاؤ، اور بازار میں کپڑے کی قیمت دس درہم ہے، تم بازار میں فروخت کر دینا، مستقرض بارہ درہم میں کپڑا خریدتا ہے، اور دس درہم میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح دس درہم مستقرض کو مل جاتے ہیں، اور مقرض کے مستقرض کے ذمہ بارہ درہم کپڑے کی قیمت کے باقی رہتے ہیں، مستقرض کی فوری ضرورت پوری ہو جاتی ہے، اور مقرض کو دو درہم زیادہ مل جاتے ہیں۔

دوسری تفسیر عینہ کی یہ ہے: مقرض مستقرض کو بارہ درہم میں کپڑا فروخت کر دیتا ہے، اور مستقرض کو سپرد کر دیتا ہے، پھر مستقرض ایک تیسرے شخص کو وہ کپڑا دس درہم میں فروخت کرتا ہے اور کپڑا اس کو دے دیتا ہے، پھر یہ تیسرا شخص یہ کپڑا مقرض کو دس درہم میں فروخت کرتا ہے اور دے دیتا ہے اور مقرض سے دس درہم لے کر مستقرض کو دے دیتا ہے، کپڑے والے مقرض کو بارہ درہم مل جاتے ہیں اور مستقرض کو دس درہم مل جاتے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف کے یہاں بیع العینہ جائز ہے، جو اس پر ضرورت مند کے لئے عمل کرے تو اس کو ماجور قرار دیتے ہیں، یعنی ایسے مقرض کو ثواب ملے گا، اور حضرت امام محمد

☆ جامعہ شمس العلوم بڑودہ۔

فرماتے ہیں کہ یہ بیع میرے دل میں پہاڑ جیسی مذموم ہے سود خوروں نے اس کو ایجاد کیا ہے، فتح القدیر میں فرمایا: یہ بیع خلاف اولی ہے، کیونکہ قرض (حسنہ) کی نیکی سے اس میں اعراض ہے، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

”فی بیع العینة: اختلف المشائخ فی تفسیر العینة التی ورد النهی عنها: قال بعضهم: أن یأتی الرجل المحتاج إلی آخر ویستقرضه عشر ة دراهم، ولا یرغب المقرض فی الإقراض طمعا فی فضل لا یناله بالقرض فیقول: لا أقرضک ولکن أبیعک هذا الثوب إن شئت باثنی عشر درهما، وقیمته فی السوق عشرة لیبیعه فی السوق بعشرة، فیرضی به المستقرض فیبیعه کذلک، فیحصل لرب الثوب درهمان وللمشتری قرض عشرة“۔

”وقال بعضهم: هی أن یدخلا بینهما ثالثا، فیبیع المقرض ثوبه من المستقرض باثنی عشر درهما ویسلمه إلیه ثم یبیعه المستقرض من الثالث بعشرة ویسلمه إلیه ثم یبیعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ویسلمه الیه ویأخذ منه العشرة ویدفعها للمستقرض فیحصل للمستقرض عشرة ولصاحب الثوب علیه اثنا عشر درهما، کذا فی المحیط“۔

”وعن أبی یوسف : العینة جائزة ماجور من عمل بها، کذا فی مختار الفتاوی هندیه، وقال محمد: هذا البیع فی قلبی کأمثال الجبال ذمیم اخترعه آکلة الربا، وقال علیه الصلاة والسلام: ”إذا تبایعتم بالعینه واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظهر علیکم عدوکم“قال فی فتح القدیر: ولا کراهة فیه إلاخلاف الأولی لما فیه من الاعراض عن مبرة القرض“ (ملخصاً ۷ ص ۵۴۱، ۵۴۲ زکریا دیوبند)۔

ظاہر ہے تورق کی مذکورہ صورت اور عینہ کی دوسری صورت میں فرق نہیں ہے، اس لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دیا جا سکتا ہے، لیکن حضرت امام محمد کی بات بھی بالکل نظر

انداز کرنے کے قابل نہیں ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا: (جب تم بیع عینہ کروگے اور گایوں کے دم کے پیچھے لگ جاؤ گے تو ذلت خوری نصیب ہوگی اور تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا)۔

حدیث شریف کے الفاظ غور طلب ہیں: "إذا تبايعتم بالعينة" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع عینہ عام ہوجائے تو "واتبعتم اذناب البقر" یعنی زراعت وتجارت میں انہماک ہوجائے، یعنی یہ طریقہ زراعت وتجارت میں عمومی طور پر اپنایا جائے۔

دور حاضر میں عام طور پر کسان اور تاجر لون لینے کے عادی ہوچکے ہیں، اور لون کا رواج عام ہوگیا ہے، جس کا نتیجہ ذلت وغمخواری کی صورت میں امت بھگت رہی ہے، حضرت امام محمدؒ کے پیش نظر یہی سود خوروں کی جماعت ہے جس نے اپنے سودی ذرائع کے شیوع اور ربا سے مفر کے لئے یہ طریقہ رائج کیا ہے اور جاہلیت میں بھی ایسا کوئی طریقہ رائج تھا جس کا خدشہ نبی کریم ﷺ کو مستقبل میں اپنی امت میں نظر آرہا تھا۔

اس لئے حضرت امام محمدؒ اس بارے میں متشدد نظر آتے ہیں، اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے پیش نظر کسی محتاج مجبور کی انفرادی حیثیت سے ہے، اس لئے وہ انفرادی طور پر ایسا حیلہ کرنے والے کو ماجور قرار دیتے ہیں۔

ہمارے زیر غور مسئلہ میں دیکھنا چاہئے اگر اسلامی بینک سود کا لین دین نہیں کرتے ان کی غرض صرف مجبور محتاجوں کی مدد ہے تو یہ زیادتی جو اس عینہ کے حیلہ سے وصول کرتے ہیں، کس لئے کرتے ہیں؟ اس بینک کے انتظامی امور کے خرچ کے لئے بقدر ضرورت زیادتی لیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے، اگر بیع عینہ میں مقرض کے پیش نظر جس طرح اپنی رقم پر نفع لینا مقصود ہے اس طرح نفع لینا مقصود ہو تو اسلامی بینک کے نام پر سود کا دروازہ کھولنے کی اجازت دینے سے گریز کرنا چاہئے۔

خلاصہ مسئلہ تورق:

حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں بیع العینہ جائز ہے اور حضرت امام محمد کے نزدیک

مذموم ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ کی نظر محتاج کی ضرورت پر اس کی انفرادی حیثیت سے ہے، اور امام محمدؒ کی نظر اجتماعی لحاظ سے سود خوروں کے لئے باب ربا کھولنے کا ذریعہ ہے۔

اس لئے بیع العینہ کی دوسری صورت تورق کی مذکورہ صورت کے موافق ہے، اس لئے انفرادی طور پر اس پر عمل کرنے میں حرج نہیں ہے، مگر اجتماعی طور پر اسلامی بینک اس طریقہ کو اپنائے اور صرف محتاجوں کی ضرورت اور ان کی مدد پیش نظر ہو نفع کمانا مقصود نہ ہو تو گنجائش ہے، مگر خلاف اولی ضرور ہے۔



مسئلہ تورق

مولانا محمد یاسر قاسمی☆

تورق تورق کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے:"تورق الحیوان"(یعنی جانور نے پتہ کھایا) اور ورق بکسر الراء چاندی کا ٹھپہ لگا ہوا دراہم اور بعض نے کہا ہے کہ مطلق چاندی خواہ اس پر ٹھپہ لگا ہوا ہو یا نہ لگا ہوا ہو اور اصطلاح میں تورق یہ ہے کہ ادھار سامان خریدے گا پھر اس کو غیر بائع کو نقد اس سے کم میں بیچ دے گا، جس عوض سے اس کو خریدا تھا تاکہ اس کے ذریعہ نقد روپے حاصل کر سکے۔

اس اصطلاح کا ذکر فقہاء حنابلہ کے علاوہ اور کسی کے یہاں نہیں ملتا، دیگر حضرات فقہاء نے اس کے بارے میں بیع عینہ کے مسائل میں گفتگو کی ہے۔

تورق اور عینہ میں صرف اتنا ربط ہے کہ دونوں کا مقصد نقد روپے حاصل کرنا ہے جبکہ دیگر چیزوں میں ان میں مباینت پائی جاتی ہے، اس لئے کہ عینہ میں سامان کا بائع اول کے پاس لوٹ آنا لابدی ہے، جبکہ تورق میں وہ سامان بائع اول کے پاس لوٹ کر نہیں آتا بلکہ مشتری اپنے خریدے گئے سامان میں حسب منشا تصرف کرتا ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۷)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی تورق کی تعریف کرتے ہیں:

"هو أن يشتري الشخص السلعة إلى أجل ثم يبيعها لغير بائعها الأول نقدا في الحال ويأخذ ثمنها بقصد الحصول على الدراهم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۴۵۷)۔

☆ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم، سرائے میر، اعظم گڑھ۔

تورق کا حکم:

بیع تورق امام مالک کے یہاں مکروہ ہے جبکہ حنابلہ کے یہاں دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں مکروہ ہے، جبکہ دوسری روایت عدم کراہت کی ہے، عدم کراہت یعنی اباحت ہی حنابلہ کا مذہب ہے، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر کرتے ہیں:

"وهو بيع مكروه عند مالك وعند أحمد في إحدى الروايتين عنه ولا يكره في رواية أخرى" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/۳۴۵۷)۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

تمام علماء اس کی اباحت کے قائل ہیں خواہ وہ جنہوں نے اس کا نام تورق رکھا ہے اور وہ حنابلہ ہیں، یا وہ جنہوں نے اس کا یہ نام نہیں رکھا اور وہ حنابلہ کے علاوہ ہیں، دلیل اللہ تعالی کے قول: "وأحل الله البيع" کا عموم ہے اور اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے خیبر کے عامل کو حکم دیا کہ اچھی اور خراب ملی جلی کھجوروں کو دراہم کے بدلہ بیچ دو پھر دراہم کے ذریعہ عمدہ کھجوریں خرید لو، جس کی روایت بخاری نے حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے، اور اس لئے کہ اس میں نہ تو ربا کا قصد ظاہر ہوا اور نہ ہی اس کی صورت اور حضرت عمر بن عبد العزیز اور حضرت محمد بن الحسن الشیبانی نے اس کو مکروہ قرار دیا، ابن ہمام نے کہا کہ یہ خلاف اولی ہے، ابن تیمیہ اور ابن القیم نے اس کی تحریم کو اختیار کیا ہے، اس لئے کہ یہ بیع مضطر ہے جبکہ حنابلہ کے یہاں مذہب اس کا مباح ہونا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۴/۱۴۸)۔

موجودہ زمانہ میں اسلامی بینکوں کی جانب سے اختیار کردہ طریقہ تورق یعنی "الف" کو ایک لاکھ روپئے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے اور وہ اسے "ب" سے ایک لاکھ روپئے نقد میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح "الف" کو ایک لاکھ روپئے کی رقم حاصل ہو جاتی ہے اور "ب" کو دس ہزار روپئے نفع میں مل جاتا ہے، اور عام طور پر "ب" بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے ہی

دس ہزار روپئے نفع حاصل ہوتا ہے" (بینک اور بینک سے منسلک ادارہ شخص واحد کے حکم میں ہے) جسے نفع کو جائز قرار دینے ہی کے لئے تیسرے آدمی کے طور پر داخل کیا گیا ہے اور یہ عین طریقہ عینہ نمبر تین ہے، جس کو امام محمدؒ نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، اس لئے اسلامی بینکوں کا یہ طریقہ تورق مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے جو ربا کے حیلوں میں سے ایک حیلہ ہے جسے حیلہ شرعی قرار دینا ممکن نہیں بلکہ یہ حیلہ محرم ہے اس کی شریعت اسلامیہ میں گنجائش نہیں ہے۔

امام سرخسی حیلہ کا حکم بیان کرتے ہیں:

"الغرض وہ حیلہ جسے آدمی حرام سے بچنے کا یا حلال تک پہنچنے کا ذریعہ بنائے تو وہ بہتر ہے اور اگر کسی کے حق کو پامال کرنے یا کسی باطل کو طلب کرنے یا کسی حق میں شبہ پیدا کرنے کی خاطر حیلہ اختیار کیا گیا تو ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے اور جو پہلے بیان کیا گیا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نیکی اور تقوی کے کام میں تم ایک دوسرے کا تعاون کرو، البتہ گناہ اور سرکشی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو تو معنی اول میں نیکی اور تقوی کے کام پر تعاون کا معنی ہے جبکہ دوسری قسم میں گناہ اور سرکشی پر ایک دوسرے کی مدد کا معنی ہے" (المبسوط للسرخسی ۱۵/۵۲۶۹)۔

جہاں تک حنابلہ کے یہاں اختیار کردہ طریقہ تورق ہے جو ان کے مذہب میں جائز ہے اس کو مکروہ تحریمی نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ یہ طریقہ محض بیع مؤجل ہے، جس میں نہ تو سود کا قصد ہے اور نہ ہی سود کی صورت، اس لئے علمائے حنفیہ کے یہاں بھی یہ جائز ہونا چاہئے، اس لئے کہ خریدنے والا اس میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کرنے پر قادر ہے، جہاں چاہے، جس کو چاہے بازار میں لے جاکر بیچ سکتا ہے، البتہ بیع اول کے وقت تعیین مدت کی شرط لابدی ہے، ورنہ جہالت مدت کی بنیاد پر اس میں فساد پیدا ہو جائے گا، اور جب اس معاملہ کو ہم نے معاملہ بیع مان لیا نہ کہ معاملہ قرض تو "کل قرض جر منفعة فهو ربا" کی خرابی بھی لازم نہ آئی، چنانچہ ابن ہمام اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

''پھر میرے دل کی بات یہ ہے کہ قرض دینے والا جو چیز اپنے پاس سے نکالتا ہے، اگر ایسی صورت اختیار کی گئی کہ تمام یا اس کا بعض اس کے پاس دوبارہ لوٹ کر جارہا ہے، جیسے کپڑے یا ریشم کا پہلی صورت میں لوٹ کر جانا اور جیسے پندرہ درہم قرض دینے کی صورت میں دس درہم کا لوٹ کر جانا یہ مکروہ ہے، ورنہ تو کوئی کراہت نہیں ہے، بلکہ بعض احتمالات میں خلاف اولی ہے، جیسے مدیون محتاج ہو تو جس سے سوال کیا جائے وہ قرض دینے سے انکار کر کے مثلاً دس درہم والی چیز کو پندرہ درہم کے بدلہ ایک مدت کے لئے بیچ دے تو مدیون اس کو خرید کر بازار میں دس درہم نقد میں بیچ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ اجل کے مقابلہ میں بھی ثمن کا حصہ ہوا کرتا ہے، اور قرض دینا اس پر ہمیشہ واجب بھی نہیں ہے، بلکہ مندوب ہے، البتہ اگر وہ دنیا کے محض اضافہ کی خاطر قرض سے اعراض کرے تو یہ مکروہ ہے، اور اگر کسی عارض کی وجہ سے قرض نہیں دیتا تو اس سلسلے مین وہ معذور ہے، اس کا علم تو مخصوص معاملات میں ہی ہو سکتا ہے اور جب تک وہ عین اس کے پاس لوٹ کر نہ جائے تو اسے بیع عینہ نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ اس کا تعلق واپس لوٹائے جانے والے عین سے ہے نہ کہ مطلق عین سے ورنہ تو ہر بیع بیع عینہ ہے'' (فتح القدیر ۶ر ۳۲۴ طبع رشیدیہ کوئیٹہ)۔

تورق اور عینہ کے موضوع پر ابن ہمام کی رائے کو منصفانہ رائے قرار دیا جا سکتا ہے، جس میں مسئلہ کے ہر ایک جزء کی معقول توضیح موجود ہے، جس کی تلخیص ہم یوں کر سکتے ہیں:

۱- عینہ محرمہ کے تحقق کے لئے بائع کے پاس جمیع مبیع یا بعض مبیع کا لوٹنا ضروری ہے۔

۲- اگر بعض مبیع یا کل مبیع بائع کے پاس لوٹ کر نہ جائے تو یہ عینہ نہیں ہے۔

۳- نقد اور ادھار بیع میں ثمن کے مابین اختلاف ہو سکتا ہے۔

۴- عام حالات میں قرض دینا مندوب ہے۔

۵- زیادہ دنیا طلبی کے حرص میں قرض مانگنے والے کو قرض نہ دینا مکروہ ہے۔

۶- اور اگر کسی عارض کی بنیاد پر قرض نہ دے تو وہ معذور ہے۔

۷- کسی مدیون کی ضرورت سے فائدہ اٹھا کر عام قیمت سے زیادہ میں بیچنا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی ہے۔

پہلی شق کی روشنی میں ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارے اسلامی بینکوں میں تورق کی اختیار کردہ صورت حنابلہ کا تورق نہیں، بلکہ یہ عینہ ہے جس کی شریعت میں ممانعت آئی ہے، اور دوسری شق کی روشنی میں حنابلہ کے تورق کا جواز معلوم ہوتا ہے، جبکہ ساتویں شق کی روشنی میں ہمیں پتہ چلا کہ حنابلہ کا تورق فقہ حنفی کی رو سے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی ہے، ابن ہمام کے اس نظریہ کی تائید درمختار کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

"وفیها شراء الشیئ الیسیر بثمن غال لحاجة القرض یجوز ویکره وأقره المصنف" (ردالمحتار علی الدر ۷/۳۹۶ طبع زکریا)۔

(قنیہ میں ہے: معمولی چیز کو گراں قیمت میں قرض کی ضرورت سے خریدنا مع الکراہۃ جائز ہے، اور مصنف نے اس کی توثیق کی ہے)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: **"وکذالک إذا أقرض رجلا دراهم أو دنانیر لیشتری المستقرض من المقرض متاعا بثمن غال فهو مکروه"** (الہندیہ ۳/۲۰۲)۔

(اوراسی طرح جس کسی آدمی کو دراہم یا دنانیر اس لئے قرض دے تا کہ مستقرض مقرض سے کوئی سامان گراں قیمت میں خریدے تو یہ مکروہ ہے)۔

خلاصہ یہ کہ اسلامی بینکوں میں رائج صورت تورق، تورق نہیں بلکہ عینہ ہے، جو مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے، اسلامی بینکوں میں حنابلہ کے تورق کے نفاذ کی گنجائش نکل سکتی ہے، تاہم سد اللباب اس سے بھی گریز کرنا چاہیے، مبادا یہ تورق سے نکل کر عینہ نہ بن جائے۔

☆☆☆

تورق کا مسئلہ

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی☆

مسئلہ کی وضاحت:

بیع عینہ اور تورق کی جو تفصیلات فقہی ذخائر میں دستیاب ہیں ان کے لحاظ سے مختلف شکلیں بنتی ہیں، علامہ شامی نے مختصراً اکثر صورتوں کا تعارف کرایا ہے (درمختار ۴/ ۳۱۰، کتاب الکفالۃ، مطلب: بیع العینہ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ پاکستان)۔

اصیل نے کفیل سے کہا کہ تم لوگوں سے ایک نوع کا کپڑا خریدو اور فروخت کرو، جتنا نفع بائع کو تم سے ہوگا اور جتنا نقصان تم کو اس سے ہوگا وہ میرے ذمہ ہے، چنانچہ کفیل، تاجر کے پاس آتا ہے اور اس سے قرض طلب کرتا ہے، تاجر اس سے (قرض پر) نفع چاہتا ہے لیکن سود سے ڈرتا ہے، اس لئے تاجر اس شخص سے مثال کے طور پر دس روپئے کا کپڑا، پندرہ روپئے میں ادھار بیچتا ہے، کفیل اس کپڑے کو بازار میں دس روپئے میں بیچتا ہے، اس طرح اس کو دس روپئے مل جاتے ہیں، اور بیچنے والے تاجر کے اس پر ایک مدت کے لئے پندرہ روپئے واجب رہ جاتے ہیں۔

یا تاجر اس کو پندرہ روپئے قرض دیتا ہے، پھر وہی قرض خواہ اس سے دس روپئے کا کپڑا پندرہ روپئے میں بیچتا ہے اور جو دراہم بطور قرض دیا تھا، کپڑے کا ثمن کہہ کر لے لیتا ہے، نتیجتاً اس کے ذمہ پندرہ روپئے قرض باقی رہ جاتے ہیں۔

۳- اس کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ کپڑا اسی کو لوٹ جائے، جیسا کہ پہلی صورت میں

☆ خادم حدیث مدرسہ حسینیہ کایم کلم کیرالا۔

تاجر خریدار ۲ سے خرید لے اور اس کو قیمت دے دے تا کہ مشتری اول (یعنی کفیل) کو دے دے، اس تاجر نے مشتری اول سے اس لئے نہیں خریدا تا کہ قیمت ادا ہونے سے قبل جتنے میں بیچا ہے اس سے کم قیمت میں خریدنے سے بچ سکے۔

۴-نیز اس کی ایک مشہور معروف شکل یہ ہے کہ بائع نے ضرورت مند کے ہاتھ کوئی سامان ادھار بیچا، پھر فوراً اس سے کم قیمت میں اس کو خرید لیا، چونکہ مستقرض کو پیسے کی سخت ضرورت ہوتی ہے لہذا اس طرح کرنے پر مجبور ہوتا ہے (فتح الباری ۴ر ۵۰۴، کتاب البیوع، باب: إذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ، مطبوعہ اشرفیہ دیوبند، اصول البیوع الممنوعہ للشیخ عبدالسمیع ۱۰۲، بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ، وہبہ زحیلی ۵ر ۳۴۵۴)۔

اسی طرح بیع العینہ کی کل چار شکلیں بنتی ہیں، دوسری شکل کے علاوہ ہر صورت میں ظاہر کے لحاظ سے خرید وفروخت ہے، البتہ دوسری شکل میں قرض اور خرید وفروخت دونوں جمع ہیں۔

ان شکلوں کے احکام میں علماء کا اختلاف ہے۔

قرض وبیع دونوں جمع ہونے والی صورت کا حکم:

بائع اولاً قرض دیتا ہے، پھر اس سے اپنا مال زیادہ قیمت میں بیچ کر قرض کو ثمن کہہ کر واپس لے لیتا ہے، امام محمد اور علامہ کرخی جائز فرماتے ہیں، جبکہ خصاف اور حلوانی وغیرہ حرام اور مکروہ قرار دیتے ہیں، علامہ شامی نے مذکورہ اختلاف ذکر کر کے خواہر زادہ کی بڑی اچھی تطبیق پیش کی ہے:

”ولکن اشتری المستقرض من المقرض بعد القرض متاعا بثمن غال فعلی قول الکرخي لا بأس به ، وقال الخصاف: ما أحب له ذلک، وذکر الحلواني أنه حرام، لأنه یقول، لو لم أکن اشتریته منه طالبني بالقرض في الحال، ومحمد لم یربذلک بأسا، وقال خواهر زاده: ما نقل عن السلف محمول علی ما إذا کانت المنفعة مشروطة وذلک مکروه بلا خلاف، وما

ذکرہ محمد محمول علی ما إذا کانت غیر مشروطة وذلک غیر مکروہ بلا خلاف" (ردالمحتار ۴؍۱۹۵ باب: المرابحہ والتولیہ فصل فی القرض، مطلب: کل قرض جر نفعا مطبوعہ پاکستان)۔

(لیکن قرض لینے والا، قرض کے بعد قرض دینے والے سے کوئی سامان زیادہ قیمت میں خریدے تو کرخی کے قول کے مطابق کچھ حرج نہیں، خصاف فرماتے ہیں: مجھے یہ پسند نہیں، علامہ حلوانی نے ذکر کیا ہے کہ یہ حرام ہے، اس لئے کہ قرض لینے والا کہے گا: اگر میں نے اس سے یہ سامان نہیں خریدا تو مجھ سے قرض کا مطالبہ فی الفور کرے گا، امام محمد کچھ حرج نہیں سمجھتے ہیں۔

خواہر زادہ کہتے ہیں کہ: سلف سے جو منقول ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ منفعت مشروط ہو اور یہ بالاتفاق مکروہ ہے، امام محمد نے جو ذکر کیا ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ نفع غیر مشروط ہو جس کے عدم کراہت پر اتفاق ہے)، دراصل اس صورت کا مدار اس حدیث پر ہے جس کو امام بیہقی نے اپنی سنن میں تخریج کی ہے: "کل قرض جر منفعة فھو وجه من وجوہ الربا" (سنن کبری: ۵؍۳۵۰، کتاب البیوع، باب کل قرض جر الخ مطبوعہ دار الفکر)۔

یہ اگرچہ بیہقی کے بیان کے مطابق فضالۃ بن عبیدؓ پر موقوف ہے، لیکن اس معنی کی دیگر حدیثوں سے مؤید ہے جس کی بنا پر فقہ کا اہم قاعدہ ہو گیا ہے۔

ملا علی قاری و دیگر شارحین حدیث، نیز فقہاء کی یہی رائے ہے کہ یہ اس وقت ہے جبکہ صلب عقد میں شرط ہو، بغیر شرط اگر کچھ نفع ہو جائے تو کچھ حرج نہیں ہے بلکہ قرض ادا کرنے کے بعد کچھ اضافہ کرنا سنت مصطفیٰ ﷺ ہے (الدر مع الرد ۴؍۱۹۴، باب المرابحہ والتولیہ فصل فی القرض، مطلب: کل قرض جر الخ، مطبوعہ پاکستان، مرقاۃ المفاتیح ۶؍۶۹، کتاب البیوع باب الربا، الفصل الثالث، مطبوعہ اشاعت الاسلام دہلی)۔

پہلے ادھار بیع پھر نقد خرید:

وہ شکل جس میں بائع اولا ادھار بیچتا ہے، بعدہ کم قیمت میں نقد خرید لیتا ہے، اس کی اصل حضرت عائشہؓ کا ایک ارشاد ہے جو دار قطنی میں سند ضعیف کے ساتھ، لیکن سنن بیہقی میں ایسی

سند کے ساتھ مروی ہے جس پر صرف راوی حدیث حضرت ام محبۃ کی جہالت کی جرح پائی جاتی ہے، جو اولاً طبقہ تابعین میں ہیں پھر خواتین میں سے ہیں جن کے لئے جہالت کوئی جرح نہیں ہے۔

حضرت ام محبہ واقعہ بیان کرتی ہیں کہ: کسی حج کے موقع پر میں نے حضرت عائشہؓ سے ذکر کیا کہ زید بن ارقمؓ سے میں نے ایک غلام ادھار آٹھ سو درہم میں بیچا، پھر میں نے حضرت زیدؓ سے چھ سو میں نقد خرید لیا، حضرت عائشہ یہ سن کر برہم ہوگئیں اور کہنے لگیں: "أبلغي زيداً أن قد أبطلت جهادك مع رسول الله ﷺ إلا أن تتوب، بئسما شريت، وبئسما اشتريت" (زید کو کہہ دو کہ تیرا رسول اللہ ﷺ کے معیت میں جہاد کرنا بے کار ہوگیا، الا یہ کہ تو توبہ کرلے، بہت ہی بری خرید وفروخت ہوئی (سنن بیہقی ۵/۳۳۱، کتاب البیوع، باب الرجل يبيع الشئ إلى أجل ثم يشتريه بأقل مطبوعہ دار الفکر، دار قطنی ۳/۴۶، کتاب البیوع: حدیث ۲۹۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)۔

حضرت عائشہؓ برہم ضرور ہورہی ہیں لیکن بیع وشراء ختم کرنے کی تاکید نہیں کررہی ہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ام محبہ حقیقت میں حضرت زید کی ام ولد ہیں، صورۃ یہ بیع ضرور ہے لیکن حقیقت میں سارا مال حضرت زید ہی کا ہے۔

بیہقی نے اس قسم کا اور ایک قصہ نقل کیا ہے، جس میں حضرت ابن عمرؓ نے بھی اس طرح کے معاملے کی اجازت دی ہے۔

اسی لئے فقہاء کے مابین اختلاف ہوگیا، امام شافعیؒ اس طرح کے معاملہ کو جائز کہتے ہیں، امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی مسلک ہے (دیکھئے: رد المحتار ۴/۳۱ کتاب الکفالۃ، مطلب بیع العینہ مطبوعہ رشیدیہ پاکستان، فتح الباری ۴/۵۰۴ کتاب البیوع باب: إذا أراد بيع تمر بتمر خير منه مطبوعہ اشرفیہ دیوبند)۔

جبکہ دوسرے فقہاء ناجائز کہتے ہیں۔

خرید وفروخت میں تیسرے شخص کی شمولیت:

اگر خرید وفروخت میں تیسرے شخص کی شمولیت ہوجائے جیسے بائع نے ضرورت مند

سے کوئی سامان بیچا اس ضرورت مند نے مارکیٹ میں اس کو بیچ کر نقد روپیہ حاصل کرلیا، یہ تورق کی بعینہ شکل ہے، پھر کبھی وہ سامان بائع کے پاس لوٹ جاتا ہے، بایں طور کہ بائع اول نے بعینہ وہی مال مشتری ثانی سے خرید لیا اور اس کو پیسے دے دیئے کہ تم بائع ثانی کو قیمت ادا کردو، جو شاید موجودہ اسلامی بینکوں کے طریقہ کار کے بہت حد تک مشابہ ہے۔

امام محمدؒ تو ان دونوں شکلوں کے لئے بھی "هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم، اخترعه أكلة الربا" کا تنبیہی اور تہدیدی جملہ ارشاد فرماتے ہیں، جس سے خیال یہی ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ طریقہ کار ناجائز ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ سے جواز کا قول منقول ہے۔

علامہ شامیؒ دونوں کا محاکمہ کر کے تحریر فرماتے ہیں:

بیع العینہ اس شکل میں ممنوع ہے، جس میں مبیع عود کر کے بائع کے پاس آجائے، جیسا کہ (ان کے یہاں کے مطابق) تیسری شکل میں ہو رہا ہے، اگر عود نہ کرے تو وہ ممنوع عینہ نہیں ہے۔

امام ابو یوسف کے قول کا محمل وہی شکل ہے جس میں عود نہیں کرتا ہے اور امام محمد کے قول کا محمل وہ شکل ہے جس میں عود کرتا ہے، نیز عدد کی صورت میں بھی کراہت متفق علیہ نہیں بلکہ مختلف فیہ ہے (خلاصہ: ردالمحتار ۴/۳۱۱، کتاب الکفالۃ، مطلب: بیع العینہ مطبوعہ رشیدیہ پاکستان)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، ایجاب وقبول جو اصل رکن ہیں وہ پائے جارہے ہیں، ارادہ فاسدہ جو کہ امر مخفی ہے اس کا تعلق اللہ سے ہے، معاملات میں ظاہر پر مدار ہوتا ہے، یہ ایک حیلہ ہے سود سے بچنے کے لئے اور ایسا حیلہ جو مباح طریقہ سے ہو، اور مقصود احقاق حق، یا ابطال باطل، یا پھر اجتناب عن الحرام والکراہیۃ ہو تو جائز بلکہ بعض اوقات مستحسن ہے۔

حضرت کی یہ بات بہت حد تک قرین قیاس بھی ہے، فقہاء حنفیہ میں سے علامہ سرخسی نے ایک باب ہی "باب الحیل" کے نام سے قائم کیا ہے، اور اس کے جواز کے دلائل، نیز اس کی

مختلف صورتیں اور احکام کو ذکر کیا ہے۔

جواز حیلہ کی سب سے مضبوط دلیل بخاری شریف کی وہ روایت ہے جس کے راوی حضرت ابوسعید خدریؓ وحضرت ابوہریرہؓ ہیں: "أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا علی خیبر فجاءه بتمر جنیب، فقال رسول الله ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله يا رسول الله! إنا لنا خذ الصاع من هذا بالصاعين، والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا" (بخاری شریف ۱ر ۲۹۳ کتاب البیوع باب إذا أراد بیع تمر بتمر خیر منہ)۔

(حضور ﷺ نے ایک صحابی کو خیبر کا عامل مقرر کیا، چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں عمدہ کھجوریں لے کر آئے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی عمدہ ہوتی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول، بلکہ ہم اس کا ایک صاع دو صاع کے بدلے اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ تمام کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچ دیا کرو اور پھر دراہم سے اچھی کھجوریں خرید لیا کرو)۔

یہ حدیث جواز حیلہ کی بہترین دلیل ہے، اس میں بھی سود سے بچنے کیلئے خرید وفروخت کی ترتیب بدل دی گئی۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے بیع العینہ کے جواز پر استدلال کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: یہ حدیث مطلق ہے، جس شخص سے بیع کا معاملہ ہوا ہے خواہ اسی شخص سے شراء کا بھی معاملہ ہو یا دوسرے شخص سے، اسی مجلس میں ہو یا بعد میں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تیسرے شخص کی شمولیت کی وجہ سے خواہ وہ تیسرا شخص حقیقت میں تیسرا ہو یا تیسرے کے درجہ میں ہو ربا کا تحقق نہیں ہوتا ہے۔

لیکن راقم کو اس میں تھوڑا تردد ہے، بیع العینہ میں ''شی واحد'' پر خرید وفروخت دو مرتبہ واقع ہوتی ہے، جبکہ حدیث پاک میں خرید وفروخت کا تعلق ایک مرتبہ ''جمع'' سے ہے، تو دوسری

مرتبہ ''جنیب'' سے ہے، ہاں ممکن ہے ''جمع'' جو کہ مخلوط کے معنی میں ہے اسمیں ''جنیب'' کی بعض مقدار ہوگی لیکن اولاً یہ متیقن نہیں پھر وہ تابع بن کر ہے، ربا کے باب میں جہاں عاقدین کا اتحاد معتبر ہے، وہیں ''مبیع'' کا اتحاد بھی مؤثر ہوتا ہے، حدیث پاک میں مبیع کے اتحاد کو ہی ختم کر دیا گیا ہے، اس لئے اس سے بیع العینہ کے مطلق جواز پر استدلال محل نظر معلوم ہوتا ہے۔

ہر چند کہ حنفیہ کے یہاں بھی خاص طور پر معاملات میں ظاہر کا اعتبار ہوتا ہے، ظاہر میں چونکہ بیع و شراء ہے اس لئے امام ابو یوسف کا میلان بھی جواز کی طرف معلوم ہوتا ہے، لیکن احادیث (خاص طور پر وہ حدیث جس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے، اور سکوت بھی کیا ہے: إذا تبایعتم بالعینۃ الخ ابوداؤد ۲؍۱۳۴ کتاب البیوع، باب فی النھی عن العینۃ) اور فقہی نصوص سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر مبیع کا اتحاد ختم ہو جائے یا پھر تیسرے ایسے شخص کی شمولیت ہو جائے کہ اس کے واسطے سے وہ شی عاقدین میں سے کسی کے پاس نہ پہنچ سکے تو شافعیہ کی طرح حنفیہ کے یہاں بھی بلا کراہت معاملہ صحیح ہوگا، ورنہ شافعیہ کے مسلک کے مطابق تو صحیح ہوگا لیکن حنفیہ کے مسلک کے مطابق جواز مع الکراہت رہے گا۔

اسلامی بینکوں کے موجودہ نظام اور اس کے برانچ بینکوں کی صورت حال کو متعین کرنا ہوگا، اگر دونوں کا تعلق غلام و آقا کی طرح ہے تب تو اسلامی بینکوں کا طریقہ کار شافعیہ مسلک کے مطابق صحیح ہے، حنفیہ کے یہاں کراہت سے خالی نہیں لیکن اگر تعلق ایسا ہے کہ ایک کی منفعت سے دوسرے کو کوئی فائدہ نہیں تب تو حنفیہ کے یہاں بھی بلا کراہت جائز ہوگا۔



مسئلہ تورق شریعت کی روشنی میں

مولانا محمد فاروق دربھنگوی☆

شریعت غرا میں اغراض ومقاصد کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے بلکہ بہت سی اخروی کامیابی وکامرانی، اور خسران اور نقصان کا یہی مبنی ہیں، اسی لئے نصوص میں ان کے صحت کو واجب اور ان کے فساد سے احتراز کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اور فقہاء واصولیین نے "الأمور بمقاصدها" جیسے کلیہ پر سینکڑوں جزئیات کے صحت وفساد کو مرتب فرمایا ہے، اور اسی لئے حیلہ کے اقسام اربعہ طریق محمود لغرض محمود، طریق مذموم لغرض مذموم، طریق محمود لغرض مذموم، اور طریق مذموم لغرض محمود اپنے احکام کے اعتبار سے مختلف ہیں، جیسا کہ اس سلسلے میں حضرت امام محمد کی صراحت موجود ہے کہ اگر کوئی مسلمان حیلہ اس لئے کرتا ہے تاکہ حرام سے بچ جائے، یا حلال تک پہنچ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ ایسا حیلہ جس میں ابطال حق یا احقاق باطل ہو، یا اس کی وجہ سے حق میں شک وشبہ ہو تو وہ حرام ہے۔

"ونقل أبو حفص الكبير راوى كتاب الحيل عن محمد بن الحسن أن محمدا قال: ما احتال به المسلم حتى يتخلص به من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال فلا باس به، وما احتال به حتى يبطل حقا أو يحق باطلا أو ليدخل به شبهة فى حق فهو مكروه، والمكروه عنده إلى الحرام أقرب" (فتح الباری ۱۲؍۴۱۰ مکتبہ اشرفیہ)۔

☆ جامعہ دار الاحسان، بارڈولی، سورت گجرات۔

(کتاب الحیل کے راوی ابوحفص کبیر، حضرت امام محمدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ امام محمدؒ نے فرمایا: ایسا حیلہ جس کے ذریعہ مسلمان حرام سے بچ جائے یا اس کے ذریعہ حلال کو حاصل کرلے، کوئی حرج نہیں، البتہ ایسا حیلہ جس سے ابطال حق یا احقاق باطل لازم آئے یا اس کی وجہ سے کسی امر واقعی میں شک وشبہ کی گنجائش پیدا ہوجائے مکروہ ہے، اوران کے نزدیک مکروہ قریب قریب حرام کے ہوتا ہے)۔

آج بہتر ے ادارے، مراکز، اور سوسائٹیاں، اسلامی بینکوں کے عنوان سے مصروف کارنظر آتے ہیں، اور سودی معاملہ پر حسین برق زرحلال لبادہ پوشی کے ذریعہ اپنے اصل مقاصد میں راہ ترقی پر گامزن ہیں، جن کا اصل مقصود ذخیرہ اندوزی، شکم پروری کے علاوہ اور کچھ نہیں، یا کچھ امت کا افادہ مقصود بھی ہو تو غرض فاسد کی آمیزش ضرور ہوتی ہے، ان ہی حیلہ ساز اداروں کے طریقہ کار میں مسئلہ تورق بھی ہے، لہذا اس پر شرعی نقطہ نظر سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ جائز ہے یا نہیں۔

تو مسئلہ تورق کی جو صورت سوال میں مذکور ہے وہ بھی بیع عینہ کی متعدد صورتوں میں سے ایک ہے، اس لئے کہ بعض علماء نے ''بیع عینہ'' کی یہی حقیقت بیان کی ہے کہ مقرض بجائے نقد قرض دینے کے ''عین'' کو عام قیمت سے زائد قیمت میں، مستقرض کے ہاتھ بیچ دے، تاکہ مستقرض اس ''عین'' کو بیچ کر اپنا مقصود حاصل کرلے اور مقرض بھی اپنے مقصد ''تحصیل زیادتی'' میں کامیاب ہوجائے، جیسا کہ علامہ سید شریف جرجانی ''التعریفات'' میں بیان فرماتے ہیں:

''هی أن یاتی الرجل رجلا یستقرضه فلا یرغب المقرض فی الإقراض طمعا فی الفضل الذی لا ینال بالقرض، فیقول أبیعک هذا الثوب باثنی عشر درهما إلی أجل وقیمته عشرة، ویسمی عینة لأن المقرض أعرض عن القرض إلی بیع العین'' (کتاب التعریفات/۱۱۶)۔

(عینہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے پاس بغرض قرض آئے، لیکن مقرض قرض دینے کے

لئے تیار نہ ہو کیونکہ قرض دینے میں مقرض کو مطلوبہ زیادتی حاصل نہیں ہو سکتی، تو وہ مستقرض سے کہتا ہے کہ میں یہ دس روپے کا کپڑا تمہارے ہاتھ ایک متعین مدت تک کے لئے بارہ روپے میں بیچتا ہوں، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مقرض بجائے قرض دینے کے عین دینے کو تیار ہوتا ہے)۔

اس تعریف کا خلاصہ نقد قرض دینے سے اعراض کرنا اور زیادہ قیمت میں عین کو بیچنا ہے، اس تعریف میں یہ ضروری نہیں ہے کہ مستقرض اس چیز کو دوبارہ مقرض ہی سے کم قیمت میں بیچ دے یا اس کے علاوہ کسی اور سے بیچ دے، لہذا یہ تعریف اپنے عموم کی وجہ سے ذکر کردہ ''مسئلہ تورق'' کو شامل ہے۔

البتہ حضرت علامہ شامیؒ نے کتاب البیوع باب الصرف کے آخر میں بیع عینہ کی مذکورہ تعریف پر اضافہ کیا ہے کہ: مقرض کم قیمت کی چیز زائد ثمن کے بدلہ مستقرض سے بیچ دے، تاکہ مستقرض اس کو بازار میں عام نرخ کے مطابق بیچے، ''**ولکن أبیعک هذا الثوب إن شئت باثنی عشر درهما وقیمته فی السوق عشرة لیبیعه فی السوق بعشرة فیرضی به المستقرض فیبیعه کذلک**'' (شامی ۷/۴۲۱ دار الکتاب)، تو اس تعریف سے بالکل واضح ہے کہ خریدی ہوئی چیز خود مقرض سے نہیں بیچی جائے گی بلکہ بازار میں کسی اور سے بیچی جائے گی، اور مسئلہ تورق میں بھی ایسا ہی ہے کہ مقرض کے علاوہ کسی اور شخص سے خریدی ہوئی چیز بیچی جاتی ہے جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے۔

اور علامہ نجم الدین نسفی نے ''طلبۃ الطلبہ'' میں عینہ کی تعریف یہ کی ہے کہ تاجر اپنے سامان کو ایک متعین مدت تک کے لئے ادھار بیچ دے پھر وہی تاجر مشتری سے کم ثمن کے بدلہ خرید لے، گویا اس تعریف کا خلاصہ اشتراء ما باع باقل ثمنہ ہے۔

''**المراد بالعینه بکسر العین المهملة، بیع التاجر سلعته بثمن إلی أجل ثم یشتریها منه بأقل من ذلک الثمن**'' (الدراری المظیہ ۲/۹۱ کما فی التعلیق علی الشامی ۷/۴۲۱)۔

(عینہ بکسر العین سے مراد تاجر کا اپنا سامان ایک متعین مدت تک کے لئے ایک ثمن کے

پھر بیچنا پھر اسی سامان کو اس ثمن سے کم قیمت میں خرید لینا)۔

تو اس تعریف کے ظاہر سے مسئلہ تورق اگر چہ منفرد معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر مشتری ثانی خود بینک کا منسلک ادارہ ہو تو عینہ کی یہ تعریف ''تورق'' کو شامل ہوگی، کیونکہ یہاں بھی شراء باقل مما باع کا لزوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ''مسئلہ تورق'' کی صورت مسئولہ بیع عینہ میں داخل ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے، لہذا بیع عینہ کا حکم تورق کا حکم ہے، اور بیع عینہ کے حکم کے بارے میں ہمارے علماء حنفیہ کے یہاں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے صرف جائز ہی نہیں بلکہ اجر وثواب قرار دیا ہے، جبکہ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ ہمارے دل پر پہاڑ کی طرح گراں محسوس ہوتا ہے۔

"وعن ابی یوسف: العینة جائزة ماجور من عمل بها کذا فی مختار الفتاوی" (شامی ۲/۱۴۲)، **"وقال الشامی فی موضع آخر"، "قال أبویوسف: لا یکره هذا البیع لأنه فعله کثیر من الصحابة وحمدوا علی ذلک، ولم یعدوه من الربا، وقال محمد: هذا البیع فی قلبی کأمثال الجبال ذمیم اخترعه آکلة الربا"** (شامی ۷/۴۸۰)۔

(حضرت امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ یہ بیع مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس معاملہ پر بہت سے صحابہ کرام عمل پیرا رہے ہیں، اور اس کی تحمید کی ہے، اور نہ اس قسم کے معاملہ کو سود میں شمار کیا ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ بیع میرے دل میں پہاڑ کے مانند گراں محسوس ہوتی ہے، کیونکہ یہ سود خوروں کی ایجاد ہے)۔

علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: اگر اس معاملہ میں ایسی صورت اختیار کی گئی کہ مقرض کی بیچی ہوئی چیز، کل یا بعض، دوبارہ اسی کے پاس عود کر گئی، تو یہ مکروہ تحریمی ہے، جیسے کہ تورق کی صورت مسئولہ، کہ اس میں بینک سے منسلک ادارہ سے فروخت کیا جاتا ہے، اور

دوبارہ وہ بینک ہی کے قبضہ میں عود کر جاتی ہے۔

لیکن اگر عود نہیں کی جیسے کہ مشتری مدیون نے بازار میں کسی دوسرے سے فروخت کردی تو اس صورت میں یہ معاملہ بلا کراہت درست ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں ادھار بیچ زیادہ قیمت کے عوض میں ایک متعین مدت تک کے لئے ہورہی ہے، تو گویا یہ زیادتی ثمن اَجل کے مقابلہ میں ہے، اور یہ بالکل جائز ہے، لیکن قرض دینا چونکہ امر مندوب ہے اور اس کو محض دنیا کی حرص وہوس اور زیادتی اموال کی وجہ سے چھوڑنا پایا جاتا ہے اس لئے خلاف اولی ہے۔

"ثم الذی یقع فی قلبی أن ما یخرجه الدافع إن فعلته صورة یعود فیها إلیه هو أو بعضه......فمکروه وإلا فلاکراهة فیه إلا خلاف الأولی علی بعض الاحتمالات" (فتح القدیر ۱۹۹/۷)۔

(پھر جو بات میرے دل میں آئی وہ یہ ہے کہ مقرض اگر ایسی صورت کے ذریعے مستقرض کو عین دے دے کہ اس میں مقرض کی طرف کل عین یا بعض عین عود نہ کرتا ہو تو وہ مکروہ ہے ورنہ کوئی کراہت نہیں، البتہ بعض احتمالات کی صورت میں خلاف اولی کا لزوم ہوتا ہے)۔

علامہ السید ابوالسعود نے مذکورہ صورت عود پر امام محمدؒ، اور عدم عود پر حضرت امام ابویوسفؒ کے قول کو محمول فرما کر دونوں قول کے مابین تطبیق دی ہے، **"وجعله السید أبوالسعود محمل قول أبی یوسف و حمل قول محمد والحدیث علی صورة العود"** (شامی ۴۸۱/۷)۔

خلاصہ:

مذکورہ تفصیلات سے خلاصہ جواب یہ نکلا کہ:

سوال میں ذکر کردہ تورق: جس میں خریدا ہوا لوہا بینک کے منسلک ادارہ سے کم قیمت پر بیچ دیا جاتا ہے ناجائز وحرام ہے، اس لئے کہ بینک کے منسلک ادارہ کا خریدنا حقیقت میں بینک

ہی کا خریدنا ہے، لہذا بینک کا زیادہ قیمت میں بیچ کر کم قیمت میں خریدنا لازم آیا، "لأن بيع وكيله بإذنه كبيعه بنفسه "(شامی ۷/۱۹۶)۔

البتہ بینک صرف لوہا بیچ دے، اور مشتری اس بینک کے علاوہ کسی اور دکاندار سے اپنی مرضی کے مطابق فروخت کردے تو یہ صورت خلاف اولی کے ساتھ جائز ہوگی۔

☆☆☆

تورق-وضاحت اور حکم

مولانا عبید اللہ ندوی☆

تورق کی لغوی تعریف:

"التورق من الورق-بكسر الراء-الفضة المضروبة، وقيل: الفضة مضروبة كانت أو غير مضروبة" (مختار الصحاح مادہ ورق طبع دار الفکر بیروت لبنان، المعجم الوسیط، ص ۱۰۲۶ کتب خانہ حسینیہ دیوبند) (لفظ تورق "ورق" سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں چاندی کے، خواہ وہ ڈھلے ہوئے سکے کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں)، یہ لفظ قرآن کریم میں سورہ کہف میں بھی اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے: "فابعثوا أحدكم بورقكم هذه إلى المدينة" (سورۂ کہف/۱۹) (تو اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ (چاندی کا سکہ) دے کر شہر میں بھیجو)۔

تورق تفعل کے وزن پر ہے اور باب تفعل کی ایک خاصیت تکلف ہے یعنی آدمی کا بتکلف مشقت سے وہ کام کرنا جس کا وہ اہل نہ ہو، جیسے تحلم بتکلف بردبار بننا، تشجع، بتکلف بہادر بننا وغیرہ، اس اعتبار سے تورق کے معنی ہوں گے آدمی کا حصول مال و زر میں مشقت اور کوشش کرنا (مجلۃ البحوث الفقہیہ العدد الرابع والسبعون در نزیہ حماد)۔

تورق کی اصطلاحی تعریف:

اس کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے: "أن يشتري المرء سلعة نسيئة، ثم يبيعها نقدا لغير البائع بأقل مما اشتراها به، ليحصل بذلك على النقد" (آدمی

☆ فلاح المسلمین، رائے بریلی۔

کوئی سامان ادھار خریدے پھر بائع کے علاوہ کسی اور آدمی کے ہاتھ وہ سامان خریدی ہوئی قیمت سے کم میں نقد بیچ دے تا کہ نقد مال حاصل ہو جائے)۔

تورق ایک اصطلاح ہے، جس کا مکمل تذکرہ فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتا ہے، دوسرے ائمہ نے اس کا ذکر صراحۃً نہیں بلکہ ضمناً کیا ہے، شافعیہ کے نزدیک یہ اصطلاح ''زرنقۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔

تورق کا حکم:

جہاں تک تورق کے جواز اور عدم جواز کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

۱- بیع تورق (مذکورہ بالا طریقہ سے حصول مال وزر کی سعی وکوشش) جمہور فقہاء یعنی حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک جائز ہے۔

۲- بیع تورق ناجائز اور حرام ہے، یہ قول امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے، اسی قول کو شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیمؒ نے اختیار کیا ہے (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/ ۳۰ طبع دار عالم الکتب، اعلام الموقعین ۳/ ۱۷۰)۔

ایک قول تورق کی کراہت کا بھی ملتا ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور امام محمد بن الحسن الشیبانی کی طرف منسوب ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۸ بحوالہ البحوث الفقہیہ المعاصرہ)، لیکن حنفیہ کی جن فقہی کتب کی عبارتوں کے حوالے سے ان بزرگوں کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے وہ صراحت کے ساتھ بیع عینہ کے متعلق ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہدایہ جلد ثالث کتاب البیوع، باب البیع الفاسد ص ۵۷، نیز ہدایہ مع الفتح ۶/ ۶۸ باب مذکور)۔

قائلین جواز کے دلائل:

۱- درج ذیل آیات کے عموم سے جمہور فقہاء استدلال کرتے ہیں، بایں طور کہ ان میں اور ان جیسی دیگر آیات میں بیع کو مطلق جائز قرار دیا گیا ہے۔

الف:"أحل الله البيع و حرم الربا"(سورۂ بقرہ:۲۷۵)(حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔

ب-"وقد فصل لكم ما حرم عليكم"(سورۂ انعام:۱۱۹)(اللہ نے تم کو ان تمام چیزوں کی تفصیل بتادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے)۔

ج-"يأيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم"(سورۂ نساء/۲۹)(اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ، الا یہ کہ آپس کی باہمی رضامندی سے کوئی تجارت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے)۔

۲-"عن أبي سعيد الخدري و أبي هريرة رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر فجاءه بتمر جنيب، فقال رسول الله ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله يا رسول الله! إنا لنا خذ الصاع من هذا بالصاعين، والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا تفعل، بع الجمع بالدراهم، ثم ابتع بالدراهم جنيبا"(بخاری کتاب البیوع باب إذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ، حدیث نمبر:۲۲۰۱،۲۲۰۲)۔

(حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کو خیبر کا عامل مقرر کیا، چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں عمدہ کھجوریں لے کر آئے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی عمدہ ہوتی ہیں؛ انہوں نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول! بلکہ ہم اس کا ایک صاع دو صاع کے بدلے اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ تمام کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچ دیا کرو اور پھر دراہم سے اچھی کھجوریں خرید لیا کرو)۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے سود سے بچنے کا ایک حیلہ ان صحابی کو بتایا ہے، اور تورق بھی سود سے بچنے کا ہی ایک حیلہ ہے، لہذا جائز اور درست ہوگا۔

۳-تورق بھی عام مشروع تجارتوں کی طرح ایک تجارت ہے، جس طرح عام تجارتوں میں نقد، ادھار، کبھی نفع کے ساتھ کبھی بغیر نفع بیچنا جائز ہے، اسی طرح تورق میں بھی جواز ہونا چاہئے۔

۴-عقود، شروط اور بیوع میں اصل اباحت ہے اور بیع تورق بھی ایک عقد ہی ہے، جس کی حرمت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، لہذا وہ اپنی اصل (اباحت) پر باقی رہے گا۔

۵-جن علماء نے تورق کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے انہوں نے اس کو بیع عینہ پر قیاس کیا ہے، حالانکہ یہ قیاس درست نہیں ہے، کیونکہ بیع عینہ کی حرمت کی علت (اس کا سودی قرض کا ذریعہ اور وسیلہ ہونا) اس میں نہیں پائی جاتی ہے۔

مانعین جواز کے دلائل:

۱-"عن علیؓ: أن النبي ﷺ نهى عن بيع المضطر" (ابوداؤد کتاب البیوع باب فی بیع المضطر، رقم الحدیث ۳۳۸۲، مسند احمد ۲/ ۲۵۲ رقم ۹۳۷) (حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مضطر کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

اور ان حضرات کے بقول یہ بھی حالت اضطرار کی بیع ہے، لہذا ناجائز ہوگی۔

۲-"إنما الأعمال بالنيات" (بخاری باب کیف کان بدء الوحی، حدیث نمبر:۱) (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)، نیز فقہ کا ایک اصول ہے: "الأمور بمقاصدها" (امور میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے) اور ظاہری بات ہے کہ یہاں بیع تورق میں بائع ومشتری دونوں کی نیت خرید وفروخت نہیں ہے بلکہ خرید وفروخت صرف تحلیل "ربوا" کے لئے ہے، مشتری کو قرض کی ضرورت ہے اور بائع قرض دے کر نفع اٹھانا چاہتا ہے۔

۳-عدم جواز کے قائلین میں علامہ ابن القیمؒ بھی ہیں جو تورق کو صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ حرام قرار دیتے ہیں، وہ اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں اپنی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"المعنى الذى لأجله حرم الربوا موجود فيها بعينه مع زيادة الكلفة

بشراء السلعة وبيعها والخسارة فيها" (اعلام الموقعین ۳/۱۸۲) (جس علت کی وجہ سے ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے، بعینہ وہی علت بیع تورق میں بھی پائی جاتی ہے، نیز خرید وفروخت اور اس میں خسارہ کی کلفت ومشقت مزید ہے)۔

راجح قول:

حقیقت کا علم تو اللہ کو ہی ہے، لیکن فریقین کے دلائل کا جائزہ لینے سے جو بات اقرب إلی الصواب معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ تورق مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر جائز ہونا چاہیے:

۱- تورق سے مشتری کی نیت تحلیل ربا نہیں بلکہ اس سے بچنا اور دوری اختیار کرنا ہے، لہذا "إنما الأعمال بالنيات" اور "الأمور بمقاصدها" والا اصول بطور دلیل پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

۲- تورق کو بیع مضطر کہنا بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ اس قبیل سے نہیں بلکہ حاجت اور ضرورت کے قبیل سے ہے، چنانچہ امام خطابی اپنی کتاب "معالم السنن" اور علامہ ابن الاثیر "النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر" میں تحریر فرماتے ہیں: "بيع المضطر يكون من وجهين: أحدهما أن يضطر إلى العقد من طريق الإكراه عليه، فهذا فاسد لا ينعقد، والثاني: أن يضطر إلى البيع لدين يركبه أو مؤنة ترهقه فيبيع ما في يده بالوكس من أجل الضرورة" (معالم السنن ۵/۴۷، النہایہ ۳/۸۲)۔

(بیع مضطر دو طرح کی ہوتی ہے: ایک یہ کہ اسے عقد پر مجبور کیا جائے، دوسرے یہ کہ کسی بوجھل کر دینے والے قرض یا پریشان کن نفقہ (خرچ) کی وجہ سے بیع پر مجبور ہو جائے اور اس کے قبضہ میں جو کچھ ہو ضرورتا اسے کم قیمت پر فروخت کر دے)۔

نیز حدیث مضطر سے استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے، چنانچہ امام خطابی فرماتے ہیں: "في اسناده رجل مجهول" (معالم السنن ۳/۸۷، مسند احمد ۲/۲۵۲)۔

۳- رابطہ عالم اسلامی کی "المجمع الفقہی الاسلامی" نے اپنے پندرہویں اجلاس منعقدہ

۱۱ر رجب ۱۴۱۹ھ بمقام مکہ مکرمہ میں جو قراردادیں پاس کیں اس میں ایک یہ تھی "أن بيع التورق جائز شرعا وبه قال جمهور العلماء لأن الأصل في البيوع الإباحة لقول الله: أحل الله البيع وحرم الربوا" (بیع تورق شرعاً درست ہے، جمہور علماء اسی کے قائل ہیں، اس لئے کہ بیوعات میں اصل اباحت ہے، فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے "اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے)۔

نیز مملکت عربیہ سعودیہ کی "اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء" نے بھی اپنے فتوی نمبر ۱۶۴۰۲ کے آٹھویں سوال کے جواب میں تحریر کیا ہے: "أما مسئلة التورق فمحل خلاف، والصحيح جوازها"، اسی طرح سعودیہ عربیہ کے سب سے پہلے مفتی شیخ محمد بن ابراہیم اور شیخ عبداللہ بن باز اور شیخ صالح عثیمین نے بھی چند شرائط کے ساتھ جواز کا فتوی دیا ہے (ملاحظہ ہو: مجلة البحوث الفقهية المعاصرة العدد السابع والسبعون ص ۲۵۶ تا ۲۵۸ در عبد العزیز بن علی عزیر الغامدی)۔

تورق بذریعہ بینک:

جہاں تک اس تورق کا تعلق ہے جو اسلامی بینکوں نے جاری ورائج کیا ہے وہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر شرعاً ناجائز ہے:

۱- اس میں بیع عینہ (جو شرعاً ممنوع ہے) سے مشابہت پائی جاتی ہے، نیز اس کو تورق (جس کی صراحت فقہاء نے کی ہے) کہنا مشکل ہے، کیونکہ سوالنامہ میں جو شکل بیان کی گئی ہے کہ مثلاً "الف" کو ایک لاکھ روپئے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے، اور اسے "ب" سے ایک لاکھ روپئے نقد میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح "الف" کو ایک لاکھ کی رقم حاصل ہو جاتی ہے، اور "ب" کو دس ہزار روپئے نفع مل جاتا ہے اور عام طور پر "ب" بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے (بینک کو) ہی دس ہزار روپئے نفع حاصل ہوتا ہے، اگر چہ اس میں ظاہرا الگ الگ فریق سے بیع نظر

آرہی ہے لیکن وہ بالواسطہ بائع اول ہی کا خریدنا ہے جو کہ ایک طرح کا سود حاصل کرنے کا ایک حیلہ ہے۔

۲- نیز ضرورت مند اور محتاج کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے دو بیع کرنا لازم ہے اور حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے، "نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة" (ترمذی کتاب البیوع، باب ماجاء فی النہی عن بیعتین فی بیعۃ حدیث نمبر ۱۲۳۱) (رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

"عن ابن مسعودؓ: نهى رسول الله ﷺ عن صفقتين في صفقة" (مسند احمد ۱/ ۳۹۸)۔

۳- یہ معاملہ اکثر و بیشتر حالات میں اس شرعی قبضہ (جو معاملہ کی صحت کے لئے لازم ہے) سے خالی ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ کلام یہ کہ تورق جائز اور عینہ ناجائز ہے، لیکن بینکوں نے تورق کا جو طریقہ رائج کیا ہے وہ صرف نام کا تورق ہے، فی الحقیقت وہ عینہ ہی ہے، اس لئے وہ ناجائز اور حرام ہے، الا یہ کہ اس کو خالص تورق کی شکل دے دی جائے۔

البتہ علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں یہ مسئلہ لکھا ہے: "لو اشترى وكيل البائع بأقل من الثمن الأول جاز عنده خلافالهما، لأن تصرف الوكيل عنده يقع لنفسه، فلذا يجوز للمسلم أن يؤكل ذميا بشراء خمر و بيعها عنده وعندهما عقد الوكيل كعقده" (فتح القدیر ۱/ ۶۸ کتاب البیوع باب بیع الفاسد) (اگر بائع اول کا وکیل ثمن اول سے کم پر خریدے تو امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے، برخلاف صاحبین کے، اس لئے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک وکیل کا تصرف خود اسی کے لئے ہوتا ہے، اسی لئے مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ ذمی کو شراب کی خرید و فروخت کا، امام صاحبؒ کے نزدیک وکیل بنائے، اور

صاحبین کے نزدیک وکیل کا عقد موکل کے عقد کی طرح ہے)۔

اس اعتبار سے اگر ذیلی ادارہ ''ب'' کو مرکزی ادارہ ''الف'' کا وکیل مان لیا جائے تو اسلامی بینکوں کی طرف سے جاری کردہ تورق کے جواز کا فتوی دینے میں کوئی کلام نہیں ہونا چاہیئے، نیز اس لئے بھی کہ موجودہ زمانے میں جہاں ہر طرف سودی کاروبار زوروں پر ہے اور سودی لین دین اس قدر عام ہوگیا ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہے اگر حلال دروازے نہیں کھولے گئے تو لوگ حرام اور سودی دروازے تلاش کریں گے، لہذا امام صاحبؒ کے قول کو اختیار کر کے بینکوں کی طرف سے جاری کئے ہوئے تورق کے جواز کا فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیئے۔



تورق کی صورت جائز ہے یا نہیں؟

مولانا امداد اللہ قاسمی☆

سوالنامہ میں تورق کی جو صورت ذکر کی گئی ہے وہ بیع عینہ سے بہت حد تک مشابہ ہے، کیونکہ علامہ شامی نے بیع عینہ کی دو تفسیریں نقل کی ہیں، فرماتے ہیں:

"اختلف المشائخ فی تفسیر العینة التی ورد النهی عنها، قال بعضهم: تفسیرها أن یأتی الرجل المحتاج إلی آخر ویستقرضه عشرة دراهم، ولا یرغب المقرض فی الإقراض طمعا فی فضل لا یناله المقرض، فیقول: لا أقرضک، ولکن أبیعک هذا الثوب إن شئت باثنی عشر درهما، وقیمته فی السوق عشرة، لیبیعه فی السوق بعشرة، فیرضی به المستقرض فیبیعه کذلک، فیحصل لرب الثوب درهمان و للمشتری قرض عشرة وقال بعضهم: هی أن یدخلا بینهما ثالثا، فیبیع المقرض ثوبه من المستقرض باثنی عشر درهما ویسلمه إلیه، ثم یبیعه المستقرض من الثالث بعشرة ویسلمه إلیه، ثم یبیعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ویسلمه إلیه ویأخذ منه العشرة ویدفعها للمستقرض، فیحصل للمستقرض عشرة، ولصاحب الثوب علیه اثنا عشر درهما کذا فی المحیط" (شامی ۴؍۲۴۴)۔

ان میں سے دوسری تفسیر تورق کی مذکورہ صورت سے زیادہ قریب ہے، نیز یہ بھی معلوم

☆ معین المدرسین دارالعلوم دیوبند۔

ہوا کہ بیع عینہ میں قرض دینے والے ہی کے ہاتھوں اس سامان کا کم قیمت پر فروخت کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ خریدار کوئی تیسرا شخص بھی ہوسکتا ہے، خواہ اس تیسرے کا پہلے سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو، پھر علامہ شامی نے آگے چل کر (۲۷۹/۴) پر بھی بیع عینہ کی متعدد صورتیں ذکر کی ہیں جو ان تفسیروں سے ملتی جلتی ہیں۔

بیع عینہ کا حکم:

بیع عینہ مفتی بہ قول کے مطابق مکروہ ہے، البتہ اس کی کراہت مختلف فیہ ہے، اور علامہ شامی نے فتاوی ہندیہ کے حوالے سے امام ابویوسف کا قول بیع عینہ کے جواز کا نقل کیا ہے:

"وعن أبي يوسف العينة جائزة ماجور من عمل بها" (شامی ۲۷۷/۴)، البتہ امام محمد کے نزدیک اس بیع میں کراہت ہے، فرماتے ہیں:

"قال محمد: هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم، اخترعه آكلة الربا، وقد ذمهم رسول الله ﷺ فقال: إذا تبايعتم بالعين واتبعتم أذناب البقر ذللتم وظهر عليكم عدوكم" (ایضا) پھر علامہ ابن الہمام سے نقل کیا ہے کہ یہ کراہت صرف خلاف اولی کی حد تک ہے۔

"قال في الفتح: ولا كراهة فيه إلا خلاف الأولى، لما فيه من الإعراض عن مبرة القرض" (شامی ۲۷۷/۴)، اور آگے ۲۷۹ پر ابن ہمام ہی سے کراہت تحریمی اور خلاف اولی دونوں قولوں میں تطبیق ذکر کر کے اسی کو علماء کا مؤید اور ظاہر الروایۃ قرار دیا ہے، اس تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ اگر مقرض کے پاس بعینہ وہ چیز جو اس نے قرض خواہ کو دی ہے، کل یا بعض لوٹ کر آئے تو یہ بیع مکروہ تحریمی ہوگی، اور اگر وہ شئی مقرض کی طرف نہ لوٹے بلکہ قرض خواہ وہ شئی بازار میں کسی کے ہاتھوں بیچ دے تو یہ صرف خلاف اولی بیع ہوگی، الغرض بیع عینہ بیع صحیح ہے، البتہ اس کی کراہت مختلف فیہ ہے۔

تورق کی مذکورہ صورت کا حکم:

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تورق کی یہ صورت بیع عینہ سے ملتی جلتی ہے، اور بیع عینہ خلاف اولی یا زیادہ سے زیادہ مکروہ تحریمی ہے تو تورق کا بھی یہی حکم ہوگا، بلکہ خلاف اولی والی بات تورق کے لئے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ اس میں خریدار بظاہر ایک تیسرا شخص ہوتا ہے، البتہ اتنا ملحوظ رکھا جائے کہ دیگر ذرائع نہ ہونے ہی کی صورت میں اس پر عمل کیا جائے، تا کہ کراہت اور خلاف اولی کے ارتکاب سے محفوظ رہا جاسکے۔

حاصل کلام:

متبادل نہ ہونے کی صورت میں تورق کے مذکورہ طریقہ کا استعمال جائز ہے، البتہ خلاف اولی ہے۔



تورق کا مسئلہ

مولانا افتخار احمد مفتاحی☆

اسلامی بینکوں کا طریقہ تورق اختیار کرنا مثلاً ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے، اور اسے ''ب'' سے ایک لاکھ روپئے نقد میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ کی رقم حاصل ہو جاتی ہے، اور ''ب'' کو دس ہزار روپئے نفع مل جاتا ہے اور عام طور پر ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے (بینک کو) ہی دس ہزار روپئے نفع حاصل ہوتا ہے، تورق کی یہ صورت بظاہر ''بیع عینہ'' سے ملتی جلتی ہے اور بیع عینہ کے سلسلہ میں صاحب ردالمختار علامہ شامیؒ نے مختار الفتاوی کے حوالہ سے امام ابو یوسفؒ کے جواز کا قول نقل کیا ہے اور امام محمدؒ کے ناپسندیدگی کا قول بیان کیا ہے۔

''وعن ابی یوسف: العینة جائزة ماجور من عمل بها كذا فی مختار الفتاوی هنديه وقال محمد: هذا البيع فی قلبی كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربا وقال عليه الصلوة والسلام: إذا تبايعتم بالعينة واتبعتم أذناب البقر ذللتم وظهر عليكم عدوكم''۔

''قال فی الفتح ولا كراهة فيه إلا خلاف الأولی، لما فيه من الإعراض عن مبرة القرض''۔

☆ استاذ جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

خلاصہ کلام یہ کہ ربا سے بچنے کے لئے یہ شکل اختیار کی گئی ہے، اس لئے امام ابو یوسفؒ کے قول کو مدنظر رکھتے ہوئے جواز کا فیصلہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔



مسئلہ تورق

مولانا نعیم اختر قاسمی☆

تورق یا بیع عینہ کی جو صورت بیان کی جاتی ہے اس سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس میں متعاقدین کا اصل مقصد سودی قرض کا معاملہ کرنا ہوتا ہے، اس کے جواز کے لئے یہ حیلہ اختیار کیا جاتا ہے کہ اس کو بیع کی شکل دے دی جاتی ہے، گویا تورق میں ایک غیر شرعی معاملہ کو حیلہ کے ذریعہ جائز بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

نصوص شرعیہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انفرادی معاملہ میں بوقت ضرورت آخری چارہ کار کے طور پر حیلہ اختیار کرنے کی گنجائش ہے لیکن کسی اجتماعی معاملہ میں حیلہ کو بنیادی اور مرکزی حیثیت دے دینا کسی طور پر درست نہیں، کیونکہ ایسا کرنے سے شریعت کا مقصود ہی سرے سے فوت ہو جائے گا۔

قرض دینے کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، قرض دینا ایک کار خیر اور ثواب کا کام ہے، جذبہ ترحم کے تحت اس کے ذریعہ کسی ضرورت مند کی ضرورت وقتی طور پر پوری کی جاتی ہے، اس پر سود لینا یا کسی بھی قسم کا نفع اٹھانا اسی لئے حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس سے معاشرہ کے اندر جذبہ اخوت کی جگہ خود غرضی پیدا ہوتی ہے اور روحانیت کی جگہ مادیت کو فروغ ملتا ہے۔

اب اسی سودی قرض کو ظاہراً بیع کی شکل دے کر حیلہ کے ذریعہ اجتماعی طور پر جائز بنا لینا مقصد شریعت کے سراسر مغائر ہوگا، لہذا ''تورق'' کی جو صورت بیان کی گئی ہے، وہ مقصد شریعت

☆ مدرسہ عربیہ مصباح العلوم کوپا گنج، مئو۔

سے متصادم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگی، اگرچہ بیع عینہ کے برخلاف اس کے اندر دو سے زائد واسطے اختیار کئے جائیں، کیونکہ مقصد ایک ہے یعنی حیلہ کے ذریعہ سودی قرض کا معاملہ کرنا۔

رہی یہ بات کہ بعض فقہاء نے بیع عینہ کو جائز کہا ہے تو اس کو بوقت ضرورت انفرادی صورتحال پر محمول کیا جاسکتا ہے نہ کہ اجتماعی صورت حال پر۔



تورق

مولانا محمد مغفور باندوی

اسلام نے ہمیشہ ہی اپنے ماننے والوں کو مال حلال کی طرف راغب کیا ہے ارشاد نبی ﷺ ہے:

"نعم المال الصالح للرجل الصالح" اور مال حرام سے منع کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: "أحل الله البيع وحرم الربا" (سورۂ بقرہ)، اور کسب حلال پر انعام اور حرام پر عذاب کا وعدہ کیا ہے۔

بیع عینہ کی تعریف وتفسیر:

فقہاء حنفیہ کے نزدیک وہ بیع عینہ جس کے سلسلہ میں حدیث میں نہی وارد ہوئی ہے کی تفسیر میں اختلاف ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے فقہاء کے حوالہ سے اس کی دو تفسیریں ذکر کی ہیں:

۱۔ بعض حضرات کے نزدیک عینہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ضرورت مند شخص دوسرے سے قرض کے طور پر دس درہم کا مطالبہ کرے اور مقرض کو قرض دینے کے سلسلہ میں زیادتی کی نہ تو کوئی لالچ ہو اور نہ کوئی امید اور اس مقرض کو حاصل ہونے والی زیادتی قرض کے واسطہ سے نہ ہو بلکہ یہ قرض دینے والا محتاج سے یہ کہے کہ میں تم کو قرض نہیں دے رہا ہوں بلکہ تمہارے ہاتھوں اس کپڑے کو بارہ درہم میں فروخت کر رہا ہوں اگر تم چاہو؟ اور اس کپڑے کی قیمت بازار میں دس درہم ہو اب یہ محتاج شخص بازار میں جا کر اس کپڑے کو دس درہم میں فروخت کردے تو ایسی صورت میں اس محتاج کو قرض بھی مل جائے گا اور مقرض کو دو درہم کا نفع بھی حاصل ہو جائے گا۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عینہ کی تفسیر یہ ہے کہ ایک محتاج شخص دوسرے کے پاس آئے اور دس درہم قرض کا مطالبہ کرے اور مقرض کو قرض دینے کے سلسلہ میں زیادتی کی لالچ نہ ہو اور یہ زیادتی قرض کے ذریعہ حاصل نہ ہو رہی ہو، مقرض یہ کہے کہ میں تم کو قرض نہیں دے رہا ہوں بلکہ اگر تم چاہو تو یہ کپڑہ بارہ درہم میں مجھ سے خرید لو درانحالا کہ اس کپڑے کی قیمت بازار میں دس درہم ہوتا کہ اس کو بازار میں بیچ دے، اور مستقرض اس پر راضی ہو جائے اور اس کپڑے کو بازار میں بیچ دے، لہذا اس کپڑے والے (مقرض) کو دو درہم کا نفع ہو جائے اور مستقرض کو قرض مل جائے" (الرد مع الدر کتاب البیوع ۷/۴۲۱)۔

۲-عینہ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا شخص شامل ہو جائے، اولا مقرض اپنے سامان کو محتاج کے ہاتھ بازار سے زائد قیمت پر فروخت کر دے اب یہ تیسرا شخص بازار کی قیمت پر اس سامان کو اس محتاج سے خرید کر اسی قیمت (بازار کی) پر اصل مالک (مقرض) کو بیچ دے اور مالک سے ثمن مثل لے کر مستقرض کے حوالہ کر دے، لہذا بائع اول (مقرض) کو دو درہم کا فائدہ ہو گیا اور مستقرض کو قرض مل گیا۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ان دونوں کے ساتھ تیسرا شخص شامل ہو جائے، مقرض اپنے کپڑے کو مستقرض سے بارہ درہم میں بیچے اور اس کے حوالہ کر دے، پھر مستقرض اس تیسرے شخص کے ہاتھوں اس کپڑے کو دس درہم میں بیچ دے، پھر یہ تیسرا شخص کپڑے والے (اور وہ مقرض ہے) کے ہاتھوں دس درہم میں اس کپڑے کو فروخت کر دے اور کپڑا اس کے سپرد کر دے اور اس سے دس درہم لے کر مستقرض کو دے دے، لہذا مستقرض کو دس درہم مل گئے اور کپڑے والے کو اس پر بارہ درہم" (الرد مع الدر کتاب البیوع ۷/۴۲۱)۔

علامہ شامی کی فقہاء کے حوالہ سے بیان کردہ اس دوسری تفصیل اور بینکوں میں رائج

تورق والی صورت میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ جس طرح تورق میں اصل خریدار خود بینک ہوتا ہے اور یہ دوسری کمپنی جو قرض دار سے اس سامان کو خریدتی ہے اس کی حیثیت بظاہر تو خریدار کی ہوتی ہے لیکن درحقیقت اصل خریدار وہ بینک ہوتا ہے کیونکہ وہ کمپنی اسی بینک ہی کی ہوتی ہے، اسی طرح عینہ کی اس دوسری تفسیر کے مطابق یہ تیسرا شخص بھی سوائے واسطے کے اور کچھ نہیں ہے، اور اصل خریدار یہ صاحب ثوب ہے نہ کہ یہ تیسرا، لہٰذا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

علامہ خلیل احمد سہارنپوری بذل المجہود میں عینہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنا کوئی سامان دوسرے سے ادھار فروخت کرے اور ثمن اور مدت دونوں متعین اور معلوم ہو، اور پھر خود بائع ہی اس کو نقد اس سے کم قیمت میں خرید لے اس کو عینہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

"باب النهي عن العينة: هو أن يبيع من رجل سلعة بثمن معلوم إلى أجل مسمى ثم يشتريها منه باقل من الثمن الأول" (بذل المجہود باب فی النہی عن العینہ ۲۷۶/۴) (عینہ وہ کسی شخص کا اپنے سامان کا ثمن معلوم کے بدلہ معلوم مدت کے فروخت کرنا ہے پھر اسی سامان کو نقد ثمن اول سے کم میں خرید لینا ہے)۔

مولانا سہارنپوری مزید لکھتے ہیں کہ اگر بائع کی موجودگی میں ہی مشتری وہی سامان کسی دوسرے سے بائع کے ثمن سے بھی زیادہ میں خرید لے اور یہ بیع بھی ادھار ہو اور مشتری اس پر قبضہ کرلے، اور اس کے بعد مشتری اسی سامان کو جو اس نے بائع اول کے علاوہ سے خریدا ہے، بائع اول کے ہاتھوں نقدا کم قیمت میں بیچ دے تو یہ صورت بھی عینہ میں داخل ہے، البتہ حکم کے لحاظ سے یہ پہلی صورت سے کم تر ہے۔

علامہ ابن تیمیہ سے عینہ کے سلسلہ میں متعدد سوالات کیے گئے، انہوں نے جو جواب دیے اور اس سے عینہ کی جو وضاحت ہوتی ہے وہ بعینہ وہی ہے جو مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی عبارت سے ظاہر ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"إذا باع السلعة إلى أجل واشتراها من المشتري بأقل من ذلك حالا

فهی تسمی مسالة العینه"(مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/۴۴۶)۔

حنابلہ کے نزدیک عینہ کی تعریف:

صاحب الروضۃ المربع علامہ بہوتی نے اولا اس کی تین شکلیں کی ہیں:

۱-بائع اول مشتری سے اتنی ہی قیمت میں اس سامان کو نقدا خرید لے۔

۲-بائع اس سامان کو نقدا ادھار ثمن سے کم میں اس سامان کو خرید لے۔

۳-بائع ادھار ثمن سے زیادہ میں اس سامان کو خرید لے۔

بیع عینہ کا حکم:

عینہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کے مابین زبردست اختلاف ہے۔

چنانچہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ عینہ اکثر علماء کے نزدیک ناجائز ہے، اور صحابہ میں سے حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ اور انس بن مالکؓ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

"**مسألة العينة وهي غير جائز عند أكثر العلماء كأبي حنيفة ومالك واحمد وغيرهم وهو الماثور عن الصحابه كعائشة وابن عباس وأنس بن مالك**"(مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۲۹/۴۴۶)۔

(عینہ اکثر علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے، جیسے ابوحنیفہ، مالک اور احمد وغیرہ، اور یہی صحابہ سے منقول ہے، جیسے عائشہؓ، ابن عباسؓ اور انس بن مالکؓ وغیرہ)۔

عینہ کا یہی حکم صاحب المغنی ابن قدامہ اور علامہ بہوتی کی عبارات سے واضح ہوتا ہے، چنانچہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"**مسألة: قال: من باع سلعة بنسيئة لم يجز أن يشتر يها بأقل مما باعهابه وجملة ذلك أن من باع سلعة بثمن مؤجل ثم اشتراها بأقل منه نقدا لم يجز في قول أكثر اهل العلم...... روى عن ابن عباس وعائشة والحسن...... وأجاز الشافعي لأنه لمن يجوز بيعها به من غير بائعها فجاز من بائعها كما لو**

باعها بمثل ثمنها" (المغنی باب مسألة العینة ۴/۲)۔

(مسئلہ: جس شخص نے اپنا سامان ادھار بیچا اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس سامان کو بیچی ہوئی قیمت سے کم میں خرید لے پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ وہ شخص جس نے اپنا کوئی سامان ادھار بیچا اور اس کے بعد اسی سامان کو نقد اس سے کم میں خرید لیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، اور یہ بات حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ اور حسن سے روایت کی گئی ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص کے لئے اس سامان کا بائع کے علاوہ سے بیچنا جائز ہے اس کے لئے بائع کے ہاتھوں بھی اس سامان کا بیچنا جائز ہوگا، ایسا ہی جیسا کہ اس کے لئے ثمن مثل کے بدلہ بیچنا جائز ہے)۔

اور علامہ بہوتی فرماتے ہیں:

"(نقدا بدون ما باع به نسيئة) أو حالا لم يقبض (لا بالعكس لم يجز) لأنه ذريعة الى الربا وتسمى مسألة العينة وقوله بالعكس يعنى لا إن اشتراه بأكثر مما باعه به فانه جائز كما لو اشتراه بمثله وأما عكسه مسألة العينة بأن باعه سلعة بنقد ثم اشتراه منه بأكثر منه نسيئة فنقل أبو داؤد يجوز بلا حيلة" (الروضۃ المربع ۱۹۱/۲)۔

(بائع نے سامان کو نقد ادھار قیمت سے کم میں خرید لیا یا نقد قیمت سے کم میں سامان کو خرید لیا جس پر اس نے قبضہ نہیں کیا تھا تو یہ جائز نہیں ہے، اور اس کے برعکس جائز ہے، جائز اس لئے نہیں ہے کہ یہ ربا کا ذریعہ ہے، اور اس کا نام عینہ ہے، اور برعکس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بائع نے ثمن سے زیادہ میں خریدا ہے تو یہ جائز ہے، ایسے ہی جیسا کہ ثمن مثل میں خریدنا جائز ہے، اور اس کے برعکس بھی عینہ ہے، اس طور پر کہ بائع اپنا سامان نقدا بیچے اور پھر اس کو ادھار نقد قیمت سے زیادہ میں خرید لے، البتہ ابوداؤد نے اس کے سلسلہ میں نقل کیا ہے کہ یہ جائز ہے بغیر کسی حیلہ کے)۔

حنفیہ کے عینہ کے سلسلہ میں دو نقطہ نظر سامنے آتے ہیں:

۱-امام محمد عینہ کی کراہت کے قائل ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربا" (الرد مع الدر کتاب البیوع ۷/۴۲۱)۔

اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں: "بيع العين بالربح وهو مكروه، أي عند محمد وبه جزم في الهداية" (الرد مع الدر باب الکفالہ ۷/۴۸۰)۔

۲-اور امام ابو یوسف عینہ کے جواز کے قائل ہیں، علامہ شامی ابو یوسف کا قول نقل کرتے ہیں: "وعن ابي يوسف العينة جائز ماجور من عمل بها كذا في مختار الفتاوى (الهنديه)" (الرد مع الدر کتاب البیوع ۷/۴۲۱)۔

دلائل:

جو حضرات عدم جواز کے قائل ہیں ان کے پیش نظر ابوداوٗد کی ایک روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم لوگ عینہ کے ذریعہ بیع وشرا کرنے لگو گے اور صرف جانور پالنا ہی تمہارا کام رہ جائے گا، اور تم کاشت پر ہی راضی ہو جاؤ گے، اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلیل لوگوں کو مسلط کردے گا۔

"إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقر ورضيتم الزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا" (رواہ ابوداوٗد باب النہی عن العینۃ ۲/۴۹۰)۔

ان حضرات کی ایک دوسری دلیل حضرت عائشہؓ کا اثر ہے، جس کو ابن تیمیہ اور ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے:

"كما قالت أم ولد زيد بن أرقم لعائشة إني بعت غلاما إلى العطاء بثمانمأة وابتعته بستمائة نقدا فقالت لها عائشة: بئس ما اشتريت وبئس ما شريت! أخبري زيدا انه قد أبطل جهاده مع رسول الله ﷺ إلا ان يتوب" (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۹/۴۳۹)۔

اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام نے یہ بیع کی ہے اور اس کی تعریف کی ہے اور اس کو باب ربا میں بھی شمار نہیں کیا (الردمع الدر کتاب البیوع ۷؍۴۲۱)۔

خلاصہ:

عند الاحناف عینہ کے سلسلہ میں اختلاف کراہت اور عدم کراہت کا ہے، جبکہ دوسرے فقہاء کے مابین اختلاف جواز اور عدم جواز کا ہے، چنانچہ امام شافعیؒ عینہ کے جواز کے قائل ہیں، اور امام احمد، امام مالک اور ابن تیمیہ عدم جواز کے قائل ہیں۔

مانعین کی دلیل کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی وعید ترک جہاد پر ہے نہ کہ عینہ کے ذریعہ بیع وشراء پر، کیونکہ اسی حدیث کا اگلا جز "أخذتم أذناب البقر ورضیتم بالزرع" ہے اور کاشت کاری کرنا اور جانوروں کا پالنا کسی کے نزدیک بھی ناجائز نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عینہ کے ذریعہ بیع وشراء کرنا بھی ناجائز نہیں ہے۔

رہ گئی بات حضرت عائشہؓ کے قول وعمل کی تو بہت سے صحابہ سے اس بیع کا کرنا بھی منقول ہے جیسا کہ ابو یوسف نے نقل کیا ہے اور اگر یہ بیع ناجائز ہوتی تو صحابہ کرام اس طریقہ پر کبھی بیع وشرا نہ کرتے۔

☆☆☆

تورق کا مسئلہ اسلامی نقطہ نظر سے

مفتی محمد معز الدین قاسمی☆

سوالنامہ میں اسلامی مالیاتی بینکوں کے لئے ضرورت مند لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر جو تورق کی شکل فقہ حنبلی سے لی گئی ہے، جس کی عملی شکل کسی قدر فرق کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی میں بیع عینہ کی صورت میں بھی ہے۔

اس میں فقہ حنفی میں بڑا کلام کیا گیا ہے، اگر چہ امام ابو یوسفؒ کے قول کے اعتبار سے بیع عینہ نہ صرف جائز ہے بلکہ اس پر عمل کرنے والے کو اجر ملے گا، ملاحظہ ہو:

"وعن أبی یوسف: العینة جائزة ماجور من عمل بها كذا فی مختار الفتاوی" هندیه (شامی ۴/ ۲۲۴)۔

اس کے برخلاف امام محمدؒ بیع عینہ کو ناجائز کہتے ہیں، ملاحظہ ہو:

"قال محمدؒ: هذا البیع فی قلبی كأمثال الجبال ذمیم اخترعه آكلة الربا" (شامی ۱/ ۲۴۴، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۴/ ۲۹ کتاب البیوع)، حضرت انسؓ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا "فقال: إن الله لا یخدع هذا مما حرم الله و رسوله"۔

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: "فسئل ابن عباسؓ عن ذلك فقال: إن الله لا یخدع هذا مما حرم الله ورسوله"۔

امام اوزاعی کے حوالہ سے ابن بطہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے

☆ مہتمم دار العلوم اورنگ آباد۔

فرمایا: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں لوگ سود کو بیع (خرید وفروخت) کہہ کر جائز قرار دیں گے، اور بیع سے انہوں نے بیع عینہ مراد لی، اس روایت کو ابن قیم نے اعلام الموقعین میں ذکر کیا ہے۔

علامہ نوویؒ نے "من المناهي بيع العينة" ذکر کیا ہے، اسی طرح علامہ عبدالحمید محمود طہاز نے اپنی مشہور ومعروف کتاب الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید کے کتاب البیوع میں صاف تحریر کردیا ہے:

"فهؤلاء الصحابة مثل عائشةؓ و ابن عباسؓ وأنس بن مالكؓ أفتوا بتحريم ذلک وغلظوا فيه في اوقات مختلفة" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۳۱/۴)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ امر منقح ہوتا ہے کہ بیع عینہ جس کے بارے میں احادیث، اقوال صحابہؓ اور فقہی تصریحات ممانعت کی زیادہ ہیں۔

لہذا اس مسئلہ کو ضرورت شدیدہ کے تحت لاکر تو کچھ بحث کی جاسکتی ہے ورنہ عام حالات میں اس سے اجتناب ہی اولی معلوم ہوتا ہے۔

اب یہ کہ نقد رقومات حاصل کرنے والے افراد کتنے ہیں اور ان کی یہ ضرورت ضرورت شدیدہ میں آتی ہے یا نہیں، نیز "الضرورات تبيح المحظورات" کا ضابطہ یہاں لاگو ہوتا ہے یا نہیں یہ تمام چیزیں تحقیق طلب ہیں۔

علاوہ ازیں "الأمور بمقاصدها" کے لحاظ سے جب ضرورت مند شخص کو رقم ہی حاصل کرنا ہے چاہے بظاہر وہ بیع کا معاملہ کرے اس لحاظ سے بھی یہ شرعا درست نہیں ہونا چاہئے، چونکہ اس کا مقصد کچھ زائد رقم دے کر قرض حاصل کرنا ہی ہے، اور یہ تصریح موجود ہے کہ "كل قرض جر نفعا فهو ربا" کہ جو قرض نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہوگا۔

اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس صورت کو ممنوع ہی قرار دیا جائے، اور امام محمدؒ کے قول کا لحاظ کرتے ہوئے بیع عینہ کی جتنی بھی صورتیں پیدا ہوں ان سب کو ممنوع ہی قرار

دیا جائے تا کہ کسی چور راستہ سے سود جیسی نص قطعی سے حرام چیز کا رواج عام طور پر نہ ہو جائے اور لوگ اس کو اپنی ضرورت بتلا کر جائز نہ سمجھ بیٹھیں۔

☆☆☆

مسئلہ تورق کا شرعی حکم

مولانا عبداللطیف پالنپوری☆

تورق کی صورت میں اگر اسلامی بینک یہ طریقہ اختیار کرے مثلاً زید کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے، تو بینک زید کو ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا لوہا ادھار بیچے، پھر زید لوہے پر قبضہ کرنے کے بعد اسی اسلامی بینک کو نقد ایک لاکھ میں بیچ دے، یا اسی بینک سے منسلک کسی ایسے ادارے کو جس کے ارباب اموال اور اسلامی بینک کے ارباب اموال ایک ہوں نقد ایک لاکھ میں فروخت کرے، تو یہ دوسری بیع جائز نہیں ہے۔

”ومن اشترى جارية بالف درهم حالة أو نسيئة فقبضها ثم باعها من البائع بخمس مأة قبل أن ينقد الثمن لا يجوز البيع الثانى“ (ہدایہ ۵۷/۳ باب البیع الفاسد)۔

(جس شخص نے کوئی باندی ہزار درہم میں نقد یا ادھار خریدی، پھر باندی پر قبضہ کر کے ثمن ادا کرنے سے پہلے وہی باندی بائع کو پانچ سو درہم میں بیچ دی تو دوسری بیع جائز نہیں ہے)۔

مذکورہ بالا صورت میں اگر زید اسلامی بینک سے ادھار لوہا خریدنے کے بعد نہ تو اس بینک کو نقد بیچے اور نہ ہی بینک سے منسلک کسی ایسے ادارہ کو جن کے ارباب اموال ایک ہوں، بلکہ زید وہ لوہا بازار میں بیچ دے، تو یہ بیع عینہ کی ایک صورت ہے جس میں امام ابویوسف اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے، امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع جائز ہے، اس میں کراہت نہیں ہے، اور امام محمدؒ

☆ دارالعلوم جامعہ نذیریہ کاکوسی، گجرات۔

فرماتے ہیں کہ یہ بیع مکروہ تحریمی ہے، علامہ شامیؒ نے فتح القدیر کے حوالہ سے دونوں قولوں میں تطبیق کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ اگر مبیع یا اس کا بعض حصہ بائع کی طرف لوٹ کر آتا ہے، چاہے بلاواسطہ یا بالواسطہ تو یہ بیع مکروہ تحریمی ہے، اور اگر مبیع یا اس کا بعض حصہ بائع کی طرف لوٹ کر نہیں آتا بلکہ مدیون بازار میں بیچ دیتا ہے تو اس میں کراہت نہیں ہے، بلکہ خلاف اولی ہے، کیونکہ دائن پر قرض دینا ہمیشہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، ہاں! اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ مدیون کی حالت کو دیکھتے ہوئے شرعاً قرض دینا واجب ہو، اور دائن نفع حاصل کرنے کے لئے بجائے قرض دینے کے ادھار بیع کرے تو یہ صورت مکروہ ہونی چاہئے۔

بیع عینہ کی تفسیر:

وہ بیع عینہ جس سے نہی وارد ہوئی ہے، اس کی تفسیر میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض مشائخ نے فرمایا اس کی تفسیر یہ ہے کہ محتاج آدمی دوسرے کے پاس دس درہم قرض طلب کرے اور مقرض قرض دینے سے اس لئے اعراض کرتا ہے کہ اس کو قرض پر کوئی زیادتی حاصل نہ ہوگی، پس وہ یوں کہتا ہے کہ میں قرض تو نہیں دوں گا لیکن یہ کپڑا جس کی قیمت بازار میں دس روپیہ ہے تم کو بارہ روپے میں بیچوں گا تاکہ تم اس کو بازار میں بیچ کر دس درہم حاصل کرلو، پس مستقرض اس پر راضی ہوجاتا ہے اور کپڑا اسی طرح بیچ دیتا ہے، چنانچہ کپڑے والے کو دو درہم حاصل ہوجاتے ہیں اور مشتری کو دس درہم قرض ملجاتے ہیں۔

اور بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ مقرض اور مستقرض اپنے درمیان تیسرے آدمی کو داخل کریں، اس طور پر کہ مقرض اپنا کپڑا مستقرض کو بارہ درہم میں بیچے اور اس کو سونپ دے پھر مستقرض وہ کپڑا تیسرے آدمی کو دس درہم میں بیچے اور سونپ دے یا پھر تیسرا آدمی کپڑے والے یعنی مقرض کو دس درہم میں بیچ کر سونپ دے، اور کپڑے والے سے دس درہم لے کر مستقرض کو دے دے، پس مستقرض کو دس درہم حاصل ہوجائیں گے اور کپڑے والے کو بارہ درہم، ایسا ہی محیط میں ہے (شامی ۴/ ۲۴۴ دارالکتب بیروت لبنان)۔

نیز درمختار میں ہے:

اصیل نے اپنے کفیل کو بیع عینہ کا حکم دیا یعنی نفع کے ساتھ چیز کی ادھار بیع کرنے کا تاکہ مستقرض اس کو کم میں بیچ کر اپنا قرض ادا کردے، یہ بیع سود خواروں کی ایجاد ہے جو شرعاً مکروہ و مذموم ہے، اس لئے کہ اس میں قرض کے احسان سے اعراض ہے (درمختار)۔

یعنی امام محمدؒ کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ ہے، ہدایہ میں اس کو جزم کے ساتھ بیان کیا ہے، ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: یہ بیع مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ بہت سے صحابہ نے اس کو کیا ہے، اس پر ان کی تعریف ہوئی اور اس کو انہوں نے سود میں سے شمار نہیں کیا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع میرے دل میں پہاڑ کی طرح سے گراں ہے، مذموم ہے، سود خوروں کی ایجاد ہے، پھر فتح القدیر میں فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ بات جو میرے دل میں واقع ہوئی ہے کہ اگر بیع عینہ اس طرح کی جائے کہ مبیع یا اس کا بعض حصہ بائع کی طرف لوٹ کر آئے تو مکروہ تحریمی ہے، اور اگر لوٹ کر نہ آئے جیسے مدیون مبیع کو بازار میں بیچ دے تو اس میں کراہت نہیں ہے بلکہ خلاف اولی ہے، اس لئے ثمن کا کچھ حصہ اجل کے مقابل ہے اور قرض دینا اس پر ہمیشہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، بحر، نہر اور شرنبلالیہ میں اس کو ثابت قرار دیا ہے اور یہی ظاہر ہے اور سید ابو السعود نے اس کو امام ابو یوسف کے قول کا محمل قرار دیا ہے، اور امام محمدؒ کے قول کو اور بیع عینہ پر لعنت والی حدیث کو عود والی صورت پر محمول کیا ہے۔



تورق کی شرعی حیثیت

مولانا عطاء اللہ قاسمی☆

تمہید:

تورق ایک طریقہ کار کا نام ہے جسے اسلامی مالیاتی ادارے نقد رقم پر منافع حاصل کرنے کے لئے اپناتے ہیں۔

''بینک'' بنیادی طور پر ایک ایسے تجارتی ادارے کا نام ہے جو سماج کی منتشر انفرادی بچتوں کو یکجا کر کے صنعت وحرفت اور تجارت کے لئے قرض دیتا ہے، اسی طرح ضرورت مند اشخاص کو قرض فراہم کرتا ہے، آج کے روایتی بینک ان قرضوں پر سود وصول کرتے ہیں اور اپنے کھاتہ داروں کو کم شرح پر سود دیتے ہیں، اور سود کا درمیانی فرق بینکوں کا نفع ہوتا ہے، بات بالکل صاف ہے کہ ''سود'' موجودہ روایتی بینکوں کی بنیاد ہے، اس روایت سے ہٹ کر بغیر سود کے بینکنگ کا نظام چلانے کا جو متبادل طریقہ اختیار کیا گیا اسے ''اسلامی بینک'' یا ''اسلامی مالیاتی ادارہ'' کہا جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غیر سودی بینکنگ کے اخراجات پورے کرنے کے لئے آمدنی کے ذرائع کیا ہوں گے؟ اس کے لئے یہ ادارے کچھ متبادل طریقہ اختیار کرتے ہیں، اسلامی بینک ضرورت مندوں کو بلا سودی قرض فراہم کرے گا، یہ مختلف مقاصد کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

☆ صدر مدرس امداد العلوم کوپا گنج، مئو۔

مثلاً کسی شخص کو کارخانے کے لئے مشین، رہائشی ضرورت کے لئے مکان، یا کاروبار کے لئے قرض حاصل کرنا ہے تو بینک اس وقت (الف) اسلامی اصول تجارت: مضاربۃ، شرکت اور زیادہ تر مرابحہ یا پھر اجارہ کا طریقہ استعمال کرتے ہیں، (ب) اور بعض دفعہ مستقرض کی مطلوبہ شی بینک خود خرید کر مستقرض کے ہاتھوں منافع کے ساتھ بیچ دیتا ہے، (ج) اگر وہ شی کرایہ پر لگائی جاسکتی ہے تو اسے کرایہ پر لگا دیتا ہے، اس طرح بینک آمدنی کا ذریعہ پیدا کر لیتا ہے، اور شرعی طور پر صحیح منافع حاصل کرتا ہے لیکن جب کسی کو نقد رقم کی ضرورت ہو اور بینک اسے بطور قرض نقد رقم دیتے وقت بھی آمدنی کا ذریعہ سوچتا ہے تو ظاہر ہے کہ اگر نقد رقم پر براہ راست منافع لینے لگے تو یہ سود ہوگا، اس سے بچنے کے لئے ایک بالواسطہ طریقہ اپنایا جاتا ہے جسے ''تورق'' کہا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بینک استقراض کے معاملہ کو ایک طرفہ طور پر خرید و فروخت کا معاملہ بنا دیتا ہے، ضرورت مند شخص کو مجبوری میں اس طریقہ پر راضی ہونا پڑتا ہے، تورق کا تجزیہ کر کے اس کا شرعی حکم متعین کرنا بہت ضروری ہے۔

تجزیہ:

تورق کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بینک مستقرض کے ہاتھوں کوئی سامان ادھار قیمت پر بیچتا ہے اور مستقرض وہ سامان دوسرے کو اس سے کم قیمت پر بیچ کر رقم حاصل کرتا ہے اور اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، پھر مقررہ وقت پر اس سامان کی قیمت ادا کر دیتا ہے اس طرح بینک کو نفع حاصل ہوتا ہے۔

مثلاً بینک نے بیس کوئنٹل لوہا (195000) میں کمپنی سے خریدا، کھلی مارکیٹ میں اس کی نقد قیمت (102000) ہے، لیکن بینک مستقرض کو وہی لوہا (110000) روپے میں ادھار بیچ دیا تو اسے براہ راست پندرہ ہزار کا نفع ہوا پھر بینک اپنے ادارے کے توسط سے (102000) روپے کا وہ لوہا ایک لاکھ میں خرید لیتا ہے، اس طرح دو ہزار کا مزید نفع ہوا، تو بینک نے دونوں طرف سے نفع حاصل کیا۔

فقہی نقطہ نظر:

فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں اس طرح بیع وشراء کا معاملہ فاسد ہے کیونکہ یہ سودی معاملہ ہے، علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

کسی نے خود یا اپنے وکیل کی معرفت کوئی چیز بیچی تو اس کی قیمت پر قبضہ سے پہلے پہلے اس سے کم قیمت پر اسی چیز کو خریدنا فاسد ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک سامان دس کا بیچا اور قیمت پر قبضہ نہیں کیا پھر اسی سامان کو پانچ میں خرید لیا تو اگر چہ بھاؤ کم کر دیا ہو یہ بیع جائز نہیں کیونکہ یہ سودی معاملہ ہے (درمختار ۴/۱۲۸ طبع دیوبند)۔

علامہ شامیؒ اس کے تحت لکھتے ہیں:

"فأفاد أنه لو باع شيئا إصالة بنفسه أو وكيله أو وكالة عن غيره ليس له شراءه بالأقل لا لنفسه ولا لغيره" (ردالمحتار ۴/۱۲۸)۔

(متن کی عبارت سے ثابت ہے کہ کوئی چیز خود بیچی یا وکیل کی معرفت بیچی، یا دوسرے کی وکالت میں بیچی تو اسی چیز کو اس پہلی قیمت سے کم میں خریدنا نہ اپنے لئے جائز ہے اور نہ کسی دوسرے کے لئے)۔

درمختار اور ردالمحتار کی یہ عبارتیں پوری صراحت کے ساتھ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اسلامی مالیاتی ادارے نقد رقم پر نفع کمانے کے لئے جو حیلہ بہ شکل تورق اختیار کر رہے ہیں وہ فقہی رو سے مشتبہ بلکہ ناجائز ہے، لہذا اسلامی بینکوں کو میرا مشورہ یہ ہے کہ تورق کے علاوہ دوسری شکلیں جن کا تذکرہ سوالنامہ میں کیا گیا ہے، وہ بہر حال مشتبہ نہیں ہیں انہیں اختیار کریں۔

☆☆☆

تورق کا مسئلہ اور اسلام کا موقف

مولانا صبیح اختر☆

اسلامی بینکوں نے تورق کی جو صورت اختیار کیا ہے کہ مثلاً ''الف'' کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہو تو ضرورت مند بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے، اور اسے ''ب'' سے ایک لاکھ روپئے نقد میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح ''الف'' کو ایک لاکھ کی رقم حاصل ہو جاتی ہے، اور ''ب'' کو دس ہزار روپے نفع مل جاتا ہے اور عام طور پر ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہوتا ہے، اس طرح بالواسطہ اسے (بینک کو) ہی دس ہزار روپئے نفع حاصل ہوتا ہے۔

یہ صورت بھی بیع عینہ ہی کی ایک قسم ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام بیع عینہ کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وهو أن يشترى له حريرا بثمن هو أكثر من قيمته ليبيعه بأقل من ذلك الثمن لغير البائع ثم يشتريه البائع من ذلك الغير بالأقل الذى اشتراه به ويدفع ذلك إلى بائعه فيدفعه بائعه إلى المشترى المديون فيسلم الثوب للبائع كما كان ويستفيد انزيادة على ذلك الأقل وانما وسطا الثانى تحرزا عن شراء ما باع بأقل مما باع قبل نقد الثمن'' (فتح القدیر ۷/۱۹۸ کتاب الکفالہ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

(بیع عینہ یہ ہے کہ اصیل کے لئے کفیل ریشم اصل قیمت سے زیادہ بھاؤ میں خریدے تا کہ بائع کے علاوہ سے اس ثمن سے کم میں فروخت کر دے پھر اس دوسرے سے بائع اس ریشم کو

☆ جامعہ جلالیہ، ہوجائی، آسام۔

اس کم قیمت میں خرید لے جس قیمت میں وہ خریدا ہے اور وہ قیمت بائع کو دے دے پھر بائع ثانی مدیون مشتری کو دے دے، سو کپڑا بائع ہی کا رہا اور اس کی پر زیادتی کا نفع حاصل کر لیا، بائع اول اور مشتری کے درمیان بائع ثانی کا واسطہ اس لئے بڑھایا تاکہ ثمن چکانے سے قبل اپنے بیع کو کم ثمن میں خریدنا لازم نہ آئے)۔

علامہ شامیؒ بیع عینہ کی دو تفسیر بیان کرتے ہیں:

منہی عنہ بیع عینہ کی تفسیر میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض مشائخ نے فرمایا: بیع عینہ کی تفسیر یہ ہے کہ ضرورت مند آدمی دوسرے کے پاس آئے اور اس سے دس درہم قرض کا مطالبہ کرے اور مقرض زیادتی کے لالچ میں قرض نہ دینا چاہے (اس لئے کہ قرض دینے سے زیادتی سے محروم رہے گا) سو وہ کہے کہ میں قرض تو نہیں دوں گا، البتہ تم سے یہ کپڑا بارہ درہم میں ادھار فروخت کرسکتا ہوں اور اس کپڑا کی قیمت بازار میں دس درہم ہے، تاکہ مستقرض بازار میں اس کپڑے کو دس درہم کے عوض فروخت کردے، چنانچہ مستقرض اس پر راضی ہو جائے پھر اس کو لے کر اس طرح فروخت کردے پس کپڑے والے کو دو درہم کا نفع حاصل ہو جائے گا اور خریدنے والے (مستقرض) کو دس درہم کا قرض حاصل ہو جائے گا۔

اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ بیع عینہ یہ ہے کہ مقرض اور مستقرض درمیان میں تیسرے کو داخل کرلیں سو مقرض اپنا کپڑا مستقرض کے پاس بارہ درہم میں ادھار بیچ دے اور وہ کپڑا اس کے حوالے کردے پھر مستقرض تیسرے شخص سے دس درہم میں فروخت کر کے کپڑا سپرد کردے، پھر تیسرا شخص اپنے ساتھی یعنی مقرض کے پاس دس درہم میں فروخت کر کے کپڑا اس کو سپرد کردے اور دس درہم کو لے کر مستقرض کو دے دے سو مستقرض کو دس درہم مل گیا اور کپڑے والے یعنی مقرض کا اس پر بارہ درہم کا قرض رہا (ردالمحتار کتاب البیوع ۷/۴۲۱ دارالکتاب دیوبند)۔

علامہ شامیؒ کے بیان کردہ دونوں صورتوں میں واسطہ ہے اور دوسری صورت تو بعینہ تورق والی صورت ہے۔

لہذا بندہ کے ناقص خیال میں تورق اور بیع عینہ میں فرق کرنا صحیح نہیں، تورق بیع عینہ ہی کی ایک صورت ہے اور شکلاً اگرچہ بیع وشراء ہے مگر مقصود ربا اور قرض پر نفع حاصل کرنا ہے اور بیچ کا واسطہ محض نام کا واسطہ ہے ورنہ حقیقۃً مقرض بینک ہی کو قرض پر نفع ملتا ہے ”کل قرض جر نفعا فھو ربا“ لہذا بیع عینہ کی طرح تورق بھی شرعاً مذموم اور ناجائز ہے۔

امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے علاوہ تقریباً تمام فقہاء کا بیع عینہ کے عدم جواز پر اتفاق ہے، چنانچہ ابو محمد عبداللہ بن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

”أن من باع سلعة بثمن مؤجل ثم اشتراها بأقل منه نقدا لم يجز في قول أكثر أهل العلم روى ذلك عن ابن عباس و عائشة والحسن وابن سيرين والشعبي والنخعي وبه قال أبوالزناد وربيعة وعبد العزيز بن أبي سلمة والثوري والأوزاعي و مالك واسحاق وأصحاب الرائي. إلى قوله و لأن ذلك ذريعة إلى الربا“ (المغنی لابن قدامہ ۴ر ۱۹۳-۱۹۷ باب المصر اۃ وغیر ذلک، مکتبۃ الریاض)۔

(بلاشبہ جو شخص کسی سامان کو ادھار فروخت کرتا ہے پھر اس کو کم قیمت میں نقد خرید لیتا ہے تو اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوتا، حضرت ابن عباسؓ، عائشہؓ اور حسن بصریؒ و ابن سیرینؒ، شعبی و نخعیؒ سے یہی مروی ہے، اور اسی کے قائل ابوالزناد اور ربیعہ و عبدالعزیز بن ابی سلمہ، سفیان ثوری، اوزاعی، مالک، اسحاق اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ ہیں (اصحاب رائے سے مراد امام ابوحنیفہؒ اور وہ حضرات فقہاء ہیں جن کا اصل مشغلہ اجتہاد و استنباط تھا) (درمیان میں حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کرنے کے بعد ابن قدامہ فرماتے ہیں) اور اس لئے کہ یہ ربا کا ذریعہ ہے)۔

خلاصہ:

تورق بیع عینہ ہی کی ایک قسم ہے اور بیع عینہ کی تمام صورتیں ربا یا شبہ ربا کی وجہ سے شرعاً حرام یا مکروہ تحریمی ہیں، لہذا تورق بھی مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔

تورق فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی☆

"التورق لغة: من الورق-بكسر الراء-الفضة المضروبة وقيل: الفضة المضروبة كانت أو غير مضروبة" (المصباح المنير ۲/۳۳۱، لسان العرب ۱۰/۳۷۵، المعجم الوسيط ۲/۱۰۲۶)۔

"التورق فی اصطلاح الفقهاء: أن يشترى الرجل نسيئة، ثم يبيعها نقدا لغير البائع بأقل مما اشتراها به، ليحصل بذلک علی النقد" (الموسوعة الفقهية ۱۴/۱۴۷)۔

(تورق کی تعریف، تورق ورق سے مشتق ہے، جس کے معنی ڈھلی ہوئی چاندی کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی مطلق چاندی کے ہیں، چاہے چاندی ڈھلی ہوئی ہو اور چاہے ڈھلی ہوئی نہ ہو۔

فقہاء کی اصطلاح میں تورق کی تعریف یہ ہے کہ آدمی کسی سامان کو ادھار خریدے اور پھر اس سامان کو بائع کے علاوہ کسی دوسرے سے کم قیمت میں بیچ دے تاکہ اس سامان کے ذریعہ نقد روپئے حاصل ہوجائیں)۔

تورق کے سلسلہ میں مذاہب اربعہ کے مسالک:

جہاں تک فقہاء حنفیہ کا تعلق ہے تو اکثر فقہاء حنفیہ نے تورق کو بیع عینہ سے موسوم کیا

☆ مرکز امام ابوالحسن ندوی، دار عرفات، رائے بریلی۔

ہے، امام محمد تورق کی کراہت کے قائل ہیں جبکہ امام ابو یوسف جواز کی رائے رکھتے ہیں، امام سرخسی فرماتے ہیں کہ امام شعبی سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ اس بات کو مکروہ قرار دیتے تھے، کہ آدمی آدمی سے کہے کہ مجھے قرض دو تو وہ جواباً کہے کہ نہیں، یہاں تک کہ میں تم سے خرید وفروخت کروں، انہوں نے اس کے ذریعہ بیع عینہ کی کراہت کو ثابت کیا ہے (بیع عینہ یہ ہے کہ آدمی دس درہم کی چیز پندرہ درہم میں بیچے تا کہ قرض لینے والا خود اس کو دس درہم میں بیچ دے) اس طرح قرض دینے والے کو زیادتی حاصل ہو جائے اور یہ اس قول کا مصداق ہے: ''قرض جر منفعة'' (یعنی ایسا قرض جو منفعت کا باعث ہو)، شریعت میں قرض دینا مستحب ہے اور غرر حرام ہے، مگر بخیل لوگوں نے اس کے ذریعہ نئے راستہ نکال لئے جو چیز اس سے قریب تر تھی اس سے باز رہے اور جس سے ان کو روکا گیا اس میں مبتلا ہو گئے (المبسوط للسرخسی ۱۴/۲۶ دار المعرفہ بیروت)۔

علامہ حصکفی بیع عینہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بیع عینہ ادھار بافائدہ بیع کو کہتے ہیں تا کہ قرض لینے والا اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے اس کو کم میں بیچ دے، اس بیع کو سود خوروں نے ایجاد کیا جو شرعاً مکروہ اور قابل مذمت ہے، اس لئے کہ قرض دینے میں جو ثواب ہے اس سے اس میں انحراف کیا گیا ہے۔

ابن عابدین اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ حصکفی کا ''مکروہ'' کہنا امام محمد کے نزدیک ہے، اس بات کو ہدایہ میں یقین کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، فتح القدیر میں عبارت آئی ہے کہ امام ابو یوسف کا قول ہے کہ مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ بہت سے صحابہ کرامؓ نے اس کو کیا ہے، اور اس کی تعریف کی ہے اور اس کو سود میں شمار نہیں کیا ہے، یہاں تک کہ ایک کاغذ ایک ہزار کا بیچے تو یہ جائز ہے، مکروہ نہیں ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ اس بیع کی مذمت میرے دل میں پہاڑوں کی بلندی کی طرح ہے، اس کو سود خوروں نے ایجاد کیا ہے۔

''قال الحصكفي في تفسير بيع العينة: أي بيع العين بالربح نسيئة ليبيعها المستقرض بأقل......قال ابن عابدين تحته: قوله "وهو مكروه" أي عند

محمد، وبه جزم فی الهداية، وقال فی الفتح: وقال أبویوسف: لا یکره هذا البيع، لأنه فعله کثیر من الصحابة و حمدوا علی ذلک ولم یعدوه من الربا......وقال محمد:هذا البيع فی قلبی كأمثال الجبال ذميم اخترعه آکلة الربا" (الدر المختار مع حاشیہ ابن عابدین کتاب الکفالۃ ۴/۳۱۰)۔

فتاوی ہندیہ میں محیط کے حوالہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ مشائخ کا ممنوع بیع عینہ کی حقیقت کے سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض مشائخ سے اس کی یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ بیع عینہ حنابلہ کے نزدیک عین بیع تورق ہے، انہوں نے فرمایا کہ قرض دینے والا ۱۲ درہم میں اس کو بیچے اور پھر مشتری بازار میں اس کو دس درہم میں بیچ دے تا کہ کپڑے کے مالک کو اس تجارت کے ذریعہ ۲ درہم کا منافع حاصل ہو جائے اور قرض لینے والے کو دس روپئے کا قرض حاصل ہو جائے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے مابین تیسرے کو شامل کرلے، چنانچہ قرض دینے والا اپنا کپڑا قرض لینے والے کو ۱۲ درہم میں بیچ کر کپڑا اس کے سپرد کردے، پھر قرض لینے والا تیسرے کو جس کو ان دونوں نے اپنے مابین شامل کیا تھا دس درہم میں بیچ کر اس کے سپرد کردے، پھر تیسرا اس کپڑے والے کو جو کہ قرض دینے والا ہے اس کو وہ کپڑا بیچ دے دس درہم میں اور کپڑا اس کے سپرد کردے اور اس سے دس درہم لے لے اور قرض مانگنے والے کو وہ دس درہم دے دے اس طریقہ سے قرض مانگنے والے کو دس درہم حاصل ہو جائیں گے اور کپڑے والے کو ۱۲ درہم حاصل ہو جائیں گے، کذا فی المحیط۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ بیع عینہ جائز ہے، اس کے ذریعہ لین دینے کرنے والا شرعا ماجور ہے کذا فی مختار الفتاوی۔

"وذکر فی الفتاوی الهندية عن المحيط: أن المشائخ اختلفوا فی تفسير العينة التی ورد النهی عنها، فالتفسير الذی حکی عن بعض المشائخ هو عين ما يسمى التورق عند الحنابلة:......وعن أبی یوسف: العينة جائزة ماجور

من عمل بها كذا فى مختار الفتاوى"(ہندیہ ۳/۲۰۸)۔

علامہ ابن ہمام نے کراہت اور جواز کے درمیان موافقت کی ہے، جواز کو پہلی صورت پر محمول کیا ہے اور وہ تورق کی ہے، اور کراہت کو دوسری صورت پر محمول کیا ہے اور وہ جمہور فقہاء کے نزدیک بیع عینہ کی ہے، ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جو چیز میرے دل میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ دافع جس کو نکالتا ہے اس میں کسی ایسی صورت پر عمل کیا جاتا ہے جس میں دافع کا نکالا ہوا حصہ یا اس کا بعض اس کی طرف لوٹتا ہے تو مکروہ ہے، ورنہ مکروہ نہیں ہے، ہاں بعض احتمالات کی بنیاد پر خلاف اولی ضرور ہے، گویا کہ کوئی مقروض ضرورت مند ہوا تو مسئول نے اس کو قرض دینے سے انکار کردیا بلکہ اس نے یہ کہا کہ وہ دس روپئے کی چیز ۱۵ میں ایک مدت تک کے لئے فروخت کرتا ہے، چنانچہ مدیون اس کو خرید لیتا ہے اور بازار میں نقد اس کو دس میں بیچ دیتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، چونکہ ثمن کا ایک حصہ مدت کے مقابل ہو گیا اور قرض کبھی بھی اس پر واجب نہیں ہوا بلکہ مستحب رہا، پس اگر وہ محض اپنی چاہت سے دنیا کی زیادتی کی وجہ سے اس کو چھوڑ دے تو مکروہ ہے یا کسی ایسے عارض کی وجہ سے جو کہ قابل عذر ہو تو مکروہ ہے، ورنہ نہیں، اور اس کو مواد کی خصوصیات کی وجہ سے جانا جاسکتا ہے، اور جس شکل میں اس کی طرف وہ اصل نہیں لوٹتی جو اس سے نکلی ہے تو وہ بیع عینہ نہیں کہلائے گی، اس لئے کہ وہ عین مسترجعہ ہے، عین مطلق نہیں ہے، ورنہ تو ہر بیع کو بیع عینہ ہونا چاہئے (فتح القدیر ۶/ ۲۲۴)۔

علامہ ابن ہمام کی ذکر کردہ رائے عمدہ ہے، اس وجہ سے بیشتر فقہا حنفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے، اور اسی پر فتوی دیا ہے، علامہ عینی ''بنایہ'' میں فرماتے ہیں کہ اس بیع کے اندر کراہت مجموعہ سے ہے، قرض نہ دینا مکروہ نہیں ہے اور یہی معاملہ تجارت کے اندر فائدہ کی طلب میں پائے جانے والے بخل کا ہے ورنہ باہم منافع کا لین دین مکروہ ہونا چاہئے۔

"وما ذكره ابن همام وجيه جدا، ولذلك اختاره كثير من الحنفية، وأفتوا به، قال العينى فى البناية: إن الكراهة فى هذا البيع حصلت من المجموع،

فإن الإعراض عن الإقراض ليس بمكروه، والبخل الحاصل من طلب الربح في التجارات كذلك، وإلا لكانت المرابحة مكروهة"(البحر الرائق ۶/۳۹۵)۔

علامہ ابن عابدین، ابن ہمام کی رائے ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: کہ" البحر الرائق"، " النہر"، " الشرنبلالیۃ" میں اسی کا اثبات کیا گیا ہے، اور یہی ظاہر مذہب ہے، سید ابوالسعود نے اسی کو امام ابویوسف کے قول کا محل قرار دیا ہے، اور امام محمد کے قول اور حدیث کو عود کی صورت پر محمول کیا ہے۔

"وقال ابن عابدين بعد ذكر رأى ابن الهمام: وأقره في البحر والنهر والشرنبلالية وهو ظاهر، وجعله السيد أبوالسعود محمل قول أبي يوسف، وحمل قول محمد والحديث على صورة العود"(ابن عابدین کتاب الکفالۃ ۴/۳۱۱)۔

ابوسعود کا قول امام محمد کے قول کو ان صورتوں پر محمول کرنے کے سلسلہ میں ہے، جس میں سامان تجارت بائع اول کی طرف لوٹتا ہے، اس کی تائید قاضی خان کی اس بات سے بھی ہوتی ہے، جوانہوں نے بیان فرمائی ہے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قرض دینے والا قرض خواہ کو ایک سامان ثمن مؤجل میں بیچے اور وہ سامان قرض خواہ کو دے دے پھر قرض خواہ اس سامان کو خریدی ہوئی قیمت سے کم میں کسی دوسرے کو بیچ دے، پھر وہ غیر اس سامان کو قرض دینے والے سے خریدی ہوئی قیمت سے کم میں کسی دوسرے کو بیچ دے، تاکہ سامان بعینہ اس تک پہنچ جائے اور قیمت لے کر قرض لینے والے کو دے دے، پس قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا اور قرض دینے والے کو نفع حاصل ہو جائے گا، یہی بیع عینہ ہے جس کو امام محمد نے ذکر کیا ہے۔

"وإن قول أبي السعود في حمل قول محمد على الصور التي تعود فيها السلعة إلى البائع الأول، مؤيد، بما ذكره قاضي خان حيث قال: وحيلة أخرى......وهذه الحيلة هي العينة التي ذكرها محمد"(فتاوی قاضی خان، بہامش ہندیہ ۲/۲۷۹)۔

"وقد صرح الحنابلة بجواز التورق فی کتبهم" (کشاف القناع ۱۸۶/۳، المغنی ۱۹۶/۴، کافی لابن قدامہ ۲۶/۲)۔

حنابلہ نے اپنی کتابوں میں تورق کے جواز کی صراحت کی ہے۔

"أما الشافعیة فلم یصرحوا بذلک ولکنهم یقولون بجواز العینة، یقول الإمام الشافعی: ومن باع سلعة من السلع من أجل من الآجال وقبضها المشتری فلا بأس أن یبیعها التی اشتراها بأقل من الثمن أو أکثر" (الأم ۳۳/۳، ۸۶/۳)۔

(جہاں تک شافعیہ کا تعلق ہے تو انہوں نے اس کی کوئی صراحت نہیں کی ہے لیکن وہ بیع عینہ کے جواز کے قائل ہیں، امام شافعی فرماتے ہیں کہ جس نے کوئی سامان کسی مدت کے لئے بیچا اور مشتری نے اس پر قبضہ کرلیا تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ خریدنے والا کم یا زیادہ قیمت پر اس کو بیچ دے)۔

"أما المالکیة فهم یحرمون العینة، ویظهرمن کتبهم جواز التورق" (حاشیة الدسوقی ۸۸/۳)۔

(جہاں تک مالکیہ کا تعلق ہے تو وہ عینہ کو حرام قرار دیتے ہیں اور ان کی کتابوں سے تورق کا جواز معلوم ہوتا ہے)۔

خلاصہ بحث:

تورق یہ ہے کہ آدمی ثمن مؤجل میں سامان زیادہ قیمت میں خریدے اور اس سامان کو تیسرے شخص کو ثمن معجل سے کم قیمت میں فروخت کردے اور اس کے ذریعہ روپیہ حاصل کرکے اپنی ضرورت کو پورا کرے۔

تورق اور عینہ میں فرق یہ ہے کہ متورق سامان کو تیسرے شخص سے بیچتا ہے اور عینہ یہ ہے کہ سامان پہلے ہی بائع کو بیچ دیا جائے۔

تورق کے جواز کے سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کی دو روایتیں ہیں، جس میں زیادہ صحیح جواز کی ہے اور اس کو محققین حنابلہ نے اختیار کیا ہے، امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم عدم جواز کے قائل ہیں۔

تورق شافعیہ کے اصول کے اعتبار سے جائز ہے، جب انہوں نے صریح بیع عینہ کی اجازت دی ہے، تو تورق کو بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے۔

مالکیہ نے بیع عینہ کی حرمت میں شدت اختیار کی ہے لیکن انہوں نے عینہ کے تحقق کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ سامان بائع اول کی طرف لوٹے، پس اگر نہ لوٹے اور مشتری تیسرے کو بیچ دے تو حرام نہیں ہے۔

بعض متاخرین حنفیہ تورق کو عینہ ہی سمجھتے ہیں چنانچہ وہ کراہت کے قائل ہیں، لیکن مسلک مختار امام ابن ہمام کا قول ہے، وہ کہتے ہیں کہ عینہ کا تحقق سامان کا بائع اول کی طرف لوٹنے سے ہو جاتا ہے، جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے کہ مشتری بازار میں اسے فروخت کر دے تو وہ صورت بلا کراہت جائز ہے لیکن خلاف اولی ہے، اسی قول کو جمہور حنفیہ نے اختیار کیا ہے، مذاہب اربعہ کے راجح ترین اقوال کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تورق جائز ہے لیکن بغیر فائدہ کے قرض دینا افضل ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک تورق جائز ہے، لیکن قرض دینا افضل اور مستحب ہے، سوال میں مذکور جو طریقہ کار ہے وہ جائز نہیں ہے کیونکہ جس سے بیچا جا رہا ہے وہ بینک سے منسلک ادارہ ہے، اگر وہ بازار میں کسی اور سے بیچتا ہے تو یہ جائز ہے۔



تورق کا طریقہ اختیار کرنے کا شرعی حکم

مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی خیرآبادی ☆

قرض کی فراہمی کے لئے اسلامی بینکوں نے جو ''تورق'' کا طریقہ اختیار کیا ہے وہ جائز اور درست ہے قبضہ بیع کی شرط ضروری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ بینک خریدار کو کوئی ایسا سامان فروخت کرتا ہے، جس کو بیچ کر ضرورت مند طالب نقد اپنی مطلوبہ رقم حاصل کرسکتا ہے، اب چونکہ نقد روپئے لے کر اضافہ کے ساتھ نقد روپئے واپس کرنا سود ہے، اس لئے اسلامی بینکوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ نقد کے ضرورت مند کو کوئی سامان ادھار اضافہ ثمن کے ساتھ فروخت کردیتے ہیں، اور قرض کا طالب اس کو بازار میں رائج قیمت پر نقد فروخت کردیتا ہے، جو بینک کی قیمت سے کم ہوتی ہے اور خریدار اگرچہ بینک سے منسلک ہو لیکن اس ضرورت مند بائع کے اعتبار سے تو وہ غیر ہی ہے، اس طرح اس کو مطلوبہ رقم بھی حاصل ہوجاتی ہے، اور اس سے اس کی ضرورت بھی پوری ہوجاتی ہے، اور ساتھ ہی سود کی لعنت سے بھی محفوظ رہ جاتا ہے۔

بظاہر یہ بیع عینہ سے مشابہ صورت معلوم ہو رہی ہے، جس کا ذکر فقہ حنبلی میں ملتا ہے اور وہ ناجائز ہے لیکن دونوں میں فرق ہے، اور وہ یہ کہ بیع عینہ میں مشتری جس سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے، اسی کو کم قیمت پر نقد فروخت کردیتا ہے۔

اور اس کے برخلاف ''تورق'' میں ایک شخص سے زیادہ قیمت پر خریدتا ہے، اور دوسرے شخص کو کم قیمت پر فروخت کردیتا ہے، لہذا سابق ہی متعاقدین کے درمیان ایک ہی شی

☆ استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم، خیرآباد، مئو۔

مال میں زیادتی کا سبب نہیں قرار پاتی۔

مسئلہ تورق کی نوعیت:

مسئولہ تورق میں غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ صراحۃ یہ بیع کی صورت ہے، پہلی بیع مرابحہ ہے اور دوسری بیع وضعیہ، اور مقصد کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ضرورت مند کے لئے نقد پیسہ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے، البتہ مبیع پر قبضہ ضروری ہے۔

اس طرح یہ مسئلہ باب البیوع اور اسی طرح باب الحیلہ سے بھی تعلق رکھتا ہے، اور بیع کی کئی صورتیں ایسی ہیں جو شرائط بیع کی روشنی میں صحیح نہیں ہونا چاہئے، لیکن انسانی معاش کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں، لہذا اس کو خلاف قیاس جائز قرار دیا گیا، جیسے بیع سلم یا استصناع یعنی آرڈر دے کر مال تیار کرانا وغیرہ، "الضرورات تبیح المحظورات"۔

ایک فقہی ضابطہ:

ایک اصولی بات یہ ہے کہ کسی بات کے جائز ہونے کے لئے دو چیزیں ملحوظ رہنی ضروری ہیں:

اول: یہ کہ اس کام کا مقصد بہتر ہو، دوم: یہ کہ اس کے لئے بہتر طریقہ اختیار کیا جائے۔

اور ظاہر ہے کہ اس حصول نقد کا مقصد عموماً ملازمین کی تنخواہیں دینا، علاج کا خرچہ ادا کرنا، ادارہ کا نظم درست کرنا، تعلیم کی فیس ادا کرنا اور ذاتی اخراجات پورا کرنا ہوتا ہے، جو بہتر یا مناسب ہے اور اس کا طریقہ بیع کا اور شرعی حیلہ کا ہے جو یقیناً کسی بھی قباحت سے خالی ہے۔

جہاں تک بیع میں ثمن کا معاملہ ہے اور نفع میں کمی زیادتی کی بات ہے تو شریعت میں نفع کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی ہے، اور اس کو فطری اتار چڑھاؤ پر رکھا گیا ہے، البتہ غبن فاحش کو فقہاء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: "لا مساواة بين النقد والنسيئة لأن العين خير من الدين والمعجل أكثر قيمة من المؤجل" (بدائع الصنائع ۵/۱۸۷) (نقد اور ادھار برابر نہیں

ہیں، اس لئے کہ عین دین سے بہتر ہے اور معجّل مؤجل مدت والی چیز سے زیادہ قیمتی ہے)۔

سامان قرض کی ادائیگی بزیادت کی تائید روایت بخاری سے:

اور یوں تو قرض نہیں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بالکل ظاہر ہے لیکن اگر مشابہ مانا بھی جائے تو بخاری شریف میں ابو ہریرہؓ کی روایت سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کسی نے سامان قرض لیا اور اس سے اچھا یا زیادتی کے ساتھ ادا کیا تو جائز ہے۔

عن أبی هريرةؓ أن رجلا تقاضی رسول الله ﷺ فأغلظ له فهم به أصحابه فقال: دعوه فإن لصاحب الحق مقالا واشتروا له بعيرا فأعطوه إياه، وقالوا: لا نجد إلا أفضل من سنة قال: اشتروه فأعطوه إياه، فإن خيركم أحسنكم قضاء ا" (صحیح بخاری مع شرح فتح الباری حدیث ۲۳۹۰، ۵/ ۷۲ باب استقراض الابل، دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

خلاصہ بحث:

دلائل فقہ اور اصول فقہ جو مذکور ہیں، ان کی روشنی میں واضح ہے کہ ضرورت مند کو نقد کی فراہمی کے لئے اسلامی بینکوں کا طریقہ تورق اختیار کرنا جائز اور درست ہے، اور سود سے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔



تورق-صورتیں اور احکام

مولانا شاہد علی قاسمی ☆

سوال کی صراحت کے مطابق بینک ضرورت مند کے ہاتھ جو سامان ادھار فروخت کرتا ہے، بینک اس سامان کو پہلے اپنے ہی منسلک ادارہ سے حاصل کرتا ہے، پھر ضرورت مند کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، نیز یہ ضرورت منداسی ادارہ کے ہاتھ نقد لیکن کم قیمت میں فروخت کرتا ہے جس سے بینک نے اولا حاصل کیا تھا، اس لئے اس ادارہ کی حیثیت ان معاملات کی بابت استقلالی نہیں ہوگی، بلکہ اسے بینک ہی سے ملحق ادارہ سمجھا جائے گا، لہذا یہ دونوں خرید وفروخت جو بہ ظاہر الگ الگ اداروں سے ہوتی ہے وہ ایک ہی کے حکم میں ہے، گویا اولا بینک نے زیادہ ثمن میں ضرورت مند کو ادھار فروخت کیا اور پھر بینک ہی نے کم قیمت میں نقد خرید لیا، اور اس صورت کو عام طور پر فقہاء ''بیع عینہ'' سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

''هی بيع العين بالربح نسيئة ليبيعها المستقرض بأقل ليقضی دينه'' (الدر المختار علی ہامش الرد ۷/۴۸۰، کتاب الکفالۃ)۔

(بیع عینہ یہ ہے کہ کسی چیز کو ادھار زیادہ قیمت میں فروخت کیا جائے تا کہ قرض چاہنے والا اس سامان کو (اسی کے ہاتھ) نقد طریقہ پر کم قیمت میں فروخت کرے، اس طرح ضرورت مند کو روپیہ بھی حاصل ہو گیا، اور ادھار خریداری کی وجہ سے بعد میں اس کا دین ادا کر دے)۔

بیع عینہ کی یہ شکل شرعا درست نہیں ہے، حضرت عائشہؓ نے اس طرح کی بیع کو سخت

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

ناپسند فرمایا، چنانچہ حضرت ابو اسحاق سبیعی کی بیوی فرماتی ہیں کہ:

"روی غندر عن شعبة عن أبی اسحاق السبیعی عن امرأته العالیة بنت أیفع بن شرحبیل أنها قالت: دخلت أنا وأم ولد زید بن أرقم وامرأته علی عائشة رضی الله عنها فقالت أم ولد زید بن أرقم: إنی بعت غلاما من زید بن أرقم بثمان مائة درهم إلی العطاء ثم اشتریته منه بست مائة درهم۔ فقالت لها: بئس ما شریت وبئس ما اشتریت، أبلغی زید بن أرقم أنه قد أبطل جهاده مع رسول الله ﷺ إلا أن یتوب" (سنن کبری للبیہقی ۵/۳۱،۳۳، باب الرجل یبیع الشی إلی أجل..... کتاب البیوع، مصنف عبد الرزاق ۸/۸۵-۱۸۴، باب الرجل یبیع السلعۃ)۔

(میں اور زید بن ارقم کی ام ولد حضرت عائشہؓ کے یہاں گئی تو زید بن ارقم کی باندی نے یہ کہا کہ میں نے ایک غلام کو زید بن ارقم کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں عطیہ ملنے تک کی مدت تک ثمن کی ادائیگی کی شرط پر بیچ دیا پھر ان سے چھ سو درہم نقد کے بدلے خرید لیا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم نے جو خریدا اور بیچا وہ بہت برا کیا، زید کو جا کر یہ کہہ دو کہ اس عمل کی وجہ سے ان کا وہ جہاد جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انہوں نے کیا تھا، وہ باطل ہو گیا، الا یہ کہ وہ اس سے توبہ کر لیں)۔

نیز حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ جب تم "عینہ" کے طریقہ پر خرید و فروخت کرنے لگو، اور بیل کی دم پکڑتے ہوئے کاشتکاری کو پسند کرنے لگو اور جہاد کو چھوڑ دو تو اللہ تعالی تم پر ذلت مسلط فرما دیں گے، اور ذلت کو اس وقت تک ختم نہیں کریں گے جب تک کہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ، ان کے الفاظ یہ ہیں:

"إذا تبایعتم بالعینة وأخذتم أذناب البقر، ورضیتم بالزرع وترکتم الجهاد سلط الله علیکم ذلا لا ینزعه حتی ترجعوا إلی دینکم" (بلوغ المرام/ ۱۹۲)۔

ان آثار میں حضرت عائشہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیع عینہ کو انتہائی ناپسند قرار دیا ہے، حضرت عائشہؓ تو اسے جہاد کے لئے مبطل اور حضرت ابن عمرؓ بے دینی ٹھہرا رہے

ہیں، نیز امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ بیع میرے دل میں پہاڑوں کی مانند سخت ہے، جسے سودخواروں نے ایجاد کیا ہے، "هذا البيع فى قلبى كأمثال الجبال، اخترعه آكلة الربا" (ردالمحتار ۴؍۲۴۴ طبع نعمانیہ دیوبند)۔

اس لئے عام طور پر مسلک حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے فقہاء نے بھی اس طرح کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے، علامہ حصکفیؒ رقم طراز ہیں:

"بيع العين بالربح نسيئة ليبيعها المستقرض بأقل ليقضى دينه اخترعه أكلة الربا وهو مكروه مذموم شرعا لما فيه من الاعراض عن مبرة الإقراض" (الدرالمختار علی ہامش الرد ۴؍۲۷۹)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ نے بھی حنابلہ کے نقطہ نظر پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"أن من باع سلعة بثمن مؤجل ثم اشتراها بأقل منه نقدا لم يجز فى قول أكثر أهل العلم، روى ذلک عن ابن عباس وعائشة والحسن وابن سيرين والشعبى والنخعى وبه قال أبو الزناد، وربيعة و عبد العزيز بن ابى سلمة والثورى والأوزاعى و مالک و إسحاق وأصحاب الرأى و أجازه الشافعى" (المغنی ۶؍۲۶۰ باب من باع سلعۃ بنسیئۃ، کتاب البیوع)۔

اسی طرح مالکیہ کے یہاں اس کے عدم جواز کی صراحت ہے، چنانچہ علامہ دردیر مالکی رقم طراز ہیں:

"وإن اشترى بعض ما باع كما لو باع ثوبين بعشرين لشهر فاشترى أحدهما بثمن (لأبعد) من الأجل الأول (مطلقا) بمثل الثمن الأول أو أقل أو أكثر (أو بأقل) من الثمن الأول (نقدا أو لدون الأجل امتنع)فى الخمس ......لما فى الأقل نقدا أو لدون الأجل أو لا بعد من بيع وسلف" (الشرح الصغیر ۲؍۱۲۵)۔

البتہ امام شافعیؒ سے اس کا جواز منقول ہے، گویا انہوں نے اس کی ظاہری شکل کو دیکھتے ہوئے جائز قرار دیا ہے، چنانچہ الموسوعہ الفقہیہ میں ہے:

"ونقل عن الشافعیؒ جواز الصورة المذكورة (كأنه نظر إلى ظاهر العقد و توافر الركنية فلم يعتبر النسية" (الموسوعہ الفقہیہ ۹/۹۲)۔

راقم الحروف کے نزدیک عدم جواز کا قول راجح ہے کیونکہ تورق کی یہ صورت اگر ظاہرا سود نہیں تو اپنی روح کے اعتبار سے سود ضرور ہے، ابن قدامہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ سود کا ذریعہ ہے کہ اس سے قرض دینے والا مال کے اعتبار سے (بطور مثال) پانچ سو روپے کے بدلہ ایک ہزار حاصل کرتا ہے، لأن ذلک ذریعة الی الربا لیستبیح بیع ألف بنحو خمس مأة إلى أجل معلوم) (المغنی ۶/۲۶۱)۔

نیز رسول اللہ - ﷺ نے ایسی چیز سے نفع اٹھانے کو روکا ہے جو ضمان میں نہ آتی ہو "ولا ربح مالم يضمن" (ترمذی حدیث نمبر: ۱۲۳۴ باب ماجاء فی کراہیۃ بیع مالیس عندہ)۔

اور صورت مسئولہ میں جب بینک نے ضرورت مند کے ہاتھ اس سامان کو ادھار فروخت کیا، پھر ضرورت مند خریدار سے اپنے ذیلی ادارہ کے ہاتھ کم قیمت میں نقد فروخت کروایا تو گویا بینک کے پاس وہ چیز دوبارہ اس صفت کے ساتھ لوٹ کر آ گئی جس طرح وہ چیز بینک سے نکلی تھی، پھر اس پر بینک کو نفع بھی مل گیا، حالانکہ پہلی بیع میں ادھار معاملہ ہونے کی وجہ سے ثمن بینک کے ضمان میں نہیں آیا تھا، اور بینک نے کم قیمت میں دوسری بیع کر کے نفع بھی کما لیا، گویا اس نے ایسے ثمن سے فائدہ اٹھایا جو اس کے ضمان میں نہیں آیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے "ربح مالم يضمن" سے منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تورق کی صورت راقم الحروف کے نزدیک درست نہیں ہے، کہ یہ سود کا ذریعہ ہے، نیز اس میں "ربح مالم یضمن" ہے۔



مسئلہ تورق - شریعت کے آئینہ میں

مولانا سلمان پالنپوری ☆

تورق ورق سے ماخوذ ہے، جس کے معنی چاندی کے ہیں اور مراد اس سے دراہم (اور روپئے) ہیں، اس مسئلے کو تورق کے ساتھ اس لئے موسوم کیا ہے کہ اس میں مشتری کا مقصد بذات خود سامان نہیں ہوتا، یعنی سامان سے انتفاع اور تجارت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ اس کا مقصد دراہم (اور روپئے) حاصل کرنا ہوتا ہے (فقہ المعاملات المصرفیۃ یوسف بن عبداللہ الشبیلی رص ۲)۔

مسئلہ تورق کا پس منظر:

مسئلہ تورق اختیار کرنے کا پس منظر یہ ہے کہ محتاج دائن سے قرض لینا چاہتا ہے اور دائن قرض دینے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا، کیونکہ اس کو اس سے کوئی مادی نفع حاصل نہیں ہوتا ہے، اور اگر قرض پر نفع لے، تو یہ " کل قرض جر نفعا فھو ربا" کے تحت داخل ہے، لہذا تورق کی صورت اختیار کی گئی تا کہ دائن و مدیون دونوں کا مقصد بیک وقت حاصل ہو جائے۔

اسلامی بینکوں نے تورق کے جو طریقے اختیار کر رکھے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں:
۱-تورق بسیط، ۲-تورق منظم۔

۱-تورق بسیط:

تورق بسیط جس کو تورق عادی بھی کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ ضرورت مند جسے نقد روپئے کی ضرورت ہے وہ بائع (بینک) سے کوئی سامان مثلاً لوہا ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا

☆ مدرسہ خلیلیہ، ماہی شمالی گجرات۔

ادھار خرید تا ہے اور اسے بائع کے علاوہ کسی اور شخص سے ایک لاکھ روپے نقد میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح ضرورت مند کو نقد روپے حاصل ہو جاتے ہیں، پس گویا تورق بیع مؤجل اور بیع آخر پر مشتمل ہے (فقہ المعاملات المصرفیۃ ص ۲ مسألۃ التورق)۔

تورق بسیط کو تورق غیر مصرفی بھی کہتے ہیں، تورق کی یہ قسم فقہاء میں معروف ہے، اس میں علماء سلف کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: حرام اور ناجائز ہے، یہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے، اور اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن قیم اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے اختیار کیا ہے۔

مانعین کے دلائل:

مانعین کی طرف سے عدم جواز کے مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے گئے ہیں:

۱- حدیث میں بیع مضطر سے منع فرمایا گیا ہے اور تورق بیع مضطر میں داخل ہے۔

۲- متورق (مشتری) کا مقصد اس عقد سے نقد روپے حاصل کرنا ہے، اسی لئے وہ اس ثمن سے جو اسے نقد حاصل ہوتا ہے، زیادہ ثمن اپنے ذمہ میں لازم کر لیتا ہے، لہذا یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے کسی نے کم قرض لے کر نفع کے ساتھ زیادہ کی واپسی اپنے ذمہ لازم کر لی ہو اور یہ بعینہ ربا کی صورت ہے، سامان کو بیچ میں لانا اور بیع کی ظاہری صورت اختیار کرنا صرف ربا حاصل کرنے کا ایک حیلہ ہے اور بقول حضرت ایوب سختیانی کے "یخادعون اللہ کما یخادعون الصبیان" (یعنی یہ لوگ (حیلہ کر کے سود حاصل کرنے والے) چھوٹے بچوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں) (فقہ المعاملات المصرفیۃ ص ۳ مسألۃ التورق، المسائل الطبیۃ والمعاملات المالیۃ المعاصرۃ القسم الثانی ص ۳۴، مجموعۃ الفتاوی ابن تیمیہ ۲۴۱/۱۵-۲۴۶ باب الربا مکتبہ دار الحدیث قاہرہ، مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ ابن باز ۵۰/۱۹، مسألۃ حکم البیع الی اجل)۔

مجوزین کی طرف سے مانعین کے دلائل کا جواب بھی دیا گیا ہے جس کو اختصاراً ترک کیا جاتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: فقہ المعاملات المصرفیہ ص ۳، مسألۃ التورق)۔

دوسرا قول: جمہور اور ائمہ اربعہ اس کے جواز کے قائل ہیں، البتہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک متورق (مشتری) ثمن کا محتاج ہو، تو مکروہ ہے (المسائل الطبیۃ والمعاملات المالیۃ المعاصرۃ، القسم الثانی لدکتور خالد بن علی المشیقح رص ۳۳، وکذا فی فقہ المعاملات المصرفیۃ رص ۴ مسألۃ التورق)۔

شیخ عبدالعزیز بن باز تحریر فرماتے ہیں:

"هذه المسألة تسمى عند أهل العلم مسألة التورق......وهذا البيع على هذا الوجه جائز شرعا فی أصح قولی العلماء" (مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ ۹۶/۱۹ مسألۃ التورق، مکتبہ دار اصدار المجمع)۔

یعنی اس مسئلہ کا نام اہل علم کے نزدیک مسئلہ تورق ہے، اور یہ بیع اس طریقے پر علماء کے دو قول میں سے اصح قول کے مطابق شرعا جائز ہے۔

علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

"أن يحتاج المديون فيأبى المسؤل أن يقرض بل أن يبيع ما يساوي عشرةبخمسة عشر إلى أجل فيشتريه المديون ويبيعه فی السوق بعشرة حالة ولا بأس فی هذا" (فتح القدیر ۱۹۹/۷ کتاب الکفالۃ مکتبہ عباس بن احمد الباز)۔

یعنی مدیون کو (روپئے کی) ضرورت ہو، پس مسئول (دائن) قرض دینے سے انکار کرے، بلکہ دس کی چیز پندرہ میں ادھار بیچ دے اور مدیون اسے خرید کر اس کو بازار میں نقد دس میں فروخت کردے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مجوزین کے دلائل:

مجوزین کی طرف سے جواز کے کئی دلائل بیان کئے گئے ہیں:

۱-لوگوں کو اس عقد کی ضرورت ہے، کیونکہ ہر وہ شخص جسے روپئے کی ضرورت ہے بلاسود قرض دینے والا ملتا نہیں، اور یہ معاملہ بیع ہے جو قرآن کریم کی آیت "وأحل الله البيع" (سورۂ بقرہ:۲۷۵) اور "يا أيها الذين آمنوا إذا تداينتم بدين إلى اجل" (سورۂ بقرہ ۲۸۲) کے

عموم میں داخل ہے۔

۲-تمام معاملات میں اصل حلت ہے، مگر جبکہ ممانعت کی کوئی دلیل موجود ہو، اور عقد تورق خرید وفروخت کے شرعی اصولوں کے مطابق ہے، اس کی ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، لہٰذا اس کا جواز اصل کے اعتبار سے ہے۔

۳-بیع میں تاجروں کا مقصد کم روپیوں میں زیادہ روپے حاصل کرنا ہوتا ہے اور مبیع سامان اس مقصد کے لئے محض ایک وسیلہ ہوتا ہے، جبکہ بیع کی حرمت کا کوئی قائل نہیں ہے، مثلاً کپڑے کا تاجر ۵۰ ہزار میں کپڑا اس لئے خریدتا ہے کہ وہ اسے ۶۰ ہزار میں فروخت کر کے زیادہ روپے حاصل کرے، اسی طرح متورق بھی سامان ادھار اسی لئے خریدتا ہے کہ وہ اسے نقد فروخت کر کے روپے حاصل کرے، لہٰذا یہ بیع کی طرح ہے، اور روپے کا مقصود ہونا اس کی حرمت یا کراہت کو مستلزم نہیں ہے (مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ ابن باز ۱۹ر ۵۰-۹۷، وکذا فی فقہ المعاملات المصرفیۃ رص ۴، المسائل الطبیۃ والمعاملات المالیۃ المعاصرۃ القسم الثانی رص ۳۳، مسألۃ التورق)۔

شیخ عبدالعزیز بن باز نے تورق کی اس قسم کا جواز دلائل سے ثابت کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

"هذا القول أرجح إن شاء الله عند الحاجة إليها، أما عند الاستغناء عنه فالأولى تركها خروجا من خلاف العلماء واحتياطا للدين وابتعادا عن اشتغال الذمة بما قديشق تخليصها منه" (مجموع فتاوی ابن باز ۱۹ر ۱۰۳ مسألۃ التورق)۔

یعنی یہ جواز کا قول بوقت ضرورت ان شاء اللہ زیادہ راجح ہے، ہاں بلاضرورت اس قسم کا عقد نہ کرنا ہی اولی ہے، علماء کے اختلاف سے خروج اور دین میں احتیاط اور ذمہ کو اس چیز کے ساتھ مشغول کرنے سے اجتناب کی وجہ سے جس سے ذمہ کو فارغ کرنا بعض اوقات دشوار ہو جاتا ہے۔

اور دوسرے مقام پر تحریر فرمایا ہے:

"إذا أمكن المسلم الاستغناء عنها......فهوأحسن وأحوط" (مجموع فتاوی

ابن باز ۱۹/ ۹۹ مسألۃ التورق)۔

(یعنی جب مسلمان کے لئے اس سے استغناء ممکن ہو، تو یہ احسن و احوط ہے)۔

علامہ ابن ہمام نے تحریر فرمایا ہے:

دائن کو قرض دینے سے کوئی عذر نہیں ہے، لیکن زیادہ دنیا کمانے کی حرص میں قرض دینے سے اعراض کر کے کم قیمت کا سامان زیادہ قیمت میں مدیون سے فروخت کرتا ہے، تو مکروہ ہے (فتح القدیر ۷/ ۱۹۹ کتاب الکفالۃ مکتبہ عباس بن احمد الباز)۔

تورق بسیط جس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اگر اس میں بائع اور تیسرے شخص (مشتری ثانی) کے درمیان کوئی معاہدہ یا اتفاق ہو، مثلاً مشتری ثانی مشتری اول سے ثمن اول سے کم میں نقد خرید کر بائع کو اتنے ہی ثمن میں نقد فروخت کرے گا، یا مشتری ثانی مشتری اول سے ثمن اول سے کم میں نقد خرید لے گا، اور بائع اول کو جو نفع ملا ہے اس میں دونوں شریک رہیں گے وغیرہ تو بالاتفاق یہ صورت ناجائز ہے، بعض علماء نے اس کو بیع عینہ میں داخل مانا ہے، اور بعض نے اس کو بیع عینہ کے مشابہ قرار دیا ہے۔

علامہ شامی نے بیع عینہ کی دو تعریفیں نقل کی ہیں، عینہ کی جو دوسری تعریف نقل کی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس سے قرض کا مطالبہ کیا جا رہا ہے وہ دس روپے کی چیز طالب قرض سے بارہ روپے میں بیچ دے، اور قرض دہندہ اپنے درمیان اور طالب قرض کے درمیان ایک شخص کو درمیان میں رکھے، جس شخص نے حاجت قرض کی وجہ سے دس روپے کی چیز بارہ روپے میں خریدی تھی وہ درمیانی شخص سے اس کو دس روپے میں بیچ دے، پھر درمیانی شخص پہلے شخص کو دس روپے میں وہی چیز فروخت کر دے، اس طرح پہلے شخص کو اپنی چیز بھی واپس مل گئی اور دس روپے دے کر بارہ روپے حاصل ہو گئے (شامی ۷/ ۴۲۱ باب الصرف، مکتبہ دار الکتاب دیوبند)۔

علامہ شامی نے بیع عینہ کی جو دوسری صورت ذکر کی ہے اس کو مکروہ تحریمی ہونا چاہئے، زحیلی نے بھی حنفیہ کی یہی رائے نقل کی ہے (قاموس الفقہ ۴/ ۴۲۵)۔

شیخ محمد بن احمد الفراج نے بیع عینہ کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں کہ بائع (قرض دہندہ) ضرورت مند سے سامان زیادہ قیمت میں ادھار فروخت کرے اور ضرورت مند وہ سامان بائع کے باپ یا بھائی یا اس کے وکیل سے جس کا بائع سے معاہدہ ہو چکا ہے، ثمن اول سے کم میں فروخت کرے اور تیسرے شخص کو بیچ میں لانے سے مقصود بیع عینہ سے احتراز ہے، حالانکہ یہ بھی بیع عینہ میں داخل ہے، اسی طرح اگر تیسرا شخص سامان بائع اول سے فروخت نہ کرے، لیکن وہ دونوں نفع میں شریک ہوں، تو بھی یہ صورت بیع عینہ میں داخل ہے، آج کل بکثرت لوگ بیع عینہ کا معاملہ کرتے ہیں اور اس کا نام دینیہ رکھتے ہیں، مثلاً بائع محتاج کو سامان زیادہ قیمت میں ادھار فروخت کرتا ہے، پھر محتاج بائع کے علاوہ تیسرے شخص کو جو بہ ظاہر اجنبی معلوم ہوتا ہے، فروخت کرتا ہے، حالانکہ یہ تیسرا شخص خفیہ طور پر بائع سے ملا ہوا ہوتا ہے اور جتنے میں اس نے نقد خریدا ہے اتنے ہی میں نقد بائع کو فروخت کر دیتا ہے، اور یہی بیع عینہ کی حقیقت ہے، لیکن عام لوگ دینیہ کو تورق کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، حالانکہ تورق کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض اس کے جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں، لیکن راجح اس کا جواز ہے (فقہ البیوع للشیخ محمد بن احمد الفراج ص ۷۲ عنوان صور العینۃ)۔

شیخ عبد العزیز بن باز اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:

جب مشتری (طالب قرض) نے نقد روپئے کی ضرورت کی وجہ سے سامان (قرض دہندہ، بائع) سے اس لئے خریدا ہے کہ وہ اسے تیسرے (بائع کے) علاوہ کو (ثمن اول سے کم میں) نقد فروخت کرے، تو اس عقد کا نام مسئلہ تورق ہے، اور خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیزؒ اور علماء کی ایک جماعت نے اسے حرام قرار دیا ہے، اور ان ہی میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہیں اور دوسرے علماء نے اسے جائز کہا ہے اور ان کی تعداد میرے علم کے مطابق (حرام کہنے والوں سے) زیادہ ہے، کیونکہ یہ اس مداینت میں داخل ہے جسے اللہ تعالی نے جائز قرار دیا ہے، اور اس لئے کہ یہ ربا کا وسیلہ نہیں ہے، کیونکہ مشتری سامان اسے فروخت نہیں کرتا ہے جس سے اسنے خریدا

ہے، اور اس معاملہ میں تینوں (بائع، مشتری اول، مشتری ثانی) کے درمیان کوئی اتفاق نہیں ہے، ہاں اگر یہاں کسی قسم کا اتفاق ہو، تو یہ عقد مسئلہ عینہ کی طرح حرام ہے (مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ ابن باز ۱۹/ ۱۰۳ مسألۃ التورق)۔

۲-تورق منظّم:

تورق کی دوسری قسم تورق منظّم ہے جس کو تورق مصرفی بھی کہتے ہیں، تورق کی یہ صورت ناجائز ہے، اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

خلاصہ بحث:

موضوع بحث مسئلہ یعنی بینک طالب قرض سے ایک لاکھ روپئے کی قیمت کا سامان ادھار ایک لاکھ دس ہزار میں فروخت کرے اور طالب قرض وہ سامان خرید کر کسی ایسے شخص یا ادارے سے ثمن اول سے کم میں نقد فروخت کردے جو بینک ہی سے منسلک ہو، خواہ انسلاک مشتری اول سے ثمن اول سے کم میں خرید کر بینک کو اتنے ہی ثمن میں نقد فروخت کرنے کے اعتبار سے ہو یا نفع میں شرکت کے اعتبار سے ہو، تورق کی یہ صورت ناجائز ہے، کیونکہ یہ سود حاصل کرنے کا ایک حیلہ ہے اور حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ بالواسطہ سود حاصل کرنا اور اس کو ظاہری طور پر کسی معاملہ کا رنگ دینا بھی ناجائز ہے، یہ اپنے آپ کو بھی دھوکہ دینا ہے اور اللہ تعالی کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش ہے۔



تورق کا شرعی حکم

مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی ممبئی

موجودہ زمانے میں جہاں نت نئے طریقوں سے "سود" کے جواز کی تدبیریں سوچی جارہی ہوں اور "سرکہ" کے نام پر "شراب" کا استعمال بلا تکلف کیا جارہا ہو اور فقہاء کرام کے منع کرنے پر "دقیانوسیت" کا الزام عائد کیا جارہا ہو، ایسے ماحول میں "اسلامی بینک" کا قیام از حد ضروری ہے، اور اس کے لئے اقدام نہایت خوش آئند ہیں۔

لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمارے اوپر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ "اسلامی بینک" صرف رسمی اور اسمی نہ ہو بلکہ حقیقت میں مکمل طور پر اس کو اسلامی نظام کے سانچے میں ڈھالنے کی پوری کوشش کی جائے، اور پورے طور پر اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے کی ترتیب قائم کی جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ چند حیلوں کے ذریعہ ہم موجودہ طریق کار کو ذرا سا تبدیل کر کے سارا نظام جوں کا توں برقرار رکھیں اور اسلامی نام سے موسوم کر کے لوگوں کو خواہ مخواہ مغالطہ میں ڈال دیں۔

اسی لئے ہمارے فقہاء کرام نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ اکا دکا مواقع پر کسی قانونی تنگی کو دور کرنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ اختیار کرنے کی تو گنجائش ہے، لیکن ایسی حیلہ سازی جس سے مقاصد شریعت فوت ہو جائے اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

اب جو اسلامی بینک نے "بیع عینہ" اور "بیع تورق" کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے تو کیا یہ شریعت کی نگاہ میں درست ہے؟ یا کیا ہے اس کی پوری تفصیل اور جواز و عدم جواز کی مختلف شکلیں تحریر کی جاتی ہیں، تاکہ عدم جواز کی شکلوں کو اختیار کر کے اسلامی بینک کا نظام موجودہ سودی بینک

کے برابر سرا بر نہ ہو جائے، اور خواہ مخواہ لوگ اس کو اسلامی بینک سمجھ کر اپنے سرمایہ کو اس کے اندر داخل نہ کریں، اور اگر واقعی میں کوئی جواز کی شکل فقہاء کرام کی عبارتوں میں موجود ہے تو اس کو یہ بینک اختیار کر کے مکمل اسلامی اصول پر آ جائیں، اور خود بھی اسلامی نظام سے متمتع ہوں اور مسلمانوں کے لئے بھی ترقی کی راہیں ہموار کریں۔

بیع عینہ کی تعریف:

درمختار میں ہے: "بيع العين بالربح نسيئة ليبيعها المستقرض بأقل ليقضي دينه" (۷/۴۸۰)، یعنی بیچنا عین کا ادھار فائدہ لے کر تاکہ قرض لینے والا اس کو ثمن اول سے کم میں بیچ لے تاکہ وہ اپنا دین ادا کر دے۔

بیع تورق کی تعریف:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں: "وهو أن يشترى الشخص السلعة إلى أجل، ثم يبيعها لغيربائعها الأول نقدا في الحال وياخذ ثمنها بقصدالحصول على الدراهم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۴۵۷) (مشتری کا کسی شخص سے کوئی ثمن متعین مدت کے ساتھ خریدنا پھر اس کو بائع اول کے علاوہ کے ہاتھ نقد فروخت کرنا اور قیمت لے لینا قیمت کے مطلوب ہونے کی وجہ سے)۔

بیع عینہ کی مختلف شکلیں اور صورتیں:

پہلی شکل: زید کو ایک لاکھ روپئے نقد کی ضرورت تھی، اسلامی بینک نے ایک لاکھ نقد دینے کے بجائے ایک لاکھ کا "لوہا" ایک لاکھ دس ہزار میں ادھار مدت کی تعیین کے ساتھ بیچ دیا، اب زید کا اس لوہے پر قبضہ چاہے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، زید نے اس کو ایک لاکھ میں بینک کو فروخت کر دیا اور بینک نے ایک لاکھ روپئے اس کو دیدے زید کی ضرورت ایک لاکھ کی تھی وہ پوری ہوگئی یہ صورت ناجائز اور حرام ہے، حدیث میں ایسی خرید و فروخت کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "إذا ضن الناس

بالدينار والدرهم وتبايعوا بالعينة، واتبعوا بأذناب البقرة، وتركوالجهاد في سبيل الله، أنزل الله بهم ذلا فلا يرفعه حتى يراجعوا دينهم" أخرجه ابن القيم في اعلام الموقعين (اعلاء السنن ۱۴/ ۱۷۷)۔

(ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جب لوگ درہم و دینار کو سب کچھ سمجھنے لگیں گے، اور جب تم خرید وفروخت بطریق بیع العینہ کے کروگے، اور بیلوں کے دموں کے پیچھے پڑوگے یعنی کھیتی میں مشغول ہوکر جہاد کرنے سے غافل ہوجاؤ گے تو اللہ ایسی مصیبتیں اتارے گا کہ وہ ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ تم واپس دین پر آجاؤ)۔

علامہ ظفر عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے بیع عینہ کی جو تفسیر فرمائی وہ یہ ہے کہ ایک آدمی حریرۃ کو بیچے سو روپے میں پھر اسی کو پچاس میں خرید لے یہ ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے، اگر یہ دوسری بیع ثمن کی ادائیگی سے پہلے ہو تو یہ ثمن کی ادائیگی سے قبل اپنی بیچی ہوئی چیز کو کم قیمت پر خریدنا ہوا، اور اگر ثمن کی ادائیگی کے بعد خریدنا ہوا تو بھی اگر بیع اول کو مشروط کیا تھا دوسری بیع کے ساتھ تو بھی جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ دو بیع جائز نہیں ہے ایک بیع میں اور اگر مشروط نہ ہو تب بھی کراہت سے خالی نہیں، اس لئے کہ یہ مجبوری کی بیع ہے، ابھی مشتری کو حریرۃ کی اس وقت کوئی ضرورت نہیں اسے تو نقد کی ضرورت تھی لیکن بائع قرض دینے کو تیار نہیں ہے، اور بیع کرنے پر رضامند ہے اس وجہ سے مشتری خریدنے پر مجبور ہے تو بھی مکروہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس ارشاد فرماتے ہیں: ''تم اس بیع عینہ سے بچو ایک درہم کو چند دراہم کے بدلے مت بیچو درمیان میں حریرۃ کو رکھ کر، ایک شخص نے اسی طرح تجارت کیا پھر اسنے ابن عباسؓ سے اس کی بابت دریافت کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: یہ تو درمیان میں حریرۃ کو رکھ کر دراہم کو دوسرے دراہم کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ہوا، ایک روایت میں آپ نے فرمایا: بیع عینہ کے ذریعہ اللہ پاک کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا، جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کردیا ہو، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک زمانہ لوگوں پر

ایسا آئے گا کہ ربا کو بیع عینہ کے ذریعہ حلال کرنے کی کوشش کریں گے۔

دوسری جگہ حضرت علامہ عثمانی نے مستقل باب باندھ کر اس کے عدم جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور وہاں پر امراۃ عالیہ کی خرید وفروخت کا واقعہ جو زید بن ارقم کے ساتھ ہوا تھا اس کو بھی ذکر فرمایا ہے، باب ہے، ''باب عدم جواز الشراء بأقل مما باع قبل أخذ الثمن الاول'' (اعلاء السنن ۱۴/۱۴۱)۔

دوسری شکل: یہ شکل بھی پہلی شکل کی طرح ہے بس فرق اتنا ہے، بینک نے پہلی مرتبہ لوہا فروخت اس شرط کے ساتھ کیا کہ دوبارہ اس لوہے کو مجھے ہی فروخت کرنا ہوگا، یہ صورت بھی ناجائز ہوگی، حضرت ابن عباس کی تفسیر میں دوسری شکل جو آپ نے ذکر فرمائی ہے وہ یہی دوسری شکل ہے (اعلاء السنن ۱۴/۱۷۸)۔

تیسری شکل: زید اور اسلامی بینک اس خرید وفروخت میں تیسرے شخص کو داخل کردیں، اور وہ تیسرا شخص بینک ہی سے منسلک ادارہ ہو تو یہ صورت بیع عینہ ہی کی ایک شکل ہے اور یہ بھی ناجائز اور حرام ہے، (سوال میں یہی صورت پوچھی گئی ہے)، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''وقال بعضهم: هي أن يدخلا بينهما ثالثا فيبيع المقرض ثوبه من المستقرض باثني عشر درهما ويسلمه إليه ثم يبيعه المستقرض من الثالث بعشرة ويسلمه إليه ثم يبيعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ويسلمه إليه ويأخذ منه العشرة ويد فعها للمستقرض فيحصل للمستقرض عشرة ولصاحب الثوب عليه اثنا عشر درهما'' (شامی ۷/۴۲۱)۔

(بعض نے اس کی یوں تشریح کی ہے: یہ دونوں اپنے درمیان تیسرے شخص کو داخل کردیں قرض خواہ اپنے کپڑے کو قرض دار کو بیچ دے بارہ درہم میں اور کپڑا اس کو سپرد کردے پھر قرض دار اس کپڑے کو اس تیسرے کو دس درہم میں فروخت کردے اور اس کو سپرد کردے پھر یہ ثالث اس کپڑے کو اصل قرض خواہ کو بیچ دے اور اس کو سپرد کردے اور اس سے دس درہم وصول کر

کے قرض دار کو دے دے، تو اس صورت میں قرض دار کو دس درہم مل جائیں گے اور بائع کو بارہ درہم مل جائیں گے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ تو بیع عینہ کو جائز قرار دیتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص ماجور ہوگا، لیکن امام محمد تحریر فرماتے ہیں: یہ بیع ناجائز ہے اس کو سود خوروں نے ایجاد کیا ہے، اور یہ میرے دل میں پہاڑ کی طرح دغدغہ کرتی ہے، علامہ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو: "**وعن أبي يوسف: العينة جائزة ماجور من عمل بها، وقال محمد: هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه أكلة الربا**" (۴۲۱/۷)۔

امام ابو حنیفہ وغیرہ کے نزدیک بھی بیع عینہ کی یہ صورت ناجائز ہوگی سوائے امام شافعی کے کسی نے بھی جواز کے قول کو اختیار نہیں کیا ہے۔

چوتھی شکل: اگر بالفرض ثالث بینک سے منسلک ادارہ نہ ہو لیکن اسلامی بینک از خود جا کر اس سے وہ چیز خرید لیں یا ثالث اس چیز کو جا کر بینک ہی کو بیچ دیں ایک لاکھ روپے میں تو یہ صورت بھی ناجائز ہوگی، اس لئے کہ گھوم پھر کر دوبارہ وہ چیز قرض خواہ کے ہاتھ پہنچ گئی، وہ کوئی جدید عین نہیں ہے بلکہ وہی عین مسترجعہ ہے، علامہ شامی صاحب فتح القدیر کی تحریر نقل فرماتے ہیں: "**ثم قال في (الفتح) ما حاصله: إن الذي يقع في قلبي أنه إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع جميع ما اخرجه او بعضه كعود الثوب إليه في الصورة المارة وكعود الخمسة في صورة إقراض الخمسة عشر فيكره يعني تحريما**" (۴۸۱/۷، وہکذا فی النہر الفائق ۵۷۵/۲)۔

تورق کی جائز شکل:

پہلے تورق کی تعریف ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے حوالے سے گزر چکی، کہ اگر زید نے ایک لاکھ دس ہزار کا لوہا خرید کر (ایک لاکھ میں) غیر بائع (بینک کے علاوہ) کو جو اجنبی ہو بازار میں فروخت کر دیا اور اسلامی بینک سے ادھار کی مدت متعین کر لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ صورت

ربا کے شبہ سے پاک ہوگی، البتہ امام مالک کے نزدیک یہ صورت بھی کراہت سے خالی نہیں اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق مکروہ اور دوسری روایت میں مکروہ نہ ہوگی (ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی ۵/۳۴۵۷)، اور علامہ شامی بھی اس صورت کو جائز تحریر فرماتے ہیں:

"فإن لم يعد كما اذا باعه المديون في السوق فلا كراهة فيه بل خلاف الاولى فان الاجل قابله قسط من الثمن والقرض غير واجب عليه دائما بل هو مندوب، ومالم ترجع اليه العين التي خرجت منه لا يسمى بيع العينة لأنه من العين المسترجعة لا العين مطلقا، وإلا فكل بيع بيع العينة" (اگر مدیون نے اس چیز کو بازار میں فروخت کر دیا تو کوئی بات نہیں البتہ خلاف اولی ہوگا اس لئے کہ قیمت میں جو زیادتی ہوئی ہے وہ مدت کی وجہ سے ہوئی ہے اور آدمی کو ہمیشہ قرض دینا ضروری بھی نہیں بلکہ مستحب ہے ورنہ تو پھر ہر بیع بیع عینہ ہو جائے گی) (بحرالرائق ۶/۳۴۰)۔

اسلامی بینک کے لئے ایک اہم مشورہ اور ایک جائز تدبیر:

ہم اسلامی بینک کے منتظمین سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے نظام کو مکمل اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی سعی و کوشش کریں، اور بیع عینہ کی چاروں شکلوں سے بچتے ہوئے اخیر کی "تورق" کی جائز شکل کو اختیار کرلیں، ایک اور شکل علامہ ظفر عثمانی نے تحریر فرمائی ہے، اس کو بھی اپنی دشواریاں دور کرنے کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے، آپ نے ایک جائز حیلہ اور آسان تدبیر حدیث کی روشنی میں تحریر فرمائی ہے:

"زید کو ایک لاکھ روپئے نقد کی ضرورت ہے، وہ اسلامی بینک کی طرف رجوع کرے، اب اسلامی بینک مثال کے طور پر ننانوے ہزار روپئے نقد دے دے اور ایک ہزار روپئے سے ایسی کوئی اشیاء جو روزانہ کی ضرورت اور حاجت میں ہو مثال کے طور پر گیہوں وغیرہ گیارہ ہزار میں مدت کی تعیین کے ساتھ ادھار فروخت کردے، اب اناج ہر شخص کی بنیادی ضرورت ہے اس کا خریدنا زید پر بار بھی نہ ہوگا، اور وہ چیز گھر کے استعمال میں بھی آجائے گی، تو اس طرح ایک ہزار

کا گیہوں گیارہ ہزار میں ادھار مدت کی تعیین کے ساتھ فروخت کیے جا سکتے ہیں، کوئی حرج نہیں، اسلامی بینک کے نظام کے بقا کے لئے کراہت بھی نہ آئے گی، یہ ایک بہتر اور آسان تدبیر ہے (دیکھئے: اعلاء السنن ۱۴/۱۷۹)۔

اور اب اس مسئلہ میں حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمدؒ کے درمیان جو اختلاف نظر آرہا ہے، یہ درحقیقت اختلاف لفظی ہے، اور نزاع ظاہری ہے، حضرت امام ابو یوسف جو جواز کے قائل ہیں بلکہ ماجور کا درجہ دے رہے ہیں، یہ تورق کی جو جائز شکل ہے اس کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں، اور حضرت امام محمد جو عدم جواز کی شکلیں بیان کی گئیں ہیں ان کا قول ان کے بارے میں ہے، لہذا آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے، ورنہ درحقیقت امام ابو یوسف عدم جواز کی شکلوں کے متعلق جواز کے قائل نہیں ہیں، اور اسی بات کو علامہ سید ابو السعود بھی فرما رہے ہیں، علامہ شامی نے ان کے قول فیصل کو ذکر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو: وجعلہ السید ابو السعود محمل قول ابی یوسف وحمل قول محمد والحدیث علی صورۃ العود ۷/۴۸۱)۔



مسئلہ تورق-فقہاء کے نقاط نظر

مولانا محمد نوشاد قاسمی☆

موجودہ زمانہ میں خاص کر تجارت کی مختلف شکلیں پیدا ہوگئیں ہیں، اور تاجر ہی نہیں بلکہ بہت سارے افراد اپنی ترقی کو بڑھانے کے لئے بینک سے لین دین کرتے ہیں کیونکہ بینکنگ نظام کا اس میں خاصا دخل ہے، اور عام بینک ضرورت مندوں کو سود پر قرض فراہم کرتے ہیں۔

قرض سے بعض دفعہ معاشی مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے، اور بعض دفعہ قرض طلب کرنے والے کو نقد روپئے کی ضرورت ہوتی ہے، الحاصل بینک کا پورا نظام سود پر منحصر ہے، جو اسلام کی نظر میں سراسر ناجائز وحرام ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "يأيها الذين آمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافا مضاعفة" (آل عمران) (اے ایمان والو سود بڑھا چڑھا کر مت کھاؤ)، دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: "أحل الله البيع و حرم الربوا" (سورۂ بقرہ)۔

تاہم انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے راستے کیا ہوں؟ اس سلسلہ میں اس دور میں اسلامی بینکوں نے "تورق" کا طریقہ اختیار کیا ہے جس کی شکل یہ ہے کہ عام بینک طالب سرمایہ کو خریدار بننے کو کہتا ہے اور پھر اس خریدار سے کوئی ایسی شی فروخت کرتا ہے جس کو بیچ کر یہ ضرورت مند مطلوبہ سرمایہ حاصل کرسکتا ہے، اسلامی بینک کے لئے آیا اس طریقہ "تورق" کو اختیار کرنا صحیح ہے، یا نہیں؟ اس کو سمجھنے سے پہلے تورق اور عینہ کی حقیقت کو سمجھنا پڑے گا۔

☆ المعهد العالی تدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ۔

تورق کا حکم اور اس کی حقیقت:

موسوعہ فقہیہ میں جمہور امت کی ترجمانی کرتے ہوئے ''تورق'' کی حقیقت کو جو نقل کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے:

''والتورق فی الإصطلاح: أن یشتری سلعة نسیئة ثم یبیعها نقدا لغیر البائع بأقل مما اشتراه به لیحصل بذلک علی النقد'' (موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۷)۔

(اصطلاح شریعت میں تورق کہتے ہیں کسی سامان کو ادھار خرید کر بائع کے علاوہ کسی دوسرے سے کم قیمت پر نقد ثمن کے بدلے فروخت کر دینا)۔

تورق کی مذکورہ شکل جمہور فقہاء کے نزدیک سرمایہ فراہم کرنے کے لئے جائز ہے، چاہے ہم اس کا نام تورق دیں یا کچھ اور جیسا کہ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

خواہ حنابلہ ہوں یا غیر حنابلہ تمام حضرات آیت حلت بیع کے عموم کے پیش نظر مذکورہ تورق کے جواز کے قائل ہیں (موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۷)۔

اور کتاب الفروع میں ہے کہ تورق کو اکثر علماء نے جائز قرار دیا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی کو نقد رقم کی ضرورت ہو اور اس نے سو کی قیمت کے سامان کو دو سو میں خریدا تو کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ صاحب فروع رقم طراز ہیں:

''ولو احتاج إلی نقد فاشتری ما یساوی مائة بمائتین فلا بأس نص علیه وهو التورق'' (کتاب الفروع ۴/۱۷۱)۔

عینہ کی حقیقت اور اس کا حکم:

''العینة لغة السلف: واصطلاحا أن یبیع سلعة نسیئة ثم یشتریها البائع نفسه بثمن حال أقل منه'' (موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۷)۔

(عینہ کے معنی لغت میں سودا کرنے کے آتے ہیں، اور اصطلاح میں کسی سامان کو ادھار فروخت کر کے بذات خود بائع کا اس کو مشتری سے کم قیمت پر نقد ثمن کے بدلے خرید لینا)۔

صاحب فروع تحریر فرماتے ہیں:

"ولو باع شيئا نسيئة أو بثمن لم يقبضه......ثم اشتراه بأقل مما باعه......نقدا" (کتاب الفروع ۴/۱۶۹)۔

(اگر بائع نے کسی سامان کو ادھار فروخت کیا یا ایسے ثمن کے ذریعہ جس پر اس نے قبضہ نہیں کیا ہے پھر اپنی بیچی ہوئی چیز کو کم قیمت میں خرید لیا نقد)۔

شیخ خلیل احمد سہارنپوری "بذل المجہود" میں تحریر فرماتے ہیں:

"هو أن يبيع الرجل سلعة بثمن معلوم إلى أجل مسمى ثم يشتريها منه بأقل من الثمن الأول" (بذل المجہود ۴/۲۷۶)۔

(عینہ یہ ہے کہ کوئی شخص متعینہ مدت تک معلوم ثمن کے بدلہ کوئی سامان فروخت کردے پھر کم قیمت پر مشتری سے خرید لے)۔

جہاں تک "عینہ" کے جواز وعدم جواز کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرات شافعیہ کے علاوہ کوئی بھی اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں، علامہ ابن الہمام تورق اور عینہ کے متعلق علماء حنفیہ کی ترجمانی کرتے ہیں:

"إن الذي يقع في قلبي أن مايخرجه الدافع بانه إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع جميع ما اخرجه أو بعضه......فمكروه يعني تحريما فإن لم يعد كما إذا باعه المديون في السوق فلا كراهة فيه" (فتح القدیر ۷/۱۹۹)۔

(جو بات میرے دل میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ بائع جو کچھ مشتری کو سپرد کر رہا ہے، اگر اس کی صورت یہ ہو کہ کل یا بعض وہ لوٹ کر بائع کو ہی مل جائے تو عینہ ہے، یہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر وہ چیز بائع کی طرف لوٹ کر نہیں آتی جیسے کہ بازار میں خریدار جا کر بیچے تو درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے)۔

علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں بیع عینہ کے متعلق بالتفصیل تحریر فرماتے ہیں:

"لم يجز في قول أكثر أهل العلم روى ذلك عن ابن عباس و عائشة والحسن وابن سيرين والشعبي والنخعي وبه قال الزناد وربيعة وعبد العزيز بن سلمة والثوري والأوزاعي و مالك وأصحاب الرأي وأجازه الشافعي" (المغني ۴/ ۱۹۴)۔

(بیع عینہ اکثر اہل علم کے نزدیک جائز نہیں ہے، یہی روایت ابن عباس، عائشہ، حسن بصری، ابن سیرین، امام شعبی ونخعی سے منقول ہے، نیز اسی کے قائل حضرت زناد، ربیعہ، عبدالعزیز بن سلمہ، ثوری، اوزاعی، امام مالک اور علماء حنفیہ بھی ہیں صرف امام شافعی اسکو جائز قرار دیتے ہیں)۔

مذکورہ تمام عبارتوں سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں: ۱-تورق نام ہے مطلق بائع سے ادھار خرید کر کہیں اور بیچ دینے کا جب کہ عینہ میں بائع ہی سے بیچا جاتا ہے مقصد خریدار کا نقد روپۓ حاصل کرنا ہوتا ہے۔

۲-تورق کے جواز میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ عینہ میں جمہور فقہاء عدم جواز کے قائل ہیں، اور حضرت امام شافعی جواز کا حکم دیتے ہیں۔

امام شافعی بخاری شریف کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں ایک صحابی خیبر کی کچھ کھجوریں لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عمدہ کھجوروں کو دیکھ کر آپ ﷺ نے کہا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ صحابی نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول! ہم ایک صاع عمدہ دو صاع ردی دے کر لائے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو، سب کو دراہم کے بدلے فروخت کر کے دراہم سے کھجور لیا کرو (بخاری ۱/ ۲۹۳)۔

علامہ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: اس حدیث شریف سے بیع عینہ کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے اس قول "ثم اشتربه جنيبا" کے ذریعہ اس بائع کے علاوہ کی تخصیص نہیں فرمائی ہے جن سے ردی کھجور کو فروخت کیا تھا۔

علامہ ابن قدامہ نے شافعیہ کی عقلی دلیل کو مغنی میں نقل کیا ہے:"لأنه ثمن یجوز بیعها به من غیر بائعها فجاز من بائعها کما لو باعها بمثل ثمنها"(المغنی ۴/۱۹۴)۔

(کیوں کہ یہ ایسا ثمن ہے جس کے ذریعہ سامان کو غیر بائع سے بیچنا جائز ہے تو اسی بائع سے بھی جائز ہے جیسا کہ اسی ثمن کے مثل سے اس چیز کو بیچنا جائز ہے)۔

نیز حضرات شافعیہ اس کو مستقل از سر نوع بیع مانتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی نے اس کو مستقل بیع قرار دیا ہے یعنی ان کی نظر صرف ظاہر عقد پر رہی عاقدین کے ارادے اور نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

جمہور کے دلائل:

جمہور فقہاء نے بیع عینہ کے عدم جواز پر ابوداؤد کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس سے بالصراحت عینہ سے منع کیا گیا ہے:

"عن ابن عمر قال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: إذا تبایعتم بالعینة وأخذتم أذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجهاد سلط الله علیکم ذلا لاینزعه حتی ترجعوا إلی دینکم"(ابوداؤد ۲/۴۹۰)۔

(آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم عینہ کا معاملہ کرنے لگو گے، بیلوں کو لازم پکڑو گے اور کھیتی سے خوش ہو کر جہاد ترک کردو گے تو اللہ تعالی تم پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جس کو ختم نہیں کرے گا، یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف واپس آجاؤ)۔

اس حدیث کے متعلق علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:"هذا وعید یدل علی التحریم"(المغنی ۴/۱۹۴)، اوراوجز المسالک میں ایک روایت ہے:"دخلت انا وأم ولد زید بن أرقم علی عائشة فقالت أم ولد زید بن أرقم: إنی بعت غلاما من زید بثمان مائة درهم إلی العطاء ثم اشتریته منه بستمائة درهم نقدا فقالت لها: بئس مااشتریت وبئس ما شریت ابلغی زیدا: أن جهاده مع رسول الله أبطل إلا أن

یتوب" (أوجز المسالک ۵/۷)۔

(میں زید بن ارقم کی ام ولد کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو زید بن ارقم کی ام ولد نے عرض کیا کہ میں نے ایک غلام زید کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں تنخواہ ملنے کی تاریخ تک ادھار فروخت کیا پھر میں نے اس کو ان سے نقد چھ سو درہم میں خرید لیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تمہارا خریدنا اور بیچنا دونوں برابر ہے، اور جا کر زید کو خبر کر دو کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ان کا جہاد کرنا بیکار ہو گیا جب تک کہ توبہ نہ کر لیں)۔

روایت کے ساتھ ساتھ جمہور نے عقلی دلیل بھی پیش کی ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی نقل کرتے ہیں: "لأنه ذريعة إلى الربا وبه يتوصل إلى إباحة مانهى الله عنه، فلا يصح" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۶۹)۔

بیع عینہ کی ممانعت سد الذرائع کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ طریقہ کار دراصل سود کا ذریعہ بن کر ان تمام چیزوں کو مباح ٹھہرائے گا جن کو اللہ نے ممنوع قرار دیا ہے، لہذا یہ درست نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام دلائل کے پیش نظر جمہور نے کہا ہے کہ بیع عینہ درست نہیں ہے۔

جہاں تک امام شافعی کے استدلال کا تعلق ہے تو وہ درست نہیں، کیونکہ جس سے تمر اول فروخت کرنے کو کہا گیا ہے اسی سے تمر ثانی خریدنے کی حدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے، علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

"وقال القرطبي: استدل بهذا الحديث من لم يقل بسد الذرائع قال: ولا حجة في هذا الحديث لأنه لم ينص على جواز شراء التمر الثاني ممن باعه التمر الأول......" (فتح الباری ۴/۵۵)۔

(قرطبی نے فرمایا کہ یہ حدیث ان کا ہی مستدل بن سکتی ہے جو سد ذرائع کے قائل نہیں ہیں، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جواز عینہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ تمر اول کے بیچنے والے سے تمر ثانی کے خریدنے کے جواز پر کوئی صراحت نہیں ہے)۔

اور امام شافعی کا یہ استدلال کہ یہ مستقل بیع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر تو یہ بیع ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے سود ہے، اسی وجہ سے امام محمد نے اس کو پہاڑ کے مانند قابل مذمت قرار دیا ہے، علامہ ابن الہمام نقل کرتے ہیں:

"وقال محمد: هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربوا" (فتح القدیر ۷/۱۹۸)۔

نیز اس طرح کی بیع میں قرض پر بغیر عوض کے منفعت کا حصول ہوتا ہے جو درست نہیں ہے: "كل قرض شرط فيه أن يزيده، فهو حرام بغير خلاف، قدروی عن ابن عباس وابن مسعود وأبی بن كعب أنهم نهوا عن قرض جر نفعا" (المغنی والشرح الکبیر ۴/۳۹)۔

(ہر وہ قرض ہے جس میں زیادتی کی شرط ہو تو وہ متفقہ طور پر حرام ہے، ابن عباس، ابن مسعود اور ابی بن کعب سے مروی ہے کہ انہوں نے ہر ایسے قرض سے روکا جو حصول نفع کا داعی ہو)۔

بینک کا طریقہ کار عینہ ہے یا تورق:

اگر ہم مذکورہ بینک کے نظام پر غور کرتے ہیں تو تمام عبارتوں کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ بینک کا یہ طریقہ کار بیع عینہ کے قبیل سے ہے، کیونکہ "ب" بھی بینک ہی سے منسلک ایک ادارہ ہے، اور اس کے واسطے سے بینک بغیر کسی عوض کے دس ہزار روپئے وصول کررہا ہے اور بعینہ سامان بینک ہی کو پہنچ رہا ہے، لہذا اسلامی بینکوں کے لئے اس طریقہ کار کا اختیار کرنا ناجائز ہے، البتہ اتنی بات تو ضرور ہے کہ بیع عینہ میں براہ راست سامان بائع ہی کو واپس ملتا ہے جب کہ بینک میں الف سے لے کر ب کے واسطہ سے لوٹتا ہے، لہذا دونوں میں فرق ہو گیا تو اس کو بھی سواء حیلہ سود کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا، اسی سے ملتی جلتی شکل علامہ شامی نقل کرتے ہیں:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عینہ یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان کوئی تیسرا آدمی

آ جائے پھر قرض دینے والا اپنے کپڑے کو بارہ درہم میں قرض لینے والے سے فروخت کر کے اس کے حوالہ کر دے، پھر مستقرض اس کو تیسرے آدمی سے دس درہم میں فروخت کر کے اس کے حوالہ کر دے پھر تیسرا آدمی اس کو مقرض سے دس درہم میں بیچ کر اس کے حوالہ کر دے، اور اس سے دس درہم لے کر مستقرض کو دے دے اس طرح مستقرض کو دس درہم اور مقرض یعنی صاحب ثوب کو بارہ درہم حاصل ہوں گے (ردالمحتار ۷ ر ۵۴۲)۔

خلاصہ:

مذکورہ عبارت کی روشنی میں اسلامی بینک کا طریقہ کار بیع عینہ ہی ہے نہ کہ تورق، اور جمہور فقہاء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، احقر کی رائے بھی عدم جواز کی ہے۔



تورق کا مسئلہ اسلامی نقطہ نظر سے

مفتی رضوان الحسن مظاہری

تورق کا مسئلہ جو اسلامی بینکوں سے متعلق ہے بظاہر بیع عینہ کے قریب ہے، مگر ترتیب کے اعتبار سے بیع عینہ سے زیادہ واضح ہے، چونکہ بیع عینہ میں تھوڑی بہت منازعت کا خدشہ موجود ہوتا ہے، اس کے بعض شق کی مجہول ہونے کی وجہ سے اس کے باوجود منازعت یسیر جس کو بائع اور مشتری دونوں آسانی سے حل کر سکیں وہ بھی مانع نہیں ہے (ہدایہ ثالث باب البیوع)۔

تورق کا مسئلہ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسلامی بینک ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کے لئے ایک حیلہ کے طور پر نقد رقم دینے کے بجائے کوئی اشیاء ضرورت مند کو فراہم کرتا ہے، مثلاً زید کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہو تو زید بینک سے ایک لاکھ دس ہزار کا لوہا ادھار خریدتا ہے اور اسے کسی کو یا اسی بینک کو ایک لاکھ روپے میں نقد فروخت کر دیتا ہے، اس طرح زید کو ایک لاکھ مطلوبہ رقم حاصل ہو جاتی ہے اور بینک کو دس ہزار روپیہ نفع مل جاتا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ نقد رقم فراہم کرنے کے لئے اس طریقہ کار کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جواب: قرض کی حقیقت کسی سے مخفی نہیں، خود حضور ﷺ نے کئی بار قرض لے کر احسن طریقہ سے ادا کرنے کی تاکید کی، اور خود آپ ﷺ نے احسن طریقہ سے ادا فرمایا اور ان لوگوں کی تعریف کی جو اپنے قرضوں کو اچھی طرح سے ادا کرے، "إن خير الناس أحسنكم قضاء" (بہترین شخص وہ ہے جو ادائیگی میں بہتر برتاؤ روا رکھے)۔

قرض انسانی ضروریات کو پوری کرنے کی ایک شکل ہے، اور مصلحت انسانی کا تقاضا

بھی یہی ہے، چنانچہ قرآن نے اللہ کے راستہ میں انفاق کو قرض حسن قرار دیا فرمایا: "من ذاالذی یقرض اللہ قرضا حسنا" (کون شخص ہے ایسا جو قرض دے اللہ کو اچھا قرض) (سورۂ بقرہ: ۲۴۴)۔

اس میں قرض کے جائز بلکہ مستحب اور مطلوب ہونے کی طرف اشارہ ہے، ایک جگہ دین (قرض) کے معاملات کو لکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے: "یأیھا الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوہ" (اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو) (سورہ بقرہ) پھر قرض ایک ایسی مصلحت ہے کہ بہت سے مواقع پر اس سے مفر نہیں ہوتا، اس لئے اگر اس میں وسعت کے پہلو کی گنجائش نہ رکھی جائے تو تنگی اور دشواری کا باعث ہوگا اور نا قابل برداشت حرج و تنگی کو دور کرنا شریعت کا ایک اہم ترین مقصد ہے، ارشاد ربانی ہے: "ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج" (سورۂ مائدہ: ۶) اسی طرح اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے نہ کہ دشواری اور پریشانی۔

"إن اللہ یرید بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (سورۂ بقرہ)۔

بیع عینہ جو اپنی ترتیب اور حیلہ کے اعتبار سے تورق سے غیر واضح ہے کہ قرض خواہ کو مطلوبہ رقم فراہم ہو جائے اور بظاہر سود بھی نہ ہو، اس حیلہ کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے، احناف علی الاطلاق اس کے جواز کے قائل ہیں، مگر حنفیہ میں قاضی ابو یوسف نے اس کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کے عامل کو مستحق اجر قرار دیا ہے۔

امام شافعی بھی کراہت کے ساتھ جواز کے قائل ہیں (قاموس الفقہ)۔

ان تشریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقہاء نے ضروریات انسانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے جواز کے فتوے دیئے ہیں، آج معاشی حالات بد سے بدتر ہیں، سودی نظام اور سود کے رائج ہو جانے کی بنا پر لوگ اس برے نظام میں دن بدن الجھتے جا رہے ہیں، اس لئے کوئی متبادل نظام کو رائج کرنا جس سے ضروریات انسانی کے تقاضوں کو شریعت کے حدود میں پورا

کیا جا سکے علماء امت کی ذمہ داری ہے، ان حالات میں قاضی ابو یوسف اور امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرنا بہتر ہوگا، اور اس کی نظیر موجود ہے، نیز یہ تو ایک پہلو ہے مسئلہ کی کہ احتیاطاً اس کو قرض مان لیا جائے اور اگر تورق کو محض خرید وفروخت شمار کیا جائے تو مسئلہ کا دوسرا پہلو ہے پھر تو اس کے جواز اور عدم جواز کا سوال ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ جائز اور درست ہے۔

اس لئے کہ اس کو بیع نسیہ یعنی ادھار خرید وفروخت کہا جائے گا اور ادھار میں کمی بیشی پر تمام فقہاء متفق ہیں، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"فی الهدایه: انه یزاد فی الثمن لأجل الاجل" اس لئے اس کو خرید وفروخت پر محمول کر کے امت کے لئے آسانی پیدا کی جائے، یہی راقم التحریر کی رائے ہے۔

اور تورق کے مسئلہ کو خرید وفروخت پر محمول کیا جائے، اور ان شرطوں کے ساتھ اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے جو خرید وفروخت کے لئے فقہاء نے لازم اور ضروری قرار دیا ہے۔

۱- مثلاً بینک ضرورت مند کو اشیاء فراہم کرتے وقت یہ شرط نہ لگائے کہ وہ اشیاء کو ہمارے ہاتھ ہی فروخت کرے زید کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے وہ اشیاء کو کہیں بھی فروخت کرے۔

۲- بینک ادھار دیتے وقت مدت ادائیگی کو واضح اور متعین کردے۔

۳- بینک جو اشیاء زید کو فراہم کرے وہ زید کو معلوم ہو اور زید اس پر قبضہ کرے اور پھر دوبارہ اس کو جس سے چاہے فروخت کرے (حوالہ المستفاد من الہدایہ)۔



تورق کی حقیقت فقہاء کی نظر میں

مولانا عبدالتواب اناوی☆

تورق کی اس موجودہ صورت سے ملتی جلتی صورت جو ہمارے یہاں ہے وہ کچھ اس طرح ہے، جو موسوعہ فقہیہ میں بھی ہے:

''ضرورت مند قرض کی غرض سے صاحب مال سے قرض لینے کی خاطر کم قیمت کی چیز زیادہ قیمت میں خریدتا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کرام نے اسے جائز مع الکراہت کا حکم دیا ہے، حضرت ابن عابدین لکھتے ہیں: مذکورہ صورت کراہت کے ساتھ درست ہے، لیکن اس کی شکل آگے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ قرض پہلے دے دیا ہو اور معاملہ بیع بعد میں ہوا ہو اور اس معاملہ میں قرض سے نفع اٹھانا مشروط نہ ہو، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے، اور امام کرخی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب اس نے قرض پہلے حاصل کرلیا ہے اور اب اس کے بعد ثمن غال کے ساتھ کوئی چیز مقرض سے خرید رہا ہے تو اب اسمیں کچھ حرج نہیں اور امام خصاف نے بھی لا یجوز نہیں کہا بلکہ انہوں نے صرف یہ کہہ کر بات ختم کردی کہ میں اس کو اچھا نہیں سمجھتا، لیکن شمس الائمہ حلوانی اسے حرام قرار دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے کہ مستقرض یہ کہہ رہا ہے کہ اگر میں یہ سامان اس سے ثمن غال کے ساتھ نہ خریدوں تو وہ فوراً قرض کی واپسی کا مطالبہ کردے گا، امام محمد فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا، خواہر زادہ کہتے ہیں جو کچھ سلف سے منقول ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ جب قرض کے ساتھ منفعت مشروط ہو تو

☆ خادم جامعہ اسلامیہ باگر مئو، اناؤ (یوپی)۔

وہ بالاتفاق مکروہ ہے اور جو کچھ امام محمدؒ نے فرمایا ہے وہ قرض کے ساتھ نفع کی شرط نہ ہونے پر محمول ہے اور یہ بھی بالاتفاق غیر مکروہ ہے، اور یہ صورت قرض کے بیع پر مقدم ہونے کی تھی، اور اب بیع کا قرض پر مقدم ہونے کا ذکر ہے، جس کی شکل اس طرح ہے کہ صاحب مال نے ضرورت مند سے بیس دینار قیمت والے کپڑے کو چالیس دینار میں پھر اس کو ساٹھ دینار اور قرض دیئے تو اب صاحب مال کے لئے اس ضرورت مند کے اوپر سو دینار ہو گئے حالانکہ اس بیچارے کو صرف اسی دینار ہی حاصل ہوئے ہیں، امام خصاف نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور یہی مذہب محمد ابن سلمہ امام بلخ کا بھی ہے، بلخ کے دیگر بہت سے مشائخ نے اسے مکروہ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ایسا قرض ہے جس سے نفع اٹھایا گیا ہے، کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مستقرض کو یہ مہنگا سامان نہ خریدنا پڑتا، لیکن ان مشائخ کی طرف سے یہ بات بھی آتی ہے کہ یہ صورت مکروہ اس وقت ہے جبکہ دونوں معاملہ ایک ہی مجلس میں منعقد ہوئے ہوں ورنہ کچھ کراہت نہ ہوگی، اور وہ اس لئے کہ ایک مجلس کے اندر بہت سی مختلف قسم کی باتیں ہوا کرتی ہیں تو اسی لحاظ سے گویا وہ دونوں معاملات اگر ایک ہی مجلس میں ہوں گے تو گویا ایک ہی معاملہ ہوا ہے، تو جب ایک معاملہ ہوگا تو یقیناً قرض سے نفع اٹھانا مشروط ہوا، اور شمس الائمہ امام حلوانی نے امام خصاف اور محمد بن سلمہ کے مذہب پر فتوی دیا ہے اور بڑے زوردار انداز میں فرمایا ہے کہ یہ قرض پر نفع حاصل کرنا نہیں بلکہ یہ بیع ہے جس سے نفع حاصل کیا گیا ہے اور وہ قرض ہے" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۳/ ۱۳۴، ۱۳۵، ہندیہ ۳/ ۲۰۳، شامی ۴/ ۱۷۵)۔

مذکورہ عبارات میں حضرات ائمہ کے اقوال سے جو روشنی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر قرض سے نفع مقصود ہو تو یہ صورت کسی بھی طرح درست نہ ہوگی بلکہ کل قرض جر نفعا فہو ربا کا مصداق بنے گی، اور اگر یہ نیت نہ ہو یعنی قرض سے نفع اٹھانا مقصود نہ ہو تو پھر لا بأس بہ کی بات آتی ہے، بیع قرض سے پہلے ہو اور قرض بعد میں یا قرض پہلے ہو اور بیع بعد میں اسی طرح دونوں کی مجلس ایک ہو یا الگ الگ بہر صورت بات وہی ہے کہ اگر قرض پر نفع مقصود ہو تو ربا اور قرض پر نفع مقصود نہ

ہو تو مباح۔

تورق میں ضرورت مند بینک سے سامان خریدتا ہے اور یہ الگ معاملہ معاملۃ البیع ہے پھر دوسرے دفتر میں جا کر اسے فروخت کرتا ہے خواہ کم قیمت پر ہی سہی مگر یہ دوسرا معاملہ ہے اور یہ بھی معاملۃ البیع ہے اور بیع میں نفع مقصود ہی ہوتا ہے، اور یہاں قرض کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے کہ جس سے شبہ ہو کہ یہ قرض پر نفع حاصل کیا جارہا ہے، جس کی وجہ سے "کل قرض جر نفعا فھو ربا" کے تحت یہ معاملہ درست قرار نہ دیا جائے اور اس کا انسداد کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ تورق سے نہ معلوم کتنے انسان اپنی ضرورتیں پوری کر رہے ہیں اور اسلامی بینک کو اپنے اخراجات بھی پورے کرنے ہیں سو اگر اس صورت میں فیصد لگا کر حصول کرے تو یہ بہر حال سود ہوگا اور ناجائز ہوگا بہر حال دیکھنا دونوں کو ہے بینک کے اخراجات کو بھی اور ضرورت مند کی ضرورت کو بھی اور حنابلہ نے یہاں بیع عینہ جس کا حوالہ سوالنامہ میں بھی دیا گیا ہے وہ صورت مسئولہ میں مقیس علیہ بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے اور مذکورہ بالا اقوال ائمہ کرام سے یہ بات اپنے یہاں بھی صاف ہو جاتی ہے کہ مقصود نفع علی القرض نہ ہو اور تورق میں بظاہر قرض ہے ہی نہیں اور جب قرض ہے ہی نہیں تو نفع علی القرض مقصود کیسے ہوسکتا ہے اور اگر کہا جائے کہ اس نے اس بیچارے سے نفع لے لیا تو بیع میں نفع لینا کوئی نئی اور ناجائز بات تو نہیں۔

بہر کیف تورق دو الگ الگ معاملۃ البیع ہیں اور بیع میں نفع ونقصان دونوں ہوتا ہے، بیع کے نقصان کو یا فائدہ کو قرض پر محمول نہیں کرتے، مثلاً اگر ایک آدمی کے پاس کوئی جائے اور کہے کہ مجھے ایک ہزار روپیہ قرض دے وہ کہتا ہے میرے پاس ایک ہزار روپے تو نہیں ہیں ہاں ایک ہزار روپے کے گیہوں مجھ سے لے لو اور بازار میں جا کر بیچ لو اب وہ بازار میں جا کر بیچتا ہے تو نوے روپے میں بکتا ہے، تو کیا اس صورت میں اس کو ناجائز کہیں گے بالکل نہیں، جائز ہی ہوگا، اور اگر بازار میں خود گیہوں دینے والے کی بھی ایک دکان ہو اور اتفاق سے گیہوں لے

جانے والا شخص اسی کی دکان پر نو سو روپئے کا بیچ دے اور سو روپیہ خود گیہوں دینے والے کو نفع مل جائے تو کیا اس کو ''کل قرض جر نفعا'' کے تحت شمار کریں گے نہیں بلکہ امام حلوانی کے قول کے مطابق ''ہذا بیع جر منفعۃ'' کہیں گے۔ اور تورق کی صورت بھی بالکل یہی صورت ہے۔



تورق کا حکم فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا محمد موسیٰ ☆

دور حاضر کے مالیاتی اور اقتصادی نظام میں بینک ایک کلیدی حیثیت کا حامل ہے، فاضل سرمایہ کو جمع کر کے مختلف اقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کے ذریعہ سرمایہ فراہم بھی ہوتا ہے، اور قومی پیداوار میں اضافہ بھی ہوتا ہے، عام بینک ضرورت مندوں کو قرض بھی فراہم کرتے ہیں، مگر یہ پورا نظام بینکنگ سود کی بنیاد پر قائم ہے، جسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے، "أحل الله البيع و حرم الربوا" (سورۂ بقرہ)، ایسی صورت میں اسلامی بینکوں نے ایک طریقہ تورق کا اختیار کیا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے، نیز اسلامی بینکوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے پہلے تورق اور بیع عینہ کی حقیقت جاننا ضروری ہے۔

تورق:

اصطلاح میں تورق کہتے ہیں: مشتری سامان کو ادھار خرید لے پھر اس سے کم قیمت پر بائع کے علاوہ کسی دوسرے سے نقد قیمت پر فروخت کر دے (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۷)۔

تورق کی اصطلاح عموماً فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتی ہے، صاحب فروع لکھتے ہیں:

"ولو احتاج إلى نقد فاشترى ما يساوى مائة بمأتين فلا بأس نص عليه وهى التورق" (الفروع ۴/ ۱۷۱)۔

(اگر کسی کو نقد قیمت کی ضرورت ہو تو اس نے سو روپئے والے سامان کو دو سو روپے میں

☆ المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء، پھلواری شریف پٹنہ۔

خریدا تو کوئی حرج نہیں، اور یہی تورق ہے)۔

تورق کی اصطلاح اگرچہ حنابلہ کے یہاں ہے لیکن اس کی جو شکل ہے وہ تمام فقہاء کے یہاں جائز ہے کیونکہ اس میں نہ ربا کا قصد ہے اور نہ بظاہر اس کی کوئی صورت ہے، اسی وجہ سے کشاف القناع میں اس کی اباحت پر اجماع نقل کیا ہے:

"جمهور العلماء على إباحته سواء من سماه تورقا وهم الحنابلة أو من لم يسمه بهذا الاسم وهي من عدا الحنابلة" (الموسوعۃ ۱۴/ ۱۴۷ بحوالہ الکشاف القناع ۱۸۶/۳)۔

(جمہور علماء اس کی اباحت پر ہیں خواہ وہ حضرات جنہوں نے اس کو تورق کا نام دیا ہے اور وہ حنابلہ ہیں، یا جنہوں نے اس نام سے موسوم نہیں کیا ہے وہ بھی اور وہ حنابلہ کے علاوہ ہیں)۔

اس سے صاف واضح ہو گیا کہ تورق کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بس صرف اصطلاح کا فرق ہے، جیسا کہ علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں:

"إن الذي يقع في قلبي أن ما يخرجه الدافع إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع جميع ما أخرجه أو بعضه......فمكروه يعني تحريما فإن لم يعد كما إذا باعه المديون في السوق فلا كراهة فيه" (فتح القدیر باب الکفالۃ ۷/ ۱۹۹)۔

(میرے دل میں جو بات کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ بائع نے جو کچھ دیا ہے اس کی شکل یہ ہو کہ بائع کے پاس اس کا تمام حصہ یا بعض حصہ لوٹ کر آ جائے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر لوٹ کر نہ آئے جیسا کہ مدیون نے اس کو بازار میں فروخت کر دیا تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے)۔

عینہ اور اس کی حقیقت:

عینہ کہتے ہیں: خریدار جس شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے اس شخص سے کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے (شامی ۷/ ۶۱۳)۔

اسی کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں: "هو أن يبيع الرجل سلعة بثمن معلوم إلى أجل مسمى ثم يشتريها منه بأقل من الثمن الأول" (بذل المجهود ۴/۲۷۶) (کہ آدمی متعینہ مدت تک معلوم ثمن کے بدلہ کوئی سامان فروخت کردے پھر اس کو مشتری سے ثمن اول سے کم قیمت پر خرید لے)۔

بیع عینہ کے جواز و عدم جواز میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"الخلاصة: أن جمهور الفقهاء غير الشافعية قالوا بفساد هذا البيع وعدم صحته" (الفقه الاسلامي وادلته ۴/۴۶۹) (خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء نے اس بیع کو فاسد اور غیر صحیح قرار دیا ہے)۔

"لم يجز في قول أكثر أهل العلم روى ذلک عن ابن عباس وعائشة والحسن وابن سيرين والشعبی والنخعی وبه قال الزناد وربيعة وعبد العزيز بن سلمة والثوری والأوزاعی ومالک وأصحاب الرای وأجازه الشافعی" (المغنی ۴/۱۹۴)۔

(اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے یہی روایت ابن عباس، عائشہ، حسن، ابن سیرین، شعبی، نخعی سے مروی ہے، اور اسی کے قائل زناد، ربیعہ، عبدالعزیز بن سلمہ، ثوری، اوزاعی، مالک اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ ہیں، اور امام شافعیؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ بیع عینہ کو صرف امام شافعیؒ جائز قرار دیتے ہیں، اور ان کا استدلال بخاری شریف کی اس روایت سے ہے:

أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر فجاءه بتمر جنيب، فقال رسول الله ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله يا رسول الله! إنا لنا خذ الصاع من هذا بالصاعين، والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا

صاحب فروع تحریر فرماتے ہیں:

"ولو باع شيئا نسيئة أو بثمن لم يقبضه......ثم اشتراه بأقل مما باعه......نقدا" (کتاب الفروع ۱۶۹/۴)۔

(اگر بائع نے کسی سامان کو ادھار فروخت کیا یا ایسے ثمن کے ذریعہ جس پر اس نے قبضہ نہیں کیا ہے پھر اپنی بیچی ہوئی چیز کو کم قیمت میں خرید لیا نقد)۔

شیخ خلیل احمد سہارنپوری "بذل المجہود" میں تحریر فرماتے ہیں:

"هو أن يبيع الرجل سلعة بثمن معلوم إلى أجل مسمى ثم يشتريها منه بأقل من الثمن الأول" (بذل المجہود ۲۷۶/۴)۔

(عینہ یہ ہے کہ کوئی شخص متعینہ مدت تک معلوم ثمن کے بدلہ کوئی سامان فروخت کردے پھر کم قیمت پر مشتری سے خرید لے)۔

جہاں تک "عینہ" کے جواز وعدم جواز کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرات شافعیہ کے علاوہ کوئی بھی اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں، علامہ ابن الہمام تورق اور عینہ کے متعلق علماء حنفیہ کی ترجمانی کرتے ہیں:

"إن الذي يقع في قلبي أن مايخرجه الدافع بانه إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع جميع ما اخرجه أو بعضه......فمكروه يعني تحريما فإن لم يعد كما إذا باعه المديون في السوق فلا كراهة فيه" (فتح القدیر ۱۹۹/۷)۔

(جو بات میرے دل میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ بائع جو کچھ مشتری کو سپرد کررہا ہے، اگر اس کی صورت یہ ہو کہ کل یا بعض وہ لوٹ کر بائع کو ہی مل جائے تو عینہ ہے، یہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر وہ چیز بائع کی طرف لوٹ کر نہیں آتی جیسے کہ بازار میں خریدار جاکر بیچے تو درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے)۔

علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں بیع عینہ کے متعلق بالتفصیل تحریر فرماتے ہیں:

”لم يجز في قول أكثر أهل العلم روى ذلك عن ابن عباس و عائشة والحسن وابن سيرين والشعبي والنخعي وبه قال الزناد وربيعة وعبد العزيز بن سلمة والثوري والأوزاعي و مالك وأصحاب الرأى وأجازه الشافعي“(المغنی ۴؍۱۹۴)۔

(بیع عینہ اکثر اہل علم کے نزدیک جائز نہیں ہے، یہی روایت ابن عباس، عائشہ، حسن بصری، ابن سیرین، امام شعبی ونخعی سے منقول ہے، نیز اسی کے قائل حضرت زناد، ربیعہ، عبدالعزیز بن سلمہ، ثوری، اوزاعی، امام مالک اور علماء حنفیہ بھی ہیں صرف امام شافعی اسکو جائز قرار دیتے ہیں)۔

مذکورہ تمام عبارتوں سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں: ۱-تورق نام ہے مطلق بائع سے ادھار خرید کر کہیں اور بیچ دینے کا جب کہ عینہ میں بائع ہی سے بیچا جاتا ہے مقصد خریدار کا نقد روپے حاصل کرنا ہوتا ہے۔

۲-تورق کے جواز میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ عینہ میں جمہور فقہاء عدم جواز کے قائل ہیں، اور حضرت امام شافعی جواز کا حکم دیتے ہیں۔

امام شافعی بخاری شریف کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں ایک صحابی خیبر کی کچھ کھجوریں لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عمدہ کھجوروں کو دیکھ کر آپ ﷺ نے کہا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ صحابی نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول! ہم ایک صاع عمدہ دو صاع ردی دے کر لائے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو، سب کو دراہم کے بدلے فروخت کر کے دراہم سے کھجور لیا کرو (بخاری ۱؍۲۹۳)۔

علامہ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: اس حدیث شریف سے بیع عینہ کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے اس قول ”ثم اشتربه جنيبا“ کے ذریعہ اس بائع کے علاوہ کی تخصیص نہیں فرمائی ہے جن سے ردی کھجور کو فروخت کیا تھا۔

علامہ ابن قدامہ نے شافعیہ کی عقلی دلیل کو مغنی میں نقل کیا ہے: "لأنه ثمن يجوز بيعها به من غير بائعها فجاز من بائعها كما لو باعها بمثل ثمنها" (المغنی ۴ر ۱۹۴)۔

(کیوں کہ یہ ایسا ثمن ہے جس کے ذریعہ سامان کو غیر بائع سے بیچنا جائز ہے تو اسی بائع سے بھی جائز ہے جیسا کہ اسی ثمن کے مثل سے اس چیز کو بیچنا جائز ہے)۔

نیز حضرات شافعیہ اس کو مستقل از سر نو بیع مانتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی نے اس کو مستقل بیع قرار دیا ہے یعنی ان کی نظر صرف ظاہر عقد پر رہی عاقدین کے ارادے اور نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

جمہور کے دلائل:

جمہور فقہاء نے بیع عینہ کے عدم جواز پر ابوداؤد کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس سے بالصراحت عینہ سے منع کیا گیا ہے:

"عن ابن عمر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لاينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم" (ابوداؤد ۲ر ۴۹۰)۔

(آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم عینہ کا معاملہ کرنے لگو گے، بیلوں کو لازم پکڑو گے اور کھیتی سے خوش ہو کر جہاد ترک کردو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جس کو ختم نہیں کرے گا، یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف واپس آجاؤ)۔

اس حدیث کے متعلق علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: "هذا وعيد يدل على التحريم" (المغنی ۴ر ۱۹۴)، اور اوجز المسالک میں ایک روایت ہے: "دخلت انا وأم ولد زيد بن أرقم على عائشة فقالت أم ولد زيد بن أرقم: إني بعت غلاما من زيد بثمان مائة درهم إلى العطاء ثم اشتريته منه بستمائة درهم نقدا فقالت لها: بئس ماالشتريت وبئس ما شريت ابلغي زيدا: أن جهاده مع رسول الله أبطل إلا أن

یتوب"(أوجز المسالک ۵/۷)۔

(میں زید بن ارقم کی ام ولد کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو زید بن ارقم کی ام ولد نے عرض کیا کہ میں نے ایک غلام زید کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں تنخواہ ملنے کی تاریخ تک ادھار فروخت کیا پھر میں نے اس کو ان سے نقد چھ سو درہم میں خرید لیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تمہارا خریدنا اور بیچنا دونوں برابر ہے، اور جا کر زید کو خبر کر دو کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ان کا جہاد کرنا بیکار ہو گیا جب تک کہ توبہ نہ کرلیں)۔

روایت کے ساتھ ساتھ جمہور نے عقلی دلیل بھی پیش کی ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی نقل کرتے ہیں: "لأنه ذريعة إلى الربا وبه يتوصل إلى إباحة مانهى الله عنه، فلا يصح"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۶۹)۔

بیع عینہ کی ممانعت سد الذرائع کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ طریقہ کار دراصل سود کا ذریعہ بن کر ان تمام چیزوں کو مباح ٹھہرائے گا جن کو اللہ نے ممنوع قرار دیا ہے، لہذا یہ درست نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام دلائل کے پیش نظر جمہور نے کہا ہے کہ بیع عینہ درست نہیں ہے۔

جہاں تک امام شافعی کے استدلال کا تعلق ہے تو وہ درست نہیں، کیونکہ جس سے تمر اول فروخت کرنے کو کہا گیا ہے اسی سے تمر ثانی خریدنے کی حدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے، علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

"وقال القرطبي: استدل بهذا الحديث من لم يقل بسد الذرائع قال: ولا حجة في هذا الحديث لأنه لم ينص على جواز شراء التمر الثاني ممن باعه التمر الأول......"(فتح الباری ۴/۵۵)۔

(قرطبی نے فرمایا کہ یہ حدیث ان کا ہی مستدل بن سکتی ہے جو سد ذرائع کے قائل نہیں ہیں، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جواز عینہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ تمر اول کے بیچنے والے سے تمر ثانی کے خریدنے کے جواز پر کوئی صراحت نہیں ہے)۔

اور امام شافعی کا یہ استدلال کہ یہ مستقل بیع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر تو یہ بیع ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے سود ہے، اسی وجہ سے امام محمد نے اس کو پہاڑ کے مانند قابل مذمت قرار دیا ہے، علامہ ابن الہمام نقل کرتے ہیں:

"وقال محمد: هذا البيع فی قلبی كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربوا" (فتح القدیر ۷/ ۱۹۸)۔

نیز اس طرح کی بیع میں قرض پر بغیر عوض کے منفعت کا حصول ہوتا ہے جو درست نہیں ہے: "كل قرض شرط فيه أن يزيده، فهو حرام بغير خلاف، قدروی عن ابن عباس وابن مسعود وأبی بن كعب أنهم نهوا عن قرض جر نفعا" (المغنی والشرح الکبیر ۴/ ۳۹)۔

(ہر وہ قرض ہے جس میں زیادتی کی شرط ہو تو وہ متفقہ طور پر حرام ہے، ابن عباس، ابن مسعود اور ابی بن کعب سے مروی ہے کہ انہوں نے ہر ایسے قرض سے روکا جو حصول نفع کا داعی ہو)۔

بینک کا طریقہ کار عینہ ہے یا تورق:

اگر ہم مذکورہ بینک کے نظام پر غور کرتے ہیں تو تمام عبارتوں کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ بینک کا یہ طریقہ کار بیع عینہ کے قبیل سے ہے، کیونکہ "ب" بھی بینک ہی سے منسلک ایک ادارہ ہے، اور اس کے واسطے سے بینک بغیر کسی عوض کے دس ہزار روپے وصول کر رہا ہے اور بعینہ سامان بینک ہی کو پہنچ رہا ہے، لہذا اسلامی بینکوں کے لئے اس طریقہ کار کا اختیار کرنا ناجائز ہے، البتہ اتنی بات تو ضرور ہے کہ بیع عینہ میں براہ راست سامان بائع ہی کو واپس ملتا ہے جب کہ بینک میں الف سے لے کر ب کے واسطہ سے لوٹتا ہے، لہذا دونوں میں فرق ہو گیا تو اس کو بھی سوا حیلہ سود کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا، اسی سے ملتی جلتی شکل علامہ شامی نقل کرتے ہیں:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عینہ یہ ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان کوئی تیسرا آدمی

آ جائے پھر قرض دینے والا اپنے کپڑے کو بارہ درہم میں قرض لینے والے سے فروخت کر کے اس کے حوالہ کر دے، پھر مستقرض اس کو تیسرے آدمی سے دس درہم میں فروخت کر کے اس کے حوالہ کر دے پھر تیسرا آدمی اس کو مقرض سے دس درہم میں بیچ کر اس کے حوالہ کر دے، اور اس سے دس درہم لے کر مستقرض کو دے دے اس طرح مستقرض کو دس درہم اور مقرض یعنی صاحب ثوب کو بارہ درہم حاصل ہوں گے (ردالمحتار ۷/۵۴۲)۔

خلاصہ:

مذکورہ عبارت کی روشنی میں اسلامی بینک کا طریقہ کار بیع عینہ ہی ہے نہ کہ تورق، اور جمہور فقہاء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، احقر کی رائے بھی عدم جواز کی ہے۔



تورق کا مسئلہ اسلامی نقطہ نظر سے

مفتی رضوان الحسن مظاہری

تورق کا مسئلہ جو اسلامی بینکوں سے متعلق ہے بظاہر بیع عینہ کے قریب ہے، مگر ترتیب کے اعتبار سے بیع عینہ سے زیادہ واضح ہے، چونکہ بیع عینہ میں تھوڑی بہت منازعت کا خدشہ موجود ہوتا ہے، اس کے بعض شق کی مجہول ہونے کی وجہ سے اس کے باوجود منازعت یسیر جس کو بائع اور مشتری دونوں آسانی سے حل کر سکیں وہ بھی مانع نہیں ہے (ہدایہ ثالث باب البیوع)۔

تورق کا مسئلہ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسلامی بینک ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کے لئے ایک حیلہ کے طور پر نقد رقم دینے کے بجائے کوئی اشیاء ضرورت مند کو فراہم کرتا ہے، مثلاً زید کو ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہو تو زید بینک سے ایک لاکھ دس ہزار کا لوہا ادھار خریدتا ہے اور اسے کسی کو یا اسی بینک کو ایک لاکھ روپے میں نقد فروخت کر دیتا ہے، اس طرح زید کو ایک لاکھ مطلوبہ رقم حاصل ہو جاتی ہے اور بینک کو دس ہزار روپیہ نفع مل جاتا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ نقد رقم فراہم کرنے کے لئے اس طریقہ کار کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جواب: قرض کی حقیقت کسی سے مخفی نہیں، خود حضور ﷺ نے کئی بار قرض لے کر احسن طریقہ سے ادا کرنے کی تاکید کی، اور خود آپ ﷺ نے احسن طریقہ سے ادا فرمایا اور ان لوگوں کی تعریف کی جو اپنے قرضوں کو اچھی طرح سے ادا کرے، ”إن خير الناس أحسنكم قضاء“ (بہترین شخص وہ ہے جو ادائیگی میں بہتر برتاؤ روا رکھے)۔

قرض انسانی ضروریات کو پوری کرنے کی ایک شکل ہے، اور مصلحت انسانی کا تقاضا

بھی یہی ہے، چنانچہ قرآن نے اللہ کے راستہ میں انفاق کو قرض حسن قرار دیا فرمایا: "من ذاالذی یقرض الله قرضا حسنا" (کون شخص ہے ایسا جو قرض دے اللہ کو اچھا قرض) (سورۂ بقرہ: ۲۴۴)۔

اس میں قرض کے جائز بلکہ مستحب اور مطلوب ہونے کی طرف اشارہ ہے، ایک جگہ دین (قرض) کے معاملات کو لکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے: "یأیھا الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوہ" (اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو) (سورہ بقرہ) پھر قرض ایک ایسی مصلحت ہے کہ بہت سے مواقع پر اس سے مفر نہیں ہوتا، اس لئے اگر اس میں وسعت کے پہلو کی گنجائش نہ رکھی جائے تو تنگی اور دشواری کا باعث ہوگا اور نا قابل برداشت حرج وتنگی کو دور کرنا شریعت کا ایک اہم ترین مقصد ہے، ارشاد ربانی ہے: "ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج" (سورۂ مائدہ: ۶) اسی طرح اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے نہ کہ دشواری اور پریشانی۔

"إن الله یرید بکم الیسر ولا یریدبکم العسر" (سورۂ بقرہ)۔

بیع عینہ جو اپنی ترتیب اور حیلہ کے اعتبار سے تورق سے غیر واضح ہے کہ قرض خواہ کو مطلوبہ رقم فراہم ہو جائے اور بظاہر سود بھی نہ ہو، اس حیلہ کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے، احناف علی الاطلاق اس کے جواز کے قائل ہیں، مگر حنفیہ میں قاضی ابو یوسف نے اس کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کے عامل کو مستحق اجر قرار دیا ہے۔

امام شافعی بھی کراہت کے ساتھ جواز کے قائل ہیں (قاموس الفقہ)۔

ان تشریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقہاء نے ضروریات انسانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے جواز کے فتوے دیئے ہیں، آج معاشی حالات بد سے بدتر ہیں، سودی نظام اور سود کے رائج ہو جانے کی بنا پر لوگ اس برے نظام میں دن بدن الجھتے جا رہے ہیں، اس لئے کوئی متبادل نظام کو رائج کرنا جس سے ضروریات انسانی کے تقاضوں کو شریعت کے حدود میں پورا

کیا جا سکے علماء امت کی ذمہ داری ہے، ان حالات میں قاضی ابو یوسف اور امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرنا بہتر ہوگا، اور اس کی نظیر موجود ہے، نیز یہ تو ایک پہلو ہے مسئلہ کی کہ احتیاطاً اس کو قرض مان لیا جائے اور اگر تورق کو محض خرید و فروخت شمار کیا جائے تو مسئلہ کا دوسرا پہلو ہے پھر تو اس کے جواز اور عدم جواز کا سوال ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ جائز اور درست ہے۔

اس لئے کہ اس کو بیع نسیہ یعنی ادھار خرید و فروخت کہا جائے گا اور ادھار میں کمی بیشی پر تمام فقہاء متفق ہیں، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"فی الهدایه: انه یزاد فی الثمن لأجل الاجل" اس لئے اس کو خرید و فروخت پر محمول کر کے امت کے لئے آسانی پیدا کی جائے، یہی راقم التحریر کی رائے ہے۔

اور تورق کے مسئلہ کو خرید و فروخت پر محمول کیا جائے، اور ان شرطوں کے ساتھ اس کے جواز کا فتوی دیا جائے جو خرید و فروخت کے لئے فقہاء نے لازم اور ضروری قرار دیا ہے۔

۱- مثلاً بینک ضرورت مند کو اشیاء فراہم کرتے وقت یہ شرط نہ لگائے کہ وہ اشیاء کو ہمارے ہاتھ ہی فروخت کرے زید کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے وہ اشیاء کو کہیں بھی فروخت کرے۔

۲- بینک ادھار دیتے وقت مدت ادائیگی کو واضح اور متعین کر دے۔

۳- بینک جو اشیاء زید کو فراہم کرے وہ زید کو معلوم ہو اور زید اس پر قبضہ کرے اور پھر دوبارہ اس کو جس سے چاہے فروخت کرے (حوالہ المستفاد من الہدایہ)۔



تورق کی حقیقت فقہاء کی نظر میں

مولانا عبدالتواب اناوی☆

تورق کی اس موجودہ صورت سے ملتی جلتی صورت جو ہمارے یہاں ہے وہ کچھ اس طرح ہے، جو موسوعہ فقہیہ میں بھی ہے:

''ضرورت مند قرض کی غرض سے صاحب مال سے قرض لینے کی خاطر کم قیمت کی چیز زیادہ قیمت میں خریدتا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کرام نے اسے جائز مع الکراہت کا حکم دیا ہے، حضرت ابن عابدین لکھتے ہیں: مذکورہ صورت کراہت کے ساتھ درست ہے، لیکن اس کی شکل آگے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ قرض پہلے دے دیا ہو اور معاملہ بیع بعد میں ہوا ہو اور اس معاملہ میں قرض سے نفع اٹھانا مشروط نہ ہو، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے، اور امام کرخی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب اس نے قرض پہلے حاصل کر لیا ہے اور اب اس کے بعد ثمن غال کے ساتھ کوئی چیز مقرض سے خرید رہا ہے تو اب اسمیں کچھ حرج نہیں اور امام خصاف نے بھی لا یجوز نہیں کہا بلکہ انہوں نے صرف یہ کہہ کر بات ختم کردی کہ میں اس کو اچھا نہیں سمجھتا، لیکن شمس الائمہ حلوانی اسے حرام قرار دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے کہ مستقرض یہ کہہ رہا ہے کہ اگر میں یہ سامان اس سے ثمن غال کے ساتھ نہ خریدوں تو وہ فوراً قرض کی واپسی کا مطالبہ کردے گا، امام محمد فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا، خواہر زادہ کہتے ہیں جو کچھ سلف سے منقول ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ جب قرض کے ساتھ منفعت مشروط ہو تو

☆ خادم جامعہ اسلامیہ بانگرمئو، اناؤ (یوپی)۔

وہ بالاتفاق مکروہ ہے اور جو کچھ امام محمدؒ نے فرمایا ہے وہ قرض کے ساتھ نفع کی شرط نہ ہونے پر محمول ہے اور یہ بھی بالاتفاق غیر مکروہ ہے، اور یہ صورت قرض کے بیع پر مقدم ہونے کی تھی، اور اب بیع کا قرض پر مقدم ہونے کا ذکر ہے، جس کی شکل اس طرح ہے کہ صاحب مال نے ضرورت مند سے بیس دینار قیمت والے کپڑے کو چالیس دینار میں پھر اس کو ساٹھ دینار اور قرض دیئے تو اب صاحب مال کے لئے اس ضرورت مند کے اوپر سو دینار ہو گئے حالانکہ اس بیچارے کو صرف اسی دینار ہی حاصل ہوئے ہیں، امام خصاف نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور یہی مذہب محمد ابن سلمہ امام بلخ کا بھی ہے، بلخ کے دیگر بہت سے مشائخ نے اسے مکروہ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ایسا قرض ہے جس سے نفع اٹھایا گیا ہے، کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مستقرض کو یہ مہنگا سامان نہ خریدنا پڑتا، لیکن ان مشائخ کی طرف سے یہ بات بھی آتی ہے کہ یہ صورت مکروہ اس وقت ہے جبکہ دونوں معاملہ ایک ہی مجلس میں منعقد ہوئے ہوں ورنہ کچھ کراہت نہ ہوگی، اور وہ اس لئے کہ ایک مجلس کے اندر بہت سی مختلف قسم کی باتیں ہوا کرتی ہیں تو اسی لحاظ سے گویا وہ دونوں معاملات اگر ایک ہی مجلس میں ہوں گے تو گویا ایک ہی معاملہ ہوا ہے، تو جب ایک معاملہ ہوگا تو یقیناً قرض سے نفع اٹھانا مشروط ہوا، اور شمس الائمہ امام حلوانی نے امام خصاف اور محمد بن سلمہ کے مذہب پر فتوی دیا ہے اور بڑے زوردار انداز میں فرمایا ہے کہ یہ قرض پر نفع حاصل کرنا نہیں بلکہ یہ بیع ہے جس سے نفع حاصل کیا گیا ہے اور وہ قرض ہے" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۳/ ۱۳۴، ۱۳۵، ہندیہ ۳/ ۲۰۳، شامی ۴/ ۱۷۵)۔

مذکورہ عبارات میں حضرات ائمہ کے اقوال سے جو روشنی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر قرض سے نفع مقصود ہو تو یہ صورت کسی بھی طرح درست نہ ہوگی بلکہ کل قرض جر نفعا فھو ربا کا مصداق بنے گی، اور اگر یہ نیت نہ ہو یعنی قرض سے نفع اٹھانا مقصود نہ ہو تو پھر لا بأس بہ کی بات آتی ہے، بیع قرض سے پہلے ہو اور قرض بعد میں یا قرض پہلے ہو اور بیع بعد میں اسی طرح دونوں کی مجلس ایک ہو یا الگ الگ بہر صورت بات وہی ہے کہ اگر قرض پر نفع مقصود ہو تو ربا اور قرض پر نفع مقصود نہ

ہوتو مباح۔

تورق میں ضرورت مند بینک سے سامان خریدتا ہے اور یہ الگ معاملہ معاملۃ البیع ہے پھر دوسرے دفتر میں جاکر اسے فروخت کرتا ہے خواہ کم قیمت پر ہی سہی مگر یہ دوسرا معاملہ ہے اور یہ بھی معاملۃ البیع ہے اور بیع میں نفع مقصود ہی ہوتا ہے، اور یہاں قرض کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے کہ جس سے شبہ ہو کہ یہ قرض پر نفع حاصل کیا جارہا ہے، جس کی وجہ سے "کل قرض جر نفعا فھو ربا" کے تحت یہ معاملہ درست قرار نہ دیا جائے اور اس کا انسداد کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ تورق سے نہ معلوم کتنے انسان اپنی ضرورتیں پوری کررہے ہیں اور اسلامی بینک کو اپنے اخراجات بھی پورے کرنے ہیں سو اگر اس صورت میں فیصد لگا کر حصول کرے تو یہ بہر حال سود ہوگا اور ناجائز ہوگا بہر حال دیکھنا دونوں کو ہے بینک کے اخراجات کو بھی اور ضرورت مند کی ضرورت کو بھی اور حنابلہ نے یہاں بیع عینہ جس کا حوالہ سوالنامہ میں بھی دیا گیا ہے وہ صورت مسئولہ میں مقیس علیہ بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے اور مذکورہ بالا اقوال ائمہ کرام سے یہ بات اپنے یہاں بھی صاف ہو جاتی ہے کہ مقصود نفع علی القرض نہ ہو اور تورق میں بظاہر قرض ہے ہی نہیں اور جب قرض ہے ہی نہیں تو نفع علی القرض مقصود کیسے ہوسکتا ہے اور اگر کہا جائے کہ اس نے اس بیچارے سے نفع لے لیا تو بیع میں نفع لینا کوئی نئی اور ناجائز بات تو نہیں۔

بہر کیف تورق دو الگ الگ معاملۃ البیع ہیں اور بیع میں نفع ونقصان دونوں ہوتا ہے، بیع کے نقصان کو یا فائدہ کو قرض پر محمول نہیں کرتے، مثلاً اگر ایک آدمی کے پاس کوئی جائے اور کہے کہ مجھے ایک ہزار روپیہ قرض دے وہ کہتا ہے میرے پاس ایک ہزار روپے تو نہیں ہیں ہاں ایک ہزار روپے کے گیہوں مجھ سے لے لو اور بازار میں جاکر بیچ لو اب وہ بازار میں جاکر بیچتا ہے تو نوے روپے میں بکتا ہے، تو کیا اس صورت میں اس کو ناجائز کہیں گے بالکل نہیں، جائز ہی ہوگا، اور اگر بازار میں خود گیہوں دینے والے کی بھی ایک دکان ہو اور اتفاق سے گیہوں لے

جانے والا شخص اسی کی دکان پر نو سو روپئے کا بیچ دے اور سو روپیہ خود گیہوں دینے والے کو نفع مل جائے تو کیا اس کو ''کل قرض جر نفعا'' کے تحت شمار کریں گے نہیں بلکہ امام حلوانی کے قول کے مطابق ''ہذا بیع جر منفعۃ'' کہیں گے۔ اور تورق کی صورت بھی بالکل یہی صورت ہے۔



تورق کا حکم فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا محمد موسیٰ☆

دور حاضر کے مالیاتی اور اقتصادی نظام میں بینک ایک کلیدی حیثیت کا حامل ہے، فاضل سرمایہ کو جمع کر کے مختلف اقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کے ذریعہ سرمایہ فراہم بھی ہوتا ہے، اور قومی پیداوار میں اضافہ بھی ہوتا ہے، عام بینک ضرورت مندوں کو قرض بھی فراہم کرتے ہیں، مگر یہ پورا نظام بینکنگ سود کی بنیاد پر قائم ہے، جسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے، "أحل الله البيع و حرم الربوا" (سورۂ بقرہ)، ایسی صورت میں اسلامی بینکوں نے ایک طریقہ تورق کا اختیار کیا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے، نیز اسلامی بینکوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے پہلے تورق اور بیع عینہ کی حقیقت جاننا ضروری ہے۔

تورق:

اصطلاح میں تورق کہتے ہیں: مشتری سامان کو ادھار خرید لے پھر اس سے کم قیمت پر بائع کے علاوہ کسی دوسرے سے نقد قیمت پر فروخت کر دے (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۷)۔

تورق کی اصطلاح عموماً فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتی ہے، صاحب فروع لکھتے ہیں:

"ولو احتاج إلى نقد فاشترى ما يساوى مائة بمائتين فلا بأس نص عليه وهى التورق" (الفروع ۴/ ۱۷۱)۔

(اگر کسی کو نقد قیمت کی ضرورت ہو تو اس نے سو روپے والے سامان کو دو سو روپے میں

☆ المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء، پھلواری شریف پٹنہ۔

خریدا تو کوئی حرج نہیں، اور یہی تورق ہے)۔

تورق کی اصطلاح اگرچہ حنابلہ کے یہاں ہے لیکن اس کی جو شکل ہے وہ تمام فقہاء کے یہاں جائز ہے کیونکہ اس میں نہ ربا کا قصد ہے اور نہ بظاہر اس کی کوئی صورت ہے، اسی وجہ سے کشاف القناع میں اس کی اباحت پر اجماع نقل کیا ہے:

"جمهور العلماء على إباحته سواء من سماه تورقا وهم الحنابلة أو من لم يسمه بهذا الاسم وهي من عدا الحنابلة" (الموسوعۃ ۱۴/ ۱۴۷ بحوالہ الکشاف القناع ۳/ ۱۸۶)۔

(جمہور علماء اس کی اباحت پر ہیں خواہ وہ حضرات جنہوں نے اس کو تورق کا نام دیا ہے اور وہ حنابلہ ہیں، یا جنہوں نے اس نام سے موسوم نہیں کیا ہے وہ بھی اور وہ حنابلہ کے علاوہ ہیں)۔

اس سے صاف واضح ہو گیا کہ تورق کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بس صرف اصطلاح کا فرق ہے، جیسا کہ علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں:

"إن الذى يقع فى قلبى أن ما يخرجه الدافع إن فعلت صورة يعود فيها إلى البائع جميع ما أخرجه أو بعضه......فمكروه يعنى تحريما فإن لم يعد كما إذا باعه المديون فى السوق فلا كراهة فيه" (فتح القدیر باب الکفالۃ ۷/ ۱۹۹)۔

(میرے دل میں جو بات کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ بائع نے جو کچھ دیا ہے اس کی شکل یہ ہو کہ بائع کے پاس اس کا تمام حصہ یا بعض حصہ لوٹ کر آ جائے تو یہ مکروہ تحریمی ہے، اور اگر لوٹ کر نہ آئے جیسا کہ مدیون نے اس کو بازار میں فروخت کر دیا تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے)۔

عینہ اور اس کی حقیقت:

عینہ کہتے ہیں: خریدار جس شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے اس شخص سے کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے (شامی ۷/ ۶۱۳)۔

اسی کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں: "هو أن يبيع الرجل سلعة بثمن معلوم إلى أجل مسمى ثم يشتريها منه بأقل من الثمن الأول" (بذل المجهود ۲۷۶/۴) (کہ آدمی متعینہ مدت تک معلوم ثمن کے بدلہ کوئی سامان فروخت کردے پھر اس کو مشتری سے ثمن اول سے کم قیمت پر خرید لے)۔

بیع عینہ کے جواز وعدم جواز میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"الخلاصة: أن جمهور الفقهاء غير الشافعية قالوا بفساد هذا البيع وعدم صحته" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۶۹/۴) (خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء نے اس بیع کو فاسد اور غیر صحیح قرار دیا ہے)۔

"لم يجز في قول أكثر أهل العلم روى ذلك عن ابن عباس وعائشة والحسن وابن سيرين والشعبي والنخعي وبه قال الزناد وربيعة وعبد العزيز بن سلمة والثوري والأوزاعي ومالك وأصحاب الراى وأجازه الشافعي" (المغنی ۱۹۴/۴)۔

(اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے یہی روایت ابن عباس، عائشہ، حسن، ابن سیرین، شعبی، نخعی سے مروی ہے، اور اسی کے قائل زناد، ربیعہ، عبدالعزیز بن سلمہ، ثوری، اوزاعی، مالک اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ ہیں، اور امام شافعیؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ بیع عینہ کو صرف امام شافعیؒ جائز قرار دیتے ہیں، اور ان کا استدلال بخاری شریف کی اس روایت سے ہے:

أن رسول الله ﷺ استعمل رجلا على خيبر فجاءه بتمر جنيب، فقال رسول الله ﷺ: أكل تمر خيبر هكذا؟ قال: لا والله يا رسول الله! إنا لنا خذ الصاع من هذا بالصاعين، والصاعين بالثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: لا

تفعل، بع الجمع بالدراھم، ثم ابتع بالدراھم جنیبا"(بخاری شریف ۱/۲۹۳ کتاب البیوع باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ)۔

(کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کو خیبر کا عامل مقرر کیا، چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں عمدہ کھجوریں لے کر آئے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی عمدہ ہوتی ہیں، انہوں نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول! بلکہ ہم اس کا ایک صاع دو صاع کے بدلے اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ تمام کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچ دیا کرو اور پھر دراہم سے اچھی کھجوریں خرید لیا کرو)۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"واستدل بہ علی جواز بیع العینة......لأنہ لم یخص بقولہ (ثم اشتر بالدراھم جنیبا) غیر الذی باع لہ الجمع"(فتح الباری ۴/۵۰۴)(اس حدیث شریف کے ذریعہ بیع عینہ کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے اس قول (ثم اشتر الخ) کے ذریعہ اس بائع کے علاوہ کی تخصیص نہیں فرمائی جن سے ان تمام کو فروخت کیا)۔

شافعیہ نے عقلی دلیل اس طرح پیش کی ہے:

"لأنہ ثمن یجوز بیعھا بہ من غیر بائعھا فجاز من بائعھا کما لو باعھا بمثل ثمنھا"(المغنی ۴/۱۹۴)(کیونکہ یہ ایسا ثمن ہے جس کو غیر بائع سے بیچنا جائز ہے تو اسی بائع سے بھی جائز ہے جیسا کہ اسی ثمن کے مثل سے اس چیز کو بیچنا جائز ہے)۔

اسی طرح انہوں نے کہا: "لأنہ شراء مستانف"(أوجز المسالک ۵/۷)، کیونکہ وہ ایک جدید بیع ہے، خلاصہ یہ ہوا کہ امام شافعیؒ اس کو الگ بیع مانتے ہیں، گویا ان کی نظر ظاہر عقد اور شرائط بیع کی تکمیل پر ہے، مقصد و نیت پر نہیں۔

جمہور کے مستدلات:

جمہور فقہاء نے بیع عینہ کے عدم جواز پر اولا اس روایت سے استدلال کیا ہے:

"عن ابن عمر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم اذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لاينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم" (ابوداؤد ۲/۴۹۰)۔

(آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم عینہ کا معاملہ کرنے لگو گے، بیلوں کو لازم پکڑو گے اور کھیتی سے خوش ہوکر جہاد ترک کردو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جس کو ختم نہیں کرے گا، یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف واپس آجاؤ)۔

اس حدیث کے متعلق علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: "هذا وعيد يدل على التحريم" (المغنی ۴/۱۹۴)، اور اوجز المسالک میں ایک روایت ہے: "دخلت انا وأم ولد زيد بن ارقم على عائشة فقالت أم ولد زيد بن ارقم: إني بعت غلاما من زيد بثمان مائة درهم إلى العطاء ثم اشتريته منه بستمائة درهم نقدا فقالت لها: بئس مااشتريت وبئس ما شريت أبلغي زيدا: أن جهاده مع رسول الله أبطل إلا أن يتوب" (اوجز المسالک ۵/۷)۔

(میں زید بن ارقم کی ام ولد کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو زید بن ارقم کی ام ولد نے عرض کیا کہ میں نے ایک غلام زید کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں تنخواہ ملنے کی تاریخ تک ادھار فروخت کیا پھر میں نے اس کو ان سے نقد چھ سو درہم میں خرید لیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تمہارا خریدنا اور بیچنا دونوں برا ہے، اور جاکر زید کو خبر کردو کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ان کا جہاد کرنا بیکار ہوگیا جب تک کہ توبہ نہ کرلیں)۔

اور حضرت عمرؓ نے فرمایا: "دعوا الربا والريبة" (جامع الأحكام الفقهية للقرطبی ۲/۱۹) (کہ سود اور شبہ سود کو ترک کردو) نیز اس طرح کی بیع میں قرض پر بغیر عوض کے منفعت کا حصول ہوتا ہے، جس کی ممانعت آئی ہے۔

"كل قرض شرط فيه أن يزيده فهو حرام بغير خلاف......قد روى عن

ابن عباسؓ وابن مسعودؓ وأبی بن کعب انهم نهوا عن قرض جر نفعا"(المغنی، والشرح الکبیر ۴/۳۹۰)۔

(ہر قرض جس میں زیادہ دینے کی شرط ہو وہ متفقہ طور پر حرام ہے، ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسے قرض سے منع فرمایا جو حصول نفع کا باعث ہو)۔

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ جمہور فقہاء کا قول راجح ہے کہ بیع عینہ ناجائز ہے۔

بیع عینہ اور تورق میں فرق:

دونوں کی وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ بیع عینہ اور تورق میں کافی فرق ہے:

۱- بیع عینہ میں بعینہ بائع سے فروختگی ہوتی ہے جبکہ تورق میں بائع کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے۔

۲-عینہ میں سود کا قصد وارادہ پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں قرض پر منفعت کا حصول ہوتا ہے، جبکہ تورق میں ایسا نہیں ہے، اس میں صرف بازاری بھاؤ سے زائد قیمت پر فروختگی ہوتی ہے، اور اس سلسلہ میں بائع بااختیار ہوتا ہے، اسی وجہ سے علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں: "لو باع کاغذة بألف یجوز ولا یکره" (فتح القدیر باب الکفالۃ ۷/۱۹۸)۔

۳- بیع عینہ میں سامان لوٹ کر بائع اول ہی کے پاس آجاتا ہے، جبکہ تورق میں ایسا نہیں ہے، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

"مالم ترجع إليه العين التي خرجت منه لا يسمى بيع العينة" (فتح القدیر ۷/۱۹۹) (کہ جو عین بائع کے پاس سے چلا گیا وہ جب تک اس کے پاس لوٹ کر نہ آئے اس کو عینہ نہیں کہیں گے)۔

مذکورہ بینک کا طریقہ کار عینہ ہے یا تورق؟

اب ہم بینک کے اس نظام پر غور کرتے ہیں تو اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ بیع عینہ

ہی کے قبیل سے ہے، کیونکہ سوال میں جو صورت مذکور ہے اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بینک نے جو مال فروخت کیا ہے وہ بعینہٖ اس تک پہنچ جاتا ہے، کیونکہ ''ب'' بھی بینک ہی سے منسلک ادارہ ہے، تو گویا بینک ہی نے وہ زائد رقم وصول کی، اور اس پر دس ہزار روپے بغیر عوض کے بینک کو مل بھی گئے۔

''قال بعضهم: هي أن يدخلا بينهما ثالثا فيبيع المقرض ثوبه من المستقرض باثني عشر درهما ويسلمه إليه ثم يبيعه المستقرض من الثالث بعشرة ويسلمه إليه ثم يبيعه الثالث من صاحبه وهو المقرض بعشرة ويسلمه إليه ويأخذ منه العشرة ويدفعها للمستقرض فيحصل للمستقرض عشرة ولصاحب الثوب عليه اثنا عشر درهما'' (ردالمحتار باب الصرف ۴/ ۲۷۲)۔

(بعض کا قول ہے کہ بیع عینہ یہ ہے کہ متعاقدین آپس میں ثالث کو بنالیں پھر قرض دینے والا اپنے کپڑے کو بارہ درہم میں قرض لینے والے سے فروخت کر کے اس کے حوالہ کر دے، پھر مستقرض اس کو ثالث سے دس درہم میں فروخت کر کے اسکے حوالہ کر دے، پھر ثالث اس کو مقرض سے دس درہم میں بیچ کر اس کے حوالے کر دے، اور اس سے دس درہم لے کر مستقرض کو دے دے، اس طرح مستقرض کو دس درہم اور مقرض یعنی صاحب ثوب کو اس پر بارہ درہم مل جائیں گے)۔

اس طرح کہ معاملات میں صورۃً یہ نظر آتا ہے کہ یہ مستقلاً بیع ہے، لیکن معنیً اس میں سود کا قصد و ارادہ بھی پایا جاتا ہے، اور احکام شریعت میں جس طرح معاملات میں ظاہری شکل کا اعتبار ہوتا ہے اسی طرح عاقدین کے مقاصد کا بھی اعتبار ہوتا ہے، اسی وجہ سے ''الانصاف'' میں ہے کہ اگر حیلہ حوالہ اور قصد و ارادہ کے بغیر محض اتفاقی صورت پیش آجائے تو جائز ہے:

''قال المصنف: ويحتمل أن يجوز له شراء ها بجنس الثمن بأكثر منه إذا لم تكن مواطاة ولا حيلة بل وقع اتفاقا من غير قصد'' (الانصاف ۲/ ۳۴۷) (احتمال

یہ ہے کہ اس کے لئے جنس ثمن کے بدلہ اس سے زیادہ میں خریدنا جائز ہو، جبکہ کوئی موافقت اور حیلہ نہ ہو بلکہ بغیر قصد کے اتفاقی طور پر یہ صورت پیش آ گئی ہو)۔

خلاصہ بحث:

ان مباحث کی روشنی میں بینک کی مذکورہ صورت بیع عینہ ہے، جو جمہور فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے مذکورہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

متبادل شکلیں:

لیکن دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ اگر مقروض سے کچھ تعاون نہ لیا جائے تو پھر بینک کا چلنا مشکل ہو جائے گا، لہذا واقعی اگر بینک محض لوگوں کی نفع رسانی اور ان کو سود سے بچانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے مندرجہ ذیل صورتیں اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے:

۱- ہر ماہ قرض کی ادائیگی اور دفتر کے اخراجات کا حساب لگایا جائے اور ان اخراجات کو قرض کی مقدار پر تقسیم کر دیا جائے، کہ وہ قرض داروں سے سود تو نہیں لیں گے البتہ ان کے قرض کے لئے دفتری امور پر جو اخراجات آتے ہیں بطور اجرت ان سے وصول کیا جائے گا اور یہ ان سے لے لیا جائے گا۔

۲- قرض خواہ سے دباؤ اور جبر کے بغیر خواہش کی جائے کہ ان سے جو کچھ ہو سکے تعاون کریں۔



بیع تورق کی حقیقت اسلامی تناظر میں

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری☆

الف-تورق کی لغوی تعریف:

تورق، یتورق،تورقا،باب تفعل کا مصدر ہے، جانور کا پتے کھانا (مصباح اللغات رص ۹۴۱ مکتبہ برہان دہلی، القاموس الوحید ۲/۱۸۳۹، کتب خانہ دیوبند ۲۰۰۱ء)، یقال: تورق الحیوان أی اکل الورق، جانور نے پتہ کھایا، "ورق": چاندی کا ڈھلا ہوا درہم، سکہ، ڈھلا ہوا چاندی، یا بلا ڈھلا ہوا چاندی۔

ب-تورق کی اصطلاحی تعریف:

"والتورق فی الاصطلاح أن یشتری سلعة نسیئة،ثم یبیعها نقدا لغیر البائع، بأقل مما اشتراها به، لیحصل بذلک علی النقد" (موسوعہ فقہیہ ۱۴/۱۴۷)۔

اورتورق کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: کوئی شخص سامان تجارت ادھار خریدتا ہے، پھر اس سامان تجارت کوفروخت کر دیتا ہے نقد بائع کے علاوہ دیگر شخص سے کم قیمت پر جتنے میں پہلے اس شخص سے خریدا تھا تا کہ اس کو نقد رقم وصول ہو جائے، تورق کی اصطلاح فقہاء حنابلہ کے علاوہ کسی اور سے منقول نہیں ہے، تورق کے سلسلے میں حنابلہ کے علاوہ دیگر فقہاء عظام نے کلام کیا ہے جس کی مفصل تفصیل بیع العینہ میں دیکھئے۔

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھرواره، دربھنگہ۔

ج-تورق کا حکم:

جمہور علماء اس کی اباحت کے قائل ہیں، اس میں برابر کے شریک ہیں وہ حضرات جنھوں نے اس کا نام تورق رکھا ہے وہ ہیں حنابلہ، یا وہ حضرات جنہوں نے اس کا نام تورق نہیں رکھا ہے، وہ حنابلہ کے علاوہ دیگر حضرات ہیں ان لوگوں کی دلیل ہے اللہ تعالی کا قول: "أحل الله البیع" (سورۂ بقرہ: ۲۷۵) (اور اللہ نے حلال کیا سوداگری کو)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے تورق کو مکروہ کہا ہے، اور حضرت علامہ ابن الہمامؒ نے تورق کو خلاف اولی قرار دیا ہے، اور حضرت علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم جوزی نے تورق کو حرام قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ بیع مضطر ہے اور بیع مضطر کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے، حنابلہ کے مذہب کے مطابق تورق کی اباحت ہے۔

فقہاء عظام نے تورق کو "بیع عینہ" اور "بیع منہی عنہ" اور ربا کی بحث میں ذکر کیا ہے، دیکھئے (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۸، ابوداؤد ۲/ ۴۸۰ کتاب البیوع باب فی بیع المضطر)۔

بیع تورق کی حرمت فقہاء عظام کی آراء کی روشنی میں:

اسلامی بینکوں نے سود کا ایک فیشن ایبل طریقہ "بیع تورق" کا اختیار کیا ہے، جس میں بینک خریدار سے کوئی چیز اس قسم کی فروخت کرتا ہے، جس کو بیچ کر ضرورت مند مطلوبہ رقم حاصل کر سکتا ہے، عملی طور پر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً عاقل کو ایک لاکھ روپئے کی ضرورت ہے تو ضرورت مند عاقل بینک سے ایک لاکھ دس ہزار روپئے کا لوہا ادھار خرید کرتا ہے، اور اسے کامل کے ہاتھ ایک لاکھ روپئے نقد میں فروخت کر دیتا ہے، اس طرح عاقل کو ایک لاکھ روپئے کی رقم حاصل ہو جاتی ہے اور کامل کو دس ہزار روپیہ نفع مل جاتا ہے، اور عام طور پر کامل بھی بینک ہی سے منسلک ہوتا ہے اس طرح بالواسطہ اسے ہی دس ہزار روپئے نفع حاصل ہوتا ہے، جو سراسر سود ہے، تورق کی اس صورت کا ذکر عام طور پر فقہاء حنابلہ کے یہاں ملتا ہے، جو بہ ظاہر "بیع عینہ" سے قریب ہے، فرق یہ ہے کہ بیع عینہ میں خریدار جس شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار خریدتا ہے، اسی

شخص سے کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے، تورق میں ایک شخص سے زیادہ قیمت پر ادھار ایک چیز خرید کرتا ہے اور اس کے بہ جائے کسی اور شخص سے کم قیمت پر وہی چیز بیچ دیتا ہے، اسلامی تناظر میں بیع کے یہ دونوں طریقے ناجائز ہیں۔

عینہ کی لغوی تعریف:

کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ پر ادھار بیچنا۔

عینہ کی اصطلاحی تعریف:

"ان يبيع سلعة نسيئة ، ثم يشتريها البائع نفسه بثمن حال أقل منه" (موسوعہ فقہیہ ۹/ ۹۵ تا ۹۷)۔

بیع عینہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی سامان کو ادھار فروخت کر دے پھر بائع ہی خود اس کو خرید لے پہلے کی بہ نسبت کم قیمت میں (موسوعہ فقہیہ ۱۴/ ۱۴۷)۔

بیع عینہ کا حکم:

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل کے نزدیک بیع عینہ جائز نہیں ہے، اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع میرے دل میں پہاڑ کے مانند ہے اس کو سود کھانے والوں نے ایجاد کیا ہے، حضرت امام شافعیؒ سے اس کے جواز کی صورت منقول ہے (موسوعہ فقہیہ ۹/ ۹۶ فقرہ نمبر ۳)۔

"عن ابن عمر: قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لاينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم" (ابوداؤد ۲/ ۴۹۰ کتاب البیوع، باب فی النھی عن العینہ، ردالمحتار ۴/ ۲۷۲)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے میں نے سنا: جب تم لوگ بیع عینہ کے ذریعہ خرید و فروخت کرو گے اور بیل کے دموں کو پکڑو گے، اور

کاشت کاری کے کاروبار سے راضی اور خوش رہو گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت وخرابی کو مسلط کر دے گا، تمہارے اوپر سے اس کو اس وقت تک دفع نہیں کرے گا تاوقتیکہ تم لوگ اپنے دین اسلام کی طرف واپس نہ آ جاؤ)۔

بیع العینہ کو یہودی ساہوکار ایجنٹوں نے سود کھانے کے واسطے ایجاد کیا ہے تاکہ دوسرے کے مقابلے میں تمول، تذخر، تعیش میں عالمی پیمانہ پر اس کو تفوق وتعلی کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے۔

مثلاً عامل مالک کے ہاتھ کپڑے کا ایک تھان دس روپئے کا فروخت کر دے ایک ماہ کی مدت کی مہلت پر پھر آٹھ روپئے نقد دے کر اس تھان کو مالک عامل سے خرید لے، جو شخص بیع العینہ، بیع التورق کا کاروبار کرے گا بلاشک اس کو مفت میں جہنم میں جگہ مل جائے گی۔

عالیہ بنت انفع بن شراحیل ابواسحاق سبیعی کی بیوی سے روایت ہے کہ وہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی یہاں گئی، تو اس کے ساتھ زید بن ارقم انصاری کی ام ولد اور ایک کوئی دوسری عورت بھی تھی گئی، پھر زید بن ارقم کی ام ولد نے کہا: اے ام المؤمنین میں نے ایک غلام کو زید بن ارقم کے ہاتھ آٹھ سو درہم ادھار پر فروخت کر دیا اور اس غلام کو پھر زید بن ارقم سے چھ سو درہم نقد میں خرید لیا ہے، اس ام ولد سے خطاب کرتے ہوئے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے ارشاد فرمایا: تو نے بہت برا کام کیا، بے شک زید بن ارقم کا جہاد، جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کیا تھا تحقیق کہ باطل ہو گیا مگر اس کام سے زید بن ارقم توبہ کر لے (سنن دارقطنی ۳/۴۶، مکتبہ دار الایمان سہارنپور- سنن دارقطنی ۳/۴۵ تا ۴۶ ح ۲۹۸۲ کتاب البیوع، سنن الکبری بیہقی ۵/۳۳۰، واسنادہ ضعیف، علامہ ابن الہمام نے عالیہ کی توثیق وتائید کی ہے، دیکھئے: فتح القدیر ۶/۴۳۴ تا ۴۳۵)۔

اس حدیث شریف سے یہ بات الم نشرح ہو گئی کہ بیع العینہ اور بیع التورق کی اسلامی تناظر میں کوئی حیثیت نہیں ہے، شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ ناجائز مال و دولت جمع کرنے کا حیلہ اور ذریعہ ہے، علامہ ابن ہمام نے بیع العینہ کو خلاف اولیٰ قرار دیا ہے،

اسی سے بیع التورق کی حیثیت معلوم ہوگئی۔

اسلامی بینکوں کے لئے ضرورت مندوں کو نقد رقم فراہم کرنے کے لئے اس طریقہ کار کا استعمال کرنا شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں ہے، اگر چہ یہ شکل کے اعتبار سے محض خرید وفروخت ہے اور مقصد کے اعتبار سے قرض فراہم کی جانے والی رقم پر نفع حاصل کرنا ہے، احکام شریعت میں معاملات کی ظاہری شکل کی بھی اہمیت ہے اور عاقدین کے مقاصد کی بھی، مگر یہاں صرف حیلہ ہی حیلہ ہے، دھوکہ ہی دھوکہ ہے، غرر ہی غرر ہے، سود ہی سود ہے، مکر وفریب جعل سازی، دھوکہ دہی، غریبوں اور محتاجوں کا استحصال ہے، سود اور مال حرام سے دولت کے انبار لگانے کا ذریعہ ہے، بیع العینہ اور بیع التورق کی جتنی بھی قسمیں ہوسکتی ہیں ساری کی ساری قسمیں شرعی نقطہ نظر سے ناجائز وممنوع ہیں کسی بھی حال میں اس کے جواز کا فتوی نہیں دیا جاسکتا (ابوداؤد ۲/۷۹ ۴، کتاب البیوع باب فی بیع الغرر، ابوداؤد ۲/۸۰ ۴، کتاب البیوع، باب فی بیع المضطر، ابن ماجہ ۱/۱۵۹، ابواب التجارات، باب النہی عن بیع الحصاۃ وعن بیع الغرر)۔

بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کا انیسواں اجلاس اور تورق کے سلسلہ میں حرمت کا فتوی:

۳۰/اپریل ۲۰۰۹ء کو شارجہ میں بین الاقوامی فقہ اکیڈمی کا انیسواں سالانہ اجلاس میں دس موضوعات زیر بحث آئے، جس میں پانچواں عنوان ''تورق'' اور اس کی مختلف قسموں اور نقد کے حصول کے لئے اسلامی مالیاتی اداروں میں جاری تورق کی بعض شکلیں جو شرعی حیثیت سے درست نہیں ہیں اور جن کو ''تورق منظم'' اور ''تورق عکسی'' کا عنوان دیا گیا ہے۔

یہ موضوع نہایت ہی معرکۃ الآراء تھا، جس کے بارے میں واضح طور پر دو رجحانات پیدا ہوگئے، ایک فریق جواز کا قائل اور اسلامی بینکوں کی سرگرمیوں کے لئے اسے ناگزیر قرار دیتا ہے تو دوسرا فریق اسے کھلی ہوئی حیلہ بازی اور ناجائز سمجھتا ہے۔

یاد رہے کہ ''تورق منظم'' اور ''تورق عکسی'' کے شرعاً ناجائز ہونے کا فیصلہ رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت چلنے والی اسلامک فقہ اکیڈی کے انیسویں اجلاس میں ہو چکا ہے۔

اسلامی بینکنگ کے بعض علم بردار اپنے رب کے ساتھ معاملہ کرنے میں جس طرح حیلہ بازی کرتے ہیں وہ لوگ اپنے ڈائریکٹروں کے ساتھ بھی نہیں کر سکتے، اس مسئلہ پر جو قرارداد منظور کی گئی ان میں بھی اسے واضح طور پر ناجائز قرار دیا گیا جس کی وجہ سے بعض حلقے یہ اندیشہ ظاہر کرنے لگے ہیں کہ اسلامی مالی اداروں کو ''نقد'' کے حصول میں اس قرارداد کی وجہ سے دشواری پیدا ہوئی ہے، لیکن جہاں مسئلہ حلال وحرام کا ہو وہاں اس طرح کے اندیشوں کو اہمیت نہیں دی جاسکتی ورنہ اسلامی مالی اداروں کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی (سہ روزہ دعوت نئی دہلی رص ۵ تا ۶، جلد ۵۷، شمارہ ۴۶، ۱۹ رجولائی ۲۰۰۹ء)۔



تورق کا مسئلہ

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

صورت مسؤلہ میں از روئے شرع تورق کے مسئلہ میں اہل علم کے مابین جواز اور عدم جواز میں تفصیلات ہیں:

تورق کے جواز میں اہل علم کے فتاوی موجود ہیں مگر جن لوگوں نے جواز کا فتوی دیا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس بیع میں مشتری مبیع کو بائع اول کے لئے بالواسطہ یا بلا واسطہ خریدی ہوئی قیمت سے کم پر فروخت نہ کرے کیونکہ یہی بیع عینہ ہے جو کہ شرعا ممنوع ہے، اگر مشتری مبیع کو کسی اور کو فروخت کرتا ہو تو اسے اختیار ہے کہ مبیع کو خریدی ہوئی قیمت سے کم یا زیادہ قیمت پر فروخت کرے۔

مذکورہ سوالنامہ میں اسلامی بینکوں کا تعامل مثلا الف کا قرض مبیع کی شکل میں دینا اور ب کا اس مبیع کو کم قیمت میں خریدنا درحقیقت بیع عینہ کی ایک صورت ہے بلکہ اس بیع میں حیلہ ممنوعہ شامل ہے کیونکہ الف اور ب دونوں (درحقیقت ایک ہی ادارہ کے تابع ہیں) قرض کے ذریعہ فائدہ کمانا چاہتے ہیں جیسا کہ اصول ہے "کل قرض جر منفعة فهو ربا" (السنن الکبری للبیہقی ۵۰ ۵۳)۔

تورق کے مسئلہ میں رابطہ عالم اسلامی مکہ المکرمہ کا قرار نامہ: "جواز هذا البيع مشروط بأن لا يبيع المشتری السلعة بأقل مما اشتراها به علی بائعها

☆ مفتی جامعہ دار السلام عمر آباد، عربک کالج، تامل ناڈو۔

الأول لا مباشرة ولابواسطة فإن فعل فقد وقع فی بیع العینة المحرم شرعا لاشتماله علی حیلة الربا فصار عقدا محرما" (یوم السبت ۱۱ رجب ۱۴۱۹ھ، أرشیف ملتقی أہل الحدیث ۱۵/۸۷/۳)۔



بینکوں میں رائج تورق کا حکم

سید عبدالحفیظ الحجاوی

بینکوں میں رائج عقد تورق سے استفادہ:

یہ جائز نہیں ہے کہ اسلامی بینکس ضرورت مندوں سے اس طرح معاملہ کر کے پیسے حاصل کریں، عقد تورق کا یہ معاملہ جس کی کچھ تفصیل امام احمد کے یہاں ملتی ہے، جو معاملات میں الفاظ سے زیادہ قصد وارادہ کو دخیل مانتے ہیں، لیکن یہ یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ یہ مسئلہ قرض کا ہے اور ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے، کیونکہ اس معاملہ کا مقصد کسی بھی طرح سے منفعت کا حصول ہے اور یہ شرعاً قرض کے ذریعہ سود حاصل کرنا ہے، لہٰذا سداً للذریعہ یہ معاملہ باطل قرار پائے گا، اس لئے کہ اس میں پہلے معاملہ کے ذریعہ دوسرے معاملہ تک پہونچنا ہے، اس لئے یہ دونوں عقد امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک باطل قرار پائیں گے، اس معاملہ کو "بیع العینۃ" کا نام دیا گیا ہے، اس لئے کہ اس میں سامان کی ادھار خریداری اسی طرح ہوتی ہے کہ اس کا بدل، یعنی قیمت فوراً وصول کر لیا جاتا ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمار ہے تھے: "جب تم عینہ کے ذریعہ خرید وفروخت کرو گے، گائے کی دم پکڑے رہو گے، پیداوار سے دل لگاتے رہو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تمہارے اوپر ذلت مسلط کر دے گا اور اس سے اس وقت تک چھٹکارا نہیں پاؤ گے جب تک دین کی طرف مکمل طور سے لوٹ نہ جاؤ" (سنن ابوداؤد ۳/ ۲۷۴، حدیث نمبر ۳۴۶۲)، اسی وجہ سے حنابلہ نے بھی سداً للذریعہ مکیلی، موزونی اور دھات (لوہا) سے بنی چیز جو وزن سے

فروخت ہوتی ہے اس طرح فروخت کرنے کو جائز کہا ہے، برخلاف اس کے کہ مبیع حیوان یا کپڑا ہو۔

احناف کے نقطۂ نظر سے اس معاملہ میں ہم نے غور کیا تو یہ محسوس ہوا کہ اس معاملہ میں جو اصل مقصد ہے وہ الفاظ ہے، نہ کہ نیت، اس لئے کہ نیت اور مطمح نظر ہمیشہ اس معاملہ میں ناجائز ہوتا ہے، جبکہ امام ابو یوسف اس بیع کو بغیر کسی کراہت کے درست قرار دیتے ہیں۔

امام محمد اس بیع کو کراہت کے ساتھ درست خیال کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ ایک مذموم قسم کی اختراع ہے جسے سودخوروں نے جنم دیا ہے۔

شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء اس بیع کی عدم صحت اور فساد کے قائل ہیں، اس لئے کہ یہ ربا تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اور ان چیزوں کے مباح قرار دینے تک رسائی حاصل کرنا ہے، جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے، اس لئے اس کو کسی بھی قیمت پر درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔



تورق کا مسئلہ

مولانا نثار اللہ گودھروی☆

تورق بیع عینہ کے قریب ہے، جس کو فقہاء حنابلہ نے اختیار کیا ہے، لہذا اسلامی بینکوں میں اس طریقہ کار کا استعمال جائز ہوگا، جیسا کہ عالم اسلام کے مشہور عالم دین شیخ یوسف القرضاوی نے جواز کا فتوی دیا ہے، نیز بیع معاطاۃ سے بھی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں بھی شرع نے معانی اور مقاصد کا اعتبار کیا ہے، جبکہ عاقدین کے درمیان زبانی طور پر ایجاب وقبول نہیں ہوتا پھر بھی جائز ہے، اس کے علاوہ اور بھی شریعت میں نظیریں ملتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اعتبار زیادہ معانی اور مقاصد کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ اور ظاہری شکل وصورت کا۔

☆☆☆

☆ دار الافتاء جامعہ رحمانیہ گودھرا۔

پانچواں باب

اختتامی امور

مناقشہ:

تورق اور موجودہ اسلامی بینک

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس:

ہماری گفتگو تو اصلاً عرض مسئلہ سے ہے اور چوں کہ گفتگو لمبی ہو جائے گی، اس لیے اختصار کے ساتھ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، پہلی بات یہ ہے کہ یہ جو بات کہی جاتی ہے کہ تورق کے جواز کے تعلق سے جمہور کا قول ہے یہ محل نظر ہے، یہ دراصل مقالہ نگار کو شاید کہ دھوکہ ہوا ہوگا موسوعہ فقہیہ سے، کہ موسوعہ فقہیہ میں تورق کے سلسلہ میں جمہور العلماء علی اباحۃ کا لفظ استعمال کیا ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے، وہاں تفصیلات بھی ذکر نہیں کی ہے اور موسوعہ فقہیہ کے جو بھی مضمون نگار ہیں شاید کہ وہ تورق کے جواز سے متاثر ہوں گے، ایک کتاب ڈاکٹر علی احمد الثعلبوس کی ہے، ''التمویل بالتورق'' وہاں بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے اور واقعی وہ گفتگو بڑی پسند آئی ہے، اس لیے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تحقیق کرنی چاہئے کہ واقع میں جمہور کا قول ہے یا نہیں ہے۔ صرف لکھی ہوئی بات پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ جمہور حنابلہ کا مذہب اباحت کا ہے وہ بھی محل نظر ہے۔ تورق کا لفظ شیخ ابن تیمیہؒ نے سب سے پہلے استعمال کیا ہے۔ ان سے پہلے کسی نے تورق کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے اور پھر یہ کہ ان سے پہلے جو حنابلہ علماء ہیں ان کے یہاں جواز کا قول نہیں ملتا ہے وہ تو بیع عینہ کی گفتگو آئی ہے، اس کے بارے میں تفصیلات ملتی ہیں، صرف مطلق یہ کہہ دینا کہ حنابلہ کا مذہب ہے، نام آنی چاہئے، کن کن حنابلہ علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور جواز کا قول مطلق کہہ دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ جو امام ابو یوسفؒ کی طرف بات منسوب کی جاتی ہے کہ وہ جواز کے قائل ہیں، دراصل یہ دھوکہ ہو رہا ہے۔ دراصل وہ ادھار بیع کے سلسلہ میں گفتگو کر رہے ہیں اور ادھار بیع کی جو شکل ہے وہ جائز اور درست ہے۔

جبکہ دو فریق کے درمیان معاملہ ہو اور اس سے پھر دوبارہ معاملہ نہ ہو، تو امام ابو یوسف کی طرف منسوب جو بات کی جاتی ہے اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا تورق کا انطباق درست ہے یا نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جو حضرات اس کو جائز قرار دیتے ہیں بنیادی طور پر جو ان کے دلائل ہیں وہ سب کے سامنے ہیں، شیخ نے بھی فرمایا ہے، أحل الله البیع، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ٹھیک ہے یہ آیت عام ہے اور عام کا مطلب یہ ہے کہ تمام تر بیوع جائز ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے اگر ایسا ہے اور عموم سے استدلال کیا ہے، تو پھر شراب کی بیع جائز ہونی چاہئے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، گویا کہ معلوم ہوا کہ یہ آیت عموم پر نہیں ہے بلکہ اس سے بہت ساری صورتیں مستثنی ہیں، لہٰذا یہ تورق بھی شبہ، شبہ ربوا کی وجہ سے مستثنی ہے اس میں یہ داخل نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ابھی جو استدلال میں پیش کیا گیا ہے جواز کے تعلق سے اور خیبر کے واقعہ کے تعلق سے بھی اور وہ جنیب کا واقعہ پیش آیا، سوال یہ ہے کہ وہاں مقصود رقم نہیں تھی مقصود وہاں تمر ہے، مقصود مبیع حاصل کرنی ہے اور تورق کا مقصود کیا ہے وہ نقد روپے حاصل کرنا ہے، سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کی اقتصادی مالیات کے اندر بنیادی نظریہ یہ ہے کہ مال سے پیسہ کمایا جائے نہ کہ پیسہ سے پیسہ کمایا جائے، پیسہ سے پیسہ کمایا جانا یہ تو سودی نظام کا نظریہ ہے وہاں پر جو ہے مبیع سے متعلق بات ہے، مقصود مبیع ہے مقصود نقد نہیں ہے اور تورق کے اندر مقصود نقد ہے اور قواعد فقہیہ کا مشہور قاعدہ یہ ہے: **العبرة في العقود بالمقاصد والمعاني دون الألفاظ والمباني** یہ مشہور قاعدہ ہے، علامہ ابن القیم نے اس پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے إعلام الموقعین کے اندر۔ میں سمجھتا ہوں کہ مقالہ نگاروں کو ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ٹھیک ہے قاعدہ ہے کہ اعتبار الفاظ اور معانی کا ہے اور صورت دونوں ایک ساتھ ہوں تب تو دونوں ہی کا اعتبار ہے، لیکن جہاں الفاظ اور معانی میں تعارض پیدا ہو جائے تو وہاں مقصود کی رعایت ہوتی ہے مقصود کا اعتبار ہوتا ہے، الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اس کی ایک بہت ہی واضح مثال ہے، حدیث شریف میں خمر کے سلسلہ میں، لعن اللہ عاصرھا کا لفظ آیا ہے نچوڑنے والے کے تعلق سے، حالانکہ وہاں معاملہ ہو رہا ہے، وہ تو انگور بیچ رہا ہے شیرہ بیچ رہا ہے لفظ کے اعتبار سے، لیکن اس کا مقصود یہ ہے کہ اس سے شراب بنے، وہاں جو لعنت بھیجی گئی محض مقصد کی بنیاد پر، نیت کی بنیاد پر، صورت بیع کی بنیاد پر نہیں اگر صورت بیع کی بنیاد پر ایسی بات ہوتی تو پھر جائز ہونی چاہئے۔

مولانا مبین الحق قاسمی:

مجھے ایک چیز کی طرف ذہن کو مبذول کرنا ہے وہ یہ کہ اس وقت میں عالمی سطح پر جو مالی بحران آیا ہوا ہے، خاص کر امریکہ کے مالی بحران کے بعد اکنامک کرائسس جو ہوئے ہیں اس کے حوالہ سے، دنیا کے مختلف ممالک میں میرا جانا ہوا تو میں نے بہت قریب سے دیکھا ان لوگوں کو، اور ابھی گزشتہ سال دبئی کے اندر جو مالی بحران آیا اس میں بڑے بینکوں کی بڑی بڑی رقمیں ڈوبی ہیں، سعودی عرب کے اندر جو فارنرس بینکس کام کر رہے ہیں جس میں سعودی فرانس بینک ہے، سعودی ہالینڈ بینک ہے اور سعودی امریکن بینک ہے۔

تو کسی بھی مسئلہ کے جواز اور عدم جواز میں بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے امریکہ کا جو مالی نظام ہے وہ عرب ممالک میں نافذ ہے، اس حوالہ سے جو فارنرس بینک ہیں عرب ممالک میں وہ لوگ جواز کی تدبیریں ڈھونڈ رہے ہیں، اسی کی ایک کڑی تورق ہے سیولہ جس کو کہتے ہیں نقد پیسے حاصل کرنا، تورق جو ہے باب تفعل سے سب کو پتہ ہے کہ اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے، اوراق مالیہ، اوراق مالیہ جو ہے جس کو کرنسی کا بزنس کہتے ہیں وہ اور یہ ساری چیزیں۔ تو اس لیے جیسا کہ حیدرآباد سے ہمارے مولانا نے بتایا، انھوں نے بڑی قیمتی چیز کی طرف متوجہ کی، اس میں بہت

ہی احتیاط کے پہلو کی ضرورت ہے، ہم لوگوں نے یہ کوشش کی ہے کہ عرب ممالک کے جن بینکوں میں تورق کا یہ نظام چل رہا ہے ان بینکوں کے جو ذمہ دار ہیں، خاص طور سے عرب ممالک کا مشہور بینک سعودی عرب کا...... ان کے ڈاکٹر عبدالعزیز العبید سے میری ملاقات ہوئی اور ہم نے کوشش کی ہے کہ انھوں نے کن بنیادوں اور اصولوں کے اساس پر تورق کے نظام کو جائز قرار دیا ہے، انشاء اللہ ثم انشاء اللہ بہت جلد ہی وہ تمام معلومات حاصل کر کے، اس کے نسخے جو ہیں ہمارے جنرل سکریٹری حضرت مولانا ان تک پہنچائے جائیں گے اور پھر اس مسئلہ کو حتمی نتیجہ تک پہنچانے سے پہلے پہلے اس پر کافی غور وخوض کر کے اس کے جن اصول اور ضوابط اور جن شرائط کے تحت میں اس کے جواز کی عرب ممالک کے علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے، آج ہی الحمد للہ ہمارے ہندوستان کے اندر بہت بڑی شخصیتیں جن کے اندر علمی تعمق، علمی تبحر موجود ہے اور پھر قدیم اور جدید جتنے معاصرین ہیں ان کے بھی اور قدامی جن کی تحریروں میں کچھ جواز کی شکلیں نکلتی ہیں، اس کو جو ہے حاصل کر کے آخری نتیجے تک پہنچایا جائے گا انشاء اللہ۔ تو میں اپنی بات اس پر ختم کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ عرب ممالک میں خاص طور سے میرا ان سے دن رات کا سابقہ ہے اس لیے سعودی عرب کے اندر جتنے عرب بینکوں میں کام چل رہا ہے اس کے اوپر، اور جن اصولوں کی بنیاد پر شیخ عبداللہ المنی وغیرہ نے جو فتوے دیے ہیں تو اس حوالہ سے انشاء اللہ ہم کوشش کریں گے کہ وہ تمام معلومات ہم مجمع فقہ اسلامی کو جو ہے مہیا کریں۔

مولانا مبین سلیم:

في مسئلة التورق أرى أن الضوابط الفقهية لمسئلة التورق غير موجودة فى المصارف الإسلامية العالمية،ولذلک التورق حرام، أرى هذا رايىي، أما ..... استفسار بسيط من الضيوف السادة هل توجد مثل هذه المصارف الإسلامية بالفعل على الواقع التى تطبق هذه الضوابط فى الدول الإسلامية أم لا.

مفتی شیر علی گجراتی:

میں صدر صاحب اور دونوں مہمانوں کا بہت بہت شکر گزار ہوں، میں نے جو درخواست کی تھی تو وہ ایک حدیث کی وجہ سے جس کو دونوں مہمانوں نے پیش کر دی ہے، اس لیے اب میرا مسئلہ ہی ختم ہو گیا تو اصل مسئلہ جو ہے ہمیں حدیث پر بھی غور کرنا ہے اور جو مسئلہ در پیش آئے اس کو حل کرنا ہے تنگی نہیں کرنا ہے: یسرا ولاتعسرا قاتلکم الله کیوں نہیں پوچھا ان سے، هلا تسألوا، فاسئلوا أهل الذکر إن کنتم لاتعلمون تو ایسے ایسے سوالات ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ آئے اور گھر میں سالن پک رہا تھا تو فرمایا کہ کچھ ہے؟ تو اس زمانے کا جو سالن تھا پیش کر دیا، روٹی پیش کر دی، تو کہا کہ یہ ہنڈیا جو پک رہا ہے یہ کیوں نہیں دے رہے کہ وہ تو حضرت بریرہؓ کو کسی نے زکوۃ دی ہے اور آپ تو زکوۃ کھاتے نہیں ہیں، حرام ہے۔ فرمایا: جناب رسول اللہ ﷺ نے لها صدقة ولنا هدية، میرے عزیزو! ہمیں مسئلہ کی شکل نکالنی ہے، تنگی نہیں ہے یسرا ولاتعسرا اس پر عمل کرنا ہے اور یہ جو اکثر حضرات نے ذکر کیا کہ بیع عینہ جو ہے جمہور کے نزدیک احناف کے نزدیک ناجائز ہے یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ کون سے حنفی نے اس کو بالکل ناجائز کہہ دیا ہے ہدایہ میں تو مکروہ لکھا ہے اور یہ بھی عبارتیں ہیں کہ بیع عینہ جائز ہے اس میں ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے الا یہ کہ مبرۃ القرض سے اعراض کرنا ہے تو یہ وجہ ہے اور شامی نے اور محقق نے سوال پیش کر دیا ہے کہ بالکل جائز ہے عینہ اور یہ جو ثالث بیچ میں آیا، اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ تو جائز ہے اور شریعت میں اصل معمولی سے فرق سے مسئلہ کا عنوان بدل جاتا ہے، مقصد ذکر نہیں ہوتا، بلکہ ذرا ہیئت بدل دیا جیسے ہمارے مہمانوں نے پیش کر دیا وہ حدیث أکل تمر خیبر هکذا، تو اس نے عرض کیا لا یا رسول اللہ ایسا نہیں ہے ہم دو صاع اس کے بدلہ میں دیدیتے ہیں، ایک صاع ان سے لے لیتے ہیں۔ تو بس حضور نے تصویر بدل دی، وہی صورت ہو گئی کہ نہیں تم لوگ دو صاع اس کو روپیہ سے بیچ دو قیمت میں بیچ دو اور پھر اسی روپے کے بدلے اس کو خرید لو، حالانکہ وہی بات ہے کوئی فرق نہیں ہے، ہیئت بس صرف بدل گئی ہے، مقصد

ایک ہے، اور ایک مسئلہ اور ایک حدیث عرض کرنی ہے، ایک آدمی اذان کے بعد مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: أما هذا فقد عصى أبا لقاسم ﷺ، فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ اگر وہ مسجد کے دروازے سے باہر ہے تو وہیں سے چل دے، حالانکہ وہ خالی دروازے سے باہر ہے تو ان کے لیے جائز ہے اور مسجد کے اندر ہے تو ناجائز ہے، ایسے ہی مقصد تو ایک ہی ہے اعراض کرنا ہے کس سے، جماعت چھوڑ کر کے چلنا ہے، لیکن ذرا سی ہیئت بدل گئی تو وہاں جواز کا فتوی دیتے ہیں اور وہاں عدم جواز کا، یہ بات مجھے عرض کرنی تھی۔

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی:

لفظ تورق سے ہم لوگوں کو نہیں گھبرانا چاہیے، تورق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن جو اس کی تفصیلات بتائی گئی ہیں وہ تفصیل میں عام بیع سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، اس لیے کہ ادھار خریدنا بھی جائز ہے نقد خریدنا بھی جائز ہے، ادھار، نقد بیچنا بھی جائز ہے، خریدی ہوئی قیمت میں بیچنا جائز ہے، اس سے کم میں بیچنا جائز ہے، اس سے زیادہ میں بیچنا جائز ہے، تو بیع تورق میں کوئی نئی بات نہیں ہے، اس لیے اس لفظ کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کیا ہے، اس لیے اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، جہاں تک بیع عینہ کا سوال ہے جس کو فقہاء نے ناجائز کہا ہے اور اس میں جو حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا جارہا ہے کہ آپ نے کھجور کو نقد بیچ کر پھر نقد خریدنے کی اجازت دی تھی، تو اس میں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ فقہاء نے بیع کی جو شرطیں ذکر کی ہیں، ثمن پر قبضہ ہونا چاہئے، مبیع پر، حضور ﷺ نے حکم دیا اس میں یہ تفصیلات ہیں کہ نہیں؟ کھجور پر قبضہ کیا گیا کہ نہیں، ثمن پر قبضہ کیا گیا کہ نہیں، کہ سب ادھار معاملہ کیا گیا کہ نہیں کھجور کی صرف بیع کی صورت اختیار کی گئی، کہ ایک درہم میں دو کلو ردی کھجور بیچ دی گئی نہ ثمن لیا گیا نہ کھجور دی گئی یا صرف کھجور لے لیا اور اچھی کھجور خرید لیا دو درہم ثمن دے کر، تو یہ سب تفصیلات فقہاء نے جو ذکر کی ہیں تو بیع عینہ کے ناجائز ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ صاحب وہ نقد حاصل کرنے کے لیے کیا جارہا ہے۔ اس لیے کہ نقد حاصل کرنے کے لیے بھی خرید وفروخت کرنا کوئی ناجائز نہیں ہے، عام

طور سے آج کل بڑے بڑے دکانداروں سے چھوٹے دکاندار سامان ادھار ہی خرید کر لے آتے ہیں نقد بیچ کر پھران کی قیمت ادا کرتے ہیں اور خود بھی اپنے پاس منافع رکھتے ہیں، تو نقد حاصل کرنے کے لیے بھی خرید وفروخت کرنا کوئی ناجائز نہیں ہے، تو بیع عینہ کے ناجائز ہونے کی فقہاء نے جو وضاحتیں کی ہیں وہ جہاں پائی جائیں گی اس کو ناجائز کہا جائے گا، تو بیع تورق کی جو تفصیلات ہیں اس میں ناجائز ہونے کی وجہ نہیں ہے اور بیع عینہ کے ناجائز ہونے کی ساری وجوہات بیان کی گئی ہیں، اس لیے دونوں میں فرق پر نظر رہنی چاہیے۔

مفتی زاہد علی:

سؤالي من سماحة الشيخ الأستاذ الدكتور علي محي الدين القره داغي، فقد قال الأستاذ حول التورق الأصلي والتورق المنضبط، ولكن سؤالي أن التورق باعتبار الحقيقة والحيلة وفي بعض الأحيان فيه المكر أيضا، ولكن الاتفاق بين العلماء، الاجماع بين العلماء أن القرض لايباع في صورة التورق. فاعتبار الحقيقة، السؤال مني هل يقع التبادل العملي أ والصوري وما هو هل يقع فيه التبادل العملي او التبادل الصوري فقط، وكذلک سؤال اخر عن التورق المعكوس والمرابحة المعكوسة أيضا وما قال الأستاذ حول هذا الموضوع وما سمعت يمكن أنه قال ولكن ما فهمت، وكنت مع الأستاذ في قطر في التقريب بين المذاهب الإسلامية في سنة الفين وسبع (2007) نعم، فسؤال من الأستاذ الشيخ علي محي الدين القره داغي، فنرحبكم في هذه الحفلة وكذلک في بلادنا أيضا والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته، وكذلک .... الأستاذ أحمد الممدوح أيضا.

مفتی مقصود (رامپوری):

اصل میں تورق کا جو لفظ ہے دیکھنے میں تو بہت چھوٹا ہے مگر اس کا معنی اور مفہوم بہت

وسیع ہے، اس لیے بڑی جلدی سے اور آسانی سے یہ کہہ دینا کہ صاحب بالکل حرام، نہ تو یہ درست ہے اور آسانی کے ساتھ یہ کہہ دینا کہ بالکل جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے یہ بھی درست نہیں ہے، فقہاء نے جو تصریحات فرمائی ہیں اور جو صورتیں ہمارے سامنے ہیں اور یہاں اکیڈمی کی طرف سے جو سوالات اس سلسلہ میں گئے ہیں اور اس کی ایک دو شکلیں یہاں بیان کی گئی ہیں۔

ان دو شکلوں میں ایک شکل یہ ہے کہ اگر ایک شخص بینک سے لوہا خریدتا ہے اور دس ہزار روپئے کی کمی کے ساتھ اس کو فروخت کرتا ہے، بظاہر تو یہ صورت اسی بینک کے ساتھ ناجائز معلوم ہوتی ہے دوسرے کے ساتھ فروخت کرے تو اس کو اختیار ہے، لیکن اس کے علاوہ اور شکلیں ہیں جو ہمارے سامنے نہیں آئی ہیں اور ہم مطلقاً اس کو کہہ رہے ہیں کہ صاحب بالکل ناجائز، یا مطلقاً کہہ رہے ہیں کہ بالکل جائز، جب تک کہ ہمارے سامنے تصریحات نہیں ہوں گی اس وقت تک ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا میری گزارش یہی ہے کہ اکیڈمی اس سلسلہ میں بہت غور وفکر کے ساتھ فیصلہ کرے، چونکہ قرآن پاک اور احادیث میں سود کے سلسلہ میں بہت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ تو سود کا مسئلہ کوئی آسان نہیں ہے کہ آسانی سے اس کو حرام قرار دیا اور جائز کر دیا، قاضی عبدالجلیل صاحب نے جو بات بیان فرمائی ہے اس سلسلہ میں، میں ان سے بہت اتفاق کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں غور وفکر کے ساتھ اکیڈمی کو فیصلہ کرنا چاہیے۔

مولانا عنایت اللہ کشمیری:

سد أبواب القرض وسد باب الربوا لازم علينا كما يلزم علينا سد باب صفقة في صفقة، ويمكن لنا أن نطلب من الكتب شيئاً متبادلاً اخر لهذه العقود المصرفية والبنوک، الضم بالأجزاء والضم بالقيم فعلينا إجراء هذه الاصطلاحات لوجوب زكوٰة بنصاب ورق، لا باسقاط وجوب زكوٰة كيلا يكون حاجة إلى طلب القرض، وفي القرض مفاسدة كثيرة قرض اور سود کا دروازہ نہ کھولا جائے، اس سے بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ چاندی کے نصاب پر واجب کی جائے قرض لینے،

دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی تورق کا کوئی متبادل پیش کیا جائے۔

مفتی عزیز الرحمٰن:

میرے خیال سے خلط مبحث ہو رہا ہے،...... اپنی حاجت کے لیے کوئی چیز خریدتا ہے زیادہ قیمت میں اور دوسرے کو بیچ دیتا ہے تو اس کے جواز میں کوئی اشکال نہیں لیکن زیر بحث مسئلہ میں بینک میں جو رائج شکل ہے کہ وہ اسی بینک سے خریدتا ہے اور اسی کو وکیل بنا کر بیچ دیتا ہے کم قیمت میں۔ اس کے جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، لو أن رجلا يشترى شيئاً بأكثر من الثمن ا لحقيقي ثم يبيعه من شخص اخر فلا إشكال في جوازه ولكن لوأن هذا الرجل يشترى أولاً ثم يبيعه من نفس البائع من هذا الرجل الذى اشترى منه بأقل من الثمن، هذا حرام باطلٌ، والمبحوث والمطلوب في هذا البحث، الذى جري التعامل في البنوک والرجل یوکل البنک بالشراء اولاً ثم يبيع بيعا وبأقل وبأكثر من الثمن۔

مفتی نذیر احمد کشمیری:

حضرات! زیر بحث مسئلہ میں مجھے کوئی رائے نہیں دینی ہے، مجھے صرف ایک پہلو کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے، ایک پہلو وہ ہے جو مولانا مبین الحق قاسمی صاحب نے بیان کیا کہ ہم پر جو مالیاتی نظام مسلط ہے، اس مالیاتی نظام کے تقاضوں کی بنیاد پر کسی حرام چیز کو حلال کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ وہ پہلو انتہائی اہم ہے، لیکن دوسرا پہلو ایک اور ہے جس کی طرف ہم سب کی توجہ ہمیشہ رہنی چاہیے وہ یہ کہ بہت سطحیت کے ساتھ اگر کسی چیز کو حرام کر دیا جائے، تو اس کا ایک نقصان بکثرت سامنے آ رہا ہے وہ تمام طبقے مسلمانوں کے جو دین سے دور ہیں، چاہے وہ مروجہ تعلیمی اداروں سے نکلے ہوئے ہوں، تعلیمی اداروں سے نہ نکلے ہوں، یوروپ کے کسی ملک میں بستے ہوں، ہیں وہ مسلمان لیکن وہ ذہنی الحاد و ارتداد کا شکار ہیں۔ جب ان کے سامنے کوئی صورت آتی ہے کہ صاحب یہ ناجائز ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ اسلام آج کے دور میں

چلنے والا نہیں ہے اسلام جو ہے اس کو صرف عبادات تک محدود رکھا جائے، تو اس لیے اس پہلو کو سامنے ضرور رکھنا چاہئے اور اس پہلو کو سامنے رکھ کر کسی چیز کے حلال و حرام کا فیصلہ ہونا چاہئے۔ لہٰذا اولاً یہ کوشش ہو کہ جب کسی چیز کے ناجائز ہونے کا پہلو غالب آ رہا ہے، تو ناجائز ہونے کا اعلان کرنے سے پہلے اس کا متبادل جیسا کہ امت کا طرز عمل رہا ہے اور مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے قرآن کریم کے حوالہ سے، کہ مفتیوں کا کام صرف اتنا نہیں ہے کہ وہ ناجائز کہیں، پہلے متبادل دکھائیں اور اس کے بعد پھر ناجائز کہیں، اگر متبادل نہیں مہیا ہو رہا ہے تو ناجائز کہنے میں بہت دقت نظر کا مظاہرہ ہونا چاہئے، دونوں پہلو بیک وقت سامنے رہنے چاہئے یہاں سے نکل کر مفتی حضرات کے سامنے جب صورت حال آتی ہے اور اس وقت سامنے والا شخص یہ کہتا ہے کہ بھائی میرے پاس قرض کے علاوہ کوئی شکل نہیں ہے اور یہ ایک شکل تھی اس کو بھی آپ ناجائز کہہ رہے ہیں، متبادل بتایئے مجھے تو اس وقت مفتی عام طور پر بے بسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور خاموشی کے ساتھ گویا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آج کے زمانے میں ہمارا اسلام شاید ساتھ نہیں دے پا رہا ہے، میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تورق مطلقاً جائز ہو، میں اس پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور ملک کے اندر اور باہر کے ارباب افتا اس وقت تشریف فرما ہیں جن کو شریعت کی توضیح و تبیین کرنی ہے تو اس لیے کسی مسئلہ کی معنویت کو سمجھانے کی جب ضرورت پیش آتی ہے اس وقت یہ صورت حال ہمارے سامنے بہت پریشان کن ہوتی ہے، اس پہلو کو ضرور مدنظر رکھا جانا چاہئے۔ اس میں اگر کوئی افراط و تفریط ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔

مفتی جمیل احمد نذیری:

میں نے سوال یہ رکھا ہے کہ کیا کتب فقہیہ حنفیہ میں کوئی ایسی مثال یا کوئی ایسا جزئیہ موجود ہے کہ جس میں بیع کی تعریف مبادلۃ المال بالمال بالتراضی، یعنی مال متقوم کا تبادلہ متقوم سے ہو، رضامندی کے ساتھ ہو اور کوئی شرط فاسد پائی نہیں جا رہی ہو محض نیت اور مقصد کے اعتبار سے اس کو حرام کہہ دیا گیا ہو، یعنی بیع کی ساری شکلیں پائی جا رہی ہیں لیکن صرف نیت اور مقصد کا

لحاظ کر کے اسے حرام کہہ دیا گیا ہو، ایسا کوئی جزئیہ ہے میں اپنی معلومات کے لیے جاننا چاہتا ہوں، بس۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مفتی جمیل احمد نذیری صاحب نے جو سوال اٹھایا ہے تو اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ عصیر عنب کی بیع ایسے شخص سے جو شراب بناتا ہو اور بیچتا ہو، اسی اعانت علی المعصیۃ کی بناء پر جو بیوع میں ممنوع ہیں، اس میں ایجاب وقبول بھی ہوتا ہے، تراضی بھی ہوتا ہے فی نفسہ مال متقوم بھی ہوتا ہے، لیکن اس کی نیت اور قصد کے لحاظ سے فقہاء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

الشیخ علي محي الدین قرہ داغی:

سلام الله عليكم ورحمته الله وبركاته، أشكركم جميعا على هذه المداخلات الطيبة المباركة التى تدل حقيقة على الوعي وتدل كذلك على فقه عميق وفكر دقيق و نظر عميق إن شاء الله، أحاول بشتى الوسائل يعني أن أوجز الكلام إن شاء الله، أولاً بعض الإخوة نحن أنا وأخي فضيلة الشيخ أحمد نشكركم على هذه المحبة لنا كأشخاص وللعرب بصورة عامة، ولكن إخوتى الأحباء! الإسلام لايفرق بين قوم وآخر، إن أكرمكم عند الله اتقاكم، والله سبحانه وتعالىٰ قال لرسوله صلى الله عليه وسلم ولقومه العرب: وإن تتولوا يستبدل قوماً غيركم ثم لايكونوا أمثالكم، فنحن جميعاً أمة واحدة صحيح مثلما قال أخي، العرب لهم فضل السبق، حينما وهو بسبق حائز تفضيلة مستوجب ثنائى الجميل، هذا السبق وسبق العمل وسبق الجهاد أنا اليوم أمس سعدت كثيراً لأنني حقيقة جئت وأنا أشكر إخوتي في المجمع، كنت أريد أن آتي إلى نيو دلهي لندوة الحوار فاذن أنا مررت مروراً بالطريقة التي بدأبها إخوانكم العرب وجاء وا إلى هذه المنطقة، أحمد آباد وغوجرات هي المنطلق

الأول لنشر الإسلام ففرحت كثيراً وأنا أول زيارة لهذه المنطقة أمر على هذ الطريق وطريق أجدادنا وابائنا، جزاهم الله خيرا كان لهم فضل بسبب الدعوة، بسبب الجهاد، فلذلك أنا أتذكر أن شيخنا أبا الحسن علي الحسني الندوي رحمة الله عليه جاء نا في جامعة الإمام الأعظم في بغداد قبل، يمكن في حدود أكثر في الستينات، حوالي قريبا من أربعين سنة خمس وأربعين سنة في رحلته، أظن قبل هذا، فقال: أيها العرب أنتم أتيتم بهذه الدعوة إلى بلاد الهند، ونحن الأن نعود إليكم، نقول قوموا بواجبكم نحن أنفسكم ونحن إخوانكم فنحن أيها الإخوة الأحباء يجب أن نسعى جاهدين للدعوة إلي الله سبحانه وتعالى، بالنسبة للموضوع الأخر يعني مسألتنا ليست سياسية بمجرد، اختصار أن الإتحاد االعالمي لعلماء المسلمين الذي يرأسه فضيلة الشيخ القرضاوي والفقير إلى الله علي قره داغي رئيس يعني الجانب الخاص بقضايا الأقليات والاتحاد، قمنا بما يمكن القيام به لخدمة إخواننا في غزة، زرناالملوك وحاولنا حتى أن نصل إلى غزة وإن شاء الله كعلماء او كمنتسبين إلى أهل العلم، نيابة عنكم يعني لايمكن أن نكتم الحق ونقول الحق ولو على أنفسنا، فهذه كونوا مطمئنين بأن علماء الأمة إن شاء الله لايألون جهدا في خدمة قضاياهم في أى مكان كان نحن امتنا واحدة، وقضيتنا واحدة وإن كانت قضيتنا الأولى هي قضية فلسطين لأنها تتعلق ببعد ديني، تتعلق بالمسجد الأقصى، سبحن الذي أسرى بعبده ليلاً من المسجد ا لحرام إلى المسجد الأقصى، انتقل من فقه سياسي إلى فقه المعاملات، إخوتي الأحباء، بعض الإخوة الكرام أبدأ بالتسلسل، تكلم عن بيع وشرط لدى المذهب الحنفي، وأنا أقول يعني المذهب الحنفى حافظه والحمد لله. ليس كل شرط مرفوض،

عند الحنفية، إما الشرط إذا ورد به النص او ورد به الإجماع أو ورد به العرف فهو معتبر، وكذلك إنما الشرط إذا كان منافيا للعقد أولم يجربها العرف فهذا هومحل الإشكال، وبالمناسبة نحن في مجمع الفقه حينه حرمنا التورق المنظم لأنه تداخلت الشروط كلها، لكن في التورق العادي المنضبط مفصول، هذا بيع وهذا بيع اخر، فليس بينهما ارتباط، والشروط إنما توثر إذا ربط وعلق العقد عليها، فلذلك إذا وفرنا الشروط فليس هناك إشكالية لافي المذهب الحنفي ولا في بقية المذاهب، بعض الإخوة شكك في الجمهور وقال إن التورق جائز عند الجمهور فمن هم، يا أخي الكريم الجمهور كما أقول، الحنفية ماعدا الإمام محمد بن حسن الشيبانى وقد ثبت ذلك عنهم، والجمهور عند الحنابلة ونص عليه الانصاف أخي الكريم، إقرأ كتاب ،الانصاف، وتكلم فيه تقريباً غالبية علماء الحنابلة رجحوا التورق، غالبية قول، رواية مرجوحة وعنه، رجحه شيخ الإسلام ابن تيمية فقط وابن القيم حتى وبالمناسبة لما تابعنا ابن تيمية في مجموع الفتاوى حضرتكم تابعوه، وجدنا أن هجمته على التحاول عن طريق التورق، إخوتي الكرام جميع التجار يتورقون يا إخوتي، كل تاجر يتورق، أنت كتاجر تشترى بضاعة هل تحتفظ بها، مستحيل ...... إنما هي كما قلت مناط، أنتم حضراتكم كما تعرفون مناط العلة وتحقيق المناط، المناط في هذه المسألة أنه هو هل الشروط متوافرة أم لا، إذا متوافرة صحيح، إذا لم تتوافر ليس بصحيح، الأخ الكريم قارن بين بيع الخمر وبيع، هذا لايجوز ياشيخ، الله سبحانه وتعالى حرم الخمر وقال ً وهذا لايدخل في البيع، لأن الخمر ليست مالاً، بينماالحنفية وأنتم الأحناف يقولون إن الخمر مال إذا كانت عند الذمي، ولّوهم بيعها ولا

لا، فلذلک المسألة یاشباب یعني لیست بهذه الصورة البسیطة یعني کیف الاصل وأحل الله البیع إما "أل" للجنس أی جنس البیع ویشمل کل البیوع أو أنه للاستغراق فیکون کلیاً إلا ما استثنی بدلیل فلیس هناک دلیل أما الخمر فهي محرمة، فلذلک لایجوز بیعها، الأخ الکریم، اشترط وتکلم، أتی بقاعدة فقهیة، لکنها لم ینزل القاعدة الفقهیة علی الواقع، أتی بقاعدة فقهیة قال العبرة في العقود والتصرفات بالمقصاصد والمعاني لا بالألفاظ والمباني، هذه قاعدة ذکرها السیوطي وذکرها الإمام ابن نجیم ولکن المقصود به غیر هذا، المقصود بهذه القاعدة عند الحنفیة بالذات أننا لاننظر إلی الکلمة الواحدة، إنما ننظر إلی مجموع الکلمات مثلاً هذا مثالهم أنظر إلی الأشباه والنظائر یقول: لوقلت وهبت لک هذا الکتاب بعشرة دراهم فقال هذا بیع، لأن هناک من یقول هذا تناقض، الهبة تقتضي عدم المبلغ، عدم العوض، والمبلغ وجود متناقض فیبطل، الحنفیة یقولون لا، نحن ننظر إلی مجموع هذه الکلمات وما یدور وما یقصد منها ثم بعد ذلک نصل إلی نتیجة ولیس المقصود بهذه القاعدة، القصد المعنوي، وأنا کما قال أخي الحبیب فی رسالة الدکتوراة في مبدأ الرضا في العقود، وتحدثت أن الحنفیة لا یشترطون الرضا ولا الاختیار في العقود التي لاتقبل الفسخ کما هو الحال في النکاح والطلاق، النکاح عند الحنفیة والطلاق عند الحنفیة تصح في حالة الخطأ وفي حالة الإکراه ولا لا ولیس هناک العقود المالیة أی یسمون العقود التي تقبل الفسخ أی المصطلح الحنفي إش مقصود بها یقول الرضا شرط ولیس رکناً وإنما المعتبر بالاختیار، وما هوالاخیتار کما یقول الإمام البزدوي، الاختیار هو قصد اللفظ، إظهار اللفظ ولیس قصد القلب، القصود القلبیة لاقیمة لها عند الحنفیة

وعند الشافعية كذلك في العقود، في المعاملات، إنما القصد بينك وبين ربك، إنما أنا أحكم عليكم بالظاهر، أنت قلت الآن بعتُ أقول أنت أنك بعت ...... لذلك يجب حينما نسند الأقوال إلى مذاهب كبار الحنفية يجب أن نكون دقيقين في هذه المسألة، وأيضا أخي الحبيب يا ليت أنا أقول دائما ياليت أننا نكون خدماً لأمثال أبي حنيفة رحمه الله والإمام أبي يوسف وإمام محمد بن الحسن الشيباني وإمام الشافعي وأحمد ومالك وكل الأئمة رحمهم الله، خاصة ا لحنفية كان عندهم فكرة عالجوا قضايا عصرهم ونظروا إلى المستقبل، لم يكتفوا بمعالجة العصر ...... كم نحن متخلفون، نحن إلى الآن مانعالج قضايانا، الحنفية قالوا لو أن رجلاً مشرقياً تزوج امرأة مغربية في المغرب عن طريق الوكالة ومات صباحاً ثم ولدت هذه المرأة بعد ستة أشهر ولداً فإن هذا الولد يسند إليه لاحتمال أن هذا الرجل طوال هذه الساعات بالليل طار إلى المغرب وقام بالواجب ورجع صباحاً ومات في مكانه، اليوم بطائرة وفعلاً هناك شخص بل حاكم في إحدى الإمارات العربية هو له زوجة في المغرب ويخاف من زوجته في هذه الإمارة فيركب طائرته، مساءً بالمغرب ويروح ثم يرجع صباحاً ويقوم بالواجب ...... الحنفية قالوا رحمهم الله ...... لو أن رجلاً طار فوق العرفات هل يحسب له الوقوف، قال يحسب له الوقوف، لأن الطيران في هذا المكان بمثابة الوقوف، لأننا لانشترط فيه هم الثبات وإن كان يجري ويستشهدون بحديث المدلِج أو المدلَج عفواً الذي جاء وقال هو يمشي ويجري، الحنفية قالوا لو أن شخصاً طاف حول الكعبة المشرفة طيرانا طار فإن طوافه مقبول، فإنهم سبقوا عصرهم، الحنفية طوروا الاستثناء، وأنا رأيت أحد المستشرقين ماذا يقولون، يقول إننا وهذا أبو يوسف بالذات رحمه

الله وأنا استشهدت بالمناسبة البحث الذى نال مناقشة مجمع الفقه الإسلامي الدولي كما يقول الذين حضروا هو بحثي وإني أثبت بأن الإمام أبا يوسف رحمه الله له رواية بأنه يقول في هذه الرواية أن عقد الاستثناء ملزم من حيث هو العقد، وأخذنا بهذه الرواية في / مجمع الفقه، يقول أحد المستشرقين في الوقت الذي كان أبو يوسف رحمه الله والعلماء ينظمون الاستثناء، عقد الاستثناء كنا نحن في الغرب، نعيش في عصر الظلام ثم ينظمون عقدا لاستثناء لأنه كما لايخفى على حضراتكم، عقد الاستثناء هو داخل في السلم، السلم صعب لابد من تسليم الثمن في المجلس عند الحنفية والشافعية والحنابلة وعند المالكية ثلاثة أيام يجوز تاخيره هذا صعب، فالحنفية طوروا هذه الفكرة من السلم قال دخل فيه العمل، ومادام دخل فيه العمل خرج من السلم ولم يشترطوا تسليم الثمن، متأخروا الحنفية وأنا لست معهم أجازوا بيع ...... الحاجة الناس، الإمام محمد بن الحسن الشيباني كان يجيز النجاسة بالربع أنه لايصير الربع، لما رحل خراسان عاين المشاكل قال يا أخي حتى ولو وصل إلى النصف ...... أدوار وحاجة الناس إخوتي الكرام! أنتم أين تعيشون؟ الأن نحن نعيش في عالم يعني يسود فيه النظام.الاقتصادي، الاقتصاد معهم، لا اقتصاد بدون بنوک كانوا يقولون ولابنوک بدون فوائد، اليوم أثبتت المصارف الإسلامية أن هناک بنوكا بدون فوائد وإن كان فيها شئ من المخارج الفقهية فلذلک نحن ننطلق، هذا تدرج، ياليت الأن نحن وأنتم تسعون لإنشاء بنک إسلامي هنا في الهند، هند الحضارة وهند البركة والخير، تنشؤون بنوكاً إسلامية وإن كان الالتزام فيها تسعين بالمأة أحسن من أن يكون الكل حرام مأة بالمأة، تدرج مطلوب يا إخوتي الأحباء فلذلک أنا

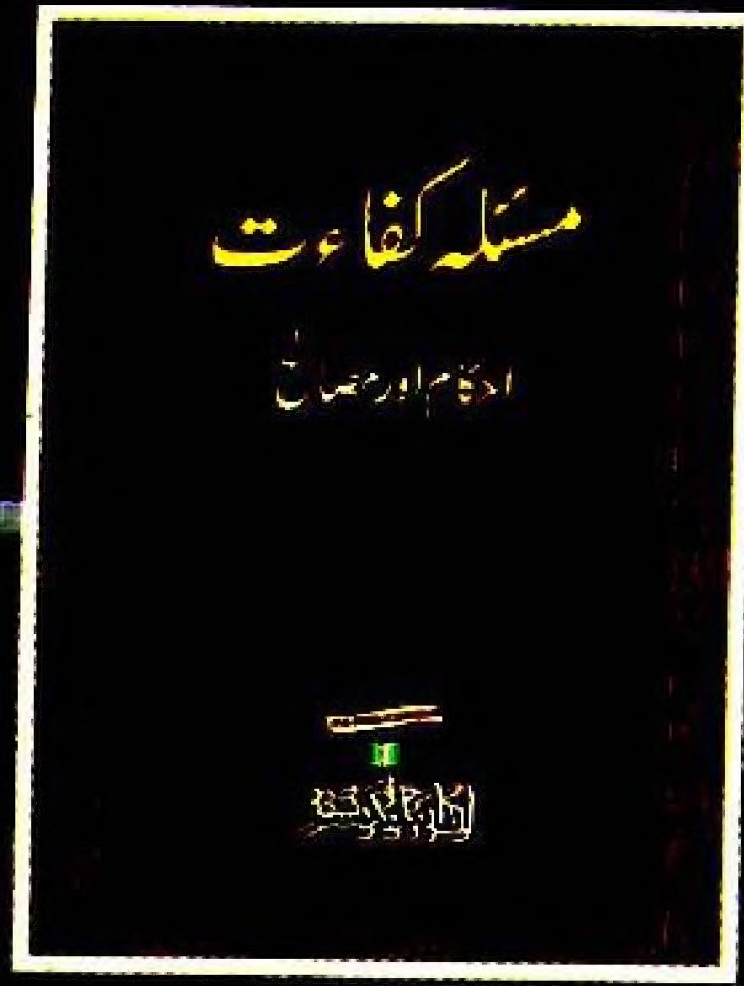
أقول احتياط، علمائنا أنظر إلى فقه الحنفية الاحتياط بنسبة الأفراد، أما الجماعة والأمة والدولة لا تأخذ بالاحتياط أخي تأخذ بما هو الأصلح، بما هو الأنفع، بما هو يحقق الخير، أيضا بالمناسبة ليس كل مايؤخذ من الغرب سيئا وليس كل نظام رأسمالي سيئاً نحن عندنا معيار، إذا أى شئ. الحكمة ضالة المؤمن، الحكمة تشمل كل الخير فهو أحق بها أنّى وجدها والقران الكريم أكد وزين وجمل كلام هذه المرأة قبل إسلامها، عفواً ملكة سبا بلقيس: إن الملوك إذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة، هذاكلام رب العالمين في القران وكذلك يفعلون يعني هذا كلام صحيح، وأضاف القران الكريم وللغيب اوللغير بأن الملوك في حالة الحرب إذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة .... فإذا كان الكلام جيداً ...... والخطوات العملية جيدة من أي جهة كانت إذا ما تتعارض مع أحكام شريعتنا ما تتعارض مع نص قطعي أو إجماع، فنحن نناقشه ونقبله، وهذا .... كل شئ، فلذلك إخوتى الأحباء يجب أن ننطلق مثلما قال أصحاب الفضيلة .... أننا نحن الشئ إذا لم يكن فيه مخالفة شرعية ليس فيها شئ، هل يوجد بنك إسلامي يطبق التورق المنضبط، نعم، يوجد بنوك كثيرة تطبق أنا الأن في قطر وأنا مشرف علي عدد كبير من البنوك الإسلامية يسلمون البضاعة لشخص بعدئذ يتصرف فيها / ...... أنا الأن كبنك اشتريت البضاعة السيارة من شركة ...... وسلمتها لفضيلة الشيخ وهو يتصرف .... إذن بالنسبة للبنك مرابحة وبالنسبة لهذا الشخص تورق، وهذه النية ليست محرمة ابن القيم نفسه، ابن القيم الذي هاجم هجوماً عنيفاً، الحيل قسم الحيل إلى قسمين، حيل مباحة وحيل محرمة، الحيل المباحة هي المخارج التي نصل من خلالها

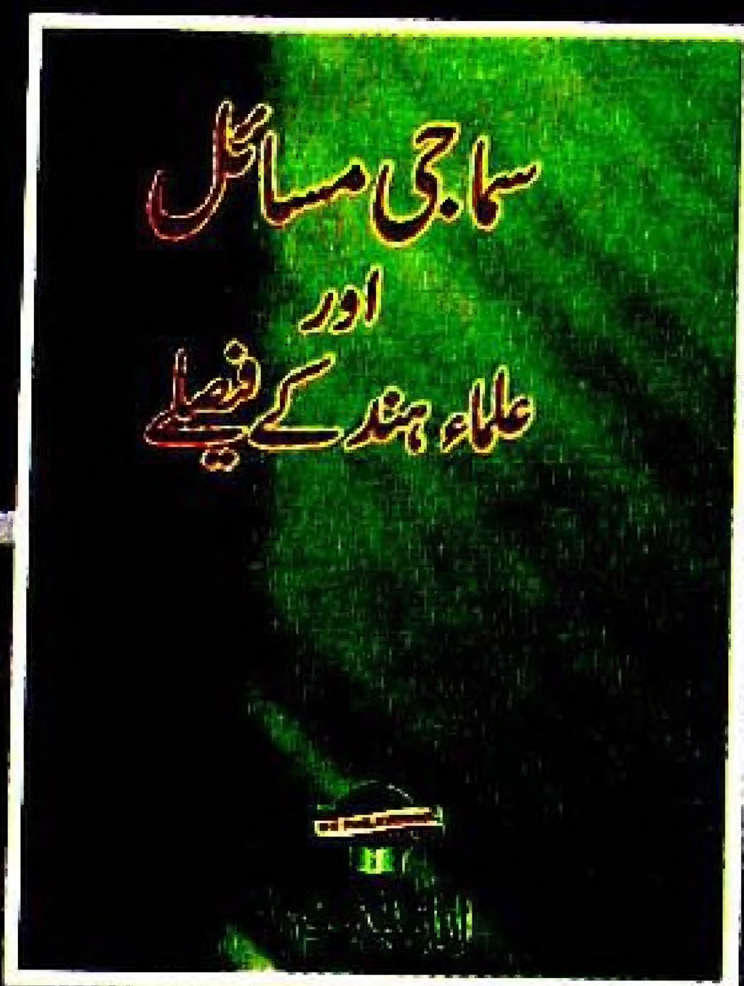
إلى شئ مشروع، والغاية مشروعة والوسيلة مشروعة الحصول على النقد مشروع والغاية بعقدين منفصلين منضبطين مشروعان الغاية .... والوسيلة مشروعة فبالتالي مادامت المقدمة صحيحة، دائماً الغاية تتبع هذه المقدمات والنتيجة تتبع هذه المقدمات، كما لايخفى على حضراتكم، فلذلك يعني هذا نعم. الأحكام الشرعية في المعاملات أيها الإخوة الأحباء! يعني متطورة مرنة، لها مبادئ وثوابت، وأنا أفهم حقيقة من أن الله سبحانه وتعالى في القرآن الكريم وسع في دائرة العقائد وأحكام الأسرة ولكن لم يذكر إلا المبادئ في دائرتين:

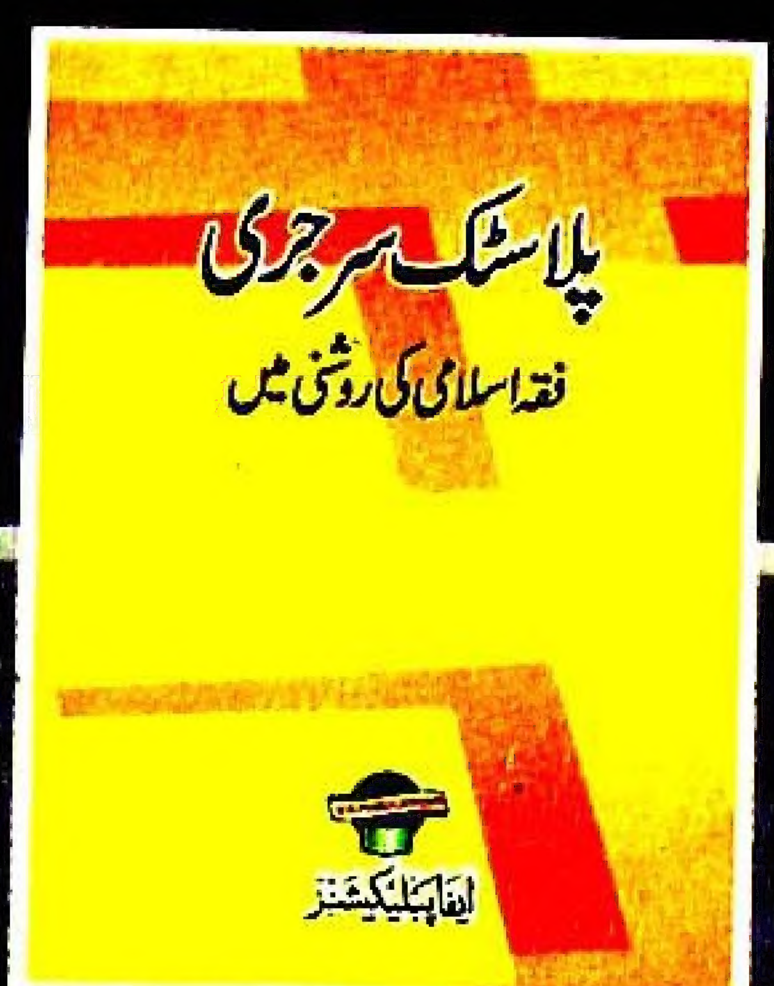
دائرة القضايا السياسية ودائرة المعاملات، لماذا حتى يترك لنا المجال وإلا، الله قادر على أن ينزل علينا نصوصاً مثل مانزل في قضية العقيدة أو في قضية الأسرة، يعني في الأسرة وصلت المسألة إلى أن يعالج القرآن قضية إمرأة خافت من بعلها نشوزاً، وإن امرأة خافت من بعدها نشوزاً أو إعراضاً فلا جناح عليهما أن يصلحا بينهما صلحاً، والصلح خير، وأحضرت الأنفس الشحُ، بينما لم يدخل ...... حتى يترك لنا المجال، كذلك في باب السياسة، الله سبحانه قال بأن محمداً صلى الله عليه وسلم يموت، وما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل ولكنه لم ينزل مجموعة كبيرة من القضايا اختيار الحاكم وكيف؟ لماذا؟ لأن هذه المسائل متطورة مرنة ...... أيها الإخوة الأحباء! لأنه هذا هو المنهج ...... عندنا في الإسلام منهج مهم جداً، عندنا نصوص قطعية هذه مبادئ وثوابت مثل العمود الفقري للإنسان مثل الهيكل العظمي للإنسان، وعدة نصوص ظنية وهي الأكثرية، ظنية الدلالة، ظنية الثبوت ظنيتين: دلالة والثبوت بالعكس ثلاثة أنواع هذا حتى نجتهد فيها، حتى

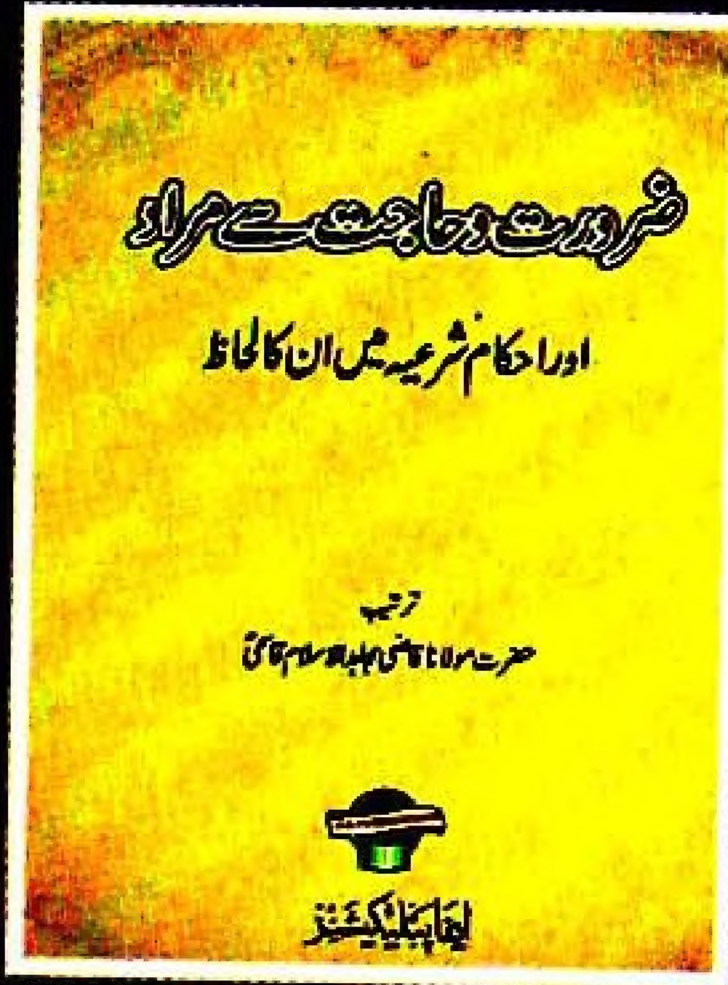
نجري فيها اجتهادات جديدة نعم معاني جديدة، وعندنامنطقة كما قال سيدنا سلمان الفارسي رضى الله عنه منطقة العفو قال.ما أحل الله في كتابه طبعاً والسنة معه فهو حلال وماحرمه فهو حرام وماسكت عنه إش فهو عفو، عفو يعني مطلوب، فلماذا يترک للإجتهاد حتى نحن نجتهد فيه بكل مانستطيع، ونحن اليوم أحوج مانكون إلى النظام الاقتصادي ولاسيما بعد انهيار النظام الرأسمالي. علينا أن نبدأ – ولعلم حضراتكم العلم ينمو لايمكن أن يبدأ بمرة واحدة، لو أبو حنيفة رحمه الله وقفنا عنده ما استطعنا أن ...... من الذي كمل المذهب، أبو يوسف رحمه الله، محمد بن الحسن الشيباني، زفر، ثم بقية العلماء المتأخرين وهكذا، فالمذهب ...... ونحن الأن الحمد لله في دائرة الفقه المقارن فلا بد أننا نبدأ بهذه الأشياء. التورق المعكوس والمرابحة أنا طولت شويها– سامحوني، التورق المعكوس والمرابحة صدرلي قرارٌ بأن المرابحة العكسية يعني إن كانت عن طريق السلع الدولية وهي مايسمى بالمرابحة، مانجد مجالاً لشرحها، أما التورق المطلوب هو يكون البنک هو الذي يعمل لنفسه فإذا كانت المرابحة أو التورق المطلوب أو العكس يتم من خلال مجموعة من الأوراق دون الحقيقة فهى محرمة وقد صدر قرار بأن المرابحة العكسية بصورتها المعّرفة في قرار المجمع محرمة وأن التورق المطلوب محرم، لأن التورق المطلوب له معنيان حقيقة، قلب الدين أو المطلوب فكلاهما بصورة حالية محرم نحن نتكلم عن التورق المنضبط وعن التورق الغير المنضبط، هذا ما أردت بيانه وبارک الله فيكم والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

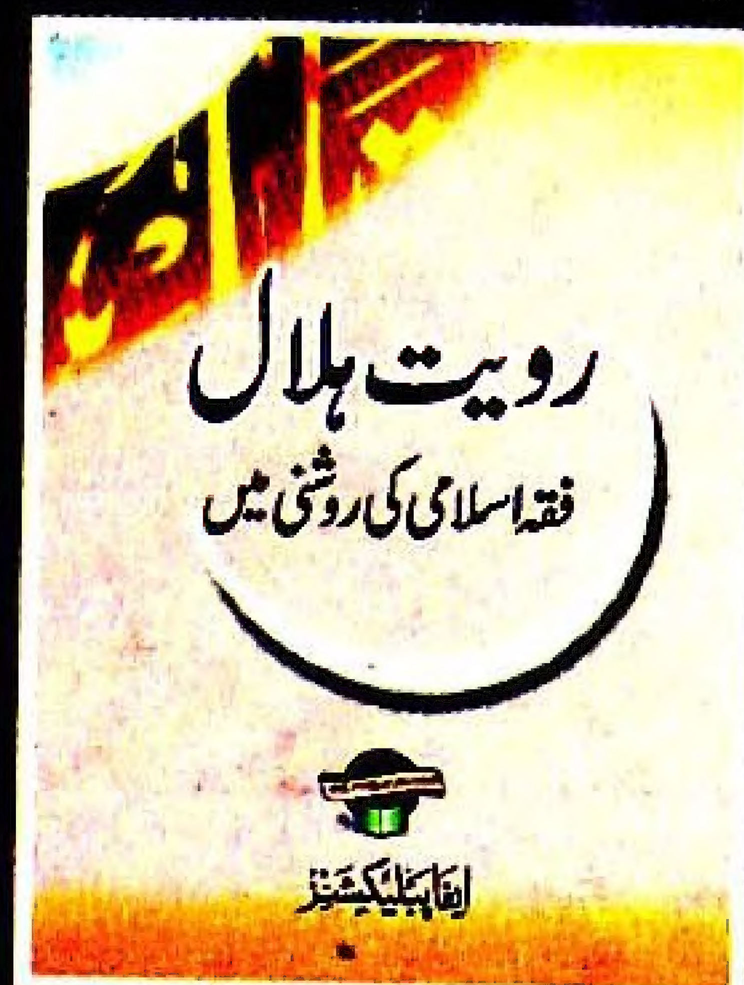


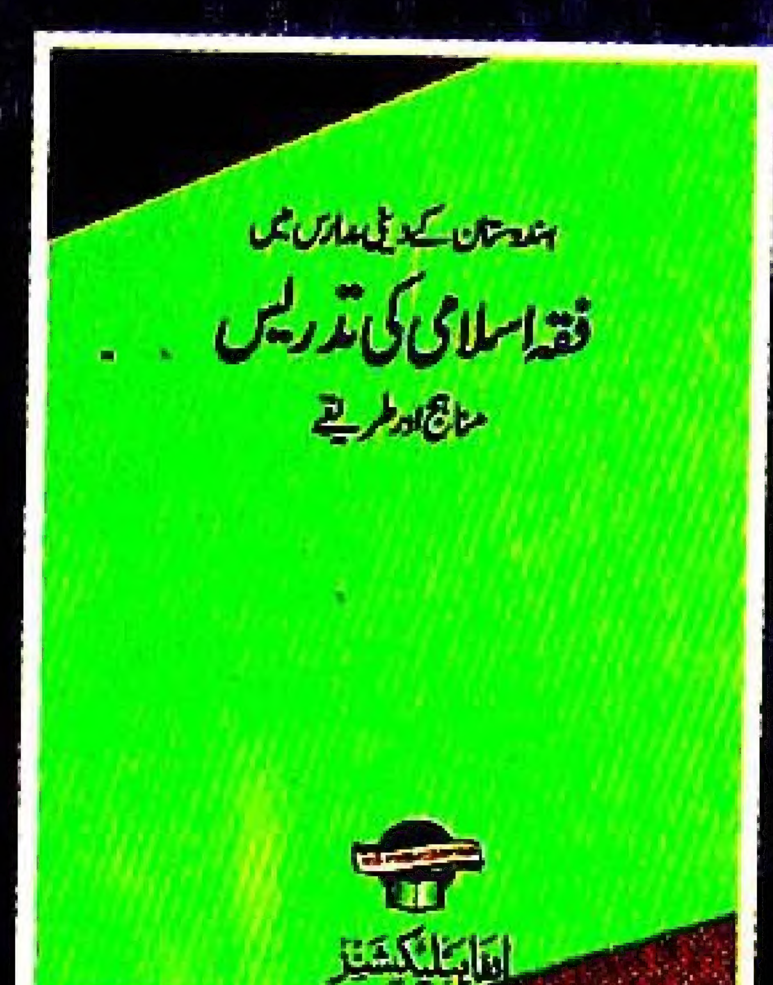


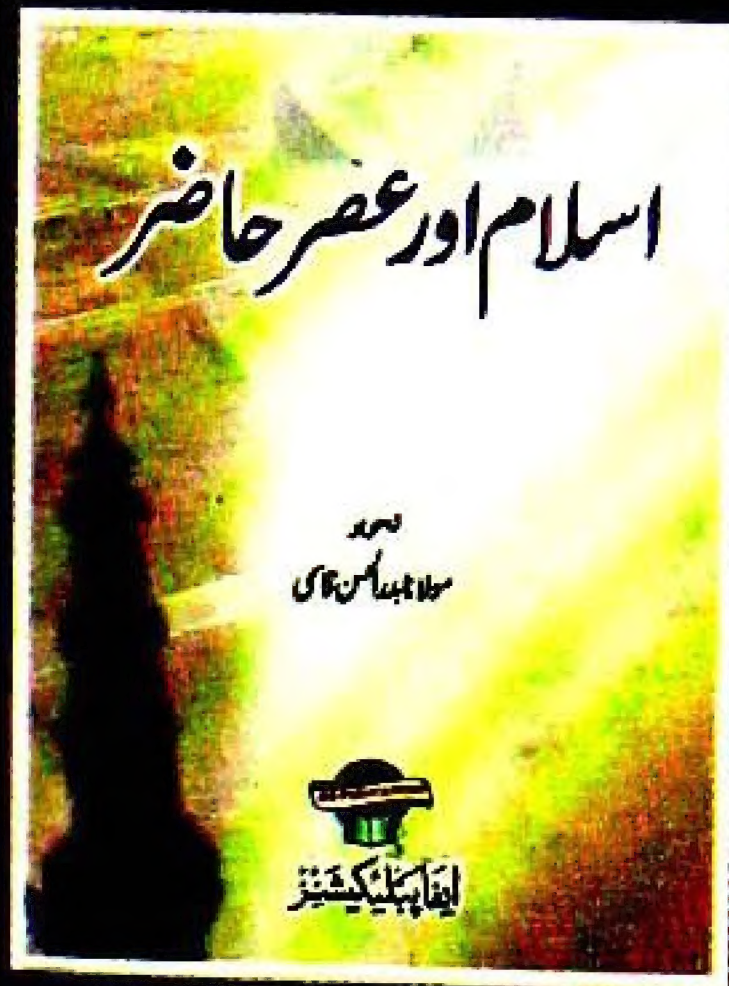


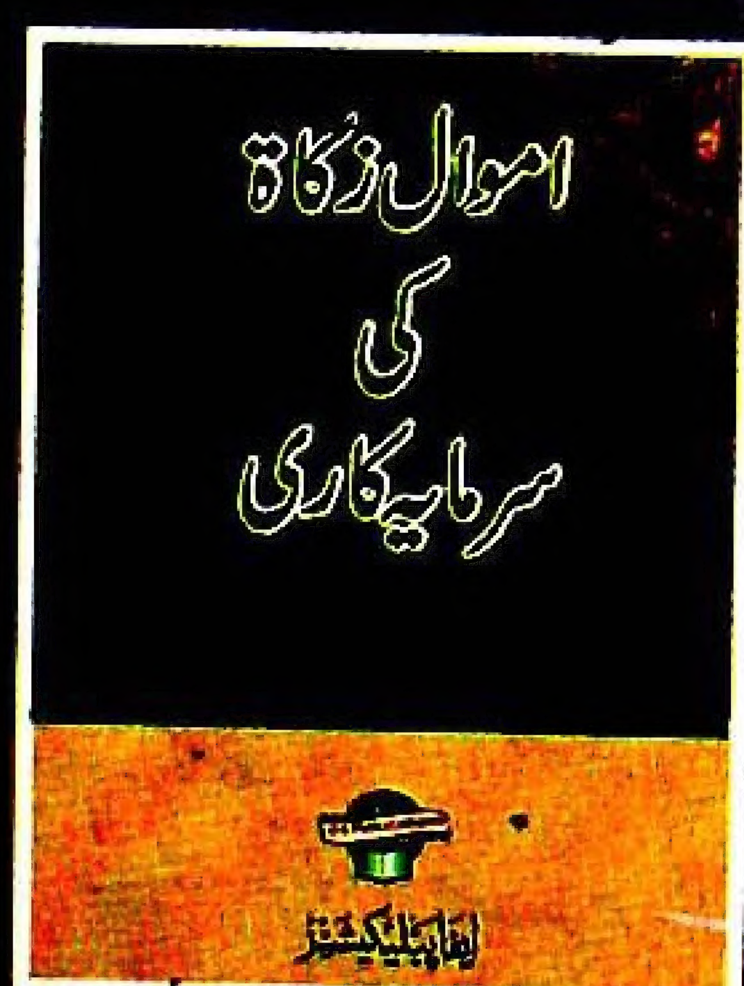


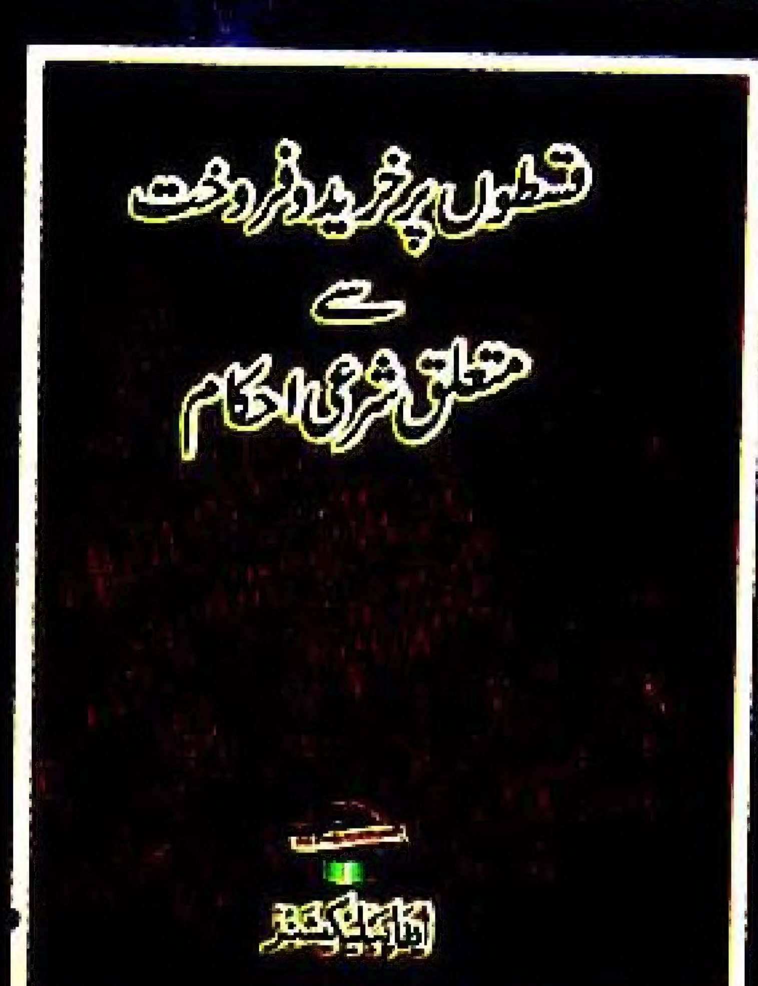














IFA Publications

161 - F, Basement, Joga Bai, Post Box No - 9708,

Jamia Nagar, New Delhi - 110025

Tel : 26981327 Email:ifapublications@gmail.com